جلد نمبر 17 شمارہ نمبر 11 جولائی 2017ء

ABC Certified

APNS

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

مینجنگ ایڈیٹر: بشریٰ مسرور

ایڈیٹر: محمد طلحہ مسرور

اسسٹنٹ ایڈیٹر: کشائش مسرور

بزنس ایگزیکٹو: مسرور احمد
0321-5011568

سرکولیشن منیجر: عمران خان
0321-8772002

شعبہ اشتہارات

مارکیٹنگ منیجر کراچی: ریاض مرزا
0323-2895528
سلیم قریشی، سیدہ راضیہ شاکر، رانا عبدالحمید

ایڈورٹائزنگ منیجر پنجاب: ثاقب بخاری
0323-5352523
0307-4400851

فوٹوگرافر: طاہر چوہدری
0321-4320844

لے آؤٹ: شہزاد علی

قانونی مشیر: ایڈووکیٹ ہائی کورٹ
کرامت علی خان

نوٹ: قیمت فی پرچہ (پاکستان) 60 روپے (سعودی عرب) 20 ریال یا مساوی متحدہ عرب امارات 20 درہم، زر سالانہ (اندرون ملک) 700 روپے

ایڈیٹر و پبلشر بشریٰ مسرور نے زاہد بشیر پرنٹرز سے چھپوا کر لاہور سے شائع کیا۔

Head Office: Suite#1, 4th Floor, Block No.12 Mian Chambers, 3-Temple Road, Lahore
Ph (042) 36280130 Email: Rayshamdigest@gmail.com

Bureau Office: Plot No: 12/C, Seher Commercial, Lane No 1, DHA Phase 7
Karachi. Ph: 021-35854445

ماہنامہ ریشم ڈائجسٹ کی سالانہ خریداری پر زبردست رعایت

-/380 روپے کی یقینی بچت

اگر آپ کے گردوپیش میں ماہنامہ ریشم کا کوئی ایجنٹ موجود نہیں تو فکر مند ہونے کی قطعی ضرورت نہیں۔ ہم آپ کو ریشم ڈائجسٹ کے تمام شمارے گھر بیٹھے بذریعہ ڈاک بھیجیں گے۔

12 شماروں کی قیمت	ڈاک خرچ	کل رقم	بچت	سالانہ قیمت
720/-	360/-	1080/-	380/-	700/-

برائے مہربانی یہ فارم پر کرنے کے بعد ایک لفافے میں بند کر کے سرکولیشن منیجر ماہنامہ ریشم ڈائجسٹ کو نیچے دیے گئے پتہ پر ارسال کر دیجئے۔ (شکریہ)

نام ______________________________

پتہ ______________________________

____

فون نمبر ______________ موبائل نمبر ______________

میں ریشم ڈائجسٹ کا سالانہ خریدار ماہ .... سے بذریعہ ڈاک بننا چاہتا ہوں اور .... Rs

کا منی آرڈر / بینک ڈرافٹ "Monthly Raysham" کے نام ارسال کر رہا ہوں۔

Suite#1, 4th Floor, Block No.12 Mian Chambers, 3-Temple Road, Lahore
Ph (042) 36280130 Email: Rayshamdigest@gmail.com

ماہنامہ ریشم ڈائجسٹ کی سالانہ خریداری پر زبردست رعایت

/380 روپے کی یقینی بچت

اگر آپ کے گردونواح میں ماہنامہ ریشم کا کوئی ایجنٹ موجود نہیں تو فکرمند ہونے کی قطعی ضرورت نہیں۔ ہم آپ کو ریشم ڈائجسٹ کے تمام شمارے گھر بیٹھے بذریعہ ڈاک بھیجیں گے۔

12 شماروں کی قیمت	ڈاک خرچ	کل رقم	بچت	سالانہ قیمت
720/-	360/-	1080/-	380/-	700/-

برائے مہربانی یہ فارم پُر کرنے کے بعد ایک لفافے میں بند کر کے سرکولیشن منیجر ماہنامہ ریشم ڈائجسٹ کو نیچے دیئے گئے پتہ پر ارسال کر دیجئے۔ (شکریہ)

نام ______________________

پتہ ______________________

____

فون نمبر ____________ موبائل نمبر ____________

میں ریشم ڈائجسٹ کا سالانہ خریدار ماہ .... سے بذریعہ ڈاک بننا چاہتا ہوں اور Rs..............

کا منی آرڈر / بینک ڈرافٹ "Monthly Raysham" کے نام ارسال کر رہا ہوں۔

Suite#1, 4th Floor, Block No.12 Mian Chambers, 3-Temple Road, Lahore
Ph (042) 36280130 Email: Rayshamdigest@gmail.com

اداریہ

بارشوں کے موسم میں..... آسماں برستا ہے لیکن.....!
ساون کی جھڑی آسمان سے ہی نہیں..... آنکھوں سے بھی برستی ہے اور رونے کے لئے آنکھ ہی نہیں..... دل بھی ہوتا ہے اور دل بے سبب نہیں روتا.....!
کبھی یاد..... زخم بن کر دھڑکنوں پہ دستک دیتی ہے..... تو ایک ایک کر کے یادوں کے دریچوں سے، ماضی کی چمکتی ریت صاف ہونے لگتی ہے۔ دُھندلائے ہوئے مناظر..... جیتے جاگتے کردار بن کر، آنکھوں کے سامنے لہراتے ہیں..... منجمد سماعتوں میں..... کچھ شناسا سرگوشیوں کے راز و نیاز سرسراتے ہیں..... اور ساون کی پہلی بوند خوشبو بن کر ان یادوں میں وہ رس گھولتی ہے کہ زندگی کی تپیا اور رائیگانی کا احساس، وجود سے ٹوٹ کر..... اُفق پر اُڑتے کسی پرندے کا وہ ناکارہ پَر بن جاتا ہے، جسے پرندہ پلٹ کر کبھی نہیں دیکھتا۔
ساون یادوں کا خزانہ بن کر جلترنگ کی طرح ہمارے اِردگرد بجتا ہے..... تو بے خواب آنکھوں میں سر پھوڑے کئی کہانیاں آس کی خوشبو میں سر اُٹھاتی ہیں..... کلام کرتی ہیں..... سوال کرتی ہیں..... کچھ بے مہر..... روز و شب کی اُلٹی گنتی میں سبھی کچھ بھول کر بے گانگی سے کہتے ہیں.....!

دُنیا نے تیری یاد سے بے گانہ کر دیا
تجھ سے بھی دِل فریب ہیں غمِ روزگار کے

اور کچھ وہ جو اپنی ذات میں تقسیم در تقسیم ہونے کے باوجود ساون رُت میں..... یادوں کے اوراق پلٹنے کو زندگی گردانتے ہیں..... جن کی آنکھیں مسکراتی ہوں..... ان کے خزینے بہت ہی گہرے ہوتے ہیں..... ایسے ہی گہرے خزینوں پر برسنے کے لیے ساون ایک بار پھر..... آپ کے منہ سے خوش آمدید سننے کا منتظر ہے.....!

بشریٰ مسرور

HAPPY SAWAN
230
ریشم کا باورچی خانہ
ہما نواب خان
242
رنگ میں بھنگ
انجم انصار
244
رنگ خیال
شاہ روم خان ولی
248
ریشمی سندیسے
249
آپ کے روبرو
پرنس افضل شاہین
روبینہ رضا
253
روحانی معالج
254
خود کلامی
250
آپ کے اوراق
عبداللہ مسرور
259
باتیں صحت کی
ڈاکٹر اظہر سعید
262
اسپرین کے کمالات
ریما نور رضوان
264
بی بی کی بیوٹی ٹپس
کشائش مسرور
260
الجھنیں
270
خواص
کھجور
271
رنگ سخن
شاہ روم خان ولی
273
عید سروے
ریما نور رضوان

حمد باری تعالیٰ

جس کو خدائے پاک کی مدحت نصیب ہے
اس شخص کو سکون کی دولت نصیب ہے

دنیا و آخرت میں وہی کامیاب ہیں
تیرے کرم سے جن کو عبادت نصیب ہے

ہم کیوں نہ اس کی بندگی کا حق ادا کریں
جس کے کرم سے ہم کو یہ صحت نصیب ہے

کتنے ہی خوش نصیب ہیں وہ لوگ دوستو
جن کو قرآن پڑھنے کی نعمت نصیب ہے

تیرے ہی نور پاک سے دنیا میں روشنی
تیرے کلام پاک سے برکت نصیب ہے

کیا اس کے دل میں اور کوئی ہو گی آرزو
جس کو خدائے پاک کی قربت نصیب ہے

شاہد خدا کا شکر ہے ان شاعروں میں ہوں
حمد و ثناء کی جن کو سعادت نصیب ہے

(غضنفر علی شاہد، منگلا کینٹ)

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

کیے جاؤ کہ ہیں سرکارؐ کی باتیں خزینہ
کہ ہیں میری نگاہوں میں مری نعتیں خزینہ

بنا دیتی ہے خاک در سبھی اشکوں کو موتی
در آقاؐ پہ ہیں اشکوں کی برساتیں خزینہ

جو عاشق ہیں سمجھتے ہیں درودوں کو جواہر
نبیؐ کا ذکر ہو جن میں ہیں وہ راتیں خزینہ

جو ہیں منسوب انؐ سے ہیں وہ یادیں بیش قیمت
مدینے کی فضاؤں سے ملاقاتیں خزینہ

مرے حصے میں آئی ہے بڑی انمول دولت
مرے ہونٹوں پہ ہیں میری مناجاتیں خزینہ

جنہیں حاصل ہے ایماں کا خزانہ، جانتے ہیں
مدینے سے جو لاتے ہیں وہ سوغاتیں خزینہ

نہ بھولوں گا ندیمؔ ان کو ساری عمر ہر گز
وہاں جتنی ہوئی ہیں وہ مداراتیں خزینہ

(ریاض ندیم نیازی، سبی)

روشن مستقبل آپ کی دہلیز پر
اگر
خواب ستاروں کی مانند ہیں تو ان پر کمند کیسے ڈالی جائے......
آپ پُرکشش شخصیت کی مالک ہیں اور کیمرے سے نظریں ملا
کر ماڈلنگ کی دنیا میں تہلکہ مچا دینے کا عزم رکھتی ہیں تو....
ماہنامہ
ریشم
کا سرورق ان ادھورے خوابوں کو حقیقت کا روپ دے کر منزل
تک پہنچنے میں معاون ثابت ہو سکتا ہے۔
ماہنامہ
ریشم
Suite#1, 4th Floor, Block No.12 Mian Chambers, 3-Temple Road, Lahore
Ph (042) 36280130 Email: Rayshamdigest@gmail.com

دین اور دنیا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارکہ پر ایک منفرد بیان

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ. (الحجر:۸۷) وَقَالَ اللّٰهُ تبارک وتعالیٰ فِیْ مَقَام آخر.

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى. مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى. وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى. اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى. (النجم: ۱،۴)

''اے حبیب مکرم ﷺ بے شک ہم نے آپ کو سبع مثانی عطا کی اور قرآن مجید عطا فرمایا''۔ دوسری آیت مبارکہ میں فرمایا:

''قسم ہے ذات مصطفیٰ ﷺ کی جب وہ معراج سے واپس آئے۔ آپ کے رہنما نہ بھٹکے اور نہ بہکے اور وہ اپنی خواہش نفس سے کچھ نہیں کہتے صرف وہی کہتے ہیں جو ان کی طرف وحی کیا جاتا ہے''۔

پہلی آیت کریمہ کا معروف اور متداول معنی جو اہل علم اور اہل تفسیر بالعموم کرتے ہیں یہ ہے کہ سبعا من المثانی سے مراد سورۃ الفاتحہ ہے کیونکہ سورہ فاتحہ سات آیتوں پر مشتمل ہے اور یہ سورت ہر نماز میں اور ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔ اس لئے اسے قرآن مجید میں سبعا من المثانی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ فرمادیا کہ ہم نے آپ کو قرآن مجید عطا کر دیا تو سورۃ فاتحہ تو اس کے اندر خود بخود آ گئی اس لئے کہ سورہ فاتحہ بھی قرآن مجید کا ہی ایک باب، ایک سورت اور ایک جز ہے، پھر اس کو قرآن مجید کے ذکر سے الگ کیوں بیان کیا گیا؟

بلاتشبیہ و بلا مثال اگر آپ ایک مکان خریدیں اس کے اندر ایک بڑا شاندار ہال بھی ہو اور دس بارہ کمرے بھی ہوں، تو کوئی شخص بھی یہ نہیں کہتا کہ میں نے یہ مکان بھی خریدا اور اس کے اندر کا ہال بھی لے لیا کیونکہ جب آپ نے مکان خرید لیا تو جو کچھ اس کے اندر ہے وہ بھی خود بخود اس کے اندر شامل ہوگیا۔ مکان کے ذکر کے ساتھ اس کے اندر موجود ہال کا ذکر جو اسکا ایک جز ہے اسے الگ بیان کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ مگر جب ہم قرآن کریم کی مذکورہ آیت میں غور کرتے ہیں تو سبع مثانی (سورۃ الفاتحہ) کا ذکر بھی ہے اور ساتھ ہی قرآن مجید کا ذکر بھی موجود ہے اور لازماً اس کی کوئی حکمت ہوگی کیونکہ رب کائنات کا کوئی بھی کام بلا حکمت نہیں ہے اور اس کا فرمان ہے وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ اور اللہ پاک نے ہر صاحب علم اور صاحب حکمت والے کے اوپر صاحب علم اور صاحب حکمت بنائے ہیں، اس نے علم و حکم کے جتنے خزانے جس کو چاہے عطا کئے، ہر کسی نے اس کی اپنی تعبیرات بیان کیں مگر اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے اور حضور ﷺ کے نعلین پاک کے تصدق سے جو میری سمجھ میں آیا، اس کو بیان کر رہا ہوں۔

اللہ پاک نے پورے قرآن مجید کے عطا کرنے کے ذکر کے ساتھ سورہ فاتحہ کی سات آیات کا بھی ذکر کیا۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ نہ یہ تکرار ہے اور نہ یہ خلاف حکمت کوئی بات، دونوں (قرآن اور سورہ فاتحہ) کل اور جز کو الگ سے بیان کرنے کی بنیادی حکمت، پر اہل تفسیر متفق ہیں کہ قرآن مجید مکمل علوم، معارف، عقائد، دقائق، لطائف کا ایک عظیم خزانہ ہے بلکہ ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں اور سورہ فاتحہ اس پورے

قرآن کا خلاصہ ہے جو کچھ قرآن مجید میں تفصیل کے ساتھ آیا ہے وہ سارا سورہ فاتحہ میں خلاصتاً موجود ہے۔ پس سورہ فاتحہ خلاصہ قرآن ہے۔ گویا قرآن جن حقائق اور ہدایت کی تفصیل پر مبنی ہے سورہ فاتحہ ان حقائق کا خلاصہ ہے۔ اسی طرح سورہ فاتحہ کا بیان جن حقائق کا اجمال ہے قرآن ان حقائق کی تفصیل ہے۔

پس معنی ومفہوم یہ ہوا کہ ''اے محبوب ﷺ ہم نے آپ کو تفصیل بھی عطا کی اور اجمال/ خلاصہ بھی عطا کیا''۔

تفصیل اور اجمال سے کیا مراد ہے؟

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو کس چیز کی تفصیل اور کس کا اجمال عطا کیا؟ آئیے اس سوال کا جواب جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

قرآن اللہ کا کلام اور کلمات الٰہیہ کا مجموعہ اور تفصیل ہے۔ پس اس تناظر میں سورہ فاتحہ کلمات الٰہیہ کے خلاصہ کا درجہ حاصل کرتی ہے۔ اہل علم اور اہل کلام کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ کلام، متکلم کی صفت ہوتا ہے اور اس کے کلمات اس کی صفات ہوتے ہیں۔ پس وہ قرآن جو اللہ کے کلام کی تفصیل ہے وہ اللہ کے کلام کا مجموعہ ہونے کے باعث صفات الٰہیہ کی تفصیل ہوا لہٰذا قرآن مجید اللہ کی صفات کی تفصیل ہوا یعنی صفات الٰہیہ کی تفصیل اور سورہ فاتحہ اس قرآن کا خلاصہ یعنی اللہ کی صفات کا اجمال ہوئی۔

اللہ تعالیٰ یہ فرما رہا ہے کہ اے میرے حبیب ﷺ ہم نے آپ پر دو طرح کے فیض جاری فرمائے ایک فیض بصورتِ قرآن عطا کیا اور دوسرا اپنا فیض سورۃ فاتحہ کی صورت میں عطا کیا۔ جب ہم نے اپنا فیض قرآن پاک کی صورت میں دیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اے میرے حبیب ﷺ میں نے تمہیں اپنی صفات کا تفصیلی فیض بھی عطا کیا اور سورہ فاتحہ کی شکل میں اپنی صفات کا اجمالی فیض بھی عطا کیا گویا فیضان الٰہی اس کے کلمات کی تفصیل کی صورت میں بشکل قرآن تھا اور اجمال صفات الٰہیہ کا فیض بشکل فاتحہ تھا۔ جو خدا کا فیض مصطفیٰ ﷺ کی ذات میں تفصیلاً دیکھنا چاہے وہ اسے بشکل قرآن دیکھ لے اور جو خدا کی صفات کا فیض ذاتِ مصطفیٰ ﷺ میں اجمالاً دیکھنا چاہے تو آئینہ سورہ فاتحہ میں دیکھ لے۔ گویا حضور ﷺ کی ذات کو فیضان الٰہیہ کا دو طرح کا مظہر بنا دیا گیا کہ حضور کو قرآن عطا کر کے صفاتِ الٰہیہ کا تفصیلی مظہر بھی بنا دیا اور سورہ فاتحہ عطا کر کے صفاتِ الٰہیہ کا اجمالی مظہر بھی عطا کیا اور فرمایا لوگو جنہیں صفاتِ الٰہیہ کا فیضان اجمالاً دیکھنا ہو وہ بھی مصطفیٰ ﷺ کو دیکھ لیں جنہیں تفصیلاً دیکھنا ہو وہ بھی مصطفیٰ ﷺ کو دیکھ لیں کیونکہ قرآن کا فیض بھی مصطفیٰ ﷺ میں ہے اور فاتحہ کا فیض بھی مصطفیٰ ﷺ میں ہے۔

ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا گیا حضور ﷺ کا اخلاق کیسا تھا؟ آپؓ نے پوچھا کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا، فرمایا کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْآن حضور ﷺ کا اخلاق قرآن تھا۔ گذشتہ سطور میں ہم یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام ہونے کی بناء پر اللہ کی صفت بھی ہے اور حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمادیا قرآن حضور کا اخلاق ہے اور جب ان دونوں قضیوں کو ملایا جائے تو یہ حقیقت مترشح ہوتی ہے کہ جو اللہ کی صفات ہیں درحقیقت وہ ہی مصطفیٰ ﷺ کے اخلاق ہیں۔ منطق کا ایک قاعدہ ہے مثلاً جب کہا جاتا ہے کہ **العالم حادث** ''عالم حادث/ عارضی ہے''، **وکل حادث متغیر** ''اور ہر حادث متغیر ہوتا ہے''، ان دونوں جملوں میں حادث مشترک ہے تو نتیجہ

☆تفصیل کے لئے دیکھئے ''سورۃ الفاتحہ اور تعمیر شخصیت'' ---ڈاکٹر محمد طاہر القادری

نکل آیا فالعالم حادث ثابت ہوا کہ عالم حادث ہے۔ اسی طرح قرآن اللہ کی صفت ہے اور ام المومنینؓ نے فرمایا کہ قرآن حضور ﷺ کا اخلاق ہے، اب جب دونوں کو مربوط کیا جائے تو یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ جو اللہ کی صفت ہے وہی مصطفیٰ ﷺ کا اخلاق ہے۔

گویا اللہ رب العزت نے حضور ﷺ کی ذات اقدس کو ایک ایسا آئینہ بنا دیا جس میں دو جلوے نظر آتے ہیں اگر حضور ﷺ کے آئینہ ذات کو دیکھیں تو اس کے اندر ذات، مصطفیٰ ﷺ کی نظر آتی ہے مگر صفات خدا کی

نظر آتی ہیں اور یہ چیز ذہن نشین رہے کہ یہ شرک نہیں ہے بلکہ عین توحید ہے کہ ذاتِ مصطفیٰ ﷺ میں درحقیقت صفاتِ الٰہیہ موجود ہیں۔ اگر یہ شرک ہوتا تو ام المومنینؓ کبھی یہ نہ فرماتیں۔ جب انہوں نے کہا کہ قرآن حضور کا اخلاق ہے تو اس کا واضح مطلب یہ ہی ہے کہ حضور ﷺ کی ذات، صفات الٰہیہ سے متصف ہے۔

حیاتِ انسانی کا کیمیائی ارتقاء

قرآن مجید کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انسانی زندگی کا کیمیائی ارتقاء کم وبیش سات مراحل سے گزر کر تکمیل پذیر ہوا اور ان مراحل کا ذکر قرآن پاک میں مختلف مقامات پر موجود ہے وہ مراحل کیا تھے؟ آیئے قرآن پاک کی آیات کی روشنی میں ان کا جائزہ لیتے ہیں:

1۔تراب: اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق اولاً تراب (مٹی) سے فرمائی ارشاد فرمایا:

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ. (المومن:٦٧) ''وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے بنایا''۔

2۔ ماء: دوسرا مرحلہ انسان کی تخلیق میں ماء (پانی) کا ہے۔ ارشاد فرمایا۔

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا. (الفرقان:٥٤) ''اور وہی ہے جس نے پانی سے آدمی کو پیدا کیا''۔

3۔ طین: تراب اور ماء کے مراحل سے گزرنے کے بعد انسان کی تشکیل کا تیسرا مرحلہ طین مٹی کے گارے کا ہے یعنی مٹی اور پانی کے مل جانے سے گارا وجود میں آیا۔ ارشاد فرمایا۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ. (الانعام:٢) ''اللہ وہی ہے جس نے تمہیں مٹی کے گارے سے پیدا فرمایا''۔

4طین لازب: طین کے بعد طین لازب کا مرحلہ آیا یعنی گارے کا گاڑھا پن زیادہ ہوگیا جسے قرآن نے یوں بیان کیا۔ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ. (الصافات:١١) ''بے شک ہم نے انہیں چپکتے گارے سے بنایا''۔

5۔صلصال من حماء مسنون: تشکیل انسان کا پانچواں کیمیائی مرحلہ صلصال من حماء مسنون ہے یعنی جب مٹی کا گارا خشک ہوا تو اس میں بو پیدا ہوگئی ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ. (الحجر:٢٦) ''اور بے شک ہم نے انسان کی (کیمیائی) تخلیق ایسے خشک بجنے والے گارے سے کی جو (پہلے) سن رسیدہ (اور دھوپ اور دیگر طبیعاتی اور کیمیائی اثرات کے باعث تغیر پذیر ہوکر) سیاہ بو دار ہو چکا تھا''۔

6۔صلصال کالفخار: انسانی کیمیائی تشکیل میں صلصال کالفخار (ٹھیکرے کی طرح بجنے والی مٹی) کو چھٹا درجہ حاصل ہے اس مرحلہ میں اس مٹی اور گارے کو جو اس کی اصل تھا تپایا اور جلایا گیا کہ وہ خشک ہوکر پکتا بھی گیا۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ. (الرحمن:١٤) ''اس نے انسان کو ٹھیکرے کی طرح بجنے والی مٹی سے پیدا کیا''۔

7۔سلالہ من طین: تشکیل انسانی کا آخری کیمیائی مرحلہ سلالہ من طین ہے یعنی اس گارے کے مصفّٰی اور خالص نچوڑ میں سے اصل جوہر چن لیا گیا۔ ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ. (المومنون:١٢) ''اور بے شک ہم نے انسان کی تخلیق (کی ابتدا) مٹی (کے کیمیائی اجزاء) کے خلاصہ سے فرمائی''۔

پس انسان کی تخلیق میں ان سات مراحل کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اور ان میں سے ہر ایک مرحلہ اور ہر ایک شے الگ الگ خصوصیات کی حامل ہے۔

یہ سارے خواص مل کر خواصِ بشریت بنے اور ان کا اظہار انسان میں ہونے لگا۔ جب مختلف خواص اور اثرات کا اختلاط ہوا تو ان میں توازن پیدا ہوا اور ان کی ترکیب میں فرق آیا۔ اس فرق کی بناء پر کسی پیکر انسانی میں پانی کے اثرات نے دوسرے خواص و اثرات کو

مغلوب کرلیا اور کسی دوسرے پیکر انسانی میں مٹی غالب آئی، اسی طرح طین، طین لازب، صلصال من حما مسنون، صلصال کالفخار اور سلالہ من طین مختلف اجساد میں ایک دوسرے کے خواص واثرات پر کبھی غالب آتے رہے اور کبھی مغلوب ہوتے رہے۔ الغرض خاصیتیں تو ساری تھیں مگر طبائع جدا جدا ہوتی گئیں، مزاج جدا جدا بنتے گئے، صفات جدا جدا بنتی گئیں، اخلاق جدا جدا بنتے گئے، پس جس کے خَلق یعنی تخلیق میں جس شے کا غلبہ ہوتا گیا اس کا خُلق یعنی اخلاق/مزاج اسی طرح کا تشکیل ہوتا چلا گیا۔ اس طرح مختلف اخلاق، مزاج، طبیعتیں وجود میں آتی چلی گئیں۔ پس ان سب خواص بشری اور ان سات مراحل سے اللہ پاک نے بشریت کی تشکیل کی۔ گویا بشریت محمدی میں یہ ساتوں مرحلے موجود ہیں اور ہر ہر مرحلے کے خواص بھی ہیں۔

مقام ومرتبہ جانچنے کی کسوٹی

کسی کا مقام ومرتبہ جانچنا ہوتو یہ دیکھیں کہ اس شخصیت کو، کوئی اس سے اعلیٰ مقام کا حامل کیا حیثیت اور مقام دیتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے مقام ومرتبہ کو جاننا ہوتو یہ دیکھیں گے کہ اللہ کی بارگاہ میں حضور ﷺ کو کیا مقام حاصل تھا؟ کیونکہ وہ تعلق جو اپنے سے بڑے کے ساتھ ہوتا ہے اس تعلق سے اس کے مقام ومرتبہ کی خبر ہوتی ہے اور جب وہ اپنے سے نیچے والوں کے ساتھ معاملات کررہا ہوتا ہے تو اس موقع پر اس کے مقام ومرتبہ کا صحیح اندازہ ممکن نہیں کیونکہ اس وقت وہ اپنے مقام سے نیچے اتر کر معاملہ کررہا ہوتا ہے اور فیض دے رہا ہے یہ اس کا مقام نہیں بلکہ یہ اس کا مقام عطا ہے کہ وہ اپنے مقام سے نیچے اتر کر اپنے سے نچلوں کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کررہا ہے کہ فرق مٹا رہا ہے اگر اس کی ذات کا مقام جاننا چاہتے ہوتو اس کے بڑے کے ساتھ اس کے تعلقات اور اس کی بارگاہ میں اس کے مقام کو دیکھو کہ کیسے بٹھایا ہے۔ پس حضور ﷺ جب زمین پر تھے تو زمین پر بیٹھنے والوں کے ساتھ زمین پر بیٹھتے اور فیض بانٹتے، حضور ﷺ کا ذاتی مقام دیکھنا ہوتو شب معراج دیکھو کہ سدرۃ المنتہیٰ کو پیچھے چھوڑ کر آگے جارہے ہیں۔ عالم مکاں کو چھوڑ کر لامکان کی طرف سفر کررہے ہیں۔ جبرائیل بھی عاجز نظر آرہے ہیں اور مصطفیٰ ﷺ عالم لامکان سے گزر کر ثم دنیٰ اور پھر فتدلی کی رفعتوں سے ہوتے ہوئے فکان قاب قوسین کی منزلوں سے ہوتے ہوئے او ادنی تک جا پہنچتے ہیں۔ زمین پر بیٹھنے والے مصطفیٰ ﷺ کی عظمت کو کبھی پا ہی نہیں سکتے۔ ان کی عظمت کو جاننا ہے تو فکان قاب قوسین کی بلندیوں پر دیکھو جو حضور ﷺ کا اصل مقام ہے۔ حیف ہے ہماری عقلوں پر کہ جس مقام پر جبرائیل علیہ السلام کے پر جل رہے ہیں اور ہم اس مقام کو اپنی عقلوں سے تولنے پر بضد ہیں۔ عقل تو حضور ﷺ کے مقام کی گرد کو بھی نہیں پا سکتی، عقل تو مادی ہے، اس نے جب دیکھا کہ حضور ﷺ اپنے جیسے انسانوں کے ساتھ بیٹھتے ہیں تو عقل نے تو اسی وقت ہی ناپنا شروع کردیا پس معراج کی رات حضور ﷺ کے ہر لطیفہ کو معراج نصیب ہوئی اور حضور ﷺ اپنے مقام سبعہ اور ساتوں لطائف کے ساتھ پورا فیض اللہ کی بارگاہ سے لیکر واپس پلٹے، گویا جس طرح قرآن پاک کی تکمیل حضور ﷺ کا اخلاقی، تربیتی اور تخصیتی معراج ہوا اس طرح اس شب بھی حضور ﷺ کو ہر جہت اور پہلو سے معراج ہوا المختصر حضور ﷺ کی زندگی کا ہر ہر لمحہ معراج تھا۔ اس لئے کہ قرآن میں ہے کہ

وللآخرۃ خیر لک من الاولیٰ آپ کی ہر گھڑی، پہلی گھڑی سے اچھی اور اعلیٰ ہے۔ پس حیات مصطفیٰ ﷺ میں ہر بعد کی گھڑی، پہلی گھڑی کی معراج تھی۔ حضور ﷺ کی ساری حیات طیبہ لمحہ بہ لمحہ معراج ہے پس حضور دائما حالت معراج میں رہے اور شب معراج یہ اس ساری زندگی کے سفر معراج کا ایک نیا باب تھا۔ وہ سارا معراج عالم مکان میں ہورہا تھا اور یہ سارا معراج عالم لامکان میں ہوا وہ مکانی معراج تھا اور یہ لامکانی معراج تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نبی کریم ﷺ کے مقام معراج کی صحیح اور حقیقی معرفت عطا فرمائے۔ آمین۔

مجھ سے ملیے میں ہوں "کرن عباسی"

ریما نور رضوان

کرن عباسی باصلاحیت باکمال شخصیت کی حامل جو بیک وقت مختلف شعبوں میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا رہی ہیں۔ ماڈل، سنگر، ایکٹر، ڈانسر۔ ریشم ڈائجسٹ کو انٹرویو دیتے ہوئے بتایا۔

سوال: آپ کا اصل اور پورا نام؟

جواب: کرن شبیر

سوال: گھر والے پیار سے کیا پکارتے ہیں؟

جواب: ہیرو

سوال: تاریخ پیدائش/سن/رہائش؟

جواب: 14 اپریل 1994ء کراچی

سوال: تعلیمی قابلیت؟
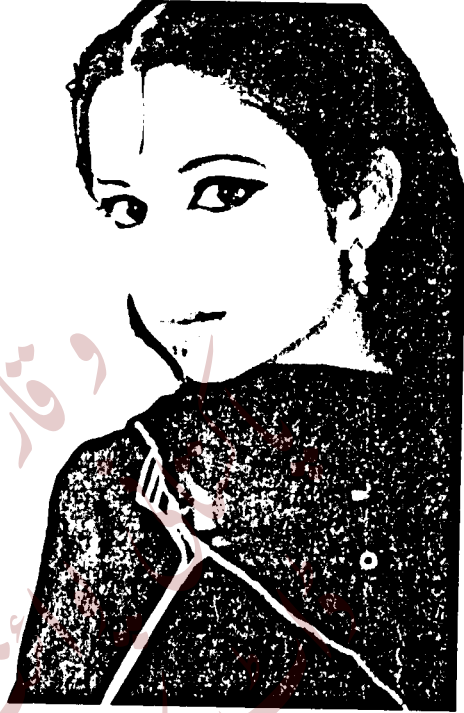
جواب: ایم اے جاری ہے۔

سوال: اپنی فیملی کے بارے میں کچھ بتائیں؟ کون کون ہے فیملی میں؟

جواب: مما، پاپا، ایک بہن اور بھائی میرا نمبر آخری ہے۔

سوال: کوکنگ کا شوق ہے کیا؟

جواب: بہت زیادہ۔

سوال: اپنے ہاتھ کی بنی پسندیدہ ڈش۔

جواب: شرارت سے مسکراتے ہوئے۔
آں آں آں۔۔۔ سبھی کچھ۔

سوال: ویسے اوور آل کھانے میں کیا پسند ہے؟

جواب: دال چاول اور رس ملائی

سوال: پسندیدہ فروٹ؟

جواب: انار

سوال: پسندیدہ سبزی؟

جواب: پالک

سوال: کھانا کھانے میں ہوش سے کام لیتی ہیں یا جوش سے؟

جواب: بس نارمل ہی کھاتی ہوں بہت ایکسٹرا نہیں۔ (واہ زبردست یہی تو آپ کی فٹنس کا راز ہے)

سوال: زیادہ شوقین ہیں کھانے کی یا بس ضرورت کے تحت کھاتی ہیں؟

جواب: بس جتنی بھوک ہو۔

سوال: فٹنس کا کتنا خیال رکھتی ہیں۔ فٹ رہنے کے کچھ نسخے ہمیں بھی بتایئے؟

جواب: پانی کا زیادہ استعمال اور کھیرے تو روزانہ روٹین میں کھانے میں استعمال کریں۔

سوال: اپنی ڈیلی روٹین کے بارے میں کچھ بتائیں

؟کب سوتی ہیں؟ کب اٹھتی ہیں ؟اور دن کن معروفیات میں گزرتا ہے؟

جواب:رات 12 بجے تک سونا اور صبح 6 بجے اٹھنا، دن میں اپنی جاب اور چھٹی کا دن فیملی کے ساتھ اور شوٹس کی ٹائمنگ الگ ہوتی ہے سو روزانہ روٹین بدل جاتی ہے۔

سوال:فیملی میں سب سے زیادہ محبت کس سے ہے؟

جواب: ماں سے

سوال: آپ کا پسندیدہ رنگ؟

جواب: بلیک اور پنک

سوال: پہننے میں زیادہ کیا پسند کرتی ہیں؟

جواب: فراک اور جینز زیادہ تر مشرقی لباس زیب تن کرتی ہوں۔

سوال: فنکشنز پہ جانا کیسا لگتا ہے؟ شوق سے جاتی ہیں یا مجبوری سے؟

جواب: بہت قریبی ہو تو جانا پڑتا ہے ورنہ معذرت کر لیتی ہوں۔

سوال: فیس بک پہ ہم نے آپ کو کافی فرینڈلی پایا......حقیقت میں بھی ایسی ہی ہیں کیا؟

جواب: اس کا جواب تو فرینڈز ہی دے سکتے ہیں لیکن میرے خیال میں ریزروڈ رہتی ہوں اور جہاں لگتا ہے کہ میں کسی کی مدد کر سکتی ہوں تو کافی فرینک ہو کر بات کرتی ہوں۔

سوال:دوستی سوچ سمجھ کر کرتی ہیں یا بنا سوچے سمجھیں؟

جواب: میں بہت کم دوست بناتی ہوں۔

سوال: بہترین دوست کا نام؟

جواب: اک ہی تھی نوشین جو اب اس دنیا میں نہیں۔

سوال: سٹوڈنٹ لائف کیسی رہی؟ زیادہ انجوائے سکول ٹائم میں کیا یا کالج/یونیورسٹی؟

جواب: سکول کی لائف سب سے ہٹ کے تھی جو اب بھی مس کرتی ہوں۔

سوال: پڑھائی میں کیسی تھی؟ لائق یا بس گزارے لائق؟

جواب: نالائق؟ (ہاہاہاہا......)

جو ٹیچر ہمیں اگنور کرتی تھی ہم اس کے سبجیکٹ کو اگنور کرتے تھے۔ہاہاہا(ہاہاہاہا ناٹی گرل)

سوال: میوزک اور موویز سے کس حد تک دلچسپی ہے؟

جواب: نوے کی دہائی کی فلمیں اور گانے بہت اچھے لگتے ہیں۔

سوال: پسندیدہ گلوکار/گلوکارہ؟

جواب: سونو نگم اور انورادھا پاڈول

سوال: پسندیدہ ایکٹر؟

جواب: شاہ رخ خان

سوال: پسندیدہ ایکٹرس؟

جواب: مادھوری ڈکشٹ

سوال: پسندیدہ اسکالر؟

جواب: مولانا طارق جمیل

سوال: پسندیدہ کتاب؟

جواب: قرآن پاک

سوال: پسندیدہ مصنف؟

جواب: اشفاق احمد

سوال: پسندیدہ رنگ؟

جواب: بلیک

سوال: پسندیدہ گانا؟

جواب: لگ جا گلے کہ پھر یہ حسین رات ہو نہ ہو شاید پھر اس جنم میں ملاقات ہو نہ ہو۔

(واہ کرن تمہاری آواز بہت زیادہ خوبصورت، میٹھی اور سریلی ہے۔)

سوال: پسندیدہ فلم؟
جواب: کبھی خوشی کبھی غم
سوال: پسندیدہ ڈرامہ؟
جواب: سچ مچ
سوال: فارغ اوقات میں کیا کرتی ہیں؟
جواب: اپنی سنگنگ پریکٹس یا اچھی کتابیں پڑھتی ہوں۔
سوال: غصہ کم آتا ہے یا زیادہ؟
جواب: اف بہت زیادہ آتا ہے۔
سوال: عام طور پہ کس بات پہ زیادہ غصہ آ جاتا ہے؟
جواب: غلط بات برداشت نہیں ہوتی اور جیسا میں سوچتی ہوں ویسا ہی ہو۔
سوال: غصے کو کنٹرول کیسے کرتی ہیں؟
جواب: نہیں کرتی سنا کر بھڑاس نکال لیتی ہوں۔ (ہاہاہاہا......)
سوال: آپ کے خیال میں آپ کی سب سے اچھی عادت کون سی ہے؟
جواب: کوئی سوری کر کے غلطی مان لے تو سب بھول کر معاف کر دیتی ہوں۔

سوال: اور بری عادت؟
جواب: اموشنل ہو کر فیصلہ کر لیتی ہوں اور پھر پچھتانا پڑ جاتا ہے۔
سوال: کسی شخص سے پہلی ملاقات میں کس چیز کا اندازہ لگاتی ہیں؟
جواب: اس کی گفتگو سے
سوال: گھر سے جاتے ہوئے کیا چیز ساتھ لازمی رکھتی ہیں؟
جواب: میرے بیگ میں سب کچھ ہوتا ہے روز، واٹر، لپ اسٹک، کاجل، فیس پاؤڈر۔
سوال: شاعری آپ ہر موڈ میں کرتی ہیں یا یہ آمد ہونے پہ منحصر ہے؟
جواب: موڈ پر منحصر کرتا ہے۔
سوال: کون سے رائٹر سے متاثر ہیں؟
جواب: عمیرہ احمد
سوال: کوئی ایسا شعر جو دل سے پسند ہو؟

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

سوال: اپنی سائیڈ ٹیبل پہ کیا چیزیں رکھتی ہیں؟
جواب: سیل فون، چارجنگ فین اور گھڑی

سوال: آپ کا وہ رشتہ جو آپ کو سب سے زیادہ عزیز ہے؟

جواب: میری پوری فیملی

سوال: سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوئیں یا محنت سے آگے بڑھی؟

جواب: مڈل کلاس فیملی سے تعلق ہے اور اپنی محنت سے آگے بڑھی ہوں۔

سوال: آئینہ دیکھ کر کیا خیال آتا ہے؟

جواب: اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں کے اتنا مکمل بنایا ہے۔

سوال: صبح اٹھتے ہی پہلا کام جو آپ ہمیشہ کرتی ہیں۔؟

جواب: دانت برش کرنا

سوال: اگر آپ کے بچے ہیں تو کون سب سے زیادہ آپ سے قریب ہیں؟

جواب: ابھی کنواری ہوں (شرمیلی مسکان کے ساتھ)

سوال: آپ کو اگر ایک دن کی حکومت ملے تو کون سا کام کرنا چاہیں گی؟

جواب: کاش ایسا ممکن ہو تو پہلی فرصت میں کراچی کی سڑکوں کا مسئلہ ختم کر دیتی۔

سوال: آپ کے خاندان میں کوئی اور بھی شاعر، رائٹر ہے؟

جواب: نہیں

سوال: کیا آپ کو اس سفر میں مشکل یا رکاوٹ کا سامنا کرنا پڑا؟

جواب: بالکل شروع میں ہوا پر ہمت نہیں ہاری۔

سوال: جب آپ کے مداح آپ کی تعریف کرتے ہیں تو کیسا محسوس ہوتا ہے؟

جواب: محنت وصول ہو جاتی ہے۔

سوال: کوئی کمی جو آپ کو اپنی ذات میں محسوس ہوتی ہو؟

جواب: اپنا غصہ کم کرنا چاہتی ہوں۔

سوال: کہانیاں کن موضوعات پہ لکھنا پسند ہیں؟

جواب: ہمارے معاشرے میں پھیلی برائیوں۔

سوال: پہلی تحریر ہی شائع ہوگئی تھی؟

جواب: جی شکر الحمداللہ دوشیزہ ڈائجسٹ میں

سوال: آپ کی کامیابی میں کس کا زیادہ ہاتھ ہے گھر میں سے؟

جواب: میری بہن اس نے سب سے زیادہ سپورٹ کیا ہے۔

سوال: کس شخصیت نے آپ کو کامیابی سے ہمکنار ہونے میں مدد دی؟

جواب: محمد علی نخی صاحب نے۔

سوال: فارغ وقت کے پسندیدہ مشاغل؟

جواب: کوئی اچھی مووی۔

سوال: ڈپریشن میں کیا کرتی ہیں؟

جواب: تنہائی میں رونا۔

سوال: شہرت ایک نشہ ہے کیا؟

جواب: بالکل اس نشے کا بھی اپنا مزہ ہے

سوال: کیا تدبیر سے تقدیر بدل سکتی ہے؟

جواب: بالکل سب نصیب پر نہیں چھوڑ سکتے اللہ نے دماغ دیا ہے بعض اوقات نصیب میں یہی لکھا ہوتا ہے شاید کہ ہماری کوشش سے ہم اپنی تقدیر بدل سکتے ہیں کوشش اور محنت کے ساتھ دعا کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔

سوال: انٹرنیٹ کے استعمال کی حامی ہیں یا مخالف؟

جواب: ہم پر منحصر ہے کے اس کا استعمال ٹھیک کریں دیکھا جائے تو اس کے فائدے بہت ہیں پر لوگ برائی جلدی فالو کرتے ہیں اس قسم کی ویب سائٹس بلاک ہو جائیں تو انٹرنیٹ بہترین ہے۔

سوال: آپ کا پسندیدہ رشتہ، رنگ، خوشبو، تہوار، تفریحی مقام، کھیل کون کون سے ہیں؟

جواب: والدین، بلیک، چینل 5، مری، تائیکونڈو،

سوال: فضول خرچ ہیں؟

جواب: بہت زیادہ

سوال: کتابیں خریدنا پسند کرتی ہیں یا کوئی گفٹ کرے؟

جواب: دونوں صورتوں میں پسند ہیں۔

سوال: آپ اتنی جاذب نظر شخصیت ہیں۔ کبھی آئینے سے آپ نے یا آئینے نے آپ سے سرگوشی کی؟

جواب: آئینہ کہتا ہے کہ تم کہیں سے بھی ایم اے کی سٹوڈنٹ نہیں لگتی اور میں کہتی ہوں کبھی تو خوش ہونے کا موقع دے دیا کرو یہ کہہ کر کہ میں موٹی ہوگئی۔

سوال: آپ کی نظر میں محبت کیا ہے؟

جواب: محبت ایک قیمتی سرمایہ ہے۔ جو خالص اور سچے جذبے سے لبریز ہو۔ محبت کے معاملے میں میں بہت امیر ہوں۔

سوال: مستقبل قریب میں کوئی منصوبہ جس پر عمل کرنا آپ کی ترجیح میں شامل ہو؟

جواب: ایم اے کے بعد ایم بی اے کرنا اپنی فیلڈ کے بہت سے ادھورے کام کرنا۔

سوال: رواں سال کی کامیابی جو امید نہ کی ہو؟

جواب: میرا گانا کامیاب رہا

سوال: کتنے ڈرامے آن ائر آ چکے ہیں؟

جواب: 2 ٹیلی فلمز Ary پر

سوال: کتنے ڈرامے جلد اسکرین پر آنے والے ہیں؟

جواب: بات تو چل رہی ہے فی الحال کچھ کہہ نہیں سکتی۔

سوال: کون سے چینلز والے بہترین تعاون کرتے ہیں؟

جواب: اے آر وائے ڈیجیٹل

سوال: اس فیلڈ میں کس طرح آنا ہوا؟

جواب: Fm پر تھی Rj پرسنگ کے لیے اک جگہ آڈیشن دیا تو وہاں اک ڈائریکٹر نے ٹیلی فلم کی پیشکش کی وہ کرنے کے ساتھ میگزین شوٹ کیے پھر سنگنگ اور اب ڈانس تو شروع میں پرابلم ہوئی پر اب اللہ کا کرم ہے۔

سوال: کامیابی کا سہرا کس کے سر جاتا ہے؟

جواب: میری فیملی کے۔

سوال: آپ اپنے گزر جانے والے کل، آج اور آنے والے کل کو مختصر لفظوں میں واضح کریں گی؟

جواب: گزرا ہوا کل بہترین تھا آنے والا بھی بہترین ہوگا۔ انشاء اللہ

سوال: اپنی شخصیت کو تین لفظوں میں بیان کیجیے؟

جواب: سمپل ہوں، ایموشنل ہوں اور ٹرسٹ جلدی کر لیتی ہوں۔

سوال: خوشگوار لمحات کیسے گزارتی ہیں؟

جواب: میوزک اور ڈانس کے ساتھ

سوال: دولت اہم ہے یا رشتے؟

جواب: نارمل لائف کے لیے دولت سے انکار صرف لفظی ہے ہاں ایٹی ٹیوڈ نہیں ہونا چاہیے۔

سوال: دن کے کس پہر میں چاہتی ہو کہ آپ تنہا ہوں آپ کی سوچیں ہمراہ ہوں؟

جواب: شام کے پہر تنہائی میں سوچنا بہت اچھا لگتا ہے۔

سوال: متاثر کن ڈائجسٹ، میگزین، ٹی وی چینیلز، ریڈیو چینیلز، مصنف، مصنفہ فلم، جملہ؟

جواب: ڈائجسٹ کرن، چینل ہم، میگزین اخبار جہاں، مصنف اشفاق احمد مصنفہ عمیرہ احمد، فلم کبھی خوشی کبھی غم، جملہ OMG

سوال: مطالعہ کی اہمیت آپ کی نظر میں؟

جواب: شخصیت میں نکھار لاتا ہے۔

سوال: پاکستان کے لیے آپ کے جذبات؟

جواب: مجھے اپنے ملک سے بہت پیار ہے

سوال: ریشم ڈائجسٹ قارئین کے لیے کوئی پیغام؟

جواب: خوش خوش رہیں اور دوسروں کو بھی خوش خوش رکھیں۔ لوگ پاکستان کے بارے میں ایسی ویسی باتیں کرتے ہیں۔ جیسے پاکستان کسی اور دنیا کا حصہ ہو۔ ان تمام لوگوں کو میرا پیغام ہے کہ خدارا حقیقت میں جئیں اور پاکستان کو نارمل ملک کی حیثیت دیکھیے۔ یقین کیجیے پاکستان آپ کو بہت اچھا لگے گا کیونکہ پاکستان ہے ہی اچھا۔

سوال: ریشم ڈائجسٹ کیسا لگا؟

جواب: ریما اور ریشم دونوں بہترین ہیں۔ ریشم ڈائجسٹ ادب کی دنیا میں چمکتا ستارہ ہے۔ بہت عمدگی سے اپنی پہچان برقرار رکھے ہوئے ہے۔ اللہ پاک اس ڈائجسٹ کو مزید ترقی عطا فرمائے آمین۔

(اللہ حافظ)

☆☆☆

بے بی فروا نورین، گلگت

سوال: ساون کے دن آئے بالم نہیں آئے، جھولا کون جھلائے؟

جواب: بری بات بے بی..... اب تم اتنی بھی بے بی نہیں رہیں کہ جھولا جھولنے کی ضد کرو۔ چلو جا کر کچن میں پکوڑے بناؤ۔ شاباش

■ ■ ■ ■ ■ ■ ■ ■

فہد سلیم، میانوالی

سوال: کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ میانوالی میں کس قسم کی خواتین زیادہ رہتی ہیں؟

جواب: میاں والی۔

■ ■ ■ ■ ■ ■ ■ ■

نائلہ بے، ہری پور ہزارہ

سوال: ساون کے اندھوں کو ہرا ہرا بھلا کیوں بھائی دیتا ہے؟

جواب: یہ تو کسی ساون کے اندھے سے ہی پوچھنا پڑے گا۔ ممکن ہے کہ وہ ہری پور سے تعلق رکھتا ہو۔ اسی لیے ہری ہری سوجھتی ہو۔

■ ■ ■ ■ ■ ■ ■ ■

فاطمہ ناصر خان، راولپنڈی

سوال: مجھے دل سے نہ بھلانا.....!

جواب: اچھا جی! کوئی اور حکم۔

■ ■ ■ ■ ■ ■ ■ ■

عائلہ قریشی، رحیم یار خان

سوال: ساون میں ساجن اس قدر یاد کیوں آتا ہے؟

جواب: کیوں کہ وہ برستی بارش کی پروا کیے بغیر بھاگ بھاگ کر آپ کے لیے مارکیٹ سے گرما گرم پکوڑے، سموسے اور کچوریاں جو لاتا ہے۔

■ ■ ■ ■ ■ ■ ■ ■

عارفہ صدیقی، کراچی

سوال: وہ ساون کی برستی بارشوں میں ہر بار میرے ہی گھر کے سامنے کیوں پھسل کر گرتے ہیں؟

جواب: تاکہ آپ کو بے وقوفوں کی طرح ہنستا دیکھ سکیں (آپ بھی تو برستی بارش میں ان کے گرنے کے انتظار میں کھڑکی میں جا کھڑی ہوتی ہیں)

■ ■ ■ ■ ■ ■ ■ ■

سلیم کیانی، راولپنڈی

سوال: بھری برسات میں ان کی نگاہیں بھلا مجھ سے کیا کہتی ہیں؟

جواب: کچھ دیر تو رک جاؤ، برسات کے بہانے

■ ■ ■ ■ ■ ■ ■ ■

صدف محمود، جہلم

سوال: ساون کی بارش میں ''ان'' کی تابڑ توڑ فرمائشوں سے بچنے کے لیے کوئی آسان سا نسخہ بتائیے؟

جواب: پکوڑوں میں مرچیں ''تیز تر'' کر دیں اور پکوڑوں کے ساتھ چٹنی باسی دہی کی مگر میٹھی بنایا کریں۔

■ ■ ■ ■ ■ ■ ■ ■

فصیحہ رحیم، ملتان

سوال: وہ ہر بات میں مجھے اپنی اماں کی مثال دیا کرتے ہیں کیا کروں؟

جواب: آپ بھی بات بے بات اپنے ابا کی تعریفیں کیا کریں۔

■ ■ ■ ■ ■ ■ ■ ■

ارشیہ حسن، ساہیوال
سوال: بارش میں کس بات سے دل بے زار رہتا ہے۔
جواب: ہر کوئی کیچڑ میں بھرے جوتے لے کر اندر آ جاتا ہے۔

سدرا حسن، ساہیوال
سوال: یہ ٹی وی خبر نامے میں ہر روز مالا کنڈ ڈویژن میں بارش کیوں بتا دیتے ہیں؟
جواب: تاکہ گرمی سے جھلستے اہل ساہیوال جلا کریں۔

افشاں کوثر، بہاولپور
سوال: ان کے نزدیک ہر بات میں دو اور دو جمع پانچ کیوں ہوتے ہیں؟
جواب: وہ ہر بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنے کے عادی ہیں۔

بیلا، شجاع آباد
سوال: وہ ساون کی حبس بھری شاموں میں بھی......؟
جواب: آلوؤں کے گرما گرم چپس کی فرمائش کرتے ہیں۔

عرفان رحیم، لاڑکانہ
سوال: آپ لڑکیوں کے سوالات کے جوابات تو اتنے شوخ انداز میں دیتے ہیں اور ہمیں لفٹ نہیں کراتے ..... آخر اس کی وجہ؟
جواب: ''وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ'' اور یہ تم ہر وقت جلتے کڑھتے نہ رہا کرو۔ میرے بھائی! دیکھ لو لفٹ کرا دی ہے ناں تمہیں بھی اب تو خوش ہو جاؤ یار۔

فروا عبدالغفار، اوکاڑہ چھاؤنی
سوال: مجھے صاف پتہ چل گیا کہ وہ بہرے ہیں، جب میں نے ان سے پوچھا کہ بارش میں آپ شوق سے کیا کھاتے ہیں اور انہوں نے جواب دیا کہ......!
جواب: جوتے

موناصدف، چیچہ وطنی
سوال: چٹا ککڑ بنیرے تے.....؟
جواب: شش...... خبردار پڑوسیوں کے مرغے پر نیت خراب مت کرو، اپنا خرید کر پکاؤ۔

ماریہ صبوحی، گجرات
سوال: بارش کے بادل آپ کو کیسے لگتے ہیں؟
جواب: کچھ کہتے ہوئے۔ کبھی روٹھے روٹھے خاموش اور کبھی بپھرے ہوئے محبوب کی طرح گرج برس کر اپنی خفگی کا اظہار اور کبھی پیار کی پھوار برساتے ہوئے۔

پرنس افضل شاہین، بہاولنگر
سوال: ساون کے آتے ہی دل کے زخم کیوں رسنے لگتے ہیں؟
جواب: ناقص طریقہ علاج کی وجہ سے۔

سوال: عقل کی گٹھڑی راستے میں پڑی کیا خیال ہے اٹھا لوں؟
جواب: چھوڑو یار! تمہاری اٹھائی گیروں والی عادت نہیں گئی اب تک۔

خالد ارمان، جھنگ
سوال: وہ بارش میں مجھے ملنے آئے تو بے حد پانی پانی سے ہو رہے تھے کیوں؟
جواب: کیوں کہ وہ اپنی چھتری جو آپ کے گھر بھول گئے تھے۔

ریشمی دستک

بشریٰ مسرور

ریشمی دنیا کے ریشمی ساتھیو!

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

کہیے کیسے مزاج ہیں؟ خدا کرے مزاج بخیر ہوں۔

کسی نے صحیح کہا کہ زندگی دھوپ اور چھاؤں کا حسین امتزاج ہے۔ اگر زندگی میں صرف سکھ ہی سکھ ملیں اور دکھوں کی پرچھائیں تک نہ پڑیں تو انسان سکھ کی قدرو قیمت نہیں جانتا۔ اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری کرتا ہے اور پھر اس کا شمار ناشکرے لوگوں میں کیا جاتا ہے اور ہم سب جانتے ہیں کہ ناشکری اللہ تعالیٰ کو کس قدر ناپسند ہے۔ تو ہر حال میں پاک پروردگار کا شکر ادا کرتے رہیں اور اپنی نیت دوسروں کے حق میں ہمیشہ نیک رکھیں۔ پھر دیکھیں کہ رحمت خداوندی کس طرح آپ کو اپنے حصار میں لیتی ہے۔ آپ سب کے لیے بے شمار دعائیں۔ آپ سب بہت اچھے ہیں۔ اتنے صبر سے اپنی کہانیوں کی اشاعت کا انتظار کرتے ہیں اور ہم سے تعاون کرتے ہیں مگر پھر بھی اس بار ہمیں آپ سب سے شکوہ ہے اور وہ یہ کہ...... آپ لوگ خط لکھنے میں ذرا سستی کا مظاہرہ کرنے لگے ہیں۔ تو آپ سب لوگ صاف سن لیں کہ اب یہ سستی نہیں چلے گی۔

چلیے شاباش کاغذ قلم اٹھایئے اور ہو جایئے شروع۔ تاکہ ماہ رواں کے شمارے پر ہمیں آپ کا تبصرہ مل جائے تو اسے ڈائجسٹ میں جگہ دے سکیں۔ آپ سب کو شکوہ ہوگا کہ ڈائجسٹ تاخیر سے ملا ہے تو کوئی بات نہیں آپ اپنے تبصرے ای میل کر دیجیے۔

ارے...... ذرا غور سے سنئے۔ لگتا ہے کہ دستک ہو رہی ہے آیئے دیکھتے ہیں......

☆☆☆

پرنس افضل شاہین، بہاولنگر

پیاری باجی بشریٰ مسرور صاحبہ!

السلام علیکم:

اس بار کا ریشم رمضان مبارک نمبر باحجاب خاتون کے سرورق سے سجا موصول ہوا۔

تیری خوشیوں میں سدا شامل ہو میری دعائیں

خدا تیری تقدیر ستاروں سے بھی روشن کر دے

حمد و نعت، دین اور دنیا پڑھ کر ایمان کو سرشار کیا۔ آپ کا اداریہ انسانوں کا فرق بتا رہا تھا۔ طیبہ عنصر مغل اور ممتاز احمد کے انٹرویوز بہت پسند آئے ہمارے انٹرویو کا نمبر پتہ نہیں کب لگے گا۔ یہ تو مجھے یقین ہے کہ روبینہ رضا نے میرا انٹرویو فوراً ہی بھیج دیا ہوگا۔ اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ اس کا نمبر کب لگتا ہے۔ (☆ اس مرتبہ آپ کا انٹرویو شامل

اشاعت ہے)

افسانوں میں خلش، چھلی، رسائی نا رسائی، کچرے والا بابا، شہزادہ، انتر ہوت اداسی، لال مرچ، لت لگ گئی، محبت زندہ باد بہت پسند آئے۔

ہماری فیورٹ رائٹر انجم انصار رنگ میں بھنگ بہت ہی دلچسپ تحریر کرتی ہیں۔ ویلڈن آپی انجم انصار......

میری نگارشات پسند فرمانے پر میری پیاری پیاری آپی فریدہ جاوید فری، مسز نگہت غفار کا بہت بہت شکریہ۔ آپ دونوں کے خطوط کے ساتھ ایم حسن نظامی، مجید احمد جائی، عبد الغفار عابد کے خطوط بھی شاندار تھے۔ نامور رائٹر ایم اے راحت کو اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں جگہ دے۔ (آمین)

نوک جھونک میں عدیلہ بھٹی، سعدیہ عقیل، روشنی مغل کے سوالات پسند آئے۔ شاہ روم خان نے رنگ خیال کا معیار بہت ہی زیادہ بڑھا دیا ہے۔ ریشم کے لیے فیس بک پر بھی وہ چھائے ہوئے ہیں۔ غزلوں میں آمنہ عالم، شاہین فصیح ربانی، نبیلہ نازش راؤ، میجر شہزاد نیئر، فریدہ جاوید فری چھائے رہے۔ خود کلامی میں فریدہ جاوید فری آپی، ریاض ندیم، شازیہ عابد، ڈاکٹر طارق محمود آکاش کے اشعار زبردست تھے۔

آپ کے اوراق میں ممتاز احمد، ایس امتیاز احمد، عابدہ طارق، مسز نگہت غفار چھائے رہے۔

خاص مضمون لہسن سے بیماریوں کا علاج پڑھ کر لہسن کی افادیت کا پتہ چلا۔ ہم اپنے سینئر لکھاری ممتاز احمد کو بیٹی کی شادی پر دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ یہ کیا آپ نے ریشم رائٹرز ایوارڈ تقریب کو ایک سال اور آگے بڑھا دیا۔ یعنی اب ہمیں اپنے ریشمی ساتھیوں سے ملاقات کے لیے ایک سال اور انتظار کرنا پڑے گا۔ چلیں خیر ہے شاید اس میں بھی اللہ کی طرف سے بھلائی ہو۔ آپ جب بلائیں گی ہم خراماں خراماں آپ کی طرف چلے آئیں گے۔

ایک روز میں نے اپنی اکلوتی بیگم پروین افضل شاہین سے کہا: میری نئی شرٹ الٹی کر کے استری کرنا۔

ایک گھنٹے کے انتظار کے بعد میں نے آواز دی۔ بیگم! نئی شرٹ استری کر لی؟

بیگم نے جواب دیا: کوشش کر رہی ہوں مگر مجھے الٹی نہیں آ رہی ...... کیا ہے۔

کسی کی بیگم میری بیگم جیسی بھولی بھالی ہے۔

(☆ ہاہاہا...... بہت خوب پرنس افضل شاہین بھائی! آپ کے خط کا آخری پیراگراف ہنسنے پر مجبور کر گیا۔ جیتے رہیے)

☆☆☆

حمیرا وحید، واہ کینٹ

پیاری آپی بشریٰ مسرور صاحبہ!

السلام علیکم:

آپ کی خیریت و عافیت کے لیے دعا گو ہوں۔

14 اگست کے حوالے سے ایک افسانہ لکھا ہے اور ساتھ ایک ملی نغمہ بھی بھیج رہی ہوں۔ امید کرتی ہوں قابل اشاعت ہونے پر آپ ضرور شائع کریں گی۔ پہلے بھی آپ نے میری تحریروں کو ریشم کے صفحات پر جگہ دی اور میری بہت حوصلہ افزائی فرمائی۔

میری طرف سے آپی آپ کو، ریشم کے تمام سٹاف اور ریشم کے پڑھنے والے تمام افراد کو ایڈوانس جشن آزادی

بارک۔

یہ قطعہ وطن کے نام کر رہی ہوں۔

اے وطن جب تیری سالگرہ آتی ہے
احساس مجھے یہ بہت دلاتی ہے
تو نے مجھے اپنا نام دے کر پہچان میری کروائی
بدلے میں میری ذات تیرے لیے کیا کر پائی

اپنا بہت سا خیال رکھیے گا۔ آپ سب کے لیے دعا گو۔ (اللہ حافظ)

(☆ وطن کے لیے آپ کے جذبات و احساسات قابل قدر ہیں، جیتی رہیے)

☆☆☆

ریما نور رضوان، کراچی

بشریٰ آپی!

السلام علیکم

تمام امت مسلمہ اور ریشم سے جڑے ہر فرد واحد کو عید الفطر کی ڈھیر ساری مبارکباد دعاؤں کے ہمراہ دل کی تمام تر گہرائیوں اور سچائیوں کے ساتھ ریشم ڈائجسٹ مدیر اعلیٰ، ریشم ڈائجسٹ سٹاف، ریشم ڈائجسٹ رائیٹرز، ریشم ڈائجسٹ ریڈرز سبھی کی صحت و سلامتی کی ذہنی و قلبی سکون و راحت کے لیے دعا گو ہوں۔ نہایت ادب و محبت کے ساتھ ریشم کی اس بزم میں پہلی بار حاضر ہو رہی ہوں۔ ہمیشہ دیگر سلسلوں میں مصروف ہو کر ریشمی دستک کی خوبصورت محفل میں پہنچے سے قبل تھک کر چور ہو جاتی ہوں ہر ماہ سوچتی ہوں کہ اگلے ماہ ضرور شرکت کروں گی ہائے رے یہ مصروفیات زندگی۔

ریشم ڈائجسٹ جون کے شمارے کا سرورق نہایت جاذب نظر و خوبصورت سا تھا۔ چند لمحے دلہن کو ہی تکتی رہی پھر جلدی سے اداریہ پڑھا واقعی آپی عید و دید کو لازم و ملزوم سمجھا جاتا ہے کیونکہ عید ان لوگوں کی یاد دلاتی ہے جو ہم سے دور ہوتے ہیں سو فیصد درست کہا۔

فہرست کھولی میرا افسانہ شامل اشاعت

یاہو...... یاہو...... یاہو

آپی بہت بہت شکریہ مجھے عید نمبر میں جگہ دینے کے لیے۔ عید نمبر تو کے لیے بھی افسانہ ارسال کر رہی ہوں۔ قابل اشاعت ہو تو ڈائجسٹ میں جگہ دے کر میرا مان بڑھا دیجئے گا۔

دین اور دنیا رمضان المبارک کے حوالے سے ترتیب دیا گیا تھا بہت بہترین معلومات اس سیگمنٹ میں ہم تک بہت ہی خوبصورت و دلکش انداز میں پہنچائی گئی ہے۔ جزاک اللہ خیر کثیرا۔

آر جے بھائی کا انٹرویو ڈائجسٹ میں پڑھنے میں بہت اچھا لگا۔ اپنی ترتیب ڈائجسٹ میں دیکھ کر دل باری تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے کہ مجھ نہ چیز کو اس قابل جانا بشریٰ آپی نے۔ آپی کی صحت و سلامتی کے لیے ہمہ وقت دعا گو رہتی ہوں۔ آپی ہیں ہی محبت و عاجزی کا پیکر۔ اللہ پاک آپ کو سدا نظر بد سے بچائے آمین ثم آمین۔

سلسلہ نوک جھونک میں ہر ماہ کی طرح اس بار بھی دلچسپ سوالات کے خوبصورت و مزاح سے بھرپور جوابات دیئے گے۔ نوک جھونک بہت بہترین سلسلہ ہے۔

ریشمی دستک میں بشریٰ آپی شائستہ و شگفتہ سے لب و لہجہ میں ہم سے مخاطب ہوتی ہیں۔ یہ چند صفحات تو ڈائجسٹ کی جان ہوتے ہیں۔ خوبصورت رنگ و بو میں ڈوبی سہانی محفل ہمیشہ ہی میرے من کو بھاتی ہے۔

بھٹکتی روحیں از قلم عذرا فردوس واقعی بعض اوقات شفاف مناظر دیکھ کر بھی انسان زندگی کی پر اسرار حقیقتوں کو سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔ خوبصورت و تجسس سے بھرپور تحریر بہت عمدہ لگی۔

کچھ ہم بھی تھے نادان بہت از نزہت جبین ضیاء۔ ایسی عورت کی داستاں رقم کی پیاری نزہت آپا نے کہ بس کیا ہی کہوں لاجواب بے مثال ہم بھی لائٹ جانے پر اسی طرح چلاتے ہیں۔ جیسے حریم چلائی تھی۔

بیڑا غرق ہو ان بے غیرتوں کا جینا عذاب کر کے رکھ دیا ہے۔ پڑھتے وقت کبھی لبوں پر بے ساختہ مسکان در آتی کبھی سوچتی کہ میں بھی تو حریم کی طرح سے ہی زندگی کے بارے میں سوچتی ہوں۔ فیروزہ کی باتوں نے گہری سوچ میں ڈال دیا تھا اور بالآخر حریم کو اپنے رویے کی بدصورتی کا احساس ہو گیا تھا۔ کہانی ہر طرح سے بہترین لگی۔ مختصر مگر پر اثر۔

وہم از قلم مسز نگہت غفار۔ اف اللہ جی میں ڈرپوک بلی چونکہ ایسی کہانیاں پڑھتی نہیں لیکن نگہت آپا نے اتنے خوبصورت انداز میں داستاں قرطاس پر بکھیری کہ میں نے روزے میں افطار بنانے میں دیر کر کے اک ہی نشست میں پڑھ لی۔ اس کہانی نے سوچوں کے نئے در وا کر دیے۔

انمول کی باتوں کو وہم گردانے والے جن آسیب کے ساتھ رہتے رہے۔ اصل زک تو ان رہائشیوں کو ہی ملنا چاہیے تھا بے چاری انمول نے سب کا بھلا چاہا اسے کیا ملا درد کرب تنہائی طلاق کا طوق اف اللہ جی اتنی مختصر سی تحریر اپنے اندر سمندر کی سی گہرائی لیے ہوئے تھی۔ یہ کہانی اس ماہ کی ٹاپ آف دی منتھ رہی۔

بہترین......بہترین......بہترین

کیسی خوشی لے کر آیا عید کا چاند از قلم غزالہ جلیل راؤ۔ واہ واہ واہ...... بہت اچھی تحریر لگی۔ عنایہ کی رگ شرارت خوب پھڑکتی ہے اتنی زوردار چٹکی لیتی ہے عبداللہ صاحب بھی برابری کرنے کے قائل تھے خوبصورت محبت بھرے دلوں کی داستان بہت اچھی ہلکی پھلکی سی لگی۔

قیمتی متاع از قلم گل ارباب۔ بہت خوب کیا انداز بیاں ہے اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔ خوش بخت جیسی دوست نما دشمنوں سے اللہ پاک سبھی کو محفوظ رکھے اور عمیر دل پھینک قسم کا عام سے بھی عام انسان نکلا عفت اپنے نام کی طرح اپنی عفت و عصمت کی حفاظت کرنے والی رہی بہت بہترین زبردست خوبصورت تحریر اور سبق آموز بھی۔

قرب اور ایمان از قلم نرجس بانو۔ بے شک جب انسان کو یقین ہو کہ اللہ پاک مدد ضرور کرے گا تو وہ ضرور کرتا ہے۔ بات تو ہوتی ہی عقیدے کی ماہ صیام کی مناسبت سے ایمان افروز تحریر نے رمضان المبارک کا لطف دوبالا کر دیا۔

میری عید کا چاند از قلم مسکان احزام۔ سب سے پہلے تو ریشم ڈائجسٹ کا حصہ بننے پر مبارکباد قبول کرو۔ ڈیئر واہ مسکان...... آغاز افسانہ نہایت ہی دلکش لگا اذان فجر بمعہ ترجمہ بہت خوبصورت تحریر قلمبند کی ہے۔

مزید تحریروں پر تبصرہ کرنا ہے لیکن وقت کی قلت ہے ابھی اتنا ہی اب مجھے اجازت دیجئے اگلے ماہ ملیں گے ریشم کی ریشمی خوبصورت سی بزم میں ان شاء اللہ پاک اپنا اور اپنے سے جڑے ہر فرد واحد کا خیال رکھئے گا مجھے دعاؤں میں یاد رکھئے گا۔ ریشم ڈائجسٹ میں مزید بہتری اور تبدیلی کے لیے اپنی قیمتی رائے ہمیں دیتے رہیے ان شاء اللہ پاک

ہم ریشم ڈائجسٹ کو آپ کی رائے سے مزید سنوارتے رہیں گے۔ اک بار پھر سے سب کو عید الفطر کی ڈھیر ساری مبارکباد اللہ نگہبان۔

(☆ پیاری ریمانور رضوان! پہلی دستک کے جواب میں خوش آمدید...... اب آ ہی گئی ہو تو کبھی غیر حاضر مت ہونا...... سلامتی کی دعائیں تمہارے لیے)

☆☆☆

مسٹر وکی، ڈسکہ

محترمہ بشریٰ مسرور صاحبہ!

اور ریشم میں لکھنے والے تمام دوستوں کو سلام عرض ہے!

جون کا ریشم بہت زیادہ انتظار کروانے کے بعد گیارہ جون کو ملا۔ فوری طور پر ریشمی دستک کے صفات پر نظر ڈالی۔ دل خوش ہو گیا۔ اپنا خط دیکھ کر یقین ہو گیا کہ واقعی ریشم میں بھیجی جانے والی تمام تحریریں ناصرف پڑھی جاتی ہیں بلکہ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی بھی کی جاتی ہے۔

اب میں اپنا نام کہانی لکھنے والوں کی فہرست میں دیکھنا چاہوں گا۔ جس کے لیے میں بہت جلد آپ کو کہانی بھیجوا دوں گا۔ مجھے عذرا فردوس کی کہانی بھٹکتی روحیں بہت پسند آئی۔ اس کے علاوہ ممتاز صاحب اور ڈاکٹر طارق کی کہانیاں بہت اچھی لگیں۔

رنگ خیال میں شامل غزلیں بہت پسند آئیں۔ ریشم بہت اچھا اور معیاری رسالہ ہے۔ زندگی نے وفا کی تو آئندہ ماہ ضرور حاضری دوں گا تب تک کے اجازت اللہ حافظ۔

(☆ بھائی وکی! پہلی دستک کے جواب میں خوش آمدید۔ امید ہے کہ آئندہ بھی دستک دیتے رہیں گے)

☆☆☆

ڈاکٹر طارق محمود آکاش، سیالکوٹ

آپی بشریٰ مسرور!

تمام ریشمی ٹیم اور ریشم کے جڑے تمام پروانوں کو ڈاکٹر طارق کی جانب سے محبتوں بھرا آداب!

رب کائنات کے حضور دعا اور امید ہے کہ آپ سب خیریت سے ہوں گے۔ بہت سی دعائیں بشریٰ آپی اور ان کی فیملی کے لیے۔

نیک تمنائیں پیاری آپی فریدہ جاوید فری کے لیے۔ صحت کاملہ کی دعائیں آپی نگہت غفار کے لیے۔

ڈھیروں سلام پیارے محترم بھائی ممتاز احمد کے لیے، مقصود بلوچ، حسن نظامی، مجید احمد جائی، پرنس افضل شاہین اور محسن علی طاب کے لیے بہت سی دعائیں اور ڈھیروں سلام۔

مسٹر وکی کو ریشمی محفل میں خوش آمدید...... امید ہے کہ آپ ہر ماہ ریشم کے لیے تبصرہ بھجوائیں اور کوئی پیاری سی کہانی بھی بھیجیں گے۔ خدا آپ کو سلامت و آباد رکھے۔ فاطمہ عبد الخالق کو ویلکم......

خوبصورت کہانیوں اور دلفریب ٹائٹل سے سجا جون کا ریشمی شمارہ ملا۔ خدا نظر بد سے بچائے۔ افسانے، ناولٹ، شاعری ہر تحریر عمدہ تھی۔ بھائی غضنفر علی شاہد کی حمد اور ریاض ندیم نیازی کی خوبصورت نعت شریف سے آغاز کیا۔

آپی مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ ہر ماہ خطوط کی تعداد کیوں کم ہوتی جارہی ہے۔ ذرا سب دوستوں کو لائن حاضر کریں

بلکہ میرا تو خیال ہے سزا سنائیں۔ کیونکہ پاکستان میں جو کیس زیر بحث آ جائے پھر اس کا فیصلہ آنے میں سالوں لگ جاتے ہیں۔ اس لیے بہتر ہے کہ کیس لگانے کی بجائے ڈائریکٹ سزا سنا دیں۔

حنا احمد علی بہنا اتنے مختصر تبصرے سے بات نہیں بنے گی۔ بھئی بھر پور تبصرہ لکھا کیجئے۔

حمیرا وحید بہنا کہانیوں پر بھی تبصرہ لکھا کیجئے خوش رہیے...... محسن علی طاب اچھا تبصرہ لکھا آپ نے...... خدا آپ کو صحت عطا فرمائے۔ (آمین)

پرنس افضل شاہین ہمیشہ کی طرح خوبصورت تبصرے کے ساتھ آئے۔ بھائی آپ کو اور بھابی کو اللہ خوش رکھے اور آپ کی زندگی کی ہر کمی پوری کرے۔ عنبرین اختر ماشاء اللہ سے اچھا لکھتی ہیں آپ...... آپ ہر ماہ تبصرہ بھجوایا کریں۔ ایم حسن نظامی محترم آپ بہت محبت سے تبصرہ لکھتے ہیں۔ بہت بہت شکریہ۔ آپ کے میسجز بھی بہت عمدہ ہوتے ہیں۔ قاسم خان بلوچ مختصر تبصرہ سے بات بننے والی نہیں۔ کھل کر اظہار خیال کیا کیجئے۔

مقصود بلوچ بھائی تبصرے کا مزا نہیں آیا۔ بہت مختصر تھا۔ عذرا فردوس ہمیشہ کی طرح عمدہ تحریر کے ساتھ آئیں بھٹکتی روحیں، دلچسپ تحریر تھی۔ میری آپی نگہت غفار کا وہم پسند آئی، نرجس بانو کافی دیر بعد قرب اور ایمان کے ساتھ آئیں۔

ممتاز صاحب کی تحریر ''اور قیامت ٹل گئی'' بہت اچھی کہانی تھی۔

دنیائے رنگ و نور میں ندیم صاحب سے ملاقات پسند آئی۔ آپ کے روبرو میں ثنا ناز کا انٹرویو پڑھا۔ نائلہ جعفری کی علالت کا پتہ چلا۔ خدا ان کو صحت دے۔ دلچسپ و عجیب و غریب معلومات پسند آئیں۔ رنگ خیال میں شاہ روم خان، ارشد محمود ارشد، عاشق حسین کے کلام پسند آئے۔

خدا آپ سب کو خوش رکھے۔ اپنا اور اپنوں سے جڑے رشتوں کا خیال رکھیے۔

نماز اور قرآن، میں باقاعدگی ہر مسئلے کا حل ہے۔ زندگی نے مہلت دی تو پھر ملیں گے۔ سب کو سلام، پاکستان زندہ باد......

(☆ اچھے بھائی طارق! آپ نے درست کہا کہ سب کو لائن حاضر کرنا چاہیے۔ مجھے کبھی کبھی لگتا ہے کہ کچھ لوگ محض انعام کے لالچ میں خط لکھتے تھے۔ وہ سلسلہ بند ہوا تو خطوط میں بھی کمی آئی ہے۔ انعام و اکرام کے لالچ میں تو سبھی آتے ہیں مگر اس وقت جو لوگ خط لکھ رہے ہیں وہی ڈائجسٹ کے اصل ''ریشمی پروانے'' ہیں۔ یا پھر ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ مصروف ہوں۔ جو وجہ بھی ہے۔ ہم سب کو پکارتے ہیں کہ سب گمشدگانِ ریشم واپس آ جائیں۔ محفل بڑی سونی سونی سی ہے)

☆☆☆

بلال فیاض، ملتان

ڈیئر بشریٰ آپی!

السلام علیکم!

آج کافی عرصہ بعد خط لکھ رہا ہوں امید ہے آپ خیریت سے ہوں گی۔

جب تک خط شمارہ میں شائع ہو گا تب تک عید آ چکی ہو گی۔ سو میری طرف سے آپ کو اور ریشم کے قارئین کو دلی عید مبارک قبول ہو۔

انتقال پُر ملال

ہماری سینئر رائیٹرز غزالہ جلیل راؤ اور نبیلہ نازش راؤ کی والدہ محترمہ شدید علالت کے باعث انتقال کر گئیں۔

اناللہ وانا الیہ راجعون

اس دکھ کی گھڑی میں ادارہ ریشم ڈائجسٹ ان کے دکھ میں برابر کا شریک ہے۔ تمام احباب سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ اللہ پاک مرحومہ کی مغفرت فرمائے ان کے درجات بلند فرمائے۔ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ غزالہ اور نبیلہ سمیت تمام اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے (آمین ثم آمین) (ادارہ)

ماہنامہ ریشم ڈائجسٹ پہلے سے بہت نکھر چکا ہے اور مزید نکھرتا جا رہا ہے۔ تحریروں سے لے کر مستقل سلسلوں تک کے معیار میں پہلے سے کئی گنا زیادہ اضافہ ہو چکا ہے۔ جو کہ آپ کی محنت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

آپی اپنے بارے میں بتاتا چلوں، آج کل ''ماہنامہ دوشیزہ'' اور سچی کہانیاں میں مستقل لکھ رہا ہوں۔ ریشم میں بھی پہلے میرے تین افسانے شائع ہو چکے ہیں۔ ایک نیا افسانہ ''پرائی'' ریشم ڈائجسٹ کے لیے لے کر حاضر ہوا ہوں۔ امید کرتا ہوں قریبی اشاعت میں جگہ ملے گی۔

مجھے آپ کی رائے کا شدت سے انتظار رہے گا۔ آپی اب اجازت دیں۔ اگلے ماہ مکمل تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں گا۔ آپ کے لیے اور آپ کے پورے سٹاف کے لیے ڈھیروں دعاؤں کے تحفے۔ اللہ حافظ۔

☆☆☆

عمران مظہر، ژوب

ڈیئر بشریٰ آپی!

السلام علیکم:

امید ہے آپ، طلحہ بھائی اور رسالے کا تمام سٹاف خیر و عافیت سے ہوگا۔

مئی کا شمارہ ملا۔ سرورق رمضان المبارک کو دھیان میں رکھ کر بہترین رکھا گیا۔ آپ کا لکھا اداریہ کاش کہ ضمیروں کو جھنجھوڑ پاتا۔ دین و دنیا میں رمضان المبارک کے حوالے سے کافی معلومات ملیں۔ طیبہ عنصر مغل صاحبہ کا انٹرویو پڑھ کر مزہ آیا۔ نوک جھونک ہمیشہ کی طرح مزیدار رہا۔ طلحہ بھائی کو فیس بک پر بھی ''نوک جھونک'' کی سی کیفیت میں دیکھ کر لب مسکرا پڑتے ہیں۔ ریشمی دستک میں تمام احباب نے بہترین خطوط لکھے۔ اس بار نامور رائٹرز کی کہانیوں نے مزہ دوبالا کر دیا۔ بانو قدسیہ، احمد ندیم قاسمی، کرشن چندر، پریم چند، امرتا پریتم کیا لکھتے ہیں...... بہترین ...... ہر ماہ کم از کم ایک آدھ کہانی ضرور ہونی چاہیے۔ پڑھنے والوں کے ذہنوں کو جلا بخشتی ہیں۔ آپ کے روبرو میں ممتاز احمد صاحب کا انٹرویو اچھا رہا۔ کافی اچھے لکھاری ہیں وہ..... اتنا ہی پڑھ سکا کہ حاضری یقینی بنانی تھی۔ ریگولر لکھنے والوں نے بھی اچھا ہی لکھا ہوگا۔

آپی کچھ ماہ پہلے آپ کو ایک تحریر بھجوائی تھی۔ آپ نے کہا تھا اگلے ماہ لگ جائے گی اور میں کافی ماہ سے انتظار کر رہا ہوں۔ کیا بنا اس کا؟ امید ہے آپ میرے سوال پر ناراض نہیں ہوں گی۔ انسان بے صبرا واقع ہوا ہے۔ جیسا آپ

بہتر سمجھیں۔
کچھ غلط لکھا یا کہا ہو تو معافی چاہتا ہوں۔ زندگی رہی تو پھر آدھی ملاقات رہے گی۔ نزہت جبین آنٹی کو خصوصی سلام۔
دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ آپ سب بھی دعاؤں میں رہتے ہیں۔ اپنا بہت سارا خیال رکھیے گا۔ (اللہ حافظ)
(☆ اچھے بھائی عمران مظہر! خاص نمبروں کی وجہ سے کہانی لیٹ ہوتی ہے، مگر اب آپ کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔ انشاء اللہ۔ نزہت جبین کی جانب سے خصوصی وعلیکم السلام)

☆☆☆

شاہد رفیق سہو، کبیر والہ

سویٹ سی آپی بشریٰ مسرور صاحبہ!
السلام علیکم:
مارچ کا شمارہ ملا ٹائٹل بہت خوبصورت ہے۔ دل کش شمارہ دیکھ کے دل خوش ہو گیا۔ ریشم بہت محنت سے اپنے سفر پر گامزن ہے۔ بیشک یہ آپ لوگوں کی محنت کا پھل ہے۔ ریشمی دستک میں احوال سب کے خوبصورت تھے۔ بہت اچھے لفظوں کا چناؤ تھا۔
کہانیوں میں نزہت جبین ضیاء، مقصود احمد بلوچ کی بہت عمدہ سٹوریاں تھیں۔ باقی سب لوگوں نے بھی اپنے قلم سے خوبصورت لفظ استعمال کیے۔ ریشمی سندیسے، نوک جھونک اور باقی تمام سلسلے بھی بہت خوب اور دلچسپ ہیں۔ اللہ پاک آپ سب کو شاد و آباد رکھے اور یہ محفل اسی طرح چلتی رہے۔ (آمین)
(☆ آمین! خط لکھنے کا شکریہ)

☆☆☆

شاہ روم خان ولی، کھاریاں کینٹ

پیاری آپی بشریٰ مسرور!
السلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ
امید ہے کہ مزاج بخیر ہونگے۔
کافی عرصے سے دل چاہ رہا تھا کے اپنے محبوب ریشمی دستک میں حاضری لگواؤں مگر کبھی مصروفیات، تو کبھی ذاتی مجبوری آڑے آجاتی اور مختصر دستک سے تو ہم نے بہت پہلے قسم کھائی ہے کے مختصر دستک ہرگز نہیں دیں گے وہ بھی کیا دستک جو سب کو نیند سے نا جگائے مطلب مزہ نا آئے کیا خیال ہے۔۔
تازہ شمارے پہ تبصرہ کرنے سے پہلے کچھ دوستو کو یاد کیا جائے جو کافی عرصے سے نظر نہیں آرہے جس میں۔۔ پیارے بھائی شاہ جہاں مغل، سید بدر سعید، ارشد محمود ارشد، فصیحہ آصف خان، غضنفر علی شاہد، کاشی چوہان اور بھی کافی ہیں جن کے نام لکھنے لگوں تو میرا خط صرف نام لکھنے میں مکمل ہو جائے۔۔ آپ سب جہاں بھی ہیں پلیز تشریف لائیں۔ آپ سب کے لئے ہمیشہ دعا گو رہوں گا۔
بہترین سرورق خوبصورت دوشیزہ اپنے خوبصورت انداز سے اپنے طرف مائل کر رہی ہیں مگر ہم تو بیتاب ہیں اپنے محبوب ریشمی دستک اور نوک جھونک کے اس لئے سرسری دعا سلام کر کے ورق پلٹا۔ تو بشریٰ آپی کی بہترین تحریر

اظہار افسوس

ادارہ ریشم ڈائجسٹ کی سٹاف ممبر اور رائٹر ریما نور رضوان پچھلے ماہ گن پوائنٹ پر ڈکیتی کا سامنا کرنا پڑا الحمدللہ وہ اور ان کی فیملی جانی نقصان سے محفوظ رہے مگر مالی طور پر بہت زیادہ نقصان ہوا سب ان کے لیے دعا کریں کہ ان کی محنت کی جمع پونجی کسی طرح واپس مل جائے۔ یہ تو نہ ممکن لیکن ہم دعا کر سکتے ہیں دعائیں ہمیشہ کام آتی ہیں۔ شکریہ

اداریہ کی شکل میں پڑھا کیا اچھا لکھتی ہیں آپی یقیناً آپی جس نے بھی آپ کی یہ تحریر پڑھی ہوگی وہ ایک دوسرے کو منانے میں لگ گئے ہونگے میں بھی اپنے بچپن کی دوست کو کال کرتا رہا مگر وہ ظالم کال ہی نہیں اُٹھا رہا۔۔ خیر۔۔
غضنفر علی شاہد صاحب کی حمد باری تعالیٰ پڑھی سبحان اللہ بہت ہی عمدہ۔ اور غضنفر علی شاہد سر آپ سے مل کر بہت اچھا لگا یقیناً آپ کو نہیں لگا ہوگا۔۔

ریاض ندیم نیازی۔۔ بھائی بہت ہی عمدہ نعت سبحان اللہ آپ ماشاء اللہ بہت اچھا کہتے ہیں سلامت رہیں،،،
دین و دنیا کے بعد ریما نور رضوان۔ بہن نے خوبصورت شخصیت سے ملاقات کروائی بہت اچھا لگا اسد بھائی آپ کے بارے میں جان کر اور آپ کی ایک بات دل کو لگی۔۔ ہر ملک کی شناخت جھنڈا ہوتا ہے اور سیاسی جھنڈوں کو ختم کر کے تمام جلسوں میں ایک ہی جھنڈے کا مشورہ کیا عمدہ خیال ہے ماشاء اللہ بہت جیو دوست۔۔
نوک جھونک میں طلحہ کیا پتھر مارتے ہیں مجال ہے کسی کا سر بچ گیا ہو میں تو ابھی بھی سر پر پٹی باندھے بیٹھا ہوں ۔۔ بہت شکریہ مجھے دوسرے نمبر پر پتھر مارنے کا ہاہاہاہاہا۔۔
ریشمی دستک تک آخر کار پہنچ ہی گئے۔۔ آپی آپ کی مصروفیت کا ہمیں اندازہ ہے ہم کہاں آپ سے ناراض ہونے والے اتنی پیاری آپی سے کوئی ناراض ہو سکتا ہے بھلا آپ بس ہمارے لئے دعا کیا کیجئے۔
سب سے پہلے خط فاطمہ عبدالخالق۔۔ پہلی دستک پر آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں امید ہے آپ آتی رہا کریں گی بھرپور تبصرے کے ساتھ۔ حنا احمد علی اور حمیرا وحید کے خطوط پسند آئے،، ایس امتیاز احمد۔۔ بھائی آپ ابھی تک وہی مختصر خط لکھتے ہیں۔۔
ڈاکٹر طارق محمود آکاش جی۔۔۔ کیسے ہیں آپ بہت اچھا لگا آپ کو پاکر اور بہت شکریہ آپ نے ہمیں مبارک باد دی سدا سلامت رہیں۔
محسن علی طاب۔ آپ کا خط بھی اچھا تھا بس ایسا لگا جیسے ٹرین میں بیٹھ کے لکھا ہو بہت جلدی میں لگے بھائی کہیں جا رہے ہیں کیا۔۔۔
پرنس افضل شاہین۔۔ آپ تو ہمیشہ ہی اچھا لکھتے ہیں بھائی سب سے پہلے تو بہت شکریہ آپ نے ہمیں مبارک باد دی۔۔ بعد از گزارش ہے کے بھابی سے کب تک مار کھاتے رہو گے بھائی اب بھابی سے کہو بس کریں اور نا مارا کریں مار کھانے سے میرا قد نہیں بڑھتا وہیں کا وہیں ہوں۔۔۔ ہمیشہ خوش رہیں بھائی۔۔ عنبرین اختر صاحبہ۔۔ آپ کا تبصرہ اچھا لگا سلامتی کی دعا۔ مسٹر وکی۔۔ خوش آمدید جناب ڈاکٹر صاحب کو کہیں ہمیں بھی ایک عدد گفٹ کر دیا کریں ثواب ملے گا۔۔۔ جیتے رہیں ڈاکٹر آکاش جی۔۔ فرید جاوید فری آپی۔۔ ہمیشہ کی طرح ہنستا مسکراتا چہرہ اور خط بہت اچھا لگا آپی آپ کے لئے ہمیشہ دعا گو رہتا ہوں اللہ پاک آپ کو صحت و تندرستی عطا فرمائیں۔۔ آپ ہمارے لئے دعا کرتی ہیں میں آپ کا بہت شکر گزار ہیں پیاری آپی۔۔۔ ایم حسن نظامی۔۔ بھائی بہت اچھا تبصرہ

کرتے ہیں آپ بہت جیو۔۔۔

محمد قاسم خان بلوچ ۔۔آپ بھی جلدی میں تھے ۔۔مقصود احمد بلوچ ۔آخری خط آپ کا تھا بھائی ۔۔ پہلے تو آپ بھرپور تبصرہ کیا کرتے تھے اب آپ بھی جلدی میں رہتے ہیں بھائی ۔۔۔تمام احباب کے خطوط وتبصرے بہت ہی اچھے لگے اللہ پاک آپ تمام کو سلامت رکھے اپنی حاضری لگوایا کریں اور یہی ریشمی دستک ہی ہماری ایک دوسرے سے ملاقات کرواتی ہے اپنے حال احوال سے ضرور آگاہ کیا کریں۔۔

افسانے کوئی نہیں پڑھ پایا بہت معذرت کے ساتھ رمضان میں کچھ مصروفیات زیادہ ہیں اس لئے ۔۔۔رنگِ جہاں میں ۔۔عجیب وغریب معلومات میں کچھ کا تو پہلے علم تھا کچھ نئے تھے میرے لئے ۔۔۔ریشم کا باورچی خانہ ہماری بیگم نے بہت پسند کیا۔مگر افسوس کچھ بھی نیا نہیں کھلایا ۔۔۔رنگِ خیال میں آپ بھی اپنا کلام مجھے ارسال کیا کریں مجھے خوشی ہوگی ۔۔۔اور اپنی آراء سے ضرور نوازا کریں ۔۔آپ کے اوراق میں عبداللہ نے خوبصورت انتخاب پیش کیا جیو عبداللہ ۔۔۔آپ کے روبرو ۔۔ میں روبینہ رضا بہنا ۔۔۔نے ثناء ناز ۔۔ سے ملاقات کرائی بہت اچھا لگا سلامتی کی دعا ۔۔ ثناء ناز ۔۔۔نے پیارے بھائی ریاض ندیم نیازی ۔۔۔سے ملاقات کروائی ویسے ہم پہلے بھی مل چکے ہیں مگر آپ نے بھرپور انداز میں ملاقات کروائی سلامتی ہو۔۔رمضان سروے ،، ریما نور رضوان ۔۔ بہت ہی محنت کی آپ نے بلکہ بہت محنت کرتی ہیں آپ بہنا اللہ پاک کی ذات آپ کو اس کا اجر دے ۔۔آمین ۔۔

تمام نئے آنے والے دوستو کو ریشم میں دل کی گہرائیوں سے خوش آمدید کہتا ہوں اور جو دوست کسی مصروفیات کی وجہ سے حاضری نہیں لگواتے ان سے بھی گزارش ہے کے آپ بھی اپنی حاضری لگوائیں اور اپنے بارے میں ضرور آگاہ کیا کریں۔۔

آخر میں ایک شعر

رونے دھونے سے کچھ نہیں ہوتا
اپنی آنکھیں خراب مت کیجئے

اپنا اور اپنے ساتھ کے لوگوں کا بہت خیال رکھیں ہمیشہ خوش رہیں اور دوسروں کو خوش رکھیں ۔میری طرف سے آپ سب کو عید مبارک ،، وسلام ۔۔۔ پاکستان زندہ

(☆ شاہ روم خان! آپ کے تفصیلی تبصرے پر خوشی ہوئی آئندہ بھی آتے رہنا)

☆☆☆

مجید احمد جائی، ملتان

پیاری آپی بشریٰ مسرور صاحبہ!

مزاج گرامی!

اُمید واثق ہے کہ گرمیوں کے روزوں سے خوب خوب برکتیں ،رحمتیں سمیٹی ہوں گی۔اللہ تعالی ہر پل ،ہر لمحہ دین اسلام کی پیروی کرتے ہوئے گزارے آمین۔

جب جولائی کا شمارہ مارکیٹ میں آئے گا عید کی خوشیاں ہمارے دامن بھر کے جا چکی ہوں گی ۔یقیناً آپ سب نے اپنی خوشیوں میں اپنے اردگرد بسنے والوں کو ضرور شامل کرلیا ہوگا۔یہ سچ ہے کہ خوشیاں شیئر کرنے سے بڑھتی ہیں اور غم بانٹنے سے کم ہوتے ہیں۔اللہ تعالی ہم سب کو ایک دوسرے کی خوشیوں کا سبب بننے کی توفیق عطا فرمائے ،بے

اولادوں کو نیک صالح اولاد سے نوازے ،بیماروں کو اپنے حبیب ﷺ کے صدقے صحت کاملہ عطا فرمائے ۔خصوصی طور پر میری پیاری آپی ،میری بہن ،فریدہ جاوید فری کو صحت کی بادشاہی کے ساتھ ہمیشہ شاد و آباد رکھے آمین ثم آمین !
پیاری آپی بشریٰ مسرور صاحبہ کیسے ہیں آپ ؟ نیا گھر مبارک ہو ۔بہن کشائش ، پیارے عبداللہ ،طلحہ بھائی ،حمزہ بھائی اور ہماری بھابیاں کیسے ہیں ؟مسرور صاحب یقیناً مسکراتے ہوں گے ۔میرا سلام پہنچے ۔اب آتے تبصرے کی طرف ۔۔
ماہ جون کا عید مبارک دیتا ریشم 12 تاریخ کو ملا ۔سرورق پر عید کی تیاریاں کیے بیٹھی خوبصورت خدوخال کی مالکہ ،حسین دوشیزہ بن ٹھن کے مسکراہٹ سے اپنوں کے دل لبھا رہی تھی ۔اللہ تعالیٰ یونہی سبھی کو مسکراتا رکھے کیونکہ ہنسنے والوں کے سبھی ہوتے ہیں اور روتوں کے کوئی آنسو نہیں پونچھتا ۔اداریہ میں خوبصورت پیغام دیا گیا ۔اللہ کرے سبھی کی سوچ یہی ہو ۔زندگی چار دن کی ہے اور کیسی نفرتیں ،کس چیز کے جھگڑے ۔آئیں محبتیں بانٹیں ۔ایک دوسرے کو خوشیاں دیں ،ایک دوسرے کے دُکھ بانٹیں ۔
حمد باری تعالیٰ ،اللہ جس کو توفیق دے وہی لکھتا ہے اور پڑھنے والا پڑھتا بھی ہے (غضنفر علی شاہد) کبھی کبھی رابطہ کر لیا کریں ۔نعت رسول مقبول ﷺ ریاض ندیم نیازی نے خوب لکھا ۔سبی سے تعلق رکھنے والے بہترین شاعر ہیں ۔اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہے ۔محبتوں کا مقروض ہوں ۔آپ جیسے دوستوں کی ہمیشہ ضرورت رہی ہے ۔دین و دُنیا سے فیض حاصل کرتے ،آر ۔جے اسد عباسی سے جا ملے ۔شکریہ ریما نور رضوان آپ نے گوہر نایاب کو ڈھونڈ نکالا ۔سوالات و جوابات بہترین تھے ۔نوک جھونک نے لبوں پہ مسکراہٹوں کے پھول بکھرے دیئے ۔(ہم نے چند سوال بھیجے تھے ،وہ کہاں کھو گئے) ریشمی دستک میں باجی بشریٰ مسرور صاحبہ نے پیاری پیاری باتیں کی ہیں ۔ہم تو آپ کے لئے ہر وقت دُعا گو رہتے ہیں ۔آخر یہ محبتوں بھرا خاندان ہے ،اس سے بھلا کون خفا ہو سکتا ہے ۔ریشمی لوگوں سے ریشمی دستک خوب دی ۔جن دوستوں نے مجھے یاد رکھا اُن کا مقروض ہوں ،جنہوں نے ''محبت زندہ باد'' کو پسندیدگی کی سند سے نوازا ،اُن کے ظرف ذوق کو سلام ۔آپ کی حوصلہ افزائی ہمیں طاقت فراہم کرتی ہے ۔ان شاءاللہ بہت جلد تاریخی کہانیاں ،وہ بھی ملتان کے حوالے سے بھیجوں گا ۔بس تھوڑا سا انتظار ۔ڈاکٹر طارق محمود آکاش بھیا ملتان آنے کا وعدہ وفا کریں ۔ہم آپ کی راہیں دیکھ رہے ہیں ۔کہانیوں میں مہکتے لمحات عید کے ،ریما نور رضوان نے کمال کر دیا ۔ویری گڈ ۔بھٹکتی روحیں ،عذرا فردوس کا نام ہی کافی ہے ۔ریشم سے پرانا تعلق ہے ۔کچھ ہم بھی تھے نادان بہت ،آپی نزہت جبیں ضیاء نے خوب صورت لکھا ۔''سلگتے ارمان'' میرے ویر ڈاکٹر طارق محمود آکاش نے اچھی لکھی ۔''اور قیامت ٹل گئی'' کہانی سپرہٹ تھی ۔واقعات کا ایک دوسرے سے جڑنا کمال تھا ۔محبت کا حاصل کیا ،عید پہ محبت کا ملاپ ،ندامت ،انعام ہے رمضان ،تو چاند میری عید کا ،قرب اور ایمان ،کیسی خوشی لے کر آیا چاند ،قیمتی متاع ،وہم ۔عید نمبر سپرہٹ رہا ۔سلسلے وار جب پیار کی رُت بدلے ،کے ساتھ ساتھ فلمی دُنیا کے رومانوی اداکار ،ندیم سے ملاقات خوب رہی ،انٹرویو میں ''ثنا ناز'' کے بارے جانکاری خوب رہی ،ماشاءاللہ بہترین سوالات کے ساتھ جوابات کمال تھے ۔رمضان سروے بھی داد کا مستحق ہے ۔ریشمی مصالحہ ،دل چسپ عجیب وغریب ،رنگ میں بھنگ ،رنگ و خیال (فریدہ جاوید فری) کا پسندیدہ سلسلہ مگر ان کی غزل کہیں نا ملی ۔ریشمی سندیسے ،خود کلامی ،آپ کے اوراق ،خواص ،بی بی کے بیوٹی ٹپس ،باتیں صحت کی ۔خوب سے خوب تر تھے ۔رسائل و جرائد کی دُنیا میں واحد ریشم ہے جس میں اتنے مستقل سلسلے پڑھنے کو ملتے ہیں ۔ریشم کی ٹیم اور لکھاری داد کے مستحق ہیں کہ وہ ریشم کو خوب بناتے سنوارتے

ہیں۔ جاتے جاتے عرض گزار ہوں، تین عدد کہانیاں انتظار کی لسٹ میں ہیں یقیناً بہت جلد شامل اشاعت ہوں گی۔

☆☆☆

نسیم سکینہ صدف، ڈسکہ

بہت پیاری بشریٰ جی!

ہمیشہ خوشیاں آپ کے تعاقب میں رہیں۔ (آمین)

السلام علیکم:

خدا کرے آپ کی طبیعت اب بالکل فٹ فاٹ ہو اور آپ کی فیملی بھی خوش باش ہو۔

عرصہ سے ریشم سے منسلک ہوں۔ مگر اب کچھ عرصے کے وقفے کے بعد شامل ہو رہی ہوں۔

ماشاء اللہ سے آپ ترویج ادب میں مستقل مزاجی سے اپنا حصہ ڈال رہی ہیں۔ ریشم کا ہر شمارہ ہمیشہ کی طرح تمام تر تابانیوں کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ شاعری کی صورت میں احساسات، جذبوں اور حقائق کا دلکش اظہار ہے۔ اب تو ریشم نئے پرانے لکھاریوں سے سجا رہتا ہے۔ غرض خوبصورت تحریروں کا مرقع ہے۔ ریشم کے سارے کارکنان کو سلام و دعا۔

☆☆☆

جاتے جاتے آپ سب کے لیے بہت سارا پیار اور دعائیں۔

بشرط زندگی آئندہ انہی صفحات پر دوبارہ ملاقات ہوگی۔ اپنا بہت سا خیال رکھیے گا۔

فی امان اللہ

بے شمار چاہتوں کے ساتھ آپ سب کی

بشریٰ مسرور

خطوط اور اپنی تحریریں ہمیں اس پتے پر ارسال کریں

Suite#1, 4th Floor,

12-Mian Chambers, 3-Temple Road, Lahore

Facebook ID: Bushrarafiq

E mail: Bushraraysham@gmail.com.

اردو کمپوزنگ میں اپنی کہانیاں اور دیگر تحاریر ہمیں اسی E mail پر بھیجی جائیں۔

بدلتا ساون

عذرا فردوس

بیوی سے دل کا رشتہ بہت گہرا ہو تو آپس میں
ہلکی پھلکی نوک جھونک بھی کوئی معنی نہیں رکھتیں
کیونکہ زندگی کے چور دروازے سے داخل
ہونے والی دوسری عورت کبھی باوفا ثابت نہیں ہوتی

اس لڑکی کا فسانہ جسے اپنی محبت پر یقین تھا

دلہن بنی ماہم، زریاب کے اہل خانہ کے ساتھ ''قصر مریم'' میں داخل ہوئی تو زریاب کی والدہ امیر النساء بیگم نے ڈرائنگ روم میں دولہا، دلہن کو بٹھایا، مہمانوں کی موجودگی میں رسومات کرنے لگیں ساتھ ہی فوٹو سیشن اور مووی کا سلسلہ بھی جاری تھا۔

زریاب کی بہنیں رسم کرنے کے بعد مہمانوں کی تواضع مٹھائی اور مشروبات سے کرنے لگیں۔ ساتھ ہی ہنسی مذاق کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ کچھ دیر بعد مہمان روانہ ہو گئے۔

اگلے دن ولیمہ تھا۔ زریاب کی بہن زینب نے اپنے شوہر حاشر سے اجازت لے لی تھی کہ وہ ولیمے کے بعد اپنے گھر جائے گی۔ حاشر کو رخصت کرنے کے بعد زینب اپنی چھوٹی بہن سے پوچھ رہی تھی کہ صبح ناشتے میں کیا کیا لوازمات بنائے جائیں۔ تب ہی زریاب نے اپنی بہنوں کی پریشانی دور کردی۔

'' تم دونوں کو ناشتے کا اہتمام کرنے کی قطعاً

ضرورت نہیں تم لوگ اطمینان سے صبح دیر تک اٹھنا صبح کا ناشتہ میری طرف سے ہوگا بلکہ ایسا کرو حاشر، چچا جان اور پھوپھو کی فیملی کو بھی بلوا لیتے ہیں ویسے بھی کل چھٹی تو ہے۔"

"زریاب بھائی! مشورہ تو اچھا ہے اب تو سب جا چکے ہیں آپ کو پہلے بتانا چاہیے تھا۔" زینب بولی۔

"تو کیا ہوا، سب کو فون پر صبح کے ناشتے کی دعوت دے دیتے ہیں۔" مریم نے حل نکالا۔

"تم لوگ ناشتے کا پروگرام بنا رہے ہو اگر ماہم بھابی کے گھر سے ناشتہ آ گیا تو۔" زریاب کی کزن حبہ نے کہا۔

"حبہ جانی! ایسا نہیں ہوگا امی اور چچی پہلے ہی بھابی کی امی کو ان سب چیزوں کے لیے منع کر چکی ہیں کہ وہ یہ تکلف نہ کریں۔" مریم نے بتایا۔

"اچھا زریاب بھائی! آپ ماہم بھابی کے پاس جائیں۔ نیگ تو آپ ہمیں دے چکے ہیں اس لیے ہم آپ کو اندر کمرے میں جانے کی اجازت دے رہے ہیں۔ صبح آپ نے ہم سب کو زبردست قسم کا ناشتہ کروانا ہے۔" زینب نے کہا۔

"ہاں مگر ایک بات یاد رکھنا کہ چائے میں گھر پر ہی بنوں گا کہیں حلوہ پوری کے ساتھ چائے بھی لانا پڑی تو لوگ یہی سمجھیں گے کہ ہم لوگ گھر میں کچن بنوانا بھول گئے ہیں۔"

"اچھا، اچھا اب جاؤ۔ تمہاری بہنیں ایسے ہی باتیں بناتی رہیں گی۔ ابھی سب پھیلاوا بھی سمیٹنا ہے۔ اٹھو مریم اپنی پھوپھو اور چچی کو فون کرو کہ وہ صبح ناشتہ ہمارے ساتھ کریں۔" امیر النساء بیگم بولیں۔ مریم اٹھ کر فون کرنے لگی ابھی وہ فون کر کے فارغ ہوئی تھی کہ فون کی بیل بجنے لگی۔ مریم نے فون ریسیو کیا تو دوسری جانب موجود خاتون نے سلام کیا۔

"آپ کون بات کر رہی ہیں۔ میں آپ کو پہچان نہیں سکی۔" مریم نے پوچھا۔

"میں ماہم کی امی بات کر رہی ہوں بیٹا آپ اپنی امی سے بات کروا دیں۔"

"آنٹی خیریت تو ہے۔" مریم نے پریشان لہجے میں پوچھا۔

"ہاں بیٹا بالکل خیریت ہے۔" مریم نے وہیں سے کھڑے ہو کر امی کو آواز دی۔

"امی آپ کا فون ہے۔"

"جی السلام علیکم" امیر النساء بولیں دوسری جانب سے ماہم کی امی خالدہ خاتون فکر میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہنے لگیں۔

"بہن امیر النساء معاف کیجیے گا میں نے آپ کو اتنی رات گئے تکلیف دی دراصل سب کچھ اتنی جلدی میں ہوا کہ سمجھ ہی نہ سکی۔ ماہم رخصت کیا ہوئی رہ رہ کر خیال آ رہا تھا میں تو کبھی بھی اس کے بغیر ایک رات نہیں سوئی مجھ پر ڈپریشن طاری ہو رہا ہے۔ ایک طرف بے چینی اور فکر لاحق ہے کہ اتنی جلدی معاملات طے ہوئے اور ماہم رخصت ہو گئی۔ دوسری طرف شکر بھی ادا کر رہی ہوں کہ بیٹی کے فرض سے فارغ ہو گئی ہوں۔ بہن امیر النساء، رخصتی کے وقت مجھے اتنا رونا آ رہا تھا کہ میں آپ سے بات نہ کر سکی۔ آپ سے ایک درخواست ہے میری بیٹی کا خیال رکھیے گا۔ آپ سمجھ دار ہیں ماہم کے معاملے میں درگزر سے کام لیجیے گا۔" خالدہ خاتون کی آواز بھرا گئی۔

"ارے، آپ رو رہی ہیں دیکھیں اگر یہ خوشی کے آنسو ہیں تو بے شک اور بڑھا لیں مگر فکر اور غم اس موقع پر نہایت غیر مناسب ہیں۔ ماہم کے لیے میں اتنا کہوں گی کہ وہ میری بیٹیوں کی طرح ہے۔ زریاب کے ساتھ وہ بہت خوش و خرم زندگی گزارے گی۔ آپ ماہم کی آنکھوں میں ہمیشہ جگنوؤں کی چمک دیکھیں گی۔ اس کے چہرے پر خوشی دیکھیں گی۔ بس آپ ہر فکر سے آزاد ہو کر

بچوں کی دائمی خوشیوں کی دعا کریں۔ کل آپ سے ملاقات ہوگی اب آپ اطمینان سے سو جائیں۔'' امیر النساء بیگم نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''بہت شکریہ خدا حافظ۔'' خالدہ خاتون نے یہ کہتے ہوئے ریسیور رکھ دیا۔

''امی کیا بات ہے خیریت تو تھی۔'' زینب نے فکر مند لہجے میں پوچھا۔

''ہاں، ماہم کی امی تھیں فکر مند تھیں اس لیے فون کیا تھا میں نے بھی تسلی دے دی۔ اب تم لوگ بھی کپڑے تبدیل کر کے لیٹ جاؤ کافی رات ہو رہی ہے۔'' امیر النساء بیگم یہ کہتے ہوئے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔ شادی کی تیاریوں میں مصروف رہنے کے سبب اس وقت انہیں شدید نیند آ رہی تھی۔

اگلے دن صبح کا ناشتہ زریاب نے اپنے وعدے کے مطابق بھرپور کروایا۔ ناشتے میں حلوہ پوری، سالن، قیمے کے پراٹھے اور نان تھے۔ سب نے ڈٹ کر کھایا۔ چھٹی کی وجہ سے چچا اور پھوپھو اپنی فیملی کے ساتھ موجود تھے۔ دوپہر سے ولیمے کی تیاری ہونے لگی۔ جو گھر کے نزدیک میرج ہال میں تھا۔

رات دس بجے ماہم کی امی اپنی بھابی اور دوسرے اہل خانہ کے ساتھ ولیمے کی تقریب میں شرکت کے لیے پہنچیں تو ماہم کی ممانی نجمہ اور ان کی بیٹی فروا، ماہم کے سسرال کی شان و شوکت دیکھ کر دنگ رہ گئیں۔

ماہم کے سسرال میں سب خواتین نے ماہم کی امی، ممانی اور فروا کو بہت عزت دی۔

''امی! ماہم کو دیکھیں کتنی حسین لگ رہی ہے۔'' فروا نے بیٹھتے ہوئے تبصرہ کیا۔

''یہ سب میک اپ کا کمال ہے۔ شہر کے اتنے مہنگے پارلر سے میک اپ کروایا ہے حسین تو لگنا تھا لڑکے کی فیملی دیکھی ہے خاصے اسٹیبلش لوگ ہیں۔ ماہم سے تو زریاب کا کوئی جوڑ نہیں بنتا۔'' اتنے میں ماہم کی امی خالدہ خاتون آ گئیں ان کو دیکھ کر نجمہ بانو چپ ہو گئیں۔

رات گئے ولیمے کی تقریب اختتام کو پہنچی۔ اپنے گھر پہنچتے ہی نجمہ بانو نے اپنے شوہر سے کہا۔

''آپ کی بہن کتنی چالاک ہے ماہم کی شادی کے تمام معاملات طے کر لیے اور ہمیں خبر نہ ہونے دی خالدہ کہہ رہی تھی کہ رشتے والی نے یہ رشتہ کروایا ہے مگر میں نے پتہ لگایا ہے جہاں ماہم جاب کرتی تھی وہیں زریاب بھی جاب کرتا ہے۔ بڑی اچھی پوسٹ پر ہے۔ آپ نے دیکھا تو ہوگا اچھے خاصے، کھاتے پیتے لوگ ہیں۔ خالدہ کی ان کے آگے کیا اوقات ہے۔ بیوہ عورت جہیز بھی کچھ نہیں دیا۔ خالدہ کو اندازہ نہیں ہے ماہم آگے کیا، کیا بھگتے گی۔''

''نجمہ بس کرو تمہاری بھی بیٹی ہے زریاب اور اس کے گھر والوں نے ماہم کے مالی حالات کو جانتے ہوئے شادی کی ہے۔ ان لوگوں نے خود جہیز لینے سے منع کر دیا تھا۔'' ماہم کے ماموں عمر بیگ بولے۔

''آپ لوگوں کی فطرت نہیں جانتے امیر لوگ منہ سے کہتے کچھ ہیں اور نکلتے کچھ اور ہیں۔ زریاب کو چھوڑیں اس کی ماں، بہنیں تو آئے دن طعنے دیں گی۔ ماہم کو جہیز نہ ملنے کا۔''

''نجمہ! تم بھی تو فروا کی شادی بہت امیر گھرانے میں کرنے کا خواب دیکھتی ہو، ہماری اوقات تمہیں اچھی طرح سے پتہ ہے تم کہاں سے جہیز دو گی۔'' عمر بیگ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''خدا سلامت رکھے میرے بھائیوں کو، دونوں ملک سے باہر ہیں۔ ایک ڈالر کما رہا ہے اور دوسرا یورو، دیکھنا کتنا شاندار جہیز دیں گے وہ اپنی بھانجی کو، میرے بھائیوں نے مجھ سے کہہ رکھا ہے کہ فروا کی شادی کے انتظامات ان کی طرف سے ہوں گے۔''

''اچھی بات ہے میں ماہم کی شادی پر دل کھول کر خرچ کرنا چاہتا تھا تو تم نے منع کر دیا کہ کیا فروا کی شادی

نہیں کرنی جو جمع پونجی لٹانے کے چکر میں ہیں۔ یہ بات تم پہلے بتا دیتیں تو ماہم کا بھلا ہو جاتا۔'' عمر بیگ بولے۔

''چپ رہیں آپ کو تو ہر وقت بہن اور بھانجی کی فکر رہتی ہے۔ اپنے پاس پیسہ جمع رہے یہ تو آپ چاہتے نہیں ہیں۔'' نجمہ بانو غصے میں کہتی ہوئی اٹھ کر چلی گئیں۔

''میری بھانجی کا رشتہ اچھے لوگوں میں کیا ہو گیا۔ سارے خاندان کی نظر اس پر ہے۔'' عمر بیگ بڑبڑائے اور ماہم کے اچھے مستقبل کی دل میں دعا کرنے لگے۔

☆☆☆

ولیمے کے دوسرے ہفتے ماہم اور زریاب ناشتے سے فارغ ہو کر ہلکی پھلکی گفتگو کر رہے تھے ماہم کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی خاص بات پوچھنا چاہ رہی ہے۔ زریاب نے بھانپ لیا اور بولا۔

''تمہیں کچھ کہنا ہے تو کھل کر کہو۔'' ماہم نے پہلے نہیں اور پھر ہاں کہا اور کہنے لگی۔

''میں دراصل آپ سے یہ پوچھنا چاہ رہی تھی کہ آپ کیوں چاہ رہے ہیں کہ میں ریزائن دے دوں۔''

''دیکھو ماہم! میں سمجھتا ہوں کہ اب تمہیں جاب کی ضرورت نہیں رہی۔ میری کمپنی میں تم میرے انڈر میں چھوٹی سی جاب کرو مجھے اچھا نہیں لگے گا۔ تم نے تو کبھی سوچا بھی نہیں ہوگا کہ تمہاری مجھ سے شادی ہوگی۔ رہی بات میرے گھر والوں کی وہ بھی اس رشتے کے لیے رضا نہیں تھے۔ لیکن جب نیت صاف اور ارادے نیک ہوں تو رکاوٹیں اور مشکلات دور ہو جاتی ہیں۔ مجھے تم اچھی لگیں میں نے تمہیں پرپوز کیا۔ اس وقت تم نے کچھ خدشات کا اظہار کیا تھا کہ میرے گھر والے اس رشتے پر رضامند ہو جائیں گے۔ میں نے امی کو اعتماد میں لے کر آخر کار انہیں اس رشتے پر رضامند کر ہی لیا۔ میری امی بہت اچھی ہیں مگر تمہارے معاملے میں ان کا رویہ میرے ساتھ بہت سرد تھا بقول ان کے آفس میں کام کرنے والی لڑکیاں بے باک اور لڑکوں کو گھیرانے والی ہوتی ہیں۔''

زریاب نے اپنی ہنسی کو دباتے ہوئے کہا۔

''میں آپ کو ایسی لگتی ہوں۔'' ماہم اسے گھورتے ہوئے بولی۔

''میں نے کب کہا کہ تم ایسی ہو یہ تو میری امی کی رائے ہے۔ جس سے میرا اتفاق کرنا ضروری نہیں۔ تم کو پتہ ہے میں نے ملک سے باہر بھی جاب کے لیے ایک دوست کے توسط سے اپلائی کیا ہے دیکھو کیا ہوتا ہے۔'' زریاب نے گفتگو کا موضوع بدلا۔

''تو کیا آپ ملک سے باہر چلے جائیں گے اور میں۔''

''میں تم کو بھی بلا لوں گا۔ میں تمہارے بغیر رہ سکتا ہوں کیا؟'' زریاب نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

ماہم نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''ماہم ایسا ہے کہ شام کو ہم دونوں تمہاری امی کے گھر چلیں گے وہاں تھوڑی دیر بیٹھ کر باہر کسی اچھے سے ہوٹل میں ڈنر کریں گے۔ دیکھو وہاں پہنچ کر تم اپنا ارادہ مت بدل دینا تمہاری امی کو میں جانتا ہوں وہ اصرار کریں گی کہ ہم لوگ ان کے گھر ڈنر کریں مجھے ان کو منع کرتے ہوئے بڑا عجیب لگتا ہے۔''

''تھینک یو زریاب! آپ بہت اچھے ہیں۔ بنا کہے میری ہر خواہش پوری کر دیتے ہیں۔''

''وہ تو میں ہوں ہی اچھا یہ بتاؤ تم کون، کون سے کھانے اچھے بنا لیتی ہو۔'' ماہم مسکراتے ہوئے بتانے لگی۔

''جتنے کھانے آسان اور سادہ، کم خرچ میں اور کم وقت میں بن جائیں۔ وہ سب میں اچھے بنا لیتی ہوں۔''

''مثلاً؟'' زریاب نے پوچھا۔

''مثلاً کھچڑی، آملیٹ، دال، سادے چاول، آلو کی ترکاری، کسٹرڈ۔''

''ایک بات کہوں برا مت ماننا، تمہارے گھر والوں کا تو پتہ نہیں مگر ہمارے گھر تو بیمار بھی یہ سارے کھانے

مشکل سے ہی کھاتے ہیں تم امی کی شاگردی اختیار کر لو، کیونکہ میں اچھے کھانوں کا شوقین ہوں۔'' ماہم کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

☆☆☆

وقت تیزی سے کروٹ بدل رہا تھا۔ ماہم کی شادی کو تین سال سے اوپر کا عرصہ ہو چکا تھا امیر النساء کا رویہ، ماہم کے ساتھ شروع میں بہت اچھا تھا۔ گزرتے وقت کے ساتھ ان کے رویے میں تبدیلی آنے لگی تھی۔ وجہ ان کی وہ خواہش تھی جو ماہم کے اختیار میں نہیں تھی۔ امیر النساء زریاب کی جلد از جلد اولاد ہونے کی خواہش مند تھیں اور اس سلسلے میں ماہم کو کئی ڈاکٹروں کو بھی دکھا چکی تھیں۔ ڈاکٹروں نے زریاب کو نارمل قرار دیا تھا۔ خرابی ماہم میں تھی۔ ڈاکٹروں کے مطابق ماہم کا علاج خاصا وقت طلب تھا یہ بات جاننے کے بعد میر النساء کے مزاج میں تلخی آ گئی تھی۔ ان کی ناامیدی اور مایوسی کی باتیں سننے کے بعد زریاب کا رویہ بھی ماہم کے ساتھ بدلنے لگا تھا۔ وہ آفس سے تھکا ہارا گھر آتا تو امیر النساء ماہم کی شکایتیں اس کے سامنے لے کر بیٹھ جاتیں۔

ماہم بھی موقع ملتے ہی زریاب پر زور ڈالتی کہ وہ اسے لے کر علیحدہ گھر میں رہے۔ زریاب اس کی خواہش سن کر خاموش رہتا وہ ماہم کے پیچھے اپنے والدین کو نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ گھر کی فضا میں تناؤ دیکھ کر زریاب نے اپنی سیکرٹری فارینہ میں دلچسپی لینا شروع کر دی تھی۔ آفس سے فارغ ہونے کے بعد زریاب کا بیشتر وقت فارینہ کے ساتھ گزرنے لگا تھا۔

ہفتے کا دن تھا ماہم، زریاب کا انتظار کر رہی تھی صبح اس نے زریاب سے کہا تھا کہ وہ رات میں کہیں گھومنے چلیں گے اور زریاب نے وعدہ کیا تھا کہ وہ شام چھ بجے تک لوٹ آئے گا۔ چھ سے آٹھ بجے گئے تھے زریاب گھر نہیں آیا تھا۔

ماہم نے زریاب کا نمبر کئی بار ملایا تھا۔ اس کا موبائل آف جا رہا تھا۔ ماہم بیتے دنوں والے زریاب کا اب والے زریاب سے موازنہ کر رہی تھی۔ زریاب یک لخت اس کے لیے اجنبی کا روپ دھار گیا تھا۔

زریاب اس کا شوہر ہی نہیں محبوب بھی تھا مگر اس محبوب شوہر اور اس کی اپنی ذات کے عین بیچ اجنبیت کی ایک دیوار ابھر آئی تھی۔ انتظار کی اذیت ماہم کی رگ رگ میں اپنا زہر پھیلا رہی تھی گہری سوچوں میں گم، بظاہر وہ کچن میں روٹیاں پکانے میں مصروف تھی۔ تب ہی جلی ہوئی روٹی کی بو پورے گھر میں پھیل گئی۔ ماہم ہڑبڑا کر اپنی سوچوں کے حصار سے نکلی روٹی کو توے سے الگ کرتے ہوئے وہ سالن کا چمچ چلانے لگی وہ بھی لگنے کے قریب تھا۔ جلدی سے ایک کپ پانی ڈالا اتنے میں امیر النساء بیگم کچن میں پہنچ گئیں۔

''کیا سالن جلا دیا ہے؟'' انہوں نے پوچھا۔

''نہیں امی بس جلتے، جلتے رہ گیا ہے۔ میں نے پانی ڈال دیا ہے۔'' ماہم نے جواب دیا۔

''اور یہ روٹیاں'' وہ ہاٹ پاٹ پر نظر دوڑاتے ہوئے بولیں۔

''تمہیں کتنی بار کہا ہے کہ کھانا پکاتے وقت دل لگایا کرو کئی مہینوں سے میں دیکھ رہی ہوں تم بدمزہ کھانا پکانے لگی ہو تب ہی زریاب، رات کا کھانا باہر کھا کر آنے لگا ہے۔ میرا بیٹا، اچھے کھانوں کا بے حد شوقین ہے اور یہ بات تو تم پہلے سے جانتی ہو گی ظاہر ہے تم نے زریاب کو گھیر گھار کر شادی کی تھی۔'' ماہم ان کے لہجے میں چھپے طنز کو سمجھ گئی پھر بھی پوچھنے لگی۔

''آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟''

''بھئی جس آفس میں زریاب کی جاب تھی وہاں پر تم بھی ٹائپسٹ تھیں ظاہر ہے تم اس حوالے سے زریاب کی پسند، ناپسند کو شادی سے پہلے جانتی تھیں بجائے اس کے تم دونوں کی محبت کے وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی الٹا ہو گیا۔ زریاب تم سے کھنچا، کھنچا رہنے لگا ہے۔ زریاب

کی تم سے دلچسپی بالکل ختم ہوگئی ہے۔"
"امی! آپ اچھی طرح سے جانتی ہیں زریاب کے بدلتے ہوئے رویے کی وجہ ہماری اولاد کا نہ ہونا ہے۔ وہ اس معاملے میں اس حد تک میرے ساتھ خشک رویہ اختیار نہیں کرتے اگر آپ اولاد کے معاملے کو خدا پر چھوڑ دیتیں آپ کی ہر وقت کی تکرار نے انہیں مجھ سے دور کر دیا ہے۔ یہ بات میرے بس کی نہیں جو میں آپ کی اور زریاب کی خواہش پوری کر دوں۔" ماہم رندھے ہوئے لہجے میں بولی۔
"ماہم! تم چاہو تو مری اور زریاب کی یہ خواہش پوری کر سکتی ہو۔ زریاب کو دوسری شادی کی اجازت دے کر۔" امیر النساء یہ کہتے ہوئے کچن سے چلی گئیں۔ ماہم بے بس برتن کھڑکھڑانے لگی۔ رات گیارہ بجے زریاب گھر لوٹا تو ماہم نے اس سے دیر سے آنے کا سبب دریافت کیا۔
"آفس میں کام بہت بڑھ گیا ہے۔ اس لیے میں لیٹ آیا ہوں کھانا میں نے باہر کھالیا ہے۔" زریاب نے کہا۔
"آفس کا کام آپ کے لیے بڑھا ہے۔" ماہم نے ناگواری سے پوچھا۔
"میں تمہاری بات سے کیا مطلب سمجھوں تم مجھ پر شک کر رہی ہو مجھے شکی بیویاں سخت ناپسند ہیں اور ہاں ایک بات اچھی طرح سن لو مجھے شادی کرنا ہوگی تو میں کر لوں گا۔ مجھے تمہیں بتانے یا پوچھنے کی قطعاً ضرورت نہیں اس لیے میری جاسوسی چھوڑ دو۔" زریاب یہ کہتے ہوئے بستر پر لیٹ گیا۔ ماہم اداسی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ کتنا بدل گیا تھا۔ اس کے سوالوں کا جواب الٹا دینے لگا تھا۔ ماہم بوجھل دل لیے بیڈ سے اٹھی اور لائٹ آف کر دی۔
دو روز بعد وہ گھر سے شاپنگ کے ارادے سے نکلی عید کی آمد تھی اس نے زریاب سے کہا ہوا تھا کہ وہ اسے رمضان سے پہلے شاپنگ کے لیے لے چلے زریاب نے اسے پیسے دیتے ہوئے مصروفیت کا بہانہ کر دیا تھا کہ وہ اپنی پسند سے خود جا کر شاپنگ کر لے مجبوراً ماہم گھر کے نزدیک واقع شاپنگ سینٹر میں پہنچ گئی۔ ماہم نے زریاب کی پسند کے رنگوں کے دو ملبوسات اپنے لیے خریدے۔
ملبوسات کی خریداری کے بعد اس نے میچنگ جیولری لی۔ جیولری کی دکان سے نکل کر وہ سوچ رہی تھی کہ اب اسے اپنے لیے اور کیا لینا ہے تب ہی اسے سکندر مل گیا۔ سکندر، زریاب کے آفس میں کام کرتا تھا۔ شادی سے پہلے اس کی ماہم سے اچھی خاصی دوستی تھی۔
"ماہم! مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنا تھی۔" سکندر نے رسمی بات چیت کے بعد کہا۔
"ہاں کہو" ماہم بولی۔
"یہ جگہ بات کرنے کے لیے مناسب نہیں بہتر ہوگا ہم لوگ کسی کیفے میں چل کر بات کریں۔" سکندر کی بات سن کر ماہم کو گھبراہٹ ہونے لگی۔
"چلو" وہ آگے بڑھتے ہوئے بولی۔ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں نزدیکی کیفے میں موجود تھے۔
"ایسی کیا بات تھی جو تم مجھے بتانے کے لیے یہاں لائے ہو۔" ماہم نے بے صبری سے پوچھا۔
"آج میں آفس نہیں گیا ہوں اس وجہ سے میں آپ کو یہاں مل گیا ہوں ورنہ آپ کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ آفس میں کیا چل رہا ہے۔" سکندر اتنا کہہ کر چپ ہو گیا۔
"تم کھل کر کہو کیا بات ہے۔" ماہم کو تشویش ہونے لگی۔
"پہلے آپ کو وعدہ کرنا ہوگا کہ آپ سر زریاب کے سامنے میرا ذکر نہیں کریں گی کہ میں نے آپ کو یہ بات بتائی ہے وہ پہلے ہی مجھ سے تپے بیٹھے ہیں یہ بات سننے کے بعد مجھے آفس سے نکال باہر کریں گے۔" وہ تیز تیز سانس لیتے ہوئے بولا۔

"میں وعدہ کرتی ہوں کہ میں زریاب کے سامنے تمہارا نام نہیں لوں گی پلیز جو بتانا چاہتے ہو بتاؤ مجھے تو الجھن ہونے لگی ہے۔"

ماہم احمقوں کی طرح منہ کھولے سکندر کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"آپ کافی دنوں سے یہ بات تو نوٹ کر رہی ہوں گی کہ سر زریاب گھر دیر سے آنے لگے ہیں۔ کبھی آپ نے ان سے اس کا سبب پوچھا ہے؟"

"کیا مطلب؟ دفتر میں کام زیادہ نہیں؟" وہ مجھ سے یہی کہتے ہیں کام کی زیادتی کے سبب وہ لیٹ آنے لگے ہیں۔

"ہرگز نہیں وہ آپ کو بے وقوف بنا رہے ہیں میں جانتا ہوں کہ آپ کو یہ جان کر دکھ ہوگا لیکن میں کہے بغیر نہیں رہ سکتا کیوں کہ میں اگر آپ کو یہ بات نہ بتاؤں تو آپ کی ازدواجی زندگی کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔" ماہم کے آہن میں شعلہ سا بھڑکا۔

"سکندر، تم کیا کہہ رہو ہو؟ کون ہے وہ عورت؟"

"فارینہ" سر کی سیکرٹری اس پر وہ بہت مہربان ہیں دونوں کے رومانس کے متعلق آفس کے زیادہ تر لوگ جانتے ہیں وہ ہے ہی....." سکندر کیا کہہ رہا تھا ماہم کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا اسے تو اپنے مستقبل کی فکر ہو رہی تھی۔ اس کے خوابوں کی تعبیر اس کا مستقبل اسے تاریک نظر آ رہا تھا۔ زریاب سے شادی سے پہلے اس نے جو خواب دیکھے تھے وہ سب چکنا چور ہو گئے تھے۔ سکندر ماہم کے سامنے زریاب اور فارینہ کے قصے سنا کر کچھ دیر بعد چلتا بنا۔

"آپ پلیز سر، کے سامنے میرا نام مت لینا آپ کو جو کہنا ہے اپنے طور پر کہنا۔" سکندر نے جاتے ہوئے کہا۔ سکندر کو جاتے دیکھ کر ماہم بھی اٹھ کر کیفے سے باہر نکل گئی۔ اس نے مزید شاپنگ کا ارادہ ملتوی کر دیا اور گھر روانہ ہو گئی۔

گھر پہنچ کر وہ الجھے ذہن کے ساتھ صوفے پر ڈھے گئی وہ گم صم سی خلا میں ٹکٹکی باندھے تکے جا رہی تھی۔ وہ زریاب کو دیوانگی کی حد تک چاہتی تھی۔ یہ احساس تک اس کی روح کو اذیت دیتا تھا کہ زریاب کو اپنی ماں سے شدید محبت ہے وہ دوسری عورت میں دلچسپی لے رہا ہے اس خبر کو وہ خاموشی سے سہ جائے اس کے لیے ناممکن تھا۔

زریاب وہ وجود تھا جس کے معاملے میں وہ دوسری عورت کی شراکت کسی صورت برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ وہ بیٹھی سوچ رہی تھی کہ اسے کیا کرنا ہے۔ جلد بازی میں الٹ بھی ہو سکتا تھا۔ زریاب اسے طلاق دے کر فارینہ سے شادی کر سکتا تھا۔ اس صورت میں وہ خالی ہاتھ رہ جاتی۔ کافی دیر سوچ بچار کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ اسے خاموش رہنا ہے۔ زریاب کب اس کے سامنے اپنے ارادے کا اظہار کرتا ہے اس کے لیے اسے وقت کا انتظار کرنا تھا۔

☆☆☆

سکندر اپنے کمرے میں لیٹا سوچ رہا تھا کہ زریاب کو اب دنیا سے رخصت کر دینا ہی بہتر ہے زریاب، سکندر کے ساتھ ناانصافی کرتا آیا تھا۔ اس کا پہلا قصور یہ تھا کہ اس نے سکندر کی محبت ماہم سے شادی کی تھی۔ سکندر، ماہم کی محبت میں اس دن گرفتار ہو گیا تھا جس دن اس نے ماہم کو دیکھا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنی محبت کا اظہار کرتا۔ زریاب نے ماہم کو پرپوز کر دیا اور ماہم نے بخوشی اس کا پرپوزل قبول کر لیا۔

سکندر دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ اگر بات یہیں تک ہوتی تو سکندر اپنے نصیب پر صبر کر لیتا۔ لیکن اس کے بعد سے زریاب نے سکندر کی ترقی کی راہ میں ہمیشہ رکاوٹ ہی پیدا کی تھی۔ اس نے کمپنی میں جس حیثیت سے جاب کی شروعات کی تھی آج بھی وہ اسی عہدے پر تھا۔ اسے اپنے آگے نہ بڑھنے کا بے حد

افسوس تھا۔ بڑی مشکل سے وہ نوکری حاصل کرنے میں کامیاب ہوا تھا وہ بھی ایک جاننے والے کی سفارش سے، بغیر سفارش کے سکندر کو کون نوکری دیتا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی تعلیمی قابلیت محض انٹر تھی۔

کالج کے دور میں اس کی دوستی ایسے لڑکوں سے ہو گئی تھی جو مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوث تھے اور چوری کی وارداتیں کرتے تھے۔ سکندر نے ان کے ساتھ چند وارداتیں کی تھیں اور ایک دفعہ گرفتار ہو کر تھانے پہنچا تھا۔

سکندر کی ماں نے اس کے تایا کی بڑی منت سماجت کی تھی اس کی ماں کی التجا پر سکندر کے تایا نے اس کی ضمانت کروائی تھی۔ سکندر نے اپنی ماں سے وعدہ کیا تھا کہ وہ آیندہ کبھی کسی جرم میں ملوث نہیں ہوگا اور اس نے ماں سے کیے ہوئے وعدے کو نبھایا بھی تھا۔

سکندر کو ملازمت اپنے تایا کے جاننے والے کے توسط سے ملی تھی۔ ملازمت کے دوران اس نے اپنی ادھوری تعلیم کو مکمل کرتے ہوئے بی کام کر لیا تھا۔ جس کا اسے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا تھا۔ وہ معمولی جاب کرتے ہوئے اکتا گیا تھا۔ جب تک سکندر کی ماں زندہ تھی وہ اس کا حوصلہ بڑھاتی رہتی تھی کہ بہت جلد اس کی ترقی ہو گی اور ان لوگوں کے دن پھر جائیں گے وہ ایک کمرے پر مشتمل کرایے کے گھر کو چھوڑ کر بڑے گھر میں شفٹ ہو جائیں گے۔ جہاں سے وہ سکندر کی بارات دھوم دھام سے لے کر جائیں گی۔

مگر سکندر کی ماں کے اور خود سکندر کے خواب ادھورے رہ گئے۔ ماں اپنے آخری سفر پر روانہ ہو گئی۔ سکندر اپنی کمتر اوقات کے سبب ماہم کو نہ پا سکا اور نہ مالی طور پر۔ وہ آسودہ ہو چکا تھا۔

کچھ دنوں سے وہ شدید ڈپریشن کا شکار رہنے لگا تھا۔ اس کے ذہن میں قتل کے منصوبے جنم لے رہے تھے۔ اسے باخبر ذرائع سے پتہ چلا تھا کہ زریاب نے اس کا نام اس سال بھی ترقی پانے والوں کی فہرست میں شامل نہیں کیا تھا۔ حسب سابق اسے اس سال بھی نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ جس پر وہ تلملا کر رہ گیا تھا۔ وہ اپنے ساتھ ہونے والی اس ناانصافی کا ذمے دار زریاب کو سمجھ رہا تھا۔

زریاب کو اس سے ازلی نفرت تھی۔ زریاب کا بس چلتا تو وہ اسے کمپنی سے نکال باہر کرتا۔

"زریاب! اب تو میں تمہیں دنیا سے رخصت کر کے رہوں گا۔" سکندر نے فیصلہ کن لہجے میں بڑبڑایا اور دل میں سوچنے لگا کہ زریاب کو کیسے ٹھکانے لگاتا ہے۔

اگلے دن سکندر آفس میں اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ بیرونی کمرے میں زریاب کی سیکرٹری فارینہ ٹائپنگ میں مصروف تھی۔ سکندر نے اپنی میز کی دراز میں بند لفافہ باہر نکالا اور لفافے کو دراز میں رکھتے ہوئے کھول کر اندر جھانکا ریوالور لفافے میں موجود تھا۔ سکندر کی نگاہ ریوالور پر جم گئی۔ اس کی نگاہ میں اس ریوالور کی حیثیت آلہ قتل کی نہیں بلکہ ایک ایسے ہتھیار کی تھی جس کے ذریعے اس خود غرض اور بے انصاف دنیا سے عدل طلب کیا جا سکتا ہے۔

سکندر نے کچھ سیکنڈ بعد ریوالور کو نکال کر اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور اس کا جائزہ لینے لگا پھر اس نے ریوالور کو واپس لفافے میں ڈال دیا اور دراز کو لاک کر دیا۔ پھر وہ سوچنے لگا کہ اسے زریاب کو موت کے گھاٹ اتارنے سے پہلے یہ بتانا ہوگا کہ وہ اسے کس وجہ سے یہ بھیانک سزا دے رہا ہے۔ ابھی وہ سوچ رہا تھا کہ فارینہ کمرے میں داخل ہوئی اور بیرونی دروازے کے نزدیک بیٹھے وہاج کی ٹیبل کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

وہاج فائلوں پر جھکا بیٹھا تھا۔ فارینہ کو دیکھ کر وہ کام چھوڑ کر اس سے باتوں میں مصروف ہو گیا۔ سکندر کی توجہ عارضی طور پر فارینہ کی جانب مبذول ہو گئی۔ فارینہ کو سکندر اس کی مغرور طبیعت کی وجہ سے پسند نہیں کرتا تھا۔ فارینہ کسی کام میں سکندر کی مدد کرتی تو یہ بات ضرور جتا

دیتی کہ وہ زریاب کی سیکرٹری ہے اور اس حوالے سے زریاب کے کام اس کے لیے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ اہم ہیں یہی وجہ تھی کہ سکندر حتی الامکان کوشش کرتا تھا کہ وہ کسی کام میں فارینہ کی مدد نہ لے۔

فارینہ، سکندر کی ضروری کال کا جواب دینا بھی گوارا نہیں کرتی تھی۔ جب کہ زریاب کے فون کی بیل بجتے ہی وہ بجلی کی رفتار سے فون کے ریسیور پر جھپٹ پڑتی تھی اور ضرورت نہ ہونے کے باوجود زریاب کے لیے پانی اور جوسز لے کر جارہی ہوتی تھی۔

فارینہ روز زریاب کے کمرے میں پھولوں کے گلدستے سجارہی ہوتی تھی اور زریاب کی عدم موجودگی میں اس کی میز پر پھیلے ہوئے کاغذات سلیقے سے ترتیب دے کر رکھ رہی ہوتی تھی۔ زریاب کی ماہم سے شادی کے بعد سکندر نے فارینہ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا مگر فارینہ نے اس کی اس آفر کو رد کردیا تھا یہ کہہ کر وہ ہر ایرے غیرے لڑکے سے دوستی نہیں کرتی۔

دس منٹ بعد فارینہ اٹھ کر وہاں سے چلی گئی سکندر نے فارینہ کی بے اعتنائیاں ذہن سے جھٹک دیں اور ایک بار پھر کھلی آنکھوں سے وہ سپنا دیکھنے میں محو ہوگیا۔

جسے زریاب کی ناانصافیوں کا روز محشر ثابت ہونا تھا۔ اس دن زریاب نے سکندر کو اپنے کمرے میں طلب کیا اور اس سے اس کے کام کے متعلق پوچھا۔

سکندر نے اسے اپنے کام کی تفصیل سے آگاہ کرنے کے بعد شکوہ کیا کہ۔

''سر! آپ میرے کام کی نوعیت سے بخوبی آگاہ ہیں پھر بھی ہر سال میری ترقی ہونے سے رہ جاتی ہے۔ آخر ترقی پانے والوں کی فہرست میں میرا نام کیوں نہیں آتا۔ مجھے اپنے ذرائع سے پتہ چلا ہے کہ اس سال بھی جن لوگوں کی پروموشن ہوئی ہے ان میں میرا نام شامل نہیں۔''

''سکندر! تم سے کس نے یہ بات کہی ہے۔ تمہارا نام بھی ترقی پانے والوں کی فہرست میں زیرغور ہے البتہ تمہارے مقابل جو لوگ ہیں وہ تعلیمی لحاظ سے تم سے بہت بہتر ہیں اس لیے تمہاری تعلیم تمہاری ترقی کی راہ میں حائل ہوسکتی ہے تمہارا جو تعلیمی کیرئیر ہے اس میں تم ہمیشہ تھرڈ ڈویژن میں کامیاب ہوئے ہو۔ تمہارے مقابل جو لوگ ہیں وہ فرسٹ ڈویژن ہیں اب تم خود فیصلہ کرو کہ مجھے کس کو ترجیح دینی چاہیے پھر بھی تمہارا نام زیرغور ہے۔'' زریاب کی بات مکمل ہوتے ہی سکندر تیز لہجے میں بولا۔

''میرا نام زیرغور ہے یہ بات سنتے سنتے میرے کان پک گئے ہیں۔''

''مجھے تم سے بحث نہیں کرنی میرا مشورہ مانو کسی نفسیاتی ڈاکٹر سے اپنا علاج کرواؤ۔''

''آپ مجھے پاگل قرار دے رہے ہیں۔'' سکندر غصے سے آؤٹ ہوتے ہوئے چلایا۔

''آپ مجھے ذہنی مریض سمجھتے ہیں محض اس لیے کہ میں نے سچ بات کی ہے جو آپ کو کڑوی لگی ہے۔ مجھ سے بعد میں آنے والے لوگ آپ کی بدولت مجھ سے آگے نکل گئے۔ میں نے اپنی محنت کے صلے کا مطالبہ کیا تو آپ نے مجھے نفسیاتی علاج کا مشورہ دیا۔''

''اب تم جاسکتے ہو بصورت دیگر میں تمہارے خلاف کوئی قدم اٹھانے پر مجبور ہو جاؤں گا۔'' زریاب سرد لہجے میں بولا۔ سکندر غصے میں تیز قدم اٹھاتا کمرے سے نکل گیا۔ دل میں وہ اپنی بے عزتی پر پیچ وتاب کھارہا تھا۔ وہ دن اس نے آفس میں بڑی مشکل سے گزارا۔ گھر جاتے ہوئے زریاب اور فارینہ کو اس نے اکٹھے کار میں بیٹھتے دیکھا۔

سکندر کے دماغ میں رقابت کی ایک لہر ابھری زریاب ہمیشہ اس کی خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ بنا تھا۔ اس کا بس چلتا تو وہ ابھی اور اسی وقت اسے قتل کردیتا۔ سکندر نے بڑی مشکل سے اپنے غصے کو دبایا اسے ایسا کچھ

کرنا تھا کہ زریاب کا قصہ بھی تمام ہو جائے اور وہ قانون کی گرفت سے محفوظ رہے۔

☆☆☆

ساون کا مہینہ تھا باہر بارش برسنے کے سبب ہر چیز نکھری نظر آ رہی تھی۔ ماہم سو کر اٹھی تھی اور اٹھتے ہی کھڑکی کے پاس کھڑی باہر کا نظارہ کر رہی تھی۔ ہر طرف سبزہ اور ہریالی نظر آ رہی تھی۔ وہ باہر لگے پودوں کو دیکھنے میں مگن تھی تب ہی اسے اپنے پیچھے آہٹ سنائی دی وہ مڑی اس کے پاس زریاب کھڑا تھا۔

زریاب نے اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیا۔

''ماہم! موسم بہت خوبصورت ہے کیا خیال ہے ایک کپ چائے پینے کے بارے میں، ساتھ میں گرما گرم پکوڑے ہو جائیں تو اس موسم کا مزہ دوبالا ہو جائے۔'' ماہم کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ زریاب بولا۔

''میں کپڑے چینج کر کے آتا ہوں تم تب تک کچن میں جا کر چائے کی تیاری کر لو۔'' زریاب الماری سے کپڑے نکالنے لگا۔ ماہم کمرے سے نکل کر کچن کی جانب بڑھ گئی۔ کچھ دیر بعد وہ زریاب کے ساتھ صحن میں بیٹھی گرما گرم پکوڑے کھانے میں مصروف تھی۔

''ماہم! بادل تو اب بھی آ رہے ہیں اور حبس بھی ہو رہا ہے لگتا ہے کچھ دیر میں بارش ہو گی۔'' زریاب نے کہا ماہم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''لگتا ہے تم نے آج کل پودوں پر توجہ کچھ کم کر دی ہے۔'' زریاب صحن میں لگے پودوں کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''جی، پتہ نہیں مجھے کیا ہو گیا ہے کسی کام میں دل نہیں لگتا۔ اوپر سے آپ نے مجھ پر توجہ دینی چھوڑ دی ہے رات کو دیر سے گھر آنے لگے ہیں۔ چھٹی کے دن بھی مجھے لے کر کہیں نہیں جاتے۔''

''تمہاری شکایت میں دور کرنے کی کوشش کروں گا یہ بتاؤ تم کیاری کی صفائی کتنے دنوں سے نہیں کر رہی ہو دیکھو کتنے پتے ٹوٹ کر بکھرے ہوئے ہیں، مرجھائے ہوئے پھولوں کا ڈھیر لگا ہے پہلے تو تم بڑے شوق سے باغبانی کرتی تھیں آج ہم دونوں مل کر پودوں کی کانٹ چھانٹ کرتے ہیں۔'' زریاب نے کہا۔ ماہم خواب کے عالم میں خود کو محسوس کر رہی تھی۔ اسے زریاب پہلے والا زریاب لگ رہا تھا۔ جو کہیں کھو گیا تھا۔

اچانک تیز ہوا چلنا شروع ہو گئی۔

''آپ تو کہہ رہے تھے کہ حبس ہو رہا ہے مزید بارش ہو گی مگر اچانک سے تیز ہوائیں چلنا شروع ہو گئی ہیں۔''

''ہوائیں چلنے سے موسم اور اچھا ہو گیا ہے جلدی سے چائے پی لو۔ پودوں کی کانٹ چھانٹ کرتے ہیں پھر ڈنر کے لیے باہر چلیں گے۔'' ماہم خوابیدہ عالم میں زریاب کی باتیں سن رہی تھی۔ دوسری طرف زریاب کا ذہن سوچ رہا تھا کہ فارینہ کی بیماری کے سبب اس کا آج کا دن کتنا بور گزرا تھا۔

☆☆☆

سکندر کو اپنے آفس کے کمرے میں داخل ہوا اس نے اپنے میز کی دراز کھول کر اس میں سے ریوالور نکال کر جیب میں رکھا پھر اس نے اپنی قمیص کی جیب میں سے زہر کی شیشی نکال کر دراز میں رکھی اور دراز کو لاک کر دیا۔

کل رات اس نے نئے سرے سے اپنے منصوبے کو تشکیل دیا تھا اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ زریاب کو گولی مار کر جیل جانے کی بجائے اسے اس طریقے سے موت کے گھاٹ اتارے گا کہ فارینہ اس کے قتل کے الزام میں ملوث سمجھی جائے گی۔ سکندر نے سوچ لیا تھا وہ موقع ملتے ہی اس کے مشروب میں زہر ملا دے گا جو فارینہ، زریاب کے لیے خاص طور پر لے کر آتی ہے۔ زریاب کی موت کی صورت میں وہ صاف بچ جائے گا۔

تفتیش اور قتل کا الزام سیدھا فارینہ پر جائے گا۔

سکندر نے اپنے منصوبے کے بارے میں سوچا ایک آسودہ مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیل گئی۔ اس نے میز پر پڑی فائل اٹھائی اور اسے پڑھنے لگا۔ اس دن وہ چاہنے کے باوجود اپنے منصوبے پر عمل نہ کر سکا۔

دوسرے دن لنچ ٹائم کے بعد وہ اپنی سیٹ پر بیٹھا سوچ رہا تھا کہ اسے ایک دو دن میں زریاب کا قصہ تمام کر دینا چاہیے۔ تب ہی فارینہ اس کے کمرے کے دروازے پر نمودار ہوئی اور سکندر سے مخاطب ہوئی۔

''سکندر تمہیں سر زریاب فوری طور پر اپنے کمرے میں بلا رہے ہیں جلدی سے جاؤ۔'' سکندر یہ سن کر ایک لمحے کے لیے الجھن میں پڑ گیا۔ کیا آج فارینہ کے لہجے میں کوئی تبدیلی ہے پھر اس نے سوالیہ نگاہوں سے فارینہ کی طرف دیکھا جو وہاج کے پاس کرسی کھینچ کر بیٹھ رہی تھی۔ فارینہ نے ایک ادا سے اپنے ماتھے پر پڑی لٹ پیچھے دھکیلی۔ تب ہی اچانک سکندر کو خیال آیا کہ فارینہ نے اسے بتایا نہیں کہ سر اسے کس کام کے سلسلے میں بلا رہے ہیں۔ اس نے فارینہ سے پوچھا تو وہ بولی۔

''مجھے سر زریاب نے بتایا نہیں کہ وہ تمہیں کس کام کے سلسلے میں طلب کر رہے ہیں۔ جب وہ کسی خاص کام کے سلسلے میں مجھے بتاتے ہیں تب مجھے پتہ ہوتا ہے۔''

''بغیر کسی مقصد کے سر زریاب کا مجھے طلب کرنا ان کی فطرت کے خلاف ہے۔'' سکندر نے کندھے اچکائے اور اپنے کمرے سے نکل کر زریاب کے کمرے کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اس نے زریاب کے کمرے کے دروازے پر پہنچ کر ہلکی سی دستک دی اور پھر جواب کا انتظار کیے بغیر دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہو گیا۔

کیوں کہ زریاب کی عادت تھی کہ وہ دستک کا جواب دینا گوارا نہیں کرتا تھا۔ سکندر جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا۔ خوف کے مارے وہ ساکت رہ گیا۔ زریاب کمرے میں بچھے قالین پر اوندھا پڑا تھا اس کے منہ سے خون بہہ رہا تھا۔ اس کے جسم کو دیکھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ مر چکا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر سکندر پر دہشت طاری ہو گئی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے زریاب کے جسم کو گھورنے لگا اور ساتھ ہی یہ خیال بھی اس کے ذہن میں گردش کرنے لگا کہ یہ وہ سب کچھ نہیں تھا جو وہ چاہتا تھا کیا وہ منظر نہیں تھا جو وہ چشم تصور میں دیکھتا تھا۔ وہ کچھ دیر تک سکتے کے عالم میں کھڑا دیکھتا رہا پھر تیزی سے پلٹا اور زریاب کے کمرے سے نکل کر اس کے کمرے سے ملحق کمرے میں پہنچا جہاں فارینہ اپنی مخصوص میز پر بیٹھی ہوئی تھی۔

''وہ مر گئے ہیں سر زریاب اپنے کمرے کے فرش پر مردہ پڑے ہیں۔'' سکندر نے ایک سانس میں اپنی بات کہہ دی یہ سن کر فارینہ کے چہرے پر کسی قسم کے تاثرات نہیں ابھرے۔ اس نے اطمینان سے نظریں اٹھا کر سکندر کی جانب دیکھا اور سرد لہجے میں بولی۔

''سر زریاب کو تم نے زہر دیا ہے۔''

''کیا؟ یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟'' سکندر نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

''ہاں سر زریاب کو تم نے قتل کیا ہے۔'' فارینہ کا لہجہ بدستور سرد تھا۔

''نہیں، نہیں میں نے ان کو قتل نہیں کیا۔'' سکندر نے بے ساختہ کہا پھر ایک لمحے کے لیے وہ تذبذب میں پڑ گیا۔ جیسے ان الفاظ کی سچائی کو پرکھ رہا ہو لیکن فوراً ہی یقینی لہجے میں کہا۔

''میں نے سر زریاب کو قتل نہیں کیا تم جھوٹ بول رہی ہو۔''

''میں کیوں جھوٹ بولوں گی زریاب کو تم نے ہی قتل کیا ہے اسی طرح جیسے کہ تم نے انہیں قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔'' یہ سن کر سکندر حیرت سے منہ پھاڑے فارینہ کی صورت تکنے لگا۔ اپنے تصوراتی سپنے کو حقیقت کے روپ میں دیکھ کر اس پر دہشت طاری ہو گئی تھی۔ ساتھ ہی وہ سوچ رہا تھا کہ فارینہ کو اس کے منصوبے کا علم

کیسے ہو گیا تھا۔ فارینہ نے اس کے ذہن میں ابھرتے ہوئے سوال کو جان لیا تھا وہ بتانے لگی۔

سکندر ایک دن تم لنچ کے لیے کمپنی سے باہر گئے تھے تو اپنی میز کی چابی کو تالے میں لگی چھوڑ گئے تھے میں نے تمہاری بھول کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس چابی کی نقل بنوالی تھی۔

دوسرے دن جب تم لنچ کرنے گئے تھے تو میں نے اس چابی کی مدد سے تمہاری دراز کی تلاشی لی دراز میں ریوالور تو میں پہلے دن دیکھ چکی تھی بعد میں جب میں نے تلاشی لی تو میں یہ جان گئی تھی اس ریوالور کو آفس میں رکھنے میں تمہارا کیا مقصد پوشیدہ ہے۔

کل میں نے تمہاری دراز کی تلاشی لی تو اس میں سے ریوالور غائب تھا اس کے بجائے زہر کی شیشی موجود تھی تم نے قتل کے منصوبے میں تبدیلی کر لی تھی۔

”تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔“ سکندر نے غصے اور دہشت کے ملے جلے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”یہ تم کس قسم کی باتیں کر رہی ہو۔“

”میرا دماغ صحیح کام کر رہا ہے تب ہی تو میں نے یہ کام کیا ہے۔“

”تو یہ حرکت تم نے کی ہے۔“ سکندر نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں میں نے جو کچھ کیا بالکل ٹھیک کیا ہے۔“ فارینہ نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

”لیکن کیوں؟ تم نے یہ سب کیوں کیا؟“ سکندر پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔ حیرت اب بھی اس کے لہجے سے جھلک رہی تھی۔ اس لیے کہ زریاب کو اب جان سے مارنا ضروری ہو گیا تھا۔ میں اسے اور مردوں سے مختلف سمجھتی تھی مگر وہ بھی دھوکے باز نکلا میں میٹرک کرتے ہی گھر والوں کی کفالت کرنے کے لیے جاب کرنے لگی تھی میرے گھر کے مالی حالات بہت خراب تھے۔ جاب کے دوران میں بہت سے مردوں کی ہوس کا شکار ہوئی ہوں۔ مجبوری کی وجہ سے میں اب چھوڑ بھی نہیں سکتی تھی۔ نہ ہی میری تعلیمی قابلیت اتنی زیادہ تھی کہ ایک ملازمت چھوڑ کر دوسری ملازمت کا حصول میرے لیے آسان ہوتا۔ بڑی مشکل سے میں نے انٹر کیا اور کمپیوٹر کورس کرنے کے بعد اس کمپنی میں جاب کی۔ کچھ مہینوں سے سر زریاب کا جھکاؤ میرے طرف زیادہ ہو گیا تھا۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ وہ مجھ سے شادی کر لیں اور وہ اس بات کے لیے رضا مند بھی ہو گئے تھے مگر ایک ہفتے پہلے وہ اپنے وعدے سے صاف مکر گئے سر زریاب نے بتایا کہ ان کی بیوی ماہم ماں بننے والی ہے اس لیے اب وہ مجھ سے شادی نہیں کر سکتے۔ میں نے ان سے کہا کہ انہوں نے جو مجھ سے وعدے کیے ہیں اور مجھے جو خواب دکھائے ہیں انہیں پورا کریں مگر وہ صاف مکر گئے۔

ان کا انداز مجھ سے جان چھڑانے والا تھا۔ میرا دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ میں نوکری چھوڑ کر چلی جاؤں میں زریاب جیسے بے وفا کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی تھی مگر میری مجبوری تھی کہ میں یہ نوکری کرنے پر مجبور ہوں۔ اس لیے میں نے زریاب سے بدلہ لینے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے زریاب سے بدلہ لے لیا اور میرے کیے کی سزا تم بھگتو گے زہر کی شیشی تمہارے لاکر سے ملے گی۔ اس پر تمہاری انگلیوں کے نشان ہوں گے۔ سکندر حیرت سے منہ پھاڑے فارینہ کی باتیں سن رہا تھا جو اس کے لیے کسی دھماکے سے کم نہیں تھیں۔

”یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو یہ تم نے کیا کیا۔ تم ذہنی مریضہ ہو بدلہ لینے میں تم اس حد تک جا سکتی ہو مجھے یقین نہیں آ رہا۔“

”یقین آئے گا بھی کیسے دنیا کی نظر میں مجرم تم ہو اور ذہنی مریض بھی، تصوراتی دنیا میں تم بہت کچھ سوچتے رہتے ہو مگر عمل کرنے کی ہمت نہیں۔ میں پولیس اور ڈاکٹر کو فون کر چکی ہوں وہ پہنچنے والے ہوں گے۔“ فارینہ نے اطمینان بھرے لہجے میں کہا۔

''جب میں تمہارے کمرے میں یہ کہنے کے لیے آئی تھی کہ سرزریاب نے تمہیں طلب کیا ہے تو اس سے پہلے ہی میں نے ڈاکٹر اور پولیس کو فون کر دیا تھا وہ کسی بھی لمحے پہنچنے والے ہوں گے۔'' سکندر کو کمرے کی دیواریں سمٹتی محسوس ہوئی۔

''وہاج، تیمور، فرخ جلدی سے آؤ دیکھو سرزریاب کو کیا ہو گیا ہے۔'' فارینہ کمرے میں بیٹھی ہوئی چلائی۔

اس سے پہلے باہر موجود افراد اندر آتے سکندر وحشت کے عالم میں فارینہ پر جھپٹا اس کے دونوں ہاتھ فارینہ کے گلے پر تھے وہ پوری قوت سے اس کا گلا دبا رہا تھا اور اس وقت تک اس نے اپنے ہاتھوں کو ڈھیلا نہیں چھوڑا جب تک فارینہ کا جسم ٹھنڈا نہیں ہو گیا۔

☆☆☆

زریاب کو ہوش آیا تو وہ ہسپتال کے بیڈ پر موجود تھا۔ وہ اپنے ذہن پر زور ڈالنے لگا کہ اس کے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا تھا آہستہ آہستہ اس کے ذہن پر پڑی دھند صاف ہونے لگی اور اسے یاد آیا فارینہ نے اسے جوس کا گلاس دیا تھا جسے پیتے ہی اس کو اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ اس نے آفس کے کمرے سے نکل کر باہر جانے کی کوشش کی تھی مگر ٹانگوں نے اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا۔

اب بھی زریاب کو شدید نقاہت اور منہ کا ذائقہ کڑوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی جو بے سود رہی اسی وقت ایک نرس پولیس حوالدار کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی پولیس حوالدار نے آتے ہی زریاب سے تفتیش شروع کر دی وہ بڑے اطمینان سے حوالدار کے سوالوں کا جواب دے رہا تھا۔

حوالدار کی زبانی اسے پتہ چلا کہ فارینہ نے اس سے بدلہ لینے کا منصوبہ بنایا تھا اور اپنے منصوبے میں وہ کامیاب بھی ہو جاتی مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ وہ سکندر کے ہاتھوں موت کا شکار ہو گئی اور زریاب مہلک زہر کے جسم میں جانے کے باوجود زندہ بچ گیا اس بات پر ڈاکٹر خود حیران تھے۔

☆☆☆

زریاب کو ہاسپٹل سے ڈسچارج ہوئے دوسرا روز تھا۔ صبح اس کی آنکھ بہت جلدی کھل گئی تھی وہ بیڈ سے اٹھ کر کھڑکی کی جانب بڑھا گلاس ونڈوز پر سے دبیز پردے سرکائے صبح کی لطیف ہوا زریاب کو بے حد بھلی لگی۔ اچانک اسے ماہم کا خیال آیا۔ رات میں تو وہ کمرے میں سوئی تھی۔ اتنی صبح وہ کہاں چلی گئی۔ زریاب کمرے سے نکل کر ٹیرس میں آیا۔ ماہم کرسی پر بیٹھی کچھ سوچ رہی تھی۔

''ماہم! کیا بات ہے؟ کل سے میں نوٹ کر رہا ہوں تم کچھ خفا خفا سی لگ رہی ہو۔'' زریاب نے پوچھا۔

''ہاں میں آپ سے خفا ہوں مجھ سے چھپ کر آپ نے عشق کا جو چکر چلایا اس میں آپ کی جان چلی جاتی تو میرا کتنا نقصان ہوتا۔''

''سوری، مجھ سے غلطی ہو گئی مگر میں وعدہ کرتا ہوں آئندہ زندگی میں ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ میں تمہارا وفادار ہوں گا۔ میں نے یہ جان لیا ہے زندگی کے چور دروازے سے داخل ہونے والی عورت کبھی باوفا ثابت نہیں ہوتی ہے۔ میں نے فارینہ سے شادی سے انکار کیا تھا مگر اس نے بڑی سفا کی سے مجھ سے بدلہ لیا وہ تو میری قسمت میں زندگی لکھی تھی جو میں بچ گیا یا یوں کہہ لو ای اور تمہاری دعائیں تھیں۔

موسم خاصا خوبصورت ہے۔ ماہم نے بادلوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''باہر ناشتہ کرنے کے بارے میں کیا خیال ہے۔''

''اس وقت''

''ظاہر ہے ناشتہ صبح کے وقت کیا جاتا ہے۔''

''ٹھیک ہے میں تیار ہو کر آتی ہوں۔'' ماہم کرسی سے اٹھ کر اندر کمرے میں چلی گئی تھوڑی دیر بعد وہ

دونوں کار میں روانہ ہو گئے۔ زریاب نے ڈٹ کر ناشتہ کیا جب کہ ماہم نے تھوڑا سا کھایا۔

''ماہم! کوئی بات کرو، تم اتنی چپ کیوں ہو۔ دیکھو میں نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے تم سے معافی مانگ لی ہے۔ تم مجھے دل سے معاف کر دو خدا بھی معاف کرنے والے بندے کو پسند کرتا ہے۔''

''زریاب میں نے آپ کو معاف کر دیا ہے۔'' اس نے مختصر جواب دیا۔

''ماہم جو کچھ ہوا وہ ہمارے ماضی کا حصہ بن گیا ہے۔ ہمیں ایک نئی زندگی شروع کرنی ہے جو ہر لحاظ سے مکمل ہو۔ میں مانتا ہوں گھر میں ہماری اولاد نہ ہونے سے جو کشیدگی پیدا ہوئی تھی اس کی وجہ سے میرا جھکاؤ فارینہ کی طرف ہو گیا تھا مگر یقین جانو مجھے تم سے محبت تھی اور رہے گی۔ تم ہی میری طرف عدم اعتماد کا شکار ہو گئی تھی تمہیں لگتا تھا کہ میں دوسری شادی کر لوں گا۔ تم مجھ سے دور ہوتی گئیں نتیجے میں گھریلو ماحول تلخ رہنے لگا اس ماحول سے فرار حاصل کرنے کے لیے میں نے فارینہ میں دلچسپی لینا شروع کر دی۔ میں آفس سے تھکا ہارا جب بھی گھر لوٹتا تو امی کو تم سے شکایت ہوتی اور تمہیں امی سے، میں روز ایک طرح کی باتیں سن کر بیزاریت کا شکار ہو گیا تھا۔ مجھے تم میں وہ ماہم کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی جس نے اپنی محبت اور خلوص سے میرے دل میں جگہ بنائی تھی پلیز تم اب میری طرف سے بے فکر ہو جاؤ آئندہ میں تمہارے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچاؤں گا۔''

''اوکے! میں آپ کی بات پر یقین کر لیتی ہوں اور اپنے دل سے شک کو نکال دیتی ہوں۔ ہمارے رشتے کی پائیداری کے لیے ضروری ہے کہ ہم ایک دوسرے پر اعتماد کریں جیسے شادی کے اوائل دنوں میں کرتے تھے۔''

''ماہم! ایک گڈ نیوز تمہیں دینا ہے میں نے امیگریشن کے لیے بیرون ملک اپلائی کیا تھا اس سلسلے میں پیش رفت ہوئی ہے مجھے آسٹریلیا جانے کی تیاری کرنا ہو گی۔'' ماہم کی بات مکمل ہوتے ہی زریاب نے پر جوش لہجے میں بتایا۔

''آپ نے امی سے اس سلسلے میں پوچھ لیا ہے انہیں آپ کے بیرون ملک جانے پر اعتراض تو ہو گا ظاہر ہے آپ ان کے اکلوتے بیٹے ہیں۔'' ماہم نے پوچھا۔

''ظاہر ہے وہ خوشی سے تو میرے باہر جانے پر راضی نہیں ہوں گی مگر تمہیں تو خوش ہونا چاہیے تم علیحدہ گھر میں رہنا چاہتی تھیں اس بہانے تمہارے اس خواب کو حقیقت کا روپ مل رہا ہے۔''

''زریاب آپ میری بات چھوڑیں اس وقت کے حالات کچھ اور تھے اور اب میری زندگی کا وہ مشکل دور گزر گیا ہے امی اپنے آنے والے پوتے یا پوتی کی خوشخبری سن کر اتنا خوش ہیں کہ انہوں نے اپنے پچھلے رویے کا ازالہ کر دیا ہے اور میں چاہتی ہوں کہ وہ ہمیشہ ایسے ہی خوش رہیں۔ آپ اور میں آسٹریلیا ضرور جائیں گے مگر وہاں مستقل رہنے کے لیے نہیں اپنا ملک اپنا ہی ہوتا ہے کیا خیال ہے اس بارے میں۔''

زریاب نے اثبات میں سر ہلا دیا وہ دونوں ناشتے سے فارغ ہو چکے تھے زریاب نے بل ادا کیا اور کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اسی وقت موسم نے کروٹ بدلی ہلکی ہلکی بوندا باندی برسنے لگی۔

''ماہم! آج کا دن یقیناً خاص ہے تمہیں بارش میں بھیگنا پسند ہے قدرت نے تمہاری پسند کا موسم کر دیا ہے۔'' زریاب نے ماہم کا ہاتھ مضبوطی سے تھامتے ہوئے کہا۔

''یقیناً قدرت مجھ پر بہت مہربان ہے تب ہی میری ہر خواہش پوری ہو جاتی ہے۔'' ماہم موسم کی خوشگواریت کو محسوس کرتے ہوئے بے ساختہ بولی۔ ماہم کا امتحان ختم ہو گیا تھا زندگی اس کے لیے سہل ہو گئی تھی۔

☆☆☆

افسانہ

پسِ آئینہ

طیبہ عنصر مغل

وہ دونوں ہاتھ ڈائس پر جمائے آنکھوں پر باریک سنہرے فریم کا چشمہ لگائے لفظوں کے موتی انڈیل رہا تھا۔

"بندھن" سے "دیمک" تک کا سفر گویا میں نے ایک کرب سے گزر کر کیا۔ جس میں میرے تخیل نے جو تخلیق کا کرب برداشت کیا اس کو میں اپنے لفظوں میں بیان نہیں کر پاؤں گا۔ بندھن میں جہاں میں مرغزاروں اور گلستانوں سے کوہساروں کے بیانیہ کو الفاظ کا روپ دیتا رہا تو وہ گھر بیٹھے ممکن ہرگز نہ تھا۔ اس کے لیے میں نے میلوں پیدل سفر کر کے پتھریلے پہاڑوں، برفانی تودوں اور تکلیف دہ موسموں کو جھیل کر اس شاہکار کتاب کو تخلیق کیا۔ اسی طرح "دیمک" کو لکھنا ہرگز آسان عمل نہ تھا۔ اس کو تحریر کرنے کے لیے مجھے صحرانوردی کرنا پڑی۔ لق و دق صحرا میں عملاً سفر کیا اور ریت کی گرمی نے میرے پیروں پہ بنے آبلوں اور میری پیاس کی شدت، پہروں کیے گئے فاقوں نے مجھے "دیمک" لکھنے میں مدد کی۔ المختصر یہ کہوں گا کہ ایک کہانی جب میں تخلیق کرتا ہوں تو سچے ادیب کی طرح پہلے اس کو جیتا بھی ہوں۔

میرے خیال میں اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ ہم مرد ادیب ہی اصل ادب کو تخلیق کرتے ہیں۔ یہ خواتین کے بس کا کام نہیں ہے اور نہ ہی وہ ادب ہے جو آج کل دھڑادھڑ بک رہا ہے۔ یہ سماجی قصے، گھریلو جھگڑوں کی کہانیاں ادب کے زمرے میں کہاں آتی ہیں۔ تو آج میرے ناول "دیمک" کی اس تقریب رونمائی میں میں آپ کو بتا رہا ہوں کہ بہت جلد میں ایک اور شاہکار ناول بھی آپ کی نظر کروں گا۔ شکریہ۔ کہہ کر وہ ایک شان بے نیازی سے اپنے بالوں پہ ہاتھ پھیرتے اسٹیج پہ بچھی کرسیوں کی طرف بڑھا۔

اسٹیج کے سامنے رکھی شاہانہ کرسیوں پہ بیٹھے ہوئے افراد کے ہاتھوں میں "دیمک" بانٹی جانے لگی۔ جھلملاتے

کور کی تزئین ہی قابل دید تھی۔ احمد غزنوی نے فخر سے گردن اٹھا کر ہال میں تالیاں بجاتے لوگوں کو دیکھا اور خوشی نے اس کے ادھیڑ عمر کو پل بھر کو جوان کر دیا۔

پچھلی رو میں ایک کرسی پہ بیٹھے تمام افراد تالیاں بجا رہے تھے لیکن ان میں سے ایک فرد ایسا بھی تھا جو اضطراری انداز میں اپنے ہاتھوں کو مسل رہا تھا۔ ہر گزرتا ہوا منٹ اس کی بے چینی میں اضافہ کیے جا رہا تھا۔

تقریب اختتام پذیر ہوئی تو احمد غزنوی اسٹیج کی سیڑھیاں طے کرتے نیچے آئے تو ان کے ارد گرد مداحوں کا ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ ان مداحوں میں خواتین و حضرات کی تخصیص ہر گز نہیں تھی۔ ایک معروف مصنف جو لکھتا نہیں تھا بلکہ لگتا تھا کہ کوئی جادو یا سحر ہے اس کے پاس جو وہ صفحہ قرطاس پہ بکھیر دیتا ہے۔ غزنوی کے مداحوں کی تعداد میں سوشل میڈیا نے دن دوگنی اور رات چوگنی اضافہ کر دیا تھا۔

نت نئے طریقہ کار اس کے مداحوں نے سوشل میڈیا پہ اس کے نام کے گروپ بنا رکھے تھے اور اس کی تحریروں کو تحریک دینے کے لیے نت نئے طریقے آزماتے تھے۔ کبھی اس کی کتب بینی کے لیے اکسانے کے لیے مقابلے کروائے جاتے تو تین ونرز کو کتب انعام میں دی جاتی تھیں تو ہزاروں لوگ خود ہی خرید کر مقابلے میں شمولیت کے لیے مطالعہ کر ڈالتے۔ جن کو کتب مل جاتی انعامات میں وہ تو پھر پوری زندگی ان کے اقتباس ہی اپنی وال پہ ڈالتے جاتے یوں غزنوی مشہور سے مشہور تر ہو گئے۔

☆☆☆

''امی مجھے اگر آج نئے سکول شوز نہیں ملے تو کل میں سکول نہیں جاؤں گی۔'' عنایہ نے ماں کو متوجہ کیا۔

ایک دن اور بیٹا اگر تمہارے ابو وقت پہ گھر آ گئے تو کچھ نہ کچھ انتظام ہو جائے گا۔ اس نے بیٹی کو پیار سے سمجھایا۔ جاؤ تم دیکھو سیرپ اٹھ تو نہیں گئی۔ عنایہ اٹھ کر اندر کی طرف بڑھ گئی۔ تو عظمیٰ نے پھر سے اپنا کام جلدی جلدی مکمل کرنا شروع کر دیا۔

☆☆☆

وہ بہت بے چینی سے بھیڑ ختم ہونے کا انتظار کر رہا تھا لیکن بھیڑ ختم ہی نہیں ہو رہی تھی۔ بلکہ بڑھ رہی تھی۔ اس نے اب انتظار نہیں کیا اور لوگوں کے درمیان جگہ بنائی اور غزنوی کے سامنے کھڑے لوگوں میں شامل ہو گیا۔ غزنوی جو لوگوں کو آٹو گراف دینے میں مصروف تھے اس پر نظر پڑی تو جلدی سے سامنے کھڑی لڑکی کو آٹو گراف دے کر معذرت کرتا ہوا بھیڑ میں سے نکلنے لگا۔ اس کا سیکرٹری بھی لوگوں کو ہٹا کر راستہ بنانے لگا۔

ہال کے بڑے سے دروازے سے نکلنے پر پیچھے آتے ہمایوں کو پلٹ کر دیکھا اور اپنے پیچھے آنے کا خفیف سا اشارہ کیا۔

''کہو کیا مسئلہ ہے؟'' غزنوی نے سرد لہجے میں پوچھا۔

''سر مجھے کچھ ایڈوانس چاہیے۔'' اگر ہو سکے تو ابھی دے دیں۔ ہمایوں کے لہجے میں لجاجت تھی۔

''میرا خیال ہے کہ یہ موقع ایسا نہیں تھا کہ تم نے میرے فنکشن کا سارا مزہ کرکرا کر کے رکھ دیا۔'' لہجے کی سرد مہری میں غصہ بھی شامل ہو گیا تھا۔

''لیکن میرے لیے اس وقت سے زیادہ مناسب وقت اور کوئی نہیں ہے۔ میری بھی کچھ ضروریات ہیں جن کو وقت پہ پورا کرنا ہوتا ہے۔'' اس کے لہجے میں بھی تکلیف کا ان دیکھا احساس تھا۔

''اوکے......'' مبشر اس کو مطلوبہ رقم دے دو۔ لیکن آئندہ مجھ سے یوں سر راہ تقاضا مت کرنا۔ میں اپنے ہر ملازم کو اس کے وقت پر تنخواہ دینے کا عادی ہوں۔ غزنوی کے انداز میں غرور ہی غرور تھا۔ وہ جلدی سے کہہ کر اپنی بی ایم ڈبلیو میں بیٹھا اور ڈرائیور نے گاڑی چلا دی۔

مبشر نے دو ہزار روپے اس کی مٹھی میں دے کر اس پر ایک ترس بھری نظر ڈالی اور اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا دونوں گاڑیاں فراٹے سے آگے بڑھ گئی تھیں اور ہمایوں کو پیدل ہی گھر کا سفر کرنا تھا کیونکہ وہ دو ہزار روپے میں سے رکشہ اور ٹیکسی کا کرایہ نکالنے کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

وہ تھکا ہارا گھر میں داخل ہوا تو عظمیٰ ہنوز کام میں مصروف تھی۔ اس نے ایک رحم بھری نظر بیوی پہ ڈالی۔ عظمیٰ بھی جلدی سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

''بہت تھک گئے ہیں۔'' عظمیٰ نے اس کے ہاتھوں سے سامان لیا تو اس کو اندازہ ہوا کہ ہمایوں کو پیسے مل گئے ہیں۔

''ہاں کافی تھکن ہے ایک کپ چائے کا بنا دو۔ چینی اور پتی (چائے) تو میں لے آیا ہوں۔'' وہ تھکے تھکے لہجے میں بولا۔

جی بنا دیتی ہوں۔ لیکن آپ نے تو کھانا بھی نہیں کھایا ہوگا۔ کھانا لے آؤں؟ عظمیٰ کو خیال آیا کہ وہ تو بھوکا بھی ہو گا۔

رہنے دو اب رات کو ہی کھاؤں گا۔ چائے لا دو اور بچیاں کہاں ہیں؟ اس نے گھر میں خاموشی دیکھی تو بچیوں کی طرف دھیان گیا۔

پڑوس میں گئی ہیں۔ عنایہ گئی تو سیرب کو بھی لے گئی ساتھ میں۔ عظمیٰ جو برآمدے میں ہی چولہے پہ چائے بنا رہی تھی مصروفیت میں جواب بھی دے ڈالا۔

وہ ساتھ ساتھ سامان بھی ٹھکانے لگا رہی تھی۔ ایک کمرے اور برآمدے اور چھوٹے سے باتھ روم کے علاوہ کچن کی بھی جگہ نہیں تھی سو عظمیٰ نے برآمدے ہی کے ایک کونے میں کچن بنا لیا تھا۔

تخت پہ عظمیٰ کی چیزوں کو احتیاط سے پرے کر کے ہمایوں نیم دراز ہوگیا اور تھوڑی دیر کے لیے آنکھوں کو بند کیا تو مارے جلن کے آنکھیں بند بھی نہ ہو پائیں۔ اوپر سے عظمیٰ کے سوال نے مزید جلن بڑھا دی۔

''ارے کچھ پیسے بچے ہوں گے نا آپ کے پاس؟'' وہ دھیرے سے بولی۔

ہیں لیکن کس بات کے لیے ضروری سامان تو میں لے آیا ہوں؟

''نہیں مجھے تو کچھ نہیں چاہیے ہے۔ بس عنایہ کے سکول کے جوتے پھٹ چکے ہیں۔ اتنی بار مرمت ہوئے ہیں کہ اب مرمت کے قابل بھی نہیں۔ تو میں کہہ رہی تھی کہ اگر اس کے جوتے ہی نئے......!''

نہیں عظمیٰ! اتنے پیسے نہیں ہیں۔ بس اتنے سے ہیں اس نے جیب سے سو کا نوٹ نکالا۔ اور عظمیٰ کی طرف بڑھا دیا۔ اس کے لہجے میں بے بسی تھی۔ اس کی بے بسی بھرے لہجے پہ عظمیٰ کا کلیجہ منہ کو آ گیا۔

''کوئی بات نہیں اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے۔ کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔ بجلی بہت جاتی ہے ورنہ میں اب تک کافی کام مکمل کر چکی ہوتی۔ اس نے چائے کا کپ پکڑاتے ہوئے ہمایوں کا حوصلہ بڑھایا۔

☆☆☆

غزنوی بہت خوش تھا۔ گارمنٹس کا کام عروج پہ تھا اور اس کے سب ورکر بہت ایماندار تھے۔ اوپر سے ادب کی دنیا میں بھی وہ چھا گیا تھا۔ اس کی دس کتابوں نے مارکیٹ میں دھوم مچا رکھی تھی۔ بار بار ایڈیشن نکل رہے تھے۔ ادھر کتابیں دھڑا دھڑ شائع ہو رہی تھیں ادھر پیسے دھڑا دھڑ برس رہے تھے۔

پاپا اس سال ہم سوئٹزرلینڈ جائیں گے۔ بارہ سالہ طٰہٰ نے غزنوی سے کہا جو لیپ ٹاپ پہ نظریں جمائے ہوئے تھا۔ مسکرا کر بیٹے کو دیکھ کر اثبات میں سر ہلایا۔

لیکن میں تو سٹینفس پہ بھی ڈال چکی ہوں کہ ہم دبئی جائیں گے۔ سائرہ نے کافی کا مگ دھیرے سے خوبصورت سی ٹیبل پہ رکھا۔

تو جناب دبئی بھی چلے جائیں گے۔ ہم نے کب انکار کیا ہے۔ غزنوی نے اپنی عمر سے آدھی عمر کی بیوی کو محبت پاش نظروں سے دیکھا۔ سائرہ کے چہرے پہ آسودہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

انٹرکام کی بیل پہ طٰہٰ نے ریسور اٹھا کر دوسری طرف کی بات سنی اور غزنوی کو متوجہ کیا۔

''پاپا آپ کی کوئی فین ہیں کہہ رہی ہیں ملنا ہے۔'' چوکیدار نے روکا ہوا ہے۔

افوہ! شہرت بھی عذاب سے کم نہیں ہوتی۔ پتہ نہیں یہ

لوگوں کے پاس اتنا فالتو وقت کدھر سے ہوتا ہے کہ جب چاہے ملنے چلے آتے ہیں۔ کہہ دو چوکیدار کو کہ انہیں کہہ دے کہ احمد غزنوی صاحب اس وقت کراچی میں نہیں ہیں۔لاہور میں ہیں۔غزنوی نے جھنجھلا کر کہا۔

طٰہٰ نے من وعن دہرا دیا۔ ادھر غزنوی نے فون پہ سیکرٹری کو ہدایات دیں کہ میرے فیس بک اکاؤنٹ پہ ڈال دو کہ میں لاہور کی طرف جارہا ہوں۔

ہاں ہاں...... بائی ایئر۔ (اب یہ بھی کیا تمہیں بتانا پڑے گا۔) وہ غصے سے دھاڑا۔

اف کتنے ملنسار ہیں ناں احمد غزنوی انکل اگر تم ان سے ملتی تو تمہیں پتہ چلتا۔گیٹ پہ کھڑی نوجوان لڑکیوں میں سے ایک نے دوسری سے کہا۔

''ہاں بہت ہی محبت سے بات کرتے ہیں فیس بک پہ باپ یا بڑے بھائی سے بھی بڑھ کر۔'' دوسری نے ہاں میں ہاں ملائی۔

اچھا بھیا! جب غزنوی صاحب آئیں تو بتایئے گا جمیلہ اور فرزانہ آئی تھیں آپ کی فین اور آپ کی منہ بولی بہنیں۔ جمیلہ نے چوکیدار سے فخر سے کہا۔

جی جی میں نے نام لکھ لیے ہیں۔ وہ دونوں مطمئن ہو کر مڑ گئیں اور چوکیدار کی نظریں تاسف اور تمسخر سے بیک وقت بھر گئی تھیں۔

☆☆☆

امی آپ نے تو کہا تھا کہ جوتے آج مل جائیں گے لیکن نہیں لائے نا ابو۔ میں اب سکول تب ہی جاؤں گی جب مجھے نئے جوتے ملیں گے۔ عنایہ نے روتے ہوئے ماں کو دیکھا۔

''بہت ضدی ہو گئی ہو تم۔'' غصے میں عظمیٰ نے اس کو تھپڑ لگا ڈالا۔

''کیا ہو گیا ہے تمہیں عظمیٰ! یہ تو بچی ہے تم تو سمجھدار ہو! کیوں مار رہی ہو بچی کو۔'' ہمایوں نے بگڑ کر عظمیٰ کو گھورا۔

تو آپ ہی بتائیں کیا کروں میں۔ آپ غزنوی صاحب سے بولیں کہ وہ معاوضہ بڑھائیں۔ خود ان کو بھی بے شمار فائدہ مل رہا ہے اور نام بھی جبکہ ہم......!

چپ رہو...... ایسا کچھ مت بول دینا کہ رزق کے اس ذریعہ سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں۔ اس نے عظمیٰ کو وہیں روک دیا۔ لیکن خود مسلسل کام میں لگا رہا۔

ہمایوں کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم اپنے لیے کام کریں اور اپنے کیے کام کا فائدہ بھی ہمیں ملے۔ عظمیٰ نے پر جوش لہجے میں ہمایوں کو تجویز دی۔

میرا نہیں خیال کہ تم حالات سے ناواقف ہو۔ کیا یہ تجربہ ہم پہلے کر نہیں چکے۔ ہمایوں کے لہجے کی مایوسی نے عظمیٰ کے جوش کی آگ پہ ٹھنڈے پانی کے چھینٹے ڈال دیئے تھے۔

☆☆☆

بڑا سا آڈیٹوریم لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ لوگوں پہ رقت طاری تھی۔ سوشل میڈیا میں ہر دوسری پوسٹ پہ سوگ کا عالم تھا۔ لوگ زاروقطار رو رہے تھے۔ مختلف شعبوں سے وابستہ نامور لوگ باری باری اسٹیج پر جا رہے تھے اور غزنوی کی تحاریر اور ادب کی خدمت پہ ان کو خراج تحسین پیش کر رہے تھے۔

آج صبح احمد غزنوی کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا اور وہ اپنے بیوی بچے سمیت جاں بحق ہو گئے تھے۔ اس اندوہناک حادثے نے لوگوں کو ہلا ڈالا تھا۔ ہر شہر میں ان کے مداح ان کو خراج تحسین پیش کر رہے تھے۔

ایسے میں ہمایوں کی حالت بہت غیر ہو رہی تھی۔ غزنوی کے بھائی نے ان کی تدفین کروادی تھی۔ اور پرسہ دینے والے بھی اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہو رہے تھے۔ جبکہ ہمایوں ہنوز لان میں موجود کرسیوں پہ اکا دکا قریبی لوگوں کے ساتھ بیٹھا گود میں رکھی فائل پہ انگلیاں پھیر رہا تھا۔ فائل پہ لگی چٹ پہ ''دیمک'' پہ اس کی نظریں گڑی ہوئی تھیں۔ اتنے میں مبشر ایک آدمی کے ساتھ تیزی سے اس کی طرف آیا۔

ہمایوں اس شخص کو اچھی طرح جانتا تھا یہی تو وہ پبلشر

تھا جو احمد غزنوی کی کہانیوں کو دھڑا دھڑ پبلش کرتا رہا تھا اور غزنوی کی موت نے اس کے چہرے پہ ہوائیاں اڑا دی تھیں کہ ''دیمک'' ابھی مکمل نہیں ہوا تھا لیکن وہ مارکیٹ سے ایک بڑے اماؤنٹ کو ایڈوانس میں لے چکا تھا دیمک کے لیے۔ لیکن مبشر نے اس کی مشکل کا حل نکال دیا تھا۔ بی وہ دیمک کے باقی ماندہ مسودے کے مالک ہمایوں تک اس کو لے آیا تھا۔

☆☆☆

ہمایوں اب تو ''دیمک'' کو اصل مصنف کا نام مل جائے گا ناں۔ پبلشرز کو تو پتہ چل چکا ہے نا کہ اسے کون لکھتا تھا اور کون شہرت بٹورتا تھا۔ عظمیٰ نے بے تابی سے ہمایوں سے پوچھا۔

نہیں عظمیٰ یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ احمد غزنوی لوگوں میں بہت مقبول تھا اگر اس موڑ پہ لوگوں کو سچ کا علم ہو جاتا ہے کہ یہ تحریریں احمد غزنوی کی نہیں ہیں تو جانتی ہو ان کی اہمیت کیا ہو گی، ہمایوں نے پاس پڑی ردی کاغذوں کی ٹوکری کی طرف اشارہ کیا۔

تو کیا اب پبلشرز بھی ہمیں معقول معاوضہ نہیں دیں گے۔ غزنوی کی طرح ہمیں ایک حقیر معاوضہ وہ بھی قسط وار ملا کرے گا۔ عظمیٰ کے لہجے میں مایوسی بول رہی تھی۔

نہیں ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ بس جو کتابیں غزنوی کے نام پر ہیں وہ اسی کے نام پہ رہیں گی البتہ ان کے آئندہ ایڈیشن پہ ہمیں معقول حصہ ملے گا۔ لیکن اس کے بعد پبلشر نئے رائٹر کو ہی متعارف کروائیں گے۔ ہمایوں نے مسکراتے ہوئے عظمیٰ کی جانب دیکھا اور دوبارہ سے لیپ ٹاپ پہ جلدی جلدی ٹائپنگ کرنے لگا۔

☆☆☆

ایک بار پھر وہی ماحول تھا۔ لوگ جوش و خروش سے اپنے پسندیدہ مصنف کو دیکھنا اور اس کی باتیں سننے کے لیے بے چین تھے۔

اسٹیج پہ بیٹھے بے پناہ بھرپور شخصیت والے جوان مصنف کی وجاہت بھی اس کی تحریروں کے جیسی تھی۔ قیمتی سوٹ زیب تن کیے ہمایوں میر نے سر اٹھا کے کھچا کھچ بھرے ہال پہ نظر ڈالی۔

اتنے میں اس کو مبشر نے احساس دلایا کہ اب اسے اپنی کتاب کی اس تقریب رونمائی پہ لوگوں کو اپنی کاوشوں سے آگاہ کرنا ہے۔ تو وہ بہت ہی اعتماد سے کرسی پہ سے اٹھا اور کوٹ کا بٹن بند کر کے ڈائس پہ دونوں ہاتھ جما کر کھڑا ہوا تو پورا ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔

عظمیٰ اپنے عالیشان لاؤنج میں صوفے پہ بیٹھی پلازمہ اسکرین پہ نظریں جمائے اس تقریب کا لائیو شو دیکھ رہی تھی۔ عنایہ اس کے پہلو میں بیٹھی قیمتی لباس اور قیمتی جوتوں میں ملبوس تھی اور اب تو وہ ایک سولہ سالہ خوبصورت دوشیزہ بن چکی تھی جو فخر سے اپنے باپ کی پرسنلٹی کو دیکھ رہی تھی۔

تقریب اب اختتامی مراحل میں تھی اور لوگوں کے ہجوم نے ہمایوں میر کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔

مما میں سیرب کے ساتھ ٹینس کھیلنے جا رہی ہوں۔ عنایہ نے اٹھتے ہوئے عظمیٰ کو مخاطب کیا۔ جواب میں عظمیٰ نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ عنایہ باہر لان کی طرف بڑھی تو عظمیٰ نے بھی قدم اسٹڈی کی جانب بڑھا دیئے۔

اندر داخل ہو کر اس نے قطار در قطار نفاست سے سجی ہوئی ہمایوں میر کی ڈھیروں کتابوں پہ ہاتھ پھیرا اور جلدی سے سر جھٹک کر اسٹڈی ٹیبل کے ساتھ چیئر پر بیٹھ گئی۔ وقت کم تھا اور اسے جلد سے جلد ''خاکی پتلے'' کا مسودہ ہمایوں کو دینا تھا۔

آپ کو عجیب لگ رہا ہے ناں! تو آیئے آپ کو بتاتے ہیں۔ عظمیٰ میر شادی سے پہلے سے لکھتی چلی آ رہی تھی۔ اس میدان میں وہ قلمی نام سے تھی لیکن وہ ڈائجسٹ کے میدان کی کھلاڑی تھی۔ اتفاق سے اس کی شادی جس شخص سے ہوئی وہ کمپوزنگ کے میدان کا کھلاڑی تھا۔ ہمایوں کی تعلیم تو واجبی تھی لیکن کمپیوٹر کے میدان میں وہ بہت آگے تھا۔ ایک پرائیویٹ ادارے میں کام کرتا تھا۔ عظمیٰ شادی کے بعد بھی قلمی نام سے ہی لکھتی رہی کیونکہ

ہمایوں کو بھی پسند نہ تھا کہ وہ اپنے اصلی نام سے لکھے۔ وہ آرام سے فالتو وقت میں اپنا شوق پورا کرتی رہی اور یہ سب ایسے ہی چلتا رہتا اگر ہمایوں کی نوکری نہ چھوٹتی اور ادھر احمد غزنوی کو کہانیاں لکھ کر دینے والا مصنف اس دنیا سے رخصت نہ ہوتا۔ ان دنوں معمولی سے معاوضے پہ ہمایوں احمد غزنوی کے پرائیویٹ کمپوزر کا کام کرتا تھا۔ غزنوی کے مددگار مصنف کے انتقال پہ ایک دن اس نے عظمیٰ کی ایک تحریر غزنوی کو دکھائی تو غزنوی کی گویا لاٹری نکل آئی۔

عظمیٰ جو ان دنوں معاشی تنگی سے بہت پریشان تھی۔ ہمایوں کے کہنے پر وہ اس بات کے لیے مان گئی کہ وہ اپنی تحریر کو غزنوی کی تحریر بنادے۔ پیٹ کی بھوک، شہرت کی بھوک پہ حاوی آگئی اور عظمیٰ کہیں گم ہوگئی۔ خواتین کی پسندیدہ رائٹر کسی گوشہ نشینی میں چلی گئی۔

احمد غزنوی کے انتقال کے بعد جب ہمایوں نے اس سے کہا کہ پبلشرز اب اگلی کتاب اصل مصنف کے نام سے شائع کریں گے تو اس کے تو گویا پاؤں زمین پہ ٹکنا بھول گئے۔ وہ بہت عرق ریزی سے اگلا ناول تخلیق کرنے لگی اور ہمایوں پوری تندہی سے اس کی کمپوزنگ میں مصروف ہوگیا تھا۔

ہمایوں پیش لفظ چیک کرلو اور انتساب میں نے تمہارے نام کیا ہے۔ عظمیٰ نے پیار سے اپنے جیون ساتھی کو دیکھا۔ پیش لفظ ٹھیک ہے لیکن اس میں مونث کا نہیں مذکر کا صیغہ استعمال کرو اور انتساب کس کے نام کرنا ہے اس کا فیصلہ میں اور پبلشر مل کر کریں گے۔ ہمایوں نے عظمیٰ سے نظر چرا کر کہا۔

ایسا کیوں؟ انتساب تو تمہارے نام ہی کروں گی اور......!

نہیں عظمیٰ تم ایک عورت ہو اور عورت کے اوپر سے ڈائجسٹ رائٹر کی چھاپ کبھی نہیں اترتی۔ لوگ کہتے ہیں کہ عورت ایک بہترین مرد ادیب جیسا ہرگز نہیں لکھ سکتی۔ مرد کا لکھا ادب ہی دراصل اصلی ادب ہوتا ہے اور عورتوں کی لکھی کتابیں اگر پبلش ہو بھی جائیں تو فٹ پاتھوں پہ سیل میں بکتی ہیں۔ اس نے عظمیٰ کی بات کاٹ کر گویا اس کے دل پہ لفظوں کے نشتر چلادیئے۔

تو یہ جو احمد غزنوی کی اتنی ڈھیر ساری کتابوں نے اتنا بزنس کیا وہ بھی تو میں نے ہی تخلیق کی تھیں ناں...... ہمایوں ان کا کیا؟ وہ رندھے ہوئے لہجے میں بولی۔

ہمایوں نے اس کے کندھوں پہ ہاتھ رکھ کر اس کی آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو نظر انداز کر دیا۔ میری جان! تحریر تمہاری تھی یہ کون جانتا ہے؟ نام تو احمد غزنوی کا ہی بکا تھا نا۔ تو اب بھی عظمیٰ میر یا اس کا قلمی نام نہیں بکے گا۔ ہمایوں میر کا نام بکے گا۔ تمہارا نام تمہیں نہ شہرت دے سکتا ہے نہ دولت آگے تم خود سوچ لو؟

شاید وہ صرف عظمیٰ ہوتی تو اس کو گمنامی منظور ہوتی یہ بھی ممکن تھا کہ وہ لکھنا ہی چھوڑ دیتی لیکن وہ دو بچیوں کی ماں بھی تھی۔ جن کے لیے اسے دولت سے نظر نہیں چرانا تھی۔ فیصلہ ہوگیا تھا اور آج وہ ایک مشہور ادیب کی بیوی تھی۔ شہرت کے ساتھ ساتھ دولت بھی ہمایوں پہ مہربان ہوگئی تھی۔ سوچ اور الفاظ عظمیٰ کے تھے انگلیاں بھی روانی سے عظمیٰ ہی کی چلتی تھیں لیکن قلم ہمایوں کا ہی تھا۔

''خاکی پتلے'' کا اختتامیہ لکھ کر اس نے فائل میں رکھا اور فائل کو ترتیب سے دوسری فائلوں کے ساتھ رکھ دیا۔

پھر جلدی سے سائیڈ ٹیبل پہ رکھا رجسٹر کھول لیا۔ اب وہ جلدی جلدی ''کاجل'' کی اگلی قسط مکمل کر رہی تھی جو اسے خواتین کے ایک ڈائجسٹ میں جلد از جلد بھیجنی تھی۔ اب ضروری تو نہیں کہ ہر در عورت اپنے اوپر بند کرلے۔

دولت، شہرت پہ مرد کی دسترس سہی۔ لیکن سانس لینے کا روزن تو راہ شوق کو پورا کر کے بنایا جا سکتا ہے۔ ہر بار عورت ہار جائے یہ ضروری نہیں۔ ادھوری عورت کو تو ڈائجسٹ رائٹر بن کر بھی پورا ہو جانا تھا۔ سو وہ مکمل تھی۔

کیا ہوا جو عظمیٰ میر نہ تھی رانیہ غازی تھی۔ لکھتے ہوئے اس کے چہرے پہ سکون بھری مسکراہٹ تھی۔

☆☆☆

افسانہ

لب پہ اک حرف دعا

نزہت جبین ضیاء

ماؤں کے دل تو شہد کی مٹھاس جیسے ہوتے ہیں
نرم، میٹھے، سچے اور بے غرض، ریاکاری اور کسی
مطلب سے پاک...... نا جانے کیوں اولاد ماؤں
کے جذبات کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتی......

ایک ماں کی کہانی جو آخری وقت تک اولاد کی چاہت میں سرشار تھی

نہ کبھی گردشِ دوراں نے مجھے مایوس کیا
گھر سے نکلی جو میں ''ماں'' کی دعائیں لے کر

''اماں! آپ کو کتنی بار کہا ہے کہ اپنے روم سے باہر مت نکلا کریں۔ پتہ نہیں کیوں آپ کی عقل میں یہ بات نہیں آتی، سارے گھر میں جراثیم پھیلانے میں مزا آتا ہے آپ کو...... کتنی بار کہا ہے سلمٰی کو آواز دے دیا کریں مگر آپ ہیں کہ ضد کرتی ہیں۔'' نجمہ بیگم بے تحاشہ کھانستی ہوئی کمرے سے نکلی ہی تھیں کہ فاخرہ نے ان کی کلاس لے لی۔

''میرا پانی ختم ہوگیا اور...... کھانسی سے حلق خشک ہو رہا تھا تو......''

بس اب چپ کریں وضاحتیں دینے کی ضرورت

نہیں۔ واش روم کے نلکے میں بھی پانی ختم ہوگیا تھا کیا؟ وہاں سے ایک گلاس پانی لے کر پی لیتیں مگر...... آپ کو تو وہی کرنا ہے ناں جو منع کیا جائے۔ پتہ بھی ہے گھر میں چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اور آپ کو کتنی مہلک کھانسی ہے۔ چلیں اندر جا کر بیٹھیں......

''سلمٰی! ادھر آؤ یہ جگ لو اماں کے ہاتھ سے اور پانی بھر کے ان کے روم میں پہنچاؤ۔'' فاخرہ پہلے ساس سے اور پھر نوکرانی سے مخاطب ہوئی۔

نجمہ بیگم نے بے چارگی سے بہو کی طرف دیکھا ان کے سرخ چہرے پر کرب نمایاں تھا۔ تھکے تھکے قدموں سے وہ اپنے کمرے کی جانب مڑ گئیں۔

کچھ دیر بعد سلمٰی کھانے کی ٹرے اور پانی کا جگ لے کر آ گئی۔ پتلی دال، ایک چپاتی اور تھوڑی سی سلاد، یہ تھا ان کا کھانا۔

''اماں جی! مجھے آواز دے لیا کریں ناں آپ باہر کیوں چلی جاتی ہیں۔ فاخرہ بی بی آپ کے ساتھ ایسی باتیں کرتی ہیں مجھے اچھا نہیں لگتا۔''

سلمٰی نے ٹرے ان کے سامنے رکھتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

''پانی گر گیا تھا مجھ سے...... اس لیے باہر آنا پڑا۔'' ان کے لہجے میں دکھ بول رہا تھا۔

''اماں جی! کو کوفتوں کا سالن دیا......؟''

یہ آواز یوسف کی تھی لاؤنج میں ٹیبل پر بیٹھ کر وہ سوال کر رہا تھا۔

''نہیں! دال بنوائی تھی ان کے لیے۔'' فاخرہ نے بیزار لہجے میں کہا۔

''ارے یار ایک کوفتہ بھی دے دو ذرا۔'' یوسف نے کہا۔

''یوسف کھانسی ہے ناں! یہی کافی ہے اگر کل کو خدانا خواستہ پیٹ خراب ہوگیا تو کون سنبھالے گا ان کو ایک وہ محترمہ ہیں کرن صاحبہ مہینوں شکل ہی نہیں دکھاتیں کہ کہیں اماں، کا کوئی کام نہ کرنا پڑ جائے۔ ایک وہ صاحب ہیں پلٹ کر پوچھتے بھی نہیں اپنی فیملی کے ساتھ مست ہیں اور ساری مصیبت، ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے ہم ہی رہ گئے ہیں۔ جتنا کچھ کرتی ہوں بہت ہے۔'' چھوٹی سی بات پر لمبا چوڑا لیکچر سننے کو ملا تھا۔ یوسف سر جھکا کر پلیٹ میں سالن نکالنے لگا۔ بچے بھی سکول سے آ گئے تھے۔ نجمہ بیگم کے کانوں میں آوازیں آ رہی تھیں۔ بمشکل ایک روٹی حلق سے اتاری اور معمول کی دوا لے کر وہ بستر پر لیٹ گئیں۔

اسی طرح رات ہو گئی۔ ان کی زندگی بھی کیا تھی۔ کس مقام پر آ گئیں تھیں اپنے ہی گھر میں ان کی حیثیت دو کوڑی کی رہ گئی تھی۔ ایک بے کار اور غیر ضروری شے کی طرح بڑے سے گھر کے ایک چھوٹے سے کمرے میں زندگی کے روز و شب گزار رہی تھیں۔ عمر کی اس منزل پر تھیں کہ جہاں ان کو سب کے ساتھ کی، دلجوئی، محبت اور خیال کی ضرورت تھی لیکن ...... وہ تو ایک بوجھ بن کر رہ گئیں تھیں۔

کبھی کبھی وہ سوچتیں کہ نہ جانے زندگی میں ایسی کون سی غلطی کر بیٹھی تھیں کہ جس کی سزا انہیں عمر کے اس حصے میں مل رہی تھی۔ رات دھیرے دھیرے بڑھنے لگی تھی۔ سب لوگ سو چکے تھے مگر ان کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔

آج شام کو فاخرہ اور یوسف کے درمیان ہونے والی بات ایان کی زبانی ان تک پہنچی تھی۔ مغرب کا وقت تھا فاخرہ اپنی بہن سے فون پر بات کر رہی تھی۔ یوسف گھر پر نہیں تھا۔ تب ہی ایان موقع دیکھ کر ان کے روم میں آ گیا تھا۔

''ارے بیٹا! یہاں کیوں آئے تمہاری ماں ناراض ہو گی۔ جاؤ چلے جاؤ!'' ان کا دل تو بہت چاہتا تھا کہ ایان اور سمیعہ کو سینے سے لگا کر ڈھیر سارا پیار کریں مگر...... نجمہ بیگم کو شدید کھانسی کی شکایت تھی اور فاخرہ

بیگم بچوں کو ان کے سامنے تک جانے سے منع کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ نجمہ بیگم کو کمرے سے نکلنے کی بھی اجازت نہیں تھی۔

"دادو! یہ ایدھی سینٹر کیا ہوتا ہے۔۔۔؟" میں نے مما سے پوچھا تو انہوں نے ڈانٹ دیا۔۔۔ بس آپ سے یہی پوچھنے آیا ہوں، ننھے ایان نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔

"ایک گھر ہوتا ہے بیٹا جہاں بہت سارے لوگ رہتے ہیں۔۔۔ وہ لوگ جو اکیلے ہو جاتے ہیں، وہاں پر رہتے ہیں، مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو۔۔۔؟" نجمہ بیگم نے سوال کیا۔

"مگر دادو۔۔۔؟ آپ تو اکیلی نہیں ہو۔۔۔ ہم سب آپ کے گھر والے ہیں ناں تو۔۔۔ تو پھر مما اور پاپا آپ کو وہاں کیوں بھیجیں گے؟"

ایان کے چہرے پر حیرانی تھی اس کا لہجہ معصومانہ تھا۔

"او کے میں جاتا ہوں مما آ رہی ہیں۔" ایان جلدی سے جملہ مکمل کر کے باہر کی جانب بھاگا لیکن جاتے جاتے نجمہ بیگم کے وجود کو ہلا کر رکھ دیا۔

یہ کیا ہونے جا رہا ہے۔۔۔؟

شام سے رات ہو گئی تھی آج رات کا کھانا بھی نہیں کھایا گیا تھا۔ وہ سخت بے چینی اور اضطرابی کیفیت کا شکار تھیں۔ سلمٰی بھی کام سے فارغ ہو کر شام کو گھر چلی جاتی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ ایان نے کچھ غلط سنا ہو۔ بھلا یوسف اس طرح کیسے کر سکتا ہے۔ بے شک بیوی کی باتوں میں آ جاتا ہے لیکن وہ ایسا قدم کبھی نہیں اٹھا سکتا۔ دل کے کسی کونے سے مبہم سی آواز آتی تھی۔ ایک چھوٹی سی امید باقی تھی وہاں تو لاوارث لوگ جایا کرتے ہیں اور۔۔۔ میں لاوارث نہیں۔ میرے بچے ہیں۔۔۔ اللہ پاک ان کو سلامت رکھے۔ دل سے دعا نکلی۔

دل کی چھوٹی گواہیاں، کھوکھلی امیدیں اور بے تکے

بارش

تین سردار کار کا دروازہ بند ہو جانے سے اندر پھنس گئے۔

پہلا سردار: یار ہمیں انجن کے راستے باہر نکلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

دوسرا سردار: یار میرا خیال ہے ہمیں ڈگی کے رستے باہر نکلنے کی تدبیر سوچنی چاہیے۔

تیسرا سردار: یار جو بھی کرنا ہے جلدی کرو بارش آنے والی ہے اور کار کی چھت بھی نہیں ہے۔

(شکیل اعوان، وہاڑی)

جواز سب دھرے کے دھرے رہ گئے۔ جب صبح ناشتے کے بعد فاخرہ اور یوسف نجمہ بیگم کے کمرے میں آئے۔

"آؤ بیٹا!" بیٹے کو کئی دن کے بعد اپنے کمرے میں دیکھ کر نجمہ بیگم پرمسرت لہجے میں بولیں۔

"طبیعت کیسی ہے اماں آپ کی۔۔۔؟" یوسف نے بیڈ کے کونے پر ٹکتے ہوئے ان کی طرف دیکھتے ہوئے بات کا آغاز کیا۔ جب کہ فاخرہ بیگم منہ بنا کر کھڑی رہیں۔

"ٹھیک ہوں بیٹا! شکر ہے اللہ کا۔۔۔"

وہ اماں! دراصل ایک بات کہنے آیا تھا۔ یوسف اصل مدعے پر آئے۔

"ہاں بیٹا بولو" وہ ہمہ تن گوش ہوئیں۔

"ہم لوگ کچھ عرصے کے لیے امریکہ جا رہے ہیں تو آپ یہاں پر اکیلی کس طرح رہ پائیں گی تو یہ گھر رینٹ پر دینے کا ارادہ ہے۔ اس لیے آپ کو کہیں اور جانا ہو گا۔"

"ہائیں۔۔۔! کہاں۔۔۔؟ کہاں جاؤں گی میں۔۔۔؟ کوئی رشتے دار نہیں ہے میرا اور۔۔۔ یوں اچانک سے سب کچھ طے کر لیا مجھے خبر تک نہ ہوئی۔"

نجمہ بیگم کے حواسوں پر یوسف کی بات بجلی بن کر گری یوں سارے معاملات طے ہو گئے۔

"اماں! برا مت مانیے گا آپ کے اور بھی دو بچے ہیں صرف ہم پر ہی حق نہیں ہے آپ کا۔ ہم نے ساری زندگی کا ٹھیکہ نہیں اٹھا رکھا۔ ہمیں بھی اپنی زندگی بہتر طریقے سے گزارنے کا حق ہے بچے بڑے ہو رہے ہیں۔ ان کے بہتر مستقبل کے لیے ہمیں بھی سوچنا ہے۔ اب اگر ایک موقع مل رہا ہے تو ہم کسی صورت ضائع نہیں کر سکتے۔ اس لیے آپ کو ایدھی سنٹر میں شفٹ کر دیں گے۔ اچھا ادارہ ہے۔ دیکھ بھال، دوا سب کچھ بہتر طریقے سے ہوتا ہے۔"

"نہیں بیٹا میں لاوارث نہیں ہوں وہاں پر لاوارث لوگ رہتے ہیں..... کرن سے کہہ دو کہ وہ مجھے لے جائے۔"

نجمہ بیگم کا لہجہ لڑکھڑا گیا تھا۔

اسی لمحے اتفاق سے کرن بھی آ گئی۔

"السلام علیکم! اماں!"

"جی بھائی آپ نے اتنی ایمرجنسی میں کیوں بلوایا آخر ایسی کیا بات ہے میں تو بھاگی بھاگی آئی ہوں۔"

آتے ہی بھائی کی طرف دیکھ کر بیزار کن لہجے میں پوچھا۔

"دیکھو کرن! تمہارا آنا بھی ضروری تھا اس لیے تمہیں بلوایا ہے۔ آرام سے بیٹھ اور بات سنو پوری۔" یوسف نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"جی بولیں!" وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔

"بھئی تمہیں پتہ ہے کہ ہم امریکہ کے لیے کافی دن سے کوشش کر رہے تھے۔ اب وہاں پر جاب کا انتظام بھی ہو گیا ہے تو ہمیں وہاں جانا ہے۔ اماں کا مسئلہ ہے۔ اماں کو اولڈ ہوم میں داخل کروانا پڑے گا۔" اس بار فاخرہ بولی تھی۔

"کرن..... کیا تم مجھے لے جاؤ گی اپنے گھر.....؟" نجمہ بیگم جو ٹکر ٹکر آنکھوں سے سب کو بولتا دیکھ رہی تھیں۔ پرامید لہجے میں بیٹی کے چہرے کو دیکھا۔

"اماں یہ کیسے ممکن ہو گا.....؟ میں سسرال والی ہوں، ساس، سسر اور صائم کی فیملی کے ساتھ رہتی ہوں میرے اپنے مسائل ہیں بھلا یہ اچھا لگے گا کہ میری ماں داماد کے گھر رہے۔ میری طرف سے تو معذرت..... اور ہاں یہ اولڈ ہوم بہت اچھی طرح دیکھا بھال کرتے ہیں آپ کو وہاں کوئی مشکل نہیں ہو گی اور کبھی کبھی میں آجایا کروں گی چلیے۔"

کرن کی بات پر نجمہ بیگم نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

"یا اللہ! یہ اولاد ہے میری جن کو رات رات بھر جاگ کر پالا پوسا، کسی قابل کیا اور آج..... آج..... میں ان سب پر بوجھ بن گئی ہوں۔"

"اماں! آپ فکر نہ کریں ابھی تو میں بھی ہوں آتا رہوں گا..... آپ کی دوا اور ضرورتوں کا خیال بھی رکھوں گا دل تو نہیں کرتا مگر مجھے ایسا کرنا پڑ رہا ہے۔ اماں میرے بچوں کے مستقبل کا سوال ہے۔ آپ دل چھوٹا نہ کریں۔" یوسف نے نجمہ بیگم کے کانپتے جھریوں بھرے بوڑھے ہاتھوں کو تھام کر تسلی دی۔

"اب دیکھیں ناں یونس کتنی نوابوں والی زندگی گزار رہا ہے امریکہ میں کتنی اچھی طرح سے سیٹ ہو گیا ہے۔ وہ کچھ سالوں کی بات ہے ہم بھی کسی قابل ہو جائیں گے۔"

"کچھ سال..... نجمہ بیگم زیر لب بڑبڑائیں.....

بیٹا یہاں تو اگلے پل کی خبر نہیں ہوتی..... تم کچھ سالوں کی بات کرتے ہو..... ٹھیک ہے تم لوگ اپنی اپنی زندگیاں اپنے طریقے کے ساتھ گزارو مجھے میرے حال پر چھوڑ دو.....

"یہ بتاؤ..... مجھے اس گھر سے بے گھر کب ہونا ہے.....؟" ان کے لہجے میں درد کی انتہا تھی۔

کرن تو دامن جھٹک کر جا چکی تھی۔

"ایک دو دن میں......" فاخرہ بیگم نے منہ بنا کر کہا اور کمرے سے نکل گئیں۔

یا اللہ! تو نے یہ دن بھی دکھانا تھا...... میں وارثوں کے ہوتے ہوئے لاوارث بن جاؤں......؟ اتنی بے وقعت ہو گئی ہوں میں...... میرے بچوں کی مصروف زندگی میں میرے لیے وقت نہیں...... کیوں سب کے خون سفید ہو گئے......؟ یا اللہ میرے وارثوں کو سلامت رکھنا...... میں لاوارث مرنا نہیں چاہتی...... مجھے میرے بچوں کے ہاتھوں ہی سفر آخرت بخشنا میرے مالک...... یہ میری اولاد ہے میں...... ان کو بددعا تو نہیں دے سکتی بس ان کے لیے خیر کی دعا مانگوں گی۔ میرے رب! مجھے رسوا نہ کرنا، مجھے بے آسرا نہ کرنا۔"

یوسف آفس چلا گیا۔ فاخرہ گھر کے کاموں میں مصروف ہو گئی۔ ایان اور سمیعہ سکول میں تھے آج سلمیٰ بھی نہیں آئی تھی۔ نجمہ بیگم بے حد پریشان تھیں۔ دل و دماغ پر عجیب سی وحشت سوار تھی ان کا دماغ کسی بھی صورت یہ سب ماننے پر راضی نہ تھا، دل تھا کہ بے قرار ہوا جا رہا تھا۔ کھانسی کی شدت میں اضافہ ہو گیا تھا۔

سہ پہر کا وقت ہو گیا ہلکی سی آواز پر نجمہ بیگم خیالات سے چونکی۔ کچھ نامانوس اور عجیب سی آوازیں تھیں یہ آواز باہر کی طرف سے آ رہی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ ڈرتے ڈرتے کمرے سے نکلیں باہر کچھ عجیب و غریب منظر تھا۔ منہ پر کالا کپڑا باندھے یقیناً دو ڈاکو تھے جن کے ہاتھوں میں پستول تھی۔ یوسف، فاخرہ، ایان کانپ رہے تھے۔ یوسف کو پکڑے ایک ڈاکو نے اس کی کنپٹی پر پستول رکھی ہوئی تھی۔ جلدی سے چابیاں دو فاخرہ نے جلدی جلدی سیف کی چابیاں ان کی طرف بڑھائیں۔

"اور موبائل......؟ یہ چین، چوڑیاں یہ سب اتار جلدی سے......" دوسرا ڈاکو بدتمیزی سے بولا۔

اسلامی معلومات

☆ شاعر رسولؐ حضرت حسان بن ثابتؓ کا لقب ہے۔

☆ بسم اللہ شریف لکھنے کا شرف سب سے پہلے حضرت خالد بن سعیدؓ کو حاصل ہوا۔

☆ سب سے پہلے صحابی حافظ قرآن حضرت عثمان غنیؓ تھے۔

☆ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرنے والے سب سے پہلے نبی حضرت نوحؑ تھے۔

☆ سورہ رحمان کو قرآن پاک کی زینت سورہ یٰسین کو دل کہا جاتا ہے۔

☆ اسلام کی پہلی شہید خاتون حضرت سمعیہؓ تھیں۔

(صائقہ فیصل، لاہور)

فاخرہ بدحواسی سے جلدی جلدی سب اتارنے لگی۔

"جلدی جلدی کر......" سامان لے کر وہ لوگ جانے کے لیے پلٹے ایک لمحے میں یوسف نے ایک ڈاکو کے ہاتھ سے پستول چھیننے کی کوشش کی......

"ہم سے ہوشیاری کرتا ہے۔" بھاگتے بھاگتے دوسرے ڈاکو نے بدحواسی میں یوسف پر فائر کر دیا۔ نجمہ بیگم جو آنکھیں پھاڑے سکتے کے عالم میں یہ سارا منظر دیکھ رہی تھیں نہ جانے کہاں سے ان کی کمزور ٹانگوں اور ناتواں وجود میں اتنی طاقت آ گئی کہ یوسف اور ان کے درمیانی راستے کو سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں طے کر کے وہ یوسف کے عین سامنے پہنچ گئی تھیں۔ ڈاکو بھاگ گئے تھے۔

"اماں...... اماں......" یوسف پاگلوں کی طرح خون میں لت پت اماں کے اوپر جھک گیا۔ فاخرہ آ گئی بچے خوف و دہشت سے سہم کر زور زور سے رونے

لگے......

"اماں...... یہ کیا ہوا......؟ فاخرہ! ایمبولینس کو کال کرو۔" یوسف بے تحاشا روتے ہوئے نجمہ بیگم کو گود میں اٹھائے ہوئے تھا۔

"نہیں...... نہیں میرے بچے! اس کی ضرورت نہیں...... میری...... خواہش تھی...... کہ میں لاوارث نہ مروں...... کرم ہے اللہ کا...... اس نے میری دعا سن لی...... بیٹا ماؤں کے دل بہت نازک ہوتے ہیں...... نرم اور گداز...... اور...... ان کی آنکھیں...... اولاد کو صرف پھلتا پھولتا اور شاد و آباد ہنستا مسکراتا دیکھنا چاہتی ہیں...... اور میں...... میرے ہوتے میرے بچے کو خراش تک آئے یہ...... میں برداشت...... نہیں...... ان کی سانسیں اکھڑنے لگیں...... آنکھیں بند ہونے لگیں۔

"اماں! اماں ہمیں معاف کر دیں اماں...... ہم لوگ بہت برے ہیں۔" یوسف کے ساتھ فاخرہ بھی زارو قطار رو رہی تھی۔ ان کی آنکھوں سے بے تحاشا آنسو بہہ رہے تھے اور چہرے پر پچھتاوا، دکھ اور حد درجہ ندامت تھی۔ اماں...... چلیں ہم ہاسپٹل چلتے ہیں۔ آپ کو...... آپ کو کچھ نہیں ہوگا اماں...... ہمیں ہماری کوتاہیوں کی، ہماری غلطیوں اور ہماری نافرمانی کی ایسی سزا تو نہ دیں کہ ہم...... ہم جیتے جی مر جائیں۔"

"نہ میرے بچو! نہ...... میں...... نے تم سب کو معاف کیا...... سب لوگ شاد...... رہو...... ساتھ ہی اماں کی آواز بالکل دھیمی ہوگئی۔ صرف ہونٹ ہل رہے تھے۔

وہ کلمہ طیبہ کا ورد کر رہی تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے ان کی گردن یوسف کی گود میں ایک جانب ڈھلک گئی اور چہرے پر سکون چھا گیا۔

"اماں...... اماں...... یوسف اور فاخرہ کے ساتھ بچے بھی تڑپ رہے تھے۔

نجمہ بیگم اپنے آخری سفر پر روانہ ہوگئیں مگر جاتے جاتے اپنے اندھے بچوں کی آنکھیں کھول گئیں تھیں۔

واقعی "ماں" ہی وہ عظیم ہستی ہے جو اپنے سامنے اپنی اولاد کی ذرا سی بھی تکلیف برداشت نہیں کر سکتی۔ ماؤں کے دل تو محبت کی مٹی سے شہد کی مٹھاس جیسے ہوتے ہیں۔ نرم، میٹھے، سچے اور بے غرض، ریاکاری اور کسی مطلب سے پاک نہ جانے کیوں اولاد ماؤں کے جذبات کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتی۔ اولاد کی نظر میں کوئی ماں اگر ان کو پالتی ہے، ان کے لیے نیند، چین اور سکون برباد کرتی ہے تو یہ اس ماں کا فرض ہے۔ کیوں کہ ہر ماں یہی کر رہی ہوتی ہے لیکن...... اولاد یہ کیوں بھول جاتی ہے کہ اگر ماں اپنا حق ادا کرتی ہے تو اولاد کے بھی کچھ فرائض ہوتے ہیں ساری بات حق تک ہی محدود کیوں......؟ وہ فرائض کہاں ہیں جن کی ضرورت والدین کو ہوتی ہے......؟

اولاد یہ کیوں بھول جاتی ہے کہ جب وہ کسی قابل نہیں ہوتی، اپنے اوپر سے ایک مکھی تک اڑانے کے قابل نہیں ہوتی تب ماں ہی ہوتی ہے جو بنا کہے اولاد کی ہر بات کو سمجھ جاتی ہے۔

لیکن جب اولاد بڑی ہو کر کسی قابل ہو جاتی ہے تو ماں کی چیختی ہوئی خاموشی، اس کی آنکھوں میں ابھرتے بے شمار سوالات، اس کے دل میں چھپے ڈھیروں جذبات کو کیوں اگنور کر دیتی ہے؟

پھر بھی ماؤں کے دل سے اولاد کے لیے بد دعا نہیں نکلتی وہ ہر حال میں اولاد کے لیے بہتری مانگتی ہے۔ اس کے لرزتے، بوڑھے اور جھریوں بھرے ہاتھ جب بھی دعا کے لیے اٹھتے ہیں تو...... وہ اولاد کی زندگی، خوشیوں اور آسودگی کی طلب کی کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

افسانہ

ساون رت

صوفیہ اصغر

برسات کا موسم جہاں طبیعت میں فرحت وشادمانی
لاتا ہے، وہیں کچھ خاندانوں کے لیے
باعث زحمت بھی بن جاتا ہے

ساون کی بدلتی رتوں کا قصۂ دل گداز

مرے مالک!
اس سلسلۂ بادوباراں کو
ذرا سا مختصر کردے
کہ زخموں پر پڑی بوندیں
بہت تکلیف دیتی ہیں!!!

کھڑکی سے آتی یخ بستہ ہوا اس کی ہڈیوں میں نیزے کی طرح پیوست ہو رہی تھی۔ چہرے پر ہوا کے ساتھ آتی بوندیں چہرے کو سن کر رہی تھیں، وہ پچھلے دو گھنٹوں سے کھڑکی کے پاس ساکت بیٹھی باہر اندھیرے میں تک رہی تھی، طوفان کا شور اور ہوا کی شدت، وقفے وقفے سے آسمان پر لپکتی بجلی اور دل میں چھائی ویرانی اس کی آنکھوں سے اشک کی صورت بہہ رہی تھی، سوچوں کا انبار بارش کے قطروں کی مانند اس کے ذہن کی دھرتی پر برس رہا تھا۔

اسے بارش سے چڑ تھی، بادل گھر کر آتے اور وہ وحشت بھری آنکھوں سے جلے پاؤں کی بلی کی مانند گھر بھر

میں چکراتی پھرتی، دل میں ٹیسیں اٹھتیں، آنکھیں ساون کے بادل کی طرح برستی ہی رہتیں، گھنٹوں کھڑکی کے پاس بیٹھی اندھیروں کے پار گئے دنوں کو تلاش کرتی رہتی، اس کی بیٹی عینی اسے تلاش کرتی وہاں آ دھمکتی اور منتوں سے، اپنی قسمیں دے کر بیڈروم میں لے جا کر قیمتی ریشمی کمبل لپیٹ دیتی اور فوراً گرما گرم کافی لے کر آتی، فین ہیٹر کی حدت بھی اس کے بدن کا لرزہ دور نہ کر پاتی ''امی، کیا مسئلہ ہے، دیکھیں اتنے حسین موسم میں آپ جانے کیوں اتنی اداس ہو جاتی ہیں، پلیز امی جانی، نہ کریں نا''

''حسین موسم'' اس نے سر جھٹکا ''تمہیں کیا خبر بیٹی، یہ موسم، یہ بارشیں، ان کی نامہربانیاں......! تمہیں کیا پتہ میری چندا'' تلخ مسکراہٹ اس کے چہرے پر گئے دنوں کا کرب بکھیر دیتی۔

☆......☆......☆

اب کے بارش میں تو یہ کارِ زیاں ہونا ہی تھا
میری کچی بستیوں کو بے نشاں ہونا ہی تھا

بارش کی ہولناکی سے پہلی آگاہی اسے آٹھ سال کی عمر میں ہوئی کچے مکانوں پر مشتمل وہ بستی آسمان کے قہر کا مقابلہ نہ کر سکی، بے شمار گھر زمین بوس ہو گئے، کچھ اموات بھی ہوئیں، پڑوس کی خالہ صغریٰ کے دو بیٹے دیوار تلے دب کر مر گئے، خالہ صغریٰ کے بین بستی کی گلیوں میں گونجتے تو وہ سہم کر ماں کی آغوش میں چھپ جاتی، ان کے اپنے گھر کی بیرونی دیوار اور ایک کمرے کی چھت بارش کا لقمہ بن گئیں، اس کی گڑیا اور کھلونوں کا ڈبہ بھی ملبے تلے دب کر مسخ ہو گئے، بارش کے بعد بستی میں ہیضے کی وبا پھوٹ پڑی اور خونی عفریت کی طرح کئی گھروں کے چراغ گل کر گئی، غرض یہ کہ حالیہ بارشوں نے بستی کے گھر گھر میں صفِ ماتم بچھا دی اور آٹھ سالہ معصوم ''زینب'' اس کے اثر سے بھی باہر نہ نکل سکی۔

''امی اللہ میاں بارش کیوں دیتے ہیں، یہ تو گندی ہوتی ہے نا'' وہ اکثر کہتی۔

اس کی ماں اسے کھینچ کر سینے سے لگاتیں ''نہ میری گڑیا، اللہ میاں پہ اعتراض نہیں کرتے'' اس کی ماں سے جب بھی کوئی جواب نہ بن پڑتا تو اسے اپنی آغوش میں چھپا لیتی، شاید ساری مائیں ایسی ہی ہوتی ہیں۔ بے بس اور محبت سے لبریز۔

پھر یوں ہونے لگا کہ جب بھی بادل آتے، وہ سہم سی جاتی، ماں کی طرف دوڑتی چھپتی پھرتی، اسے چپ لگ جاتی، آنکھوں میں خوف اتر آتا، اس کی ماں اسے سنبھالتی، بارش کے آگے بند باندھنے کے انتظام کرتی، وہ زینب کو بھول کر ٹپکتی چھت کے نیچے برتن رکھتی پھرتی اور دیوار، چھت کے نہ گرنے کی دعا مانگتی رہتی، بارش ہمیشہ اسے ماں کی آغوش سے محروم کر دیتی تھی، جو اس کی پناہ گاہ تھی، جس میں اسے سکون ملتا تھا بارش کے آثار کے ساتھ ماں بولائی بولائی دو کمروں اور مختصر صحن کے کچے گھر میں پھرتی، ان لمحات میں زینب اسے یاد نہ رہتی، یوں زینب کو بارش سے نفرت ہو گئی جو اسے ماں کی مہربان آغوش سے دور کر دیتی تھی، بارش سے اس کا خوف اور نفرت بڑھتی ہی چلی گئی۔

بارش شروع ہوتے ہی ماں اسے اور دو چھوٹے بھائیوں کو لیے بکریوں کے چھپر تلے آ بیٹھا کرتی اور جب تک بارش تھم نہ جاتی وہ اس ٹپکتے چھپر تلے بیٹھے دہلتے رہتے، بجلی کی کڑک اور بادلوں کی گرج اندھیرے اور ہوا کی سائیں سائیں کے ساتھ مل کر ایسا خوفناک ماحول بناتے کہ درخت بھی کالے بھوت لگتے تھے، ٹپکتے چھپر اور بکریوں کے بول و براز کی بساند کے عادی ہونے کے باعث اسے صرف بارش سے نفرت تھی، بارش جو گھر گھر موت بن کر اترتی تھی، جو بے سائبانی عطا کرتی تھی، جو اسے ماں کی آغوش سے محروم کر دیتی تھی، جس کی وجہ سے وہ ساری رات چھپر تلے بکریوں کے بیچ گزارتے اور بارش جس نے اس سے پیاری گڑیا اور کھلونے چھین لیے تھے، اپنی گڑیا کے ٹوٹے بازو اور بگڑا چہرہ اسے بھولتا ہی نہیں تھا۔ خالہ صغریٰ کے دو بیٹے اور خالہ کے بین اس کے اندر گونجتے تھے۔ بارش میں کمرے اور صحن پانی اور کیچڑ سے بھر جاتے تھے، بستی کے اندر باہر کے راستے اور گلیاں بند ہو جاتیں اور پوری بستی گھروں میں قید ہو جاتی، بستی

کے اردگرد کے کھیت اور فصلیں تباہ ہو جاتیں، مویشیوں کے لیے چارہ میسر نہ رہتا اور گھروں کے چولہے بجھنے لگتے۔

زینب کی بارش سے نفرت عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتی چلی گئی، اس نے نزدیکی گاؤں کے سکول جانا شروع کر دیا، سکول تک وہ بستی کی دوسری لڑکیوں کے ساتھ کچے راستوں، کھیتوں کی پگڈنڈیوں سے گزر کر جاتی تھی، بارش اکثر اس کے راستے میں حائل رہتی، بستی کے کچے راستے، گلیاں پانی سے بھر جاتیں، کھیتوں کی پگڈنڈیاں پھسلواں ہو جاتیں اور سکول تک پہنچنا چاند پر پہنچنے کے مترادف ہو جاتا، ایک بار وہ گھر والوں سے ضد کر کے، چھوٹے بھائی کو لے کر سکول کے لیے نکل کھڑی ہوئی، ایک گھنٹے کا پیدل راستہ تین گھنٹے میں طے کر کے کیچڑ میں لت پت جب وہ سکول پہنچی تو سکول میں نہ بچے تھے اور نہ ہی اس دن ماسٹر جی آئے تھے، اسے مایوس واپس گھر آنا پڑا، اس طرح بارش اسے اپنا دشمن لگنے لگی، جو اس کے سکول جانے میں رکاوٹ تھی۔

وہ عمر کی سیڑھیاں پھلانگنے لگی، اس کے اندر بارش کا خوف، بارش سے نفرت ابھی تک تازہ تھے، اس نفرت میں اضافہ ایک اور بڑے سانحے نے کر دیا۔

☆......☆......☆

''زینب، اری او زینب.....'' اس کی ماں نے رسوئی سے آواز لگائی۔

''تیرے ابا کے آنے کا ٹائم ہو گیا ہے، جلدی سے دو روٹیاں ڈال دے، میں چائے رکھتی ہوں۔''

''آتی ہوں اماں'' چارپائی پر لیٹی زینب نے کسلمندی سے اٹھتے ہوئے منہ بسورا۔

زینب پر چھائی سستی کی وجہ وہی نامہرباں موسم تھا، کئی دن لگاتار بارشیں ہونے کے بعد آج ہی سورج نے بادلوں کی اوٹ سے جھانکا تھا، جتنے دن بارش ہوتی رہی زینب کے غم و غصے میں اضافہ ہوتا رہا، اس کا چڑچڑاپن عروج پر تھا، بات بے بات اماں اور بھائیوں سے الجھتی رہتی تھی، اندر سے سہمی اپنے خوف کو جھٹکتی آسماں کی طرف دیکھتی بادل چھٹنے کی دعا کرتی رہتی تھی۔

''کیا مصیبت ہے، اب گیلی لکڑیوں اور بھیگے اپلوں کے ساتھ چولہے میں پھونکیں مارو۔'' اس نے رسوئی کا رخ کرتے ہوئے جل بھن کر سوچا۔

''اماں، ابا کو آتو لینے دیا کریں، آپ تو ایک گھنٹے پہلے ہی آوازیں دینا شروع کر دیتی ہیں'' اس نے اندر کی بھڑاس نکالی۔

''مجھے پتہ ہے تیرے اندر پانچ دن سے کیوں تپ ہے، اری کمبخت ان موسموں سے الجھنا چھوڑ دے، یہ ہمارے بس کی بات نہیں اور تیرے ابا پانچ دن بعد آج کام پر گئے ہیں، تھکے ہارے آئیں گے، تم لوگوں کے لیے ہی مٹی میں مٹی ہوتا رہتا ہے......''

اس کی ماں کا لہجہ اشک بار ہو گیا اور زینب کا سارا غصہ، چڑچڑاپن ایک لمحے میں دھوئیں میں تحلیل ہو گیا، اس نے دلار سے ماں کو جکڑ لیا۔

''اماں تو رویا نہ کر، میں ہوں نا تیرا گبھرو بیٹا، سب ٹھیک ہو جائے گا، ہمارا مکان بھی پکا ہو گا اور ہم شہر میں مکان بنائیں گے، جہاں بارش کا پانی بھی نہیں جمع ہوتا، اماں بس مجھے کالج میں داخلہ دلا دیں، پھر سب ٹھیک ہو جائے گا......'' زینب نے خواب بھری آنکھوں سے ماں کو تھپکتے ہوئے کہا۔

''اچھا چل جلدی کر میرا بچہ، روٹیاں ڈال لے، تیرا ابا آنے ہی والا ہو گا'' اس کی ماں نے آنسو دوپٹے کے پلو سے صاف کرتے ہوئے اسے پھر ٹوکا۔

زینب کا باپ خدا بخش اینٹیں بنانے کا کام کرتا تھا، کچی مٹی گوندھ کر سانچے میں ڈال کر اینٹ کو مستطیلی شکل میں ڈھالتا تھا، بھٹے کے مالکان یا پھر بڑے بھٹے کے منشی اسے ضرورت کے وقت طلب کر لیتے تھے، علاقے میں زمینداروں نے ذاتی ضرورت پوری کرنے کے لیے چھوٹی چھوٹی بھٹیاں لگائی ہوئی تھیں، حویلی کی تعمیر کے لیے جب بھی اینٹوں کی ضرورت پڑتی، وہ مزدوروں کو بلا کر کچی اینٹیں تھپوانا شروع کر دیتے تھے جنہیں بعد میں بھٹی میں تپش دے کر پختہ اینٹ میں ڈھالا جاتا، اس کے علاوہ

بڑے عمودی چمنیوں والے بھٹوں پر کاروباری نقطہ نظر سے سال بھر اینٹیں تھاپنے کا کام جاری رہتا تھا، ہفتہ وار دیہاڑی کا حساب ہر جمعرات کی رات کو چکا دیا جاتا، اس طرح مزدور، تھپارے داروں کا کام چلتا رہتا اور ان کے گھروں کے چولہے جلتے رہتے، خدا بخش بھی اسی پیشے سے تعلق رکھتا تھا، یوں تو اس کا کام سارا سال چلتا مگر بارشوں کے دنوں میں اینٹوں کی تھپائی بند ہو جاتی، ایسے میں گھروں کے چولہے بجھنے لگتے، مزدور اور ان کے گھر والے آسمان کی طرف دیکھتے اور سورج نکلنے کی دعائیں مانگتے سارا دن گزار دیتے، بارش، بادلوں اور سورج کی آنکھ مچولی جاری رہتی اور ان کی دعائیں لمبی ہوتی چلی جاتیں، زینب بھی بچپن سے بارش اور فاقوں کا تال میل دیکھتی آ رہی تھی، بارشوں کے طویل ہوتے سلسلے اور فاقوں کے نہ ڈھلنے والے دن، بجھتے چولہے، فاقہ زدہ آنکھیں یہ سب مناظر بارش سے اس کی نفرت میں اضافے کا سبب بنتے تھے، بارش اسے ایسے حملہ آور لشکر کی مانند لگتی تھی جو کبھی تنہا نہیں آتی تھی بلکہ اپنے ساتھ فاقے، بھوک، بے چارگی، موت، بے بسی، بے سائبانی کا احساس بھی لاتی تھی۔

آج کئی دنوں بعد سورج نے چہرہ دکھایا تو خدا بخش زمیندار کی بھٹی پر اینٹیں تھاپنے نکلا تھا، زمیندار کو مہمان خانے کی تعمیر کے لیے اینٹوں کی فوری ضرورت تھی، اسی وجہ سے بارش تھمتے ہی اس نے مزدوروں کو طلب کر لیا، خدا بخش جو بارشوں کے باعث دیہاڑی نہ لگنے سے پریشان تھا، صبح سویرے ہی کام پر چلا گیا تھا، اسے ہلکی سی حرارت بھی محسوس ہو رہی تھی مگر وہ اس عیاشی کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا کہ کام پر نہ جائے بلکہ گھر پر آرام کرے، ان جیسوں کی زندگی میں آرام کا لفظ نہیں تھا، وہ عمر بھر کام کرنے کے لیے دنیا میں آتے تھے اور کام کرتے کرتے مر جاتے تھے، یہی زندگی کا حاصل تھا۔

روٹیاں ڈالنے کے بعد زینب اپنے والد کا انتظار کرنے لگی، سورج زمین کی اوٹ میں اپنا چہرہ چھپا چکا تھا، چرواہے اپنے مویشی لیے گھروں کو لوٹ آئے تھے، آسمان کی وسعتوں سے پرندے گھونسلوں میں اتر رہے تھے، زینب صحن میں پڑی جھلنگا سی چارپائی پر لیٹی دروازے کو تک رہی تھی، آج اس کا والد معمول سے لیٹ ہو چکا تھا۔

''زینب، تیرا ابا نہیں آیا ابھی تک'' اس کی ماں نے بکریوں کے چھپر کے نیچے سے آواز لگائی، وہ بکریوں کے نیچے کیچڑ زدہ زمین پر خشک بھوسا ڈال رہی تھی تاکہ بکریاں رات بھر شور نہ کریں۔

''نہیں اماں، آج تو ابا ابھی تک نہیں آئے، سانجھ سے پہلے ہی آ جایا کرتے تھے۔''

''ارے پگلی زمیندار نے کام جلدی ختم کروانا ہے نا، شاید اسی لیے اسے روک لیا ہوگا، آ جائے گا، تو پریشان نہ ہو'' اس کی ماں نے لہجے کی تشویش چھپاتے ہوئے اسے دلاسہ دیا۔

تھوڑی دیر میں زینب کے دونوں چھوٹے بھائی بھی کھیل کود سے فارغ ہو کر مٹی، کیچڑ سے لت پت گھر کو لوٹ آئے اور زینب اپنی فکر کو جھٹکتے ہوئے ان کے کان کھینچنے لگی، ان کو صاف گرم کپڑے دے کر، ان کا منہ ہاتھ، پاؤں دھلوائے اور کپڑے تبدیل کروائے، ساتھ ہی انہیں اچھی خاصی ڈانٹ بھی پلا دی۔

''کھمبے کی طرح قد کھینچتے جا رہے ہو اور ذرا بھی احساس نہیں کہ ابا کا ہاتھ بٹوا دو، ابا ابھی تک گھر نہیں آئے، ذرا بھی فکر نہیں تمہیں......''

''آپی، ابا زمیندار کی بھٹی کی طرف جا رہے تھے، صبح سویرے'' ننھے اسد نے جیسے اس کی معلومات میں اضافہ کرنا چاہا۔

''اچھا، اچھا، پتہ ہے آپی کو کوئی نئی بات کر'' ساجد نے بڑے ہونے کا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔

اب زینب کی تشویش بڑھنے لگی، وہ بیرونی دروازے کی درزوں سے باہر گلی میں جھانکنے لگی کہ شاید ابا آتے نظر آ جائیں تو پسلیوں سے ٹکراتے دل کو قرار آ جائے، اس کے دل میں عجب وسوسے اور اندیشے سر اٹھانے لگے۔

''خدا خیر کرے، میرے ابا خیریت سے ہوں'' اس

کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

اس کی اماں بھی اس کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

''زینب میں پڑوس سے کسی کو بھیجتی ہوں تم فکر......''

ابھی اس کی ماں کا جملہ مکمل نہیں ہوا تھا کہ گلی میں عجیب سا شور سنائی دیا، زینب کا کلیجہ دھک سے رہ گیا، اس کی ماں نے لٹھے کی طرح سفید چہرے کے ساتھ دروازے چوپٹ کھول کر گلی میں جھانکا، لوگوں کا ہجوم اس کے والد کو چارپائی پر لیے صحن میں آ چکا تھا، اس کی ماں کے منہ سے فلک شگاف چیخ نکلی اور وہ سینے پر دوہتڑ مارتے ہوئے چارپائی سے سر ٹکرانے لگی، بستی کی عورتیں اسے سنبھالنے کی کوشش کرنے لگیں، زینب کی ٹانگوں سے جیسے کسی نے جان نکال لی تھی، اس کی آنکھوں کے آگے تارے ناچنے لگے، وہ زمین پر بیٹھتی چلی گئی اور ہوش و حواس سے بیگانہ ہوگئی۔

☆......☆......☆

''کبھی یوں بھی جاتے ہیں ابا، چپ چاپ، بنا کچھ کہے، اپنے دکھ تو سنا دیتے ابا، مجھے سپنوں کی تعبیر خریدنی تھی اور آپ یوں چلے گئے......'' اس نے صحن کی دیوار سے ٹیک لگائے سسکتے ہوئے سوچا۔

''ابا عمر بھر چپ چاپ ان کے لیے جیتے رہے اور چپکے سے ان کے لیے ہی چلے گئے'' زینب نے اجڑے چہرے کے ساتھ صحن کی ریت پر انگلی پھیری۔

تاروں بھرا آسمان اور کھیتوں کی طرف سے آتی سرد ہوا کے سوا صحن میں زینب کے ساتھ اور کوئی نہ تھا، زینب کا کمرے میں دم گھٹنے لگتا تو آدھی رات کو صحن کی ٹھنڈی زمین پر دیوار سے ٹیک لگا کر گھنٹوں سوچوں میں گزار دیتی تھی، ابا کی وفات کو چھ مہینے گزر گئے مگر لگتا تھا چھ صدیاں گزری ہیں، ابا طبیعت کی خرابی کے باوجود اس دن کام پر چلے گئے، ساری عمر اپنے بیوی بچوں کے سپنوں کی تعبیر خریدنے کے لیے مٹی میں مٹی ہوتے ہوتے آخر مٹی سے ہی جا ملے، ساتھی مزدوروں نے بتایا کہ اس دن مزدور کم تھے، خدا بخش نے بھٹی میں کچرا ڈالنے کا کام بھی اپنے ذمے لے لیا، کچرے کی ٹوکری بھٹی میں جھونکتے وقت بارش کے کیچڑ میں توازن برقرار نہ رکھ سکا اور پاؤں پھسلنے پر اگلے ہی لمحے خدا بخش بھٹی کے اندر تھا، دوسرے مزدور فقط دیکھتے ہی رہ گئے، جب تک اس کے بازوؤں سے پکڑ کر اسے باہر کھینچا، اس کا نچلا حصہ تقریباً کوئلہ ہو چکا تھا، چند ہی لمحوں میں جیتا جاگتا خدا بخش موت کا رزق بن چکا تھا۔

زینب کے کانوں میں مسلسل یہی الفاظ گونجتے رہتے تھے۔

''خدا بخش بارش کے کیچڑ کی وجہ سے توازن برقرار نہ رکھ سکا۔''

''تو تم یہاں بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑو گی، موت بانٹتے بانٹتے تم نے میرے گھر کا رستہ بھی دیکھ لیا، مجھے نفرت ہے تم سے، کبھی معاف نہیں کروں گی تمہیں، کبھی نہیں......

...... برکھا رت تو میری خوشیوں کو نگلتی رہی ہے، میں تجھ سے نفرت کرتی رہوں گی، ہمیشہ، یہ میرا وعدہ ہے تجھ سے......'' وہ بلک بلک کر رو دی اور لڑکھڑا کر پہلو کے بل صحن کے ٹھنڈے فرش پر گر گئی۔

اماں کی آنکھ کھلی، زینب کو بستر پر نہ پا کر اس نے تاسف سے گردن ہلائی اور باہر صحن کی طرف چل دی۔

''جانے کیا بنے گا میری بچی کا......'' سوچوں میں گم صحن میں پہنچی تو برفیلے صحن میں زینب کو گٹھڑی کی صورت بے ہوش پڑے دیکھ کر تڑپ کر اس کے پاس پہنچی، بڑی مشکل سے زینب کو کمرے کے اندر لا کر رضائی تلے لٹا دیا، چارپائی کے پاس کوئلوں کی انگیٹھی جلائی، گرم گرم دودھ چمچ کی مدد سے زینب کے منہ میں ڈالا، حدت پا کر زینب تھوڑا ہوش میں آئی۔

''ابا......!'' اس نے کراہ کر آنکھیں کھولی، بے جان خالی آنکھوں سے دیواروں کو تکتی رہی، تھوڑی دیر بعد حواس بحال ہوئے تو وہی کمرہ، وہی تلخیاں اور اپنے باپ کے بچھڑنے کا صدمہ، خاموش آنسو اس کے گالوں پر لکیریں بنانے لگے، اس نے ایک ٹھنڈی آہ کے ساتھ آنکھیں بند کر لیں۔

☆......☆......☆

اپنے خوابوں کی تعبیر پانے کے لیے زینب کو خود کو سنبھالنا ہی پڑا، قریبی شہر کے کالج میں داخلہ لینے کے بعد ہاسٹل میں منتقلی تک کے تمام مراحل میں اس کا چھوٹا بھائی ساجد اس کے ہمراہ رہا، کالج میں داخلے کے لیے تمام بکریاں بیوپاری کے حوالے کرنا پڑیں اس مرحلے پر زینب اماں کے کاندھے لگ کر بے اختیار رو پڑی۔

''اماں، کوشش کرنا کہ ابا سے وابستہ کوئی بھی چیز بکنے نہ پائے'' اس نے امید بھری نظروں سے اماں کے ہاتھ تھامتے ہوئے وعدہ لینا چاہا۔

''میری بچی دل لگا کر پڑھنا، محنت کرنا اور کوئی بھی ضرورت ہو مجھے فوراً اطلاع کرنا، گدو ہر ہفتے منڈی جاتا ہے ٹریکٹر ٹرالی لے کر، میں بھجوا دیا کروں گی۔ ساجد کے ہاتھ، تنگ نہ ہونا میری بچی...... '' اس کی ماں کی آواز آنسوؤں میں بہہ گئی۔

وہ وعدہ لینے کی بھولتے ہوئے اماں کو سنبھالنے لگی۔

''ارے ارے، یہ کیا اماں جی، مجھے یوں رخصت کریں گی، پھر مجھ سے وہاں نہیں رہا جائے گا، ہاں بتا رہی ہوں میں......''

''اچھا میری بچی اللہ کے حوالے، جہاں پیر وہاں خیر، اپنا خیال رکھنا میری چندا......'' اس کی ماں نے دعاؤں کے ہمراہ اسے رخصت کیا اور جب تک اسے لے جانے والا تانگا نظر آتا رہا ماں چوکھٹ سے لگی اسے تکتی رہی...... اور جب آنسوؤں سے منظر دھندلانے لگا تو سر چوکھٹ سے ٹکا دیا۔

☆......☆......☆

''زینب، زینی...... کہاں ہو تم......'' اس کی روم میٹ فاریہ اسے آواز دیتی کمرے میں داخل ہوئی۔

''واہ جی واہ، میں نے سارا ہاسٹل چھان مارا اور نواب صاحب بن باس لیے یہاں چھپی ہوئی ہیں'' فاریہ نے اس کے اوپر سے چادر کا کونا کھینچا اور اس کی سرخ آنکھیں دیکھ کر حیران سی ہو گئی۔

''زینی، کیا ہے بھئی خیریت تو ہے، طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری، کہیں بخار کو تو مدعو نہیں کر لیا آج'' فاریہ نے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کئی سوال کر ڈالے۔

''کچھ نہیں فری......'' اس نے چادر پھر کھینچ کر اوپر کرنا چاہی۔

''واہ جی واہ، تیری ناک کہہ رہی ہے تیری آنکھ کا فسانہ'' فاریہ نے شوخی سے اس کی سرخ ہوتی ناک کو شرارت سے مروڑتے ہوئے کہا۔

''چلو شاباش جلدی اٹھو، ہری اپ، وقت نہیں ہے، تمام لڑکیاں تیار ہیں، بس آنے والی ہے، چلو فوراً چینج کرو......''

''میں نے نہیں جانا فری، پلیز نہ مجبور کرو، نہیں جا سکتی میں......'' زینب نے بے بسی سے کہا اور فاریہ اسے گھورتی رہ گئی اور آخر کار ایک لمبا سانس لیتے ہوئے ''اوکے'' کہہ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

جولائی کی کئی تپتی دوپہروں اور حبس زدہ راتوں کے بعد آج سیاہ بادل امڈ کر آئے اور آسمان کو ڈھانپ لیا، ٹھنڈی ہوا میں روح کو گدگدانے لگیں، باریک پھوار من آنگن کو بھگونے لگی۔ ایسے میں لڑکیوں نے جھٹ پٹ پکنک کا پروگرام ارینج کر لیا، ہاسٹل وارڈن سے مل کر کالج بس کا انتظام بھی ہو گیا، لڑکیاں تھرل کے مارے اڑتی پھر رہی تھیں۔ شہر سے باہر 40 کلومیٹر کے فاصلے پر دریائے چناب کے پاس ایک پکنک پوائنٹ تھا، پارک کے علاوہ جھیل، پرندے، بوٹنگ کا بندوبست بھی تھا، زینب تو موسم کے بدلتے رنگ دیکھ کر مرجھا سی گئی تھی صبح سے ہی کمرے میں چادر اوڑھے لیٹی تھی، باہر لڑکیوں کا ہلہ گلہ، شور شرابا اور چہکتی آوازیں اس پر کوئی اثر نہیں ڈال رہی تھیں، اس کے اندر کا دبا ہوا خوف عفریت کی مانند اسے لپیٹ میں لے رہا تھا، بچپن کی تلخ یادیں ایک ایک کر کے ذہن کے پردے پر نمودار ہونے لگیں، پھر اسے اپنا ابا یاد آیا۔ جسے ایسی ہی ایک شام بارش نے نگل لیا تھا، اس کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو امڈ آئے، وہ فاریہ کو کیسے اپنا اندر دکھاتی، اپنا خوف، اپنے زخم جو وہ مدت سے روح کے پیرہن پر سجائے پھر رہی تھی، وہ فاریہ کو کبھی انکار نہیں کرتی تھی اور انکار کر بھی نہیں سکتی تھی، وہ اس کی ہاسٹل کی پہلے دن کے اولین لمحے

لی دوست تھی، ہمدرد، غمگسار، اس کا سایہ تھی فاریہ، کلاس روم سے ہاسٹل کے کمرے تک کنٹین، شاپنگ، امتحان کی تیاری، سوتے جاگتے ہر لمحہ وہ ساتھ ہوتے تھے، ایک کے آنسو دوسری کی آنکھ میں اترتے تھے، ایک کی خوشیوں کے رنگ دوسرے کے گالوں پر شفق بن کر چمکتے تھے، اسی وجہ سے جب زینب نے جانے سے انکار کیا تو فاریہ ایک لمحے کے لیے حیران سی رہ گئی، اسے زینب سے "انکار" سننے کی عادت تو کبھی بھی نہیں رہی تھی، وہ آنکھوں سے چھلکتے آنسو پیتے ہوئے "اوکے" کہہ کر کمرے سے نکل آئی۔

زینب کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر بھینچ دیا، اس کا جی چاہا کہ وہ فاریہ کو روک لے، اسے سب کچھ بتا دے اور اسے بھی پکنک پر نہ جانے دے۔ "ان بارشوں نے ہمیشہ مجھ سے خوشیوں کا خراج لیا ہے، تمہیں کیا پتہ فری" اس نے تکیے میں منہ چھپاتے ہوئے سوچا۔

☆......☆......☆

پکنک پوائنٹ پر پہنچتے ہی لڑکیاں بس کے رکنے سے پہلے ہی چھلانگیں لگا کر بس سے باہر تھیں، ہلکی ہلکی پھوار، ایک دوسرے کے پیچھے دوڑتے بادل، روح میں اتر جانے والی خوشگوار ہوا، دریائے چناب کا حد نظر تک پھیلا وسیع پاٹ، دھلے ہوئے چمکدار سبز درخت سرشاری میں اضافہ کر رہے تھے، لڑکیاں چڑیوں کی طرح بے چین شور مچاتی، پھدکتی پھر رہی تھیں، ان کو جیسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس منظر کو کیسے اپنے اندر سمولیں، فضا میں میوزک پلیئرز سے اٹھتے گیت گونج رہے تھے، لڑکیاں ٹولیاں بنا کر ادھر ادھر نکل گئیں، کچھ جھولوں کی طرف لپکیں، کچھ نے کشتی سنبھال لی، چند ایک محض جھیل کے کنارے مچھلیوں کے جھرمٹ کو پاپ کارن ڈالنے لگیں، غرضیکہ ذرا سی دیر میں پارک میں زندگی دوڑ گئی۔

فاریہ بوجھل دل کے ساتھ ایک بینچ پر بیٹھ گئی، اسے کچھ بھی تو اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ زینب تو اس کی زندگی کا لازمی حصہ تھی، اسی وجہ سے اپنے آنسو پیتے ہوئے اس نے بنچ کی پشت سے سر ٹکا دیا، گہری سوچوں میں گم دیکھ کر اس کی کئی کلاس فیلوز نے اسے کھینچنا چاہا مگر وہ ان سے معذرت کرتے ہوئے وہیں بیٹھی رہی۔

"زینی، تم ایسی کیوں ہو اتنی تنہا" ہاسٹل میں زینب کے تنہا ہونے کے خیال سے اس کے دل سے ہوک سی اٹھی، بینچ پر بیٹھنا محال ہو گیا اور وہ بے اختیار کھڑی ہو کر ٹہلنے لگی۔

"جانے کیوں برستے آسمان کے ساتھ اس کی آنکھیں ساون کی طرح برستی ہیں" فاریہ نے تاسف کے ساتھ سوچا۔

"مجھے نہیں آنا چاہیے تھا، یہاں آنا ضروری تو نہیں تھا، زینی کے بغیر کیسی پکنک اور کہاں کی انجوائے منٹ......" فاریہ نے تھکے قدموں سے چلتے ہوئے خود کلامی کی۔

"بس جلدی ختم ہو یہ ہنگامہ اور واپس ہاسٹل پہنچ جائیں۔" اس نے بے چینی سے سوچا، اچانک اسے ماحول سے وحشت سی ہونے لگی۔

سوچوں میں گم چلتے چلتے اسے پتہ ہی نہ چلا کہ کب وہ پارک سے باہر آ کر دریا کے کنارے چلتے ہوئے دور نکل آئی ہے، جھکی گردن سے مرے مرے قدموں چلتی خیالات کے سمندر میں ڈوبتی ابھرتی فاریہ دریا کے ساتھ کنارے پر پہنچ چکی تھی، اگلے ہی لمحے اس کا پاؤں پھسلا اور وہ دریا کی لہروں کے چنگل میں تھی، اس کی تیز چیخوں نے ماحول میں ارتعاش برپا کر دیا۔ چند ہی لمحوں میں کنارے پر ایک ہجوم جمع ہو گیا، طالبات کے علاوہ اردگرد کے ٹھیلوں اور دوکانوں سے بھی دوکاندار وہاں پہنچ گئے، لڑکیاں ہسٹریائی انداز میں چیخ رہی تھیں اور رو رہی تھیں، ہاتھ پاؤں مارتی فاریہ کنارے سے دور ہوتی جا رہی تھی، خوش قسمتی سے واچ ٹاور پر کوسٹ گارڈ موجود تھا، حکومت نے پے در پے حادثات کے بعد اس پکنک پوائنٹ پر کوسٹ گارڈز مقرر کر دیے تھے، کوسٹ گارڈ لائف جیکٹ پہن کر پلک جھپکتے دریا میں کود گیا اور چند ہی لمحوں میں بے ہوش فاریہ کو کندھے پر لیے کنارے تک لے آیا، فاریہ کی حالت دیکھ کر کئی لڑکیاں بے ہوش ہو کر ریت پر گر چکی تھیں، کوسٹ گارڈ نے فاریہ کی کمر پر دباؤ ڈال کر اس کے

معدے سے پانی نکالا، اس کے منہ اور ناک سے پانی ایسے نکل رہا تھا جیسے نل چل رہا ہو، آدھے گھنٹے بعد فاریہ نے کراہتے ہوئے آنکھیں کھولیں، شعور جاگتے ہی اس نے پھر چیخنا شروع کر دیا، اس کی آنکھوں میں دہشت تھی، اگلے ہی لمحے وہ پھر بے ہوش ہوگئی، صورتحال سے سراسیمہ ہاسٹل وارڈن نے فوراً واپسی کا اعلان کر دیا، خوفزدہ طالبات بے ہوش فاریہ کو سنبھالے واپس ہاسٹل چل دیں۔

☆......☆......☆

مجھے بارشوں کی چاہت نے ڈبو دیا
میں پختہ شہر کا کچا مکان ہوں

زینب کمرے کی لائٹ آف کیے تکیے میں منہ چھپائے لیٹی تھی، شام کے سائے لمبے ہو چکے تھے، سرخ آنکھوں میں جیسے کسی نے تپش بھر دی تھی۔ جسم بخار سے پھنک رہا تھا۔

''جانے فاریہ کیوں نہیں آئی اب تک، اچھا ہے تھوڑا انجوائے کر لے گی، میں تو اسے محض پریشانی ہی دیتی ہوں۔'' زینب نے دائیں ہاتھ سے سر دباتے ہوئے سوچا، سردرد سے پھٹا جا رہا تھا۔

اچانک کوریڈور میں قدموں کی آوازیں گونجنے لگیں، جیسے کئی لڑکیاں اکٹھی آرہی ہوں'' شاید پکنک سے واپس آگئے ہیں'' زینب نے بستر سے اٹھتے ہوئے سوچا، فاریہ کے بغیر اس سے ایک منٹ بھی نہیں گزارا جاتا تھا، وہ سلیپر پہنے بغیر ہی ننگے پاؤں دروازے کی طرف دوڑی۔ کوریڈور سے ہلکا ہلکا شور بھی سنائی دینے لگا، کوریڈور کا منظر دیکھ کر وہ جیسے اپنی جگہ پر منجمد ہوگئی۔

سہارا لینے کے لیے بے اختیار اس نے دروازے کو پکڑا، ہاسٹل وارڈن کے بازوؤں میں فاریہ کا بے حس و حرکت جسم تھا......! وہ بے اختیار آگے کو گری، اس نے ہاتھوں کو فرش پر ٹکاتے ہوئے خود کو سنبھالا، دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا، وہ فرش پر ہی گھسٹتے ہوئے آگے بڑھی۔

''میڈم چلی گئی نا یہ بھی، یہ بارش میرے ایک اور پیارے کو نگل گئی نا، نگل گئی نا میڈم......'' اب اس کے منہ سے چیخیں نکل رہی تھیں اور وہ فرش پر زور زور سے سر کو مارتے ہوئے ہذیانی انداز میں سسک رہی تھی۔

''کہا تھا نا مت جاؤ، مجھے ڈر لگتا ہے، یہ میری دشمن، یہ ڈائن کھا جائے گی...... میڈم، میری فری، میڈم کہاں چھوڑ آئیں وہ جیتی جاگتی فری...... میڈم پلیز......'' اس نے دم توڑتی کراہ کے ساتھ کہا اور ہوش و حواس سے بیگانہ ہوگئی، اس کے کانوں میں آخری آواز میڈم کی آئی ''اسے سنبھالو، ڈاکٹر کو بلاؤ فوراً......''

☆......☆......☆

''زینی، زینی'' اسے لگا جیسے فاریہ اسے آواز دے رہی ہے، اسے اپنا جسم بہت ہی ہلکا محسوس ہو رہا تھا، آنکھیں کھولنے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی، پھر جیسے کسی جانے پہچانے ہاتھ نے اس کا ہاتھ تھام لیا، مانوس لمس، مانوس خوشبو ''زینی، آنکھیں کھولو، یہ میں ہوں فاریہ، تمہاری فری......'' زینب کو یوں لگا جیسے یہ آواز محض اس کا واہمہ ہے، اس نے آنکھیں کھولنے کے لیے زور لگایا تو اسے محسوس ہوا کہ اس کے گالوں پر آنسو بہہ رہے ہیں۔ ''فری......'' اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''زینی آنکھیں کھولو نا میری جان، پلیز زینی، مجھے کچھ نہیں ہوا، آنکھیں کھولو زینی......'' اسے فاریہ کی سسکتی آواز سنائی دی اور آنسو کا ایک قطرہ اس کے ماتھے پر پڑا۔ اس نے تڑپ کر آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔ اس بار وہ کامیاب رہی، آنسوؤں کی دھند میں اسے فاریہ کا چہرہ نظر آیا، اس نے بے اختیار فاریہ کے ہاتھ کو مضبوطی سے تھام لیا، فاریہ کو خود سے لپٹاتے ہوئے وہ زاروقطار ہچکیوں کے ساتھ بلک بلک کر رو دی، اس کے ہاتھ بے چینی سے فاریہ کو جکڑے ہوئے تھے، جیسے اسے یقین نہ آرہا ہو۔

''فری، آئندہ نہ جانا، کہا تھا نا میں نے مجھے ڈر لگتا ہے، ان بارشوں کی ڈسی ہوئی ہوں میں، اور زخم نہیں سہے جاتے مجھ سے پلیز، فری، نہ جانا ان بارشوں کے ہمراہ، پلیز......''

اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں اور اس نے

فاریہ کی گود میں سر چھپایا ہوا تھا، اس کا جسم ہولے ہولے لرز رہا تھا، فاریہ کو بے اختیار اس معصوم سی لڑکی پر پیار آ گیا۔ "اچھا ننھی گڑیا، اب چپ کر جاؤ، آئندہ ویسے ہی کروں گی جیسا تم کہو گی، چلو شاباش اب مسکرا دو جلدی سے" فاریہ نے اس کے بال بکھیرتے ہوئے کہا اور زینب نے سر ہلا دیا، اس کے چہرے پر دکھ اور سنجیدگی کے بادل منڈلا رہے تھے۔

☆......☆......☆

وقت کا پہیہ گردش میں رہتا ہے، کبھی نہیں تھمتا، زینب نے گریجویشن کرنے کے بعد یونیورسٹی میں ایم اے انگلش میں داخلہ لے لیا، ماہ و سال کی گردشوں کا اثر اس کی اماں کو چارپائی سے لگا گیا، دونوں بھائی محنت مزدوری کر کے، مویشی پال کر گھر چلا رہے تھے، زینب نے ایک ایوننگ اکیڈمی میں پڑھانا شروع کر دیا جس سے اس کی تعلیم کے اخراجات آسانی سے نکلنے لگے، فاریہ صحافت پڑھ رہی تھی، یہاں بھی وہ ہاسٹل میں روم میٹ تھیں، ان کی محبت وقت کے ساتھ ساتھ مضبوط ہوتی جا رہی تھی، ڈیپارٹمنٹ کے علاوہ وہ ہر جگہ اکٹھی ہوتی تھیں، زندگی اپنے ڈھب سے آگے بڑھ رہی تھی، زینب کا دل اپنے گھر میں اٹکا رہتا تھا، ماں کی بیماری، گھر کے مسائل، بھائیوں کی مشقت اس کے چہرے پر سوچوں کے جالے بن بن کر جھلکتے تھے، بارش کا خوف اس کے اندر سے بظاہر ختم ہو چکا تھا، مگر یہ چھپے دشمن کی طرح اس کے اندر کہیں بھیس بدلے موجود ضرور تھا اور دشمن کا تو کام ہی گھات لگانا ہے۔

وہ اکتوبر کی ایک سرد سی شام تھی، درختوں نے پیلے پتوں کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا، ماحول پر ایک افسردہ سی اداسی چھائی تھی۔ سورج بھی جیسے تھکا تھکا افق کی اور بڑھ رہا تھا، زینب کافی دیر سے ہاسٹل کے عقبی لان میں درختوں سے گرتے پتے گن رہی تھی، اس کو ایسا موسم ہمیشہ اداس کر دیتا تھا، اپنے اندر بھی پت جھڑ ہوتا محسوس ہونے لگتا تھا، فاریہ ایک ہفتے کے لیے گھر گئی ہوئی تھی، اس وجہ سے بھی اداسی کے سائے گھیرے ہوئے محسوس ہو رہے تھے، موسم کی خنکی بڑھنے پر وہ بینچ سے اٹھی اور کمرے میں آ گئی، تھوڑی دیر بعد اسے لگا جیسے ہوا تیز ہو گئی ہے، کمرے کی کھڑکی کھولتے ہی اس کا خیال ٹھیک محسوس ہوا، آسمان پر بادل آ چکے تھے اور بجلی بھی کڑک رہی تھی، درختوں کے کھڑکھڑاتے زرد رو پتے اڑتے پھر رہے تھے۔ جیسے اپنی منزل ڈھونڈ رہے ہوں مگر ہوا کے سامنے بس نہ چل رہا ہو۔ کھڑکی کھولتے ہی تیز جھونکا کمرے میں آیا اور آسمان پر بجلی پھر زور سے چمکی، زینب کا دل ایسے دھڑکا جیسے پسلیاں توڑ کر باہر نکل آئے گا۔

"یا اللہ خیر" وہ بے اختیار کھڑکی بند کرنے پر مجبور ہو گئی۔ ویک اینڈ کی وجہ سے ہاسٹل میں لڑکیاں بھی کم تھیں اوپر سے لوڈشیڈنگ کے باعث ہر طرف گھپ اندھیرا تھا، بارش شروع ہو چکی تھی، تیز ہوا میں بوندیں لہراتی ہوئی بوچھاڑ کی صورت کھڑکی سے ٹکرا رہی تھیں، درختوں کی شوریدہ سری بپھری ہوا نے اور زیادہ بڑھا دی تھی، پس منظر میں وقفے وقفے سے کڑکتی آسمانی بجلی اور گرجتے بادل اس کا دل دہلائے جا رہے تھے، وہ گھٹنوں میں سر دیئے بستر پر بیٹھی تھی فاریہ نے بھی کل آنا تھا، وہ ہوتی تو زینب کو حوصلہ رہتا تھا، وہ تھی بھی مہربان، نرم خو، خیال رکھنے والی، ماں کی آغوش کی طرح تحفظ کا احساس لیے، زینب اور فاریہ جسم اور روح کی طرح لازم و ملزوم تھے، آج وہ نہیں تھی تو ایک ایک لمحہ جسم و جاں پر عذاب محسوس ہو رہا تھا، اوپر سے یہ نامہرباں موسم، بے اختیار اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ فاریہ اسے کہا کرتی تھی۔

"بے وقوف جان، یہ موسم وسم کچھ نہیں ہوتے، ہمیں ہمارے اندر کی کمزوری مارتی ہے، خوف کے سامنے ڈٹ جاؤ تو وہ دبک جاتا ہے، سہم جاتا ہے۔"

فاریہ کی بات یاد آتے ہی اسے کچھ حوصلہ ہوا، موسم کی صورتحال دیکھنے کے لیے اس نے ذرا سی کھڑکی کھولی، بارش اور ہوا کی تندی میں کوئی کمی نہیں آئی تھی، اسی لمحے بجلی چمکی اور لمحاتی روشنی میں اس نے کھڑکی کے سامنے چڑیوں کا بکھرا آشیانہ دیکھا، چڑیا کے دو ننھے بچے بارش کے پانی میں بھیگے تنکوں کے پاس بے سدھ پڑے تھے، یہ گھونسلہ اس کے کمرے کی کھڑکی کے سامنے والے درخت پر تھا،

اس کی آنکھوں کے سامنے پرندوں نے تنکا تنکا جوڑ کر یہ گھونسلہ بنایا تھا، انڈے پھر انڈوں سے بچوں کا نکلنا، ننھے پرندوں کا گھونسلے سے جھانکتے رہنا، غرضیکہ گھونسلہ اور پرندے اس کی زندگی اور کمرے کا حصہ بن گئے تھے، اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا، اسے امید نہیں تھی کہ چڑیا کے ننھے بچوں میں زندگی کی کوئی رمق باقی ہوگی، اس نے ایک بار پھر کھڑکی سے ڈرتے ڈرتے جھانکا، اسے لگا کہ پانی میں بے سدھ پرندوں نے پر مارتے ہوئے خود کو گھسیٹنے کی کوشش کی ہے، پرندوں میں جنبش محسوس کرتے ہی زینب بے چین سی ہوگئی، بارش طوفان کی شکل اختیار کرتی جا رہی تھی، ہوا کی سرکشی درختوں کو جڑ سے اکھاڑنے پر آمادہ نظر آتی تھی، اس کا ارادہ پھر کمزور پڑنے لگا، بارش کا خوف اسے دہلا رہا تھا، اس کے جسم پر لرزہ طاری ہوگیا، بے اختیار اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے، اسے پتہ تھا کہ اس کے پاس وقت نہیں ہے، بس چند منٹ کی بات ہے، پھر شاید موسم کی یخ بستگی پرندوں کے جسم اور روح کا رشتہ توڑ دے گی، بارش پھر جیت جائے گی یہ نامہرباں بارش جو ہمیشہ سے اس کی دشمن رہی ہے، اس کے پیاروں، اس کی خوشیوں کو نگلتی رہی ہے، اس کے ارادوں کے آڑے آتی رہی ہے، آج پھر اس کے راستے میں دیوار بنی کھڑی ہے، اس کی بے بسی پر ہنس رہی ہے۔

''اس بار تجھے نہیں جیتنے دوں گی، اس مرتبہ تجھے ہارنا ہوگا......''

زینب نے ہذیانی انداز میں کمرے کے دروازے کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔ برآمدے میں آتے ہی بارش کی تیز بوچھاڑ اور طوفانی ہوا نے اس کے قدم لڑکھڑا دیئے اس کا حوصلہ پھر ماند پڑنے لگا، اسی لمحے اس کی آنکھوں میں اپنے مرحوم باپ کی شبیہ ابھر آئی، اس کے بچپن میں خدا بخش نے صحن میں لگے کیکر کے درخت سے گر کر زخمی ہو جانے والے کوے کے ننھے بچوں کے زخموں پر ہاتھوں سے مرہم لگا کر واپس درخت پر چڑھ کر گھونسلے میں رکھا تھا، جب وہ درخت سے اترا تو کیکر کے کانٹوں اور کوؤں کی ٹھونگوں سے بے حال ہو رہا تھا، تب اس نے زینب کو گود میں اٹھاتے ہوئے کہا تھا۔

''میری دھی، یہ پنکھ پکھیرو انسانوں کے لیے رحمت اور رزق ڈھونڈتے ہیں، میں نے بڑوں سے سنا ہے۔''

ننھی زینب کو اس جملے کا مفہوم تو سمجھ نہیں آیا تھا مگر آج یہ جملہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ اگلے ہی لمحے اس کے کانوں میں فاریہ کی آواز گونجی۔

''خوف کے سامنے ڈٹ جاؤ تو یہ سہم جاتا ہے۔''

''تمہیں آج ہارنا ہی ہوگا، ہارنا ہوگا تمہیں......'' اس نے جنونی انداز میں اپنے آپ سے سرگوشی کی، پھر جیسے ایک ٹرانس کی کیفیت میں زینب برآمدے سے نکل کر لان میں آگئی، ہاسٹل کا چوکیدار حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا، بارش کے لیے اس کا خوف سب کے علم میں تھا مگر وہ سینہ سپر بارش کے مقابل آگئی تھی، اپنے تمام خوف کو جھٹک کر، اپنے ازلی دشمن کے مقابل کھڑی تھی، وہ بیرن جس نے ہمیشہ اس سے پیاروں کا خراج لیا تھا مگر آج وہ اسے ہرانا چاہتی تھی، ہوا اور بارش مل کر اس کے چہرے پر کوڑے کی طرح ٹکرا رہی تھیں، پانی اس کے جسم پر بہتے ہوئے اسے سن کر رہا تھا، اس کے اردگرد کا منظر، بارش، ہوا، طوفان، چنگھاڑتے درخت، کڑکتی بجلی سب سمٹ کر شکستہ گھونسلے میں مرکوز ہو گئے تھے، اسے چوکیدار کی آواز بھی نہیں سنائی دے رہی تھی، جو چیخ کر اسے کھڑکی کی طرف جانے سے روک رہا تھا، مگر اس وقت زینب کی تمام حسیات آنکھوں میں سمٹ آئی تھیں، ننھے پرندوں نے پھر بے بسی سے پر پھڑپھڑائے اور ان کا جسم ہولے سے لرزا، چوکیدار نے زینب کو نہ رکتے دیکھ کر اس کی طرف دوڑ لگا دی، زینب نے لپک کر چڑیا کے دونوں ننھے بچوں کو مٹھی میں اٹھا لیا اور دوڑ کر برآمدے میں چلی آئی۔

اس کے ہاتھوں میں کپکپاتے ننھے پنچھی اس بات کے گواہ تھے کہ اس بار جیت اسی کی ہوئی تھی۔ اس نے فاتحانہ نظروں سے برستے طوفان کو دیکھا اور مطمئن انداز میں اندر چلی گئی۔ ابھی اسے ان پنچھیوں کو مکمل طور پر زندگی کی طرف واپس لانا تھا۔

☆......☆......☆

افسانہ

عید اور تم

نگہت غفار

کبھی کبھی نیکی اور ہمدردی کی اتنی بھیانک اور
خطرناک سزا ملتی ہے کہ انسان اپنے آپ پر
ملامت کرنے لگتا ہے، کاش وہ ایسی نیکی نہ کرتا
جو مستقبل میں اس کے گلے پڑ جائے گی

ایک نوجوان کی داستان محبت ــــ قارئین ریشم کے لیے

دل کی باتوں کو بڑے پیار سے ٹالا ہو گا
خود کو جب ایک نئی راہ پہ ڈالا ہو گا
اس سے منسوب ہوں جتنے بھی فسانے سننا
ان میں شاید کہیں میرا بھی حوالہ ہو گا

پلیز میں تیرے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں خدا کے لیے جلدی کر سفیان! وہ مر جائے گی..... اسے فوری طور پر ہاسپٹلائز کرنا ہو گا۔ ذرا سی دیر بھی اس کے لیے خطرے سے خالی نہیں ہے۔ اس کے منہ سے جھاگ نکل رہا ہے وہ بری طرح سے تڑپ رہی ہے۔ شکیل بہت پریشان اور ڈسٹرب تھا اپنے دوست کے آگے ہاتھ جوڑے کھڑے تھے اور سفیان پر دوست کی عاجزی کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔

سفیان خدا کے لیے...... وہ...... وہ...... مر جائے گی۔ شکیل سفیان کی بے حسی پر تڑپ کر اسے جھنجھوڑنے لگا۔ سفیان نے غصے سے شکیل کو دھکیلتے ہوئے کہا۔ اگر تم کو اس آوارہ بدچلن پر پیار آرہا ہے تو...... جاؤ جا کر اسے بچا لو...... ایسی لڑکیوں کا مر جانا ہی بہتر ہے۔ نجانے مجھ سمیت کتنے مردوں کو اپنے فریب محبت میں مبتلا کیا ہوگا۔ کتنوں کو لوٹا ہوگا، کتنوں کو برباد کیا ہوگا۔

میرے بھائی انسانیت کے ناطے سہی۔ شکیل کی آواز میں التجا تھی۔

نہیں بھائی...... مجھ میں انسانیت نہیں ہے آپ ایسا کریں اگر آپ انسانیت کے علمبردار ہیں تو جائیں اس کی جان بچانے کی کوشش کریں تاکہ جان بچنے کے بعد وہ آپ کو بھی کھلونا بنا لے یہ کہہ کر سفیان نے گاڑی اسٹارٹ کی اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ شکیل تیزی سے پلٹا اور تقریباً بھاگتا ہوا ناز کے پاس پہنچا جو بے ہوش ہو چکی تھی اور منہ سے بدستور جھاگ آرہا تھا۔

سفیان نے بڑی مشکل سے اسے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر لٹایا اور ہاسپٹل لے کر پہنچا...... اتفاق کہ ڈاکٹر شکیل کا دوست تھا لہٰذا بات زیادہ نہیں بڑھی کچھ ہی دیر بعد اسے ہوش آ گیا۔ لیکن مکمل طور پر ابھی غنودگی میں تھی۔

شکیل قریب ہی کرسی پر بیٹھا تھا۔ ناز کو ڈرپ لگ رہی تھی اور شکیل سوچوں کی دنیا میں پہنچے ہوئے تھے وہ ناز اور سفیان کی پہلی ملاقات سے لے کر آج تک کی اک اک بات سے واقف تھے۔ دونوں میں کتنا پیار تھا چند گھنٹے ایک دوسرے سے دور رہتے تھے۔ سچ ہے کوئی کام دنیا میں ناممکن نہیں ہوتا یہ اور بات ہے کہ کوئی فوراً ''ممکن'' کر دیتا ہے کسی کو لمبا وقت درکار ہوتا ہے۔

یہ لوگ تو بہت جلد شادی کرنے والے تھے۔ پھر اچانک یہ سب کیا اور کیسے ہوا؟ شکیل کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

ناز کی طرف سے تو کوئی رکاوٹ نہیں تھی تین بہنیں اور ایک ماں سب ہی ایک دوسرے کے رازوں کو جانتے تھے اس وجہ سے ناز کو سفیان سے ملنے اور اتنی اتنی دیر گھر سے باہر رہنے پر کوئی پابندی نہیں تھی کھلی آزادی، مکمل ڈھیل تھی۔ لڑکیوں کی یہ کھلی آزادی اور مکمل چھوٹ ہے اکثر بہت ہی خطرناک نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ ماں بیٹیاں خوبصورت جوان اور پڑھی لکھی تھیں یوں امراء سے میل ملاپ میں کوئی خاص دشواری نہیں ہوتی چاروں ہی مخالف کو اپنی طرف مائل کرنے کے گر جانتی تھیں۔

سوسائٹی میں یہ مشہور تھا کہ لڑکیاں اچھی اور پرکشش جاب کرتی ہیں بیشک جاب کرتی تھیں مگر...... جاب سے اچھا کاروبار تو یہ تھا کہ رئیس اور خوبصورت لڑکوں کو بے وقوف بنا کر انہیں بینک سمجھنا...... من مانے اپنی ضروریات پوری کرنا اور جب ضرورت پوری ہو جائے تو دوسرا شکار ڈھونڈ لیا۔ سر سے پاؤں تک عبایا میں چھپی رہنا، نقاب لگانا......

ہر دیکھنے والے پر یہ امپریشن پڑتا کہ بے حد نیک اور شریف ہیں۔ بہت ہی اخلاق اور تھوڑی دیر بعد ناز کو ہوش آ گیا اس نے نرس سے پوچھا مجھے یہاں کون لایا......؟

نرس نے بتایا شاید وہ آپ کے شوہر ہوں گے...... ناز سمجھی سفیان لایا ہوگا۔

سسٹر وہ کہاں ہیں......؟ انہیں بلائیں اس نے نحیف آواز میں کہا تو ناز بری طرح چونک گئی شکیل اس کے قریب چلے آئے۔

کیسی ہیں آپ شکر خدا کا آپ ہوش میں آگئیں انہوں نے خوشی کا اظہار کیا ناز کے چہرے پر بھی مسکراہٹ آ گئی۔ آپ نے خدا کا شکر ادا کیا اور اس کمینے نے مجھے...... مرتا چھوڑ دیا...... میں اس سے انتقام ضرور لوں گی۔ شکیل نے ایسی باتیں سنی تو اس کے قریب

آ گیا اور جھک کر دھیمے لہجے میں کہا۔
بھئی آپ کو جو کرنا ہے کر لینا مگر اس طرح بے خوف یہاں پر اظہار نہ کریں۔ آپ کیا سمجھتی ہیں کہ آپ کی اس حرکت سے سفیان اور ہم سب کس مصیبت میں گرفتار ہو جاتے بات بہت آگے بڑھ جاتی یہ کیس سیدھا سیدھا خودکشی کا ہے صرف ہم سب ہی نہیں آپ پر خودکشی کا کیس ہوتا جو کرنا ہے بعد میں کریں۔ اب اپنے گھر والوں کو انفارم تو کریں...... ناز نے قریب کھڑے شکیل کا ہاتھ بڑے جذباتی انداز میں پکڑا اور بڑی ہی معصوم سی شکل بنا کر اس کا شکریہ ادا کیا اس کا ہاتھ بے ساختہ چوم لیا۔ شکیل نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ انہیں ناز کی یہ حرکت اچھی نہیں لگی۔

تھوڑی ہی دیر بعد اماں اور بہنیں ہاسپٹل پہنچ گئیں۔ شکیل نے اجازت چاہی اور نور جہاں بیگم کو ناز کے بارے میں تفصیل بتائی۔ میڈیسن کے ڈوز کب کس طرح دینا ہے سمجھایا۔ نور جہاں بیگم نے بھی شکیل کا بہت شکریہ ادا کیا اور کنٹریکٹ نمبر لے لیا۔

ارے بیگم تمہیں تو ایسے ہی وہم ہوتا ہے ہم تمہاری باتوں پر یقین کرتے ہیں اکثر سچ ثابت ہوتی ہیں اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ تم ہر ایک پہ شک کرو...... جب ایک مرتبہ بات ہو گئی ساری باتیں طے ہیں۔ پھر مجیب صاحب رکے تو صالحہ بیگم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا بات کر لینے میں کیا مضائقہ ہے......

اگر وہ لوگ مان لیں تو ٹھیک ورنہ طے شدہ پروگرام کے مطابق ہی کام کریں گے......

میاں جی آپ ہمیشہ ایک بار میری بات کو رد کرتے ہیں پھر کچھ دنوں بعد وہی کرتے ہیں جو میں کہتی ہوں......

دراصل آپ لوگوں کا ایک ذہن بنا ہوا ہے کہ عورت کم عقل ہوتی ہے اس کے فیصلے بے جان ہوتے ہیں۔ صالحہ بیگم نے ناراض ہوتے ہوئے کہا تو مجیب صاحب مسکرائے۔

چلو بھئی ہماری بیگم ناراض ہو گئیں...... اچھا بولیں آپ کہنا کیا چاہتی ہیں آپ بھی کیا یاد کریں گے کیسے فرمانبردار خاوند سے واسطہ پڑا ہے مجیب صاحب نے قہقہہ لگایا۔

صالحہ بیگم مجیب صاحب کے قریب سرک آئیں......

دیکھو...... پہلے شکیل ٹائم پر آتا جاتا تھا مگر آج کل کوئی ٹائم ہی نہیں ہے ابھی دیکھو کتنے روز بعد گھر آیا ہے۔ کتنے دنوں تک نہ آپ کی طبیعت پوچھی نہ رابطہ کیا ایسی بھی کیا مصروفیت ہے۔ ٹریننگ تو اب ختم ہو گئی ہے پھر بھی کبھی دو، دو...... تین، تین دن گھر سے دور رہتا ہے ایسی کیا مصروفیت ہے اس کی ذرا معلوم تو کریں۔

انہوں نے دھیمے دھیمے انداز میں میاں کو سمجھایا تو ان کی سمجھ میں بھی آ گیا۔

اب آخر کو وہ ہمارا داماد ہے...... اس طرح اس سے غافل رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ انہوں نے بات کر کے شوہر کی طرف جواب طلب نظروں سے دیکھا مجیب

ساون

ساون کی وہ جھڑی
آنکھ سے موتی بن کر برسی تھی
پھر رفتہ رفتہ اس ساون نے
ہواؤں کے زور پر رخ اپنا موڑا تھا
اور دل کا رستہ دیکھا تھا
اب کہ ساون جب بھی برستا ہے
دل پر ہی وہ گرتا ہے
ساون کب سمجھتا ہے
کسی جگہ برسنا اچھا ہے۔۔
(انتخاب: آسیہ ناز، ملتان)

صاحب نے بھی بیوی کی طرف غور سے دیکھا اور اثبات میں سر ہلایا۔

تم کہتی تو ٹھیک ہو آج کل پیسوں کا حساب کتاب بھی صحیح نہیں کر رہا ہے لگتا ہے نفع کم اور نقصان زیادہ ہو رہا ہے۔ اس کی سرگرمیوں پر نظر رکھنی چاہیے...... اچھا میں کوئی بندوبست کرتا ہوں تم پریشان نہ ہو۔ مجیب صاحب نے بیوی کو سمجھایا۔

کچن میں کام کرتی نازنین کے کان والدین کی گفتگو پر لگے تھے۔ کچھ دنوں سے وہ بھی محسوس کر رہی تھی کہ شکیل آج کل مشکوک حرکتیں کر رہے ہیں۔

ادھر یوسف صاحب اور بیگم یوسف بھی بیٹے کے رنگ ڈھنگ بدلے بدلے سے دیکھ رہے تھے۔

شکیل آج چار روز بعد گھر آئے ابھی والدین کے سوالات کے جوابات میں معروف تھے کہ موبائل بول پڑا۔ انہوں نے جلدی سے کال ریسو کی۔ یار صبر کرو میں ابھی باہر ہوں...... گھر جا کر آرام سے کال کرتا ہوں...... اب تم دوبارہ نہیں کرنا اس نے موبائل آف کر کے جیب میں رکھ لیا۔

آج کل تمہارے دوستوں میں کچھ زیادہ اضافہ نہیں ہو گیا......؟ یوسف صاحب نے جراح کرتے ہوئے کھوجتی نگاہوں سے بیٹے کو دیکھا۔

نہیں ابو وہ ورکر تھا مال کے بارے میں پوچھ رہا تھا یہ سارے دھندے باہر ہی چھوڑ کر آیا کرو گھر میں اپنا ٹائم گھر والوں کو دیا کرو۔ سمجھے ان کی آواز میں تنبیہہ تھی۔

اور ہاں ناز کی طرف گئے کتنا عرصہ ہوا تمہیں کچھ یاد ہے بیگم یوسف نے سوال کیا تو ٹپٹا گئے۔

جی آج جاؤں گا مال کے بارے میں بات کرنی ہے حساب بھی بتانا ہے وہ تفصیل بتانے لگے۔

مجیب بھائی کہہ رہے تھے کہ کاروبار میں تیزی سے گھاٹا ہو رہا ہے تم ٹھیک طرح سے حساب نہیں دے رہے ہو کام میں عدم دلچسپی کا ثبوت دے رہے ہو کیا بات ہے۔ کس دھندے میں لگ گئے ہو؟ کہ گھاٹے پر گھاٹا ہو رہا ہے بالکل ڈاؤن ہو گئے ہو۔ بڑی دیر تک والدین کی عدالت میں صفائیاں پیش کرتا رہا موڈ خاصہ خراب ہو گیا تھا...... سوچا کچھ دیر نازنین سے باتیں کر لوں...... پھر نجانے کیا خیال آیا رک گئے۔ اپنے کمرے میں آ کر لیٹے...... جب انسان کو تنہائی کے لمحات میسر ہوتے ہیں تب زندگی میں آنے والے مناظر، واقعات، یادیں پرچھائیاں حال اور مستقبل سب ایک دم گڈمڈ ہو جاتے ہیں۔ کبھی ہنساتے ہیں، کبھی رلاتے ہیں، کبھی بے چین کر دیتے ہیں۔ کبھی خوشی سے سرشار تو کبھی غموں کی اندھیری کوٹھڑی میں گونجتی سسکیاں سنائی دیتی ہیں۔ اس وقت شکیل بیچ بھنور میں کھڑے تھے۔

☆☆☆

یار دیکھو میں لمبی چوڑی تمہید اور پیار جتانے کے مختلف ڈھنگ، کبھی نہ بھولنے اور جدا ہونے کی قسمیں نہیں کھاتا بس سیدھی سی بات ہے تم میری ساعتوں کے راستے سیدھی یہاں چلی آئیں بس انہوں نے اپنے دل پہ ہاتھ رکھا یہاں کوئی نہیں تھا میں نے کسی کو ایسی اجازت نہیں دی تھی مگر مائی ڈیر کزن تم میں ایسا کیا نظر آیا تمہاری آنکھوں کو سب سے مختلف پایا۔

تمہاری معصومیت نے پاگل کر دیا اور ...... اور تمہارے سچے بے لوث جذبوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا میں نے امی سے تو بات کر لی ہے مگر تم سے آج پوچھ رہا ہوں میری جیون ساتھی بنو گی شکیل کے سوال پر نازنین نے مسکرا کر گردن جھکا لی......

نازی جان......! جواب دو میں امی کو خالہ کے پاس بھیجوں گا۔ نجی اگر تم میری زندگی میں آ گئی ناں تو پھر سمجھو کہ پھر میری کوئی آرزو، کوئی خواہش، کوئی تمنا نہیں ہو گی...... میں اور تم...... تم اور میں دنیا دیکھے گی سچا پیار کبھی نہ بدلنے والی وفا۔ ہمیشہ قائم رہنے والا رشتہ

اور...... اور ہم دونوں ہوں گے ہم دنیا کو بتا دیں گے کہ محبت، وفا، پیار، اعتماد، بھروسہ اور زبان سے کہے الفاظ...... کتنے انمول، کتنے قیمتی، کتنے مہنگے ہوتے ہیں جن کا مان، زندگیوں میں کتنے ہی حسین رنگ بھر دیتا ہے۔ ہمیشہ بہار...... چاروں طرف حسین نظارے ملن کی جذبوں کی راتیں حسین گنگناتی فضا...... شکیل نے جھک کر نازنین کے بال چوم لیے......

شکیل مجھے کبھی کبھی بہت ڈر لگتا ہے...... اس نے شکیل کا ہاتھ پکڑ لیا اگر میں نے یہ پرپوزل قبول کر لیا تو کہیں تم مجھے دھوکہ تو نہیں دو گے؟ کبھی خوف سا محسوس ہوتا کہ تم بدل جاؤ گے۔ نازنین کی آواز میں خوف کی جھلک تھی۔ شکیل نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر ہونٹوں سے لگا لیے۔ تم میری زندگی ہو، نازنین تم میرا مان ہو، میرا فخر ہو، میری پہچان ہو...... ایسی مایوسی اور لا اعتباری کی باتیں تو نہ کیا کرو یار میں تو تم کو بڑا بہادر سمجھتا تھا مگر تم......!

ارے پگلی شدید چاہت اور دل و جان سے پیار کرنے والوں کو اکثر یہ ہی خوف اور وسوسے ہوتے ہیں۔ میری زندگی ہو تم...... میں تم کو آخری سانس تک چاہوں گا۔ وہ گانا تو تم نے سنا ہے ناں......

زندگی میں تو سبھی پیار کیا کرتے ہیں
میں تو مر کر بھی میری جاں تجھے چاہوں گا

شکیل مجھے کچھ نہیں چاہیے روپیہ، پیسہ جائیداد، عیش و عشرت کچھ بھی نہیں...... مجھے کسی چیز کی تمنا نہیں ہے۔ اللہ کا دیا میرے پاس ہر چیز ہر نعمت، ہر آسائش ہے۔ میرے والدین نے مجھے اللہ کے حکم سے کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دی مجھے صرف تمہارا ساتھ، تمہاری محبت، تمہارا تحفظ چاہیے...... وہ ایک جذب کے عالم میں بول رہی تھی۔

اور پھر دونوں گھرانے نکاح کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ ان دنوں رمضان کی آمد آمد تھی رمضان کی تیاریاں بھی زوروں پر تھیں۔ طے یہ پایا کہ عید الفطر کے دن نکاح کی تقریب ہوگی۔

دونوں بہنوں نے دل کھول کر ارمان نکالے صالحہ بیگم اور مجیب صاحب پیسہ پانی کی طرح بہا رہے تھے اس کے برعکس یوسف صاحب اور بیگم یوسف اپنی حیثیت سے بڑھ کر کرنے کے باوجود بھی ان لوگوں تک نہیں پہنچ سکے تھے۔

سارا رمضان مصروف گزرا کبھی ادھر افطار پارٹی، کبھی ادھر اسی طرح عید کا دن بھی آ پہنچا...... نازنین پر بلا کا روپ آیا تھا شکیل بھی اچھے لگ رہے تھے اپنوں نے غیروں نے دوست واحباب نے سب نے بہت خوشی کا اظہار کیا۔ تقریب، کھانا، انتظام، دلہن، دولہا ہر چیز کی تعریف کی گئی۔

رات گئے تک تقریب اختتام کو پہنچی جب سب اپنے اپنے بستر میں چلے گئے۔ شکیل نے نازنین کو ساری رات جگائے رکھا ساری رات دونوں کال پر لگے رہے تھے نجانے ایسی کیا باتیں تھیں جو ختم ہی نہیں ہو رہی تھیں۔

آج تم بہت پیاری لگ رہی تھیں۔ یار یہ بڑا ظلم ہے کہ مما پاپا نے میاں بیوی کو ایک دوسرے سے الگ کر دیا۔ الگ الگ کمروں میں نہیں بلکہ گھروں میں قید کر دیا...... یہ کوئی اچھی بات تو نہیں کہ کم از کم کھل کر ایک دوسرے کی تعریف کرتے، چاہت کا اظہار کرتے، میرا مطلب ہے کہ پیار کرتے...... نازنین بے ساختہ ہنس پڑی۔

ارے...... ارے اس قدر جذباتی کیوں ہو رہے ہو؟ اللہ تعالیٰ نے ہر کام کا ایک وقت مقرر کیا ہے وہ اسی وقت ہوتا ہے جتنی بھی بے قراری، جذباتی ڈائیلاگ بزرگوں سے ناراض ہو گے سب بے کار ہے...... کچھ بھی کر لیں کچھ حاصل نہ ہوگا...... وہ پھر ہنسنے لگی۔

شکیل کو سچ مچ غصہ آ گیا نازو کی بچی اگر مجھے غصہ

دلایا ناں تو ابھی وہاں پہنچ جاؤں گا کبھی میرا مذاق اڑا رہی ہو جب ہاتھ لگو گی نا تمہارا حشر کر دوں گا......

اچھا ابھی سے دھونس، دھمکی۔ اب کی بار نازنین نے ناراضگی کا اظہار کیا۔

اچھا...... اچھا بس اب تم ایموشنل نہ ہو جانا۔

ہاں...... ایک بات سنو...... اب تمہاری رخصتی جب ہو گی نا...... تو وہ عید کا دن ہونا چاہیے۔ اس بات کا خیال رکھنا۔

او کے شکیل نے مشورہ دیا......

او کے...... بس اب ایسا کریں سو جائیں مجھے نیند آ رہی ہے۔

او کے گڈ نائٹ...... شکیل بھی خاصے تھک گئے تھے۔ انہوں نے بھی مناسب یہی سمجھا کہ سو جائیں...... اللہ اللہ کر کے گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

☆☆☆

وقت کا پنچھی محو پرواز تھا۔ کبھی ہنستا، کبھی روتا...... کبھی بھاگتا...... کبھی رک رک کر چلتا۔ مگر ہر صورت میں متحرک رہتا ہے۔ خوشیوں، مسرتوں، شادمانیوں کے لمحات وقت کے پنکھ پر سوار ہوتے ہیں پھر سے اڑا جاتے ہیں۔ دکھ کے، غموں کے، ناکامیوں کے، آزمائشوں کی گھڑیاں...... آگے بڑھ کر نہیں دیتیں طویل سے طویل ہوتی جاتی ہیں...... لگتا ہے گھڑی کی سوئیاں رک گئی ہیں......

بزرگوں نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ شکیل مجیب صاحب کا کام سنبھال لے گا۔ گارمنٹس فیکٹریاں تھیں۔ کروڑوں کا کاروبار تھا۔ مجیب صاحب کی صرف دو بیٹیاں تھیں۔ نازنین، شرمین کوئی بیٹا نہیں تھا۔ آج کل ان کی صحت بھی خراب رہنے لگی تھی۔ بڑے داماد کو بھی انہوں نے سیٹ کر دیا تھا۔

مجیب صاحب شکیل سے بہت مطمئن تھے ماشاءاللہ کاروبار بہت تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ جتنی تیزی سے کاروبار بڑھ رہا تھا اتنی ہی زیادہ شکیل اور نازنین کے رشتے میں مضبوطی اور پائیداری بڑھ رہی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو جنون کی حد تک پیار کرنے لگے تھے۔ شکیل مصروفیت میں بھی کوئی کوتاہی کر جاتے مگر نازنین اپنی ہر سانس کو شکیل کی امانت گردانتی۔ اک اک پل کی خبر دونوں ایک دوسرے کو دیتے۔ ایسی مثالی محبت اور جوڑے بہت کم نظر آتے ہیں۔

خاندان میں دوستوں میں سوسائٹی میں ہر زبان پر ان دونوں کی محبت اور پیار کے چرچے تھے۔

☆☆☆

بھیا...... بھیا...... بھیا جی دروازہ کھولیں...... اذکا نے زور زور سے دروازہ پیٹا۔

شکیل بوکھلا کے اٹھ گئے۔ آنکھیں ملتے بستر سے اترے کنڈی کھولتے ہوئے شرمندہ نظر آ رہے تھے۔

کیا تم دیر سے جگا رہی تھیں...... انہوں نے بہن کو دیکھا......

ہاں بھیا...... کیسے سو رہے تھے؟ آپ ذرا وقت تو دیکھیں کیا ہو رہا ہے......؟

ارے یار رات نیند نہیں آئی بڑی دیر بعد آنکھ لگی تھی۔ ابو نماز کے لیے چلے گئے انہوں نے واش روم کی طرف جاتے ہوئے پوچھا تو اماں نے جواب دیا۔

ہاں بیٹا جوان آدمی مسجد گئے بوڑھا بے چارہ سو رہا تھا۔ بیٹا ذرا جلدی جاگنے کی عادت ڈالو...... دیر تک سونا نحوست ہوتی ہے۔ صبح جلدی جاگنا صحت کے لیے بھی اچھا ہے صبح فرشتے رزق لے کر آتے ہیں سوتا ہوا دیکھ کر رزق واپس لے جاتے ہیں......

جلدی سے ناشتہ کرو ابو آتے ہوں گے مجیب بھائی کی طرف چلنا ہے نازنین کا فون آیا تھا ان کی طبیعت خراب ہے ڈاکٹر کے ہاں لے جانا ہے میں نے کہہ دیا پریشان نہ ہوں ہم لوگ آ رہے ہیں شکیل لے جائے گا۔

کیا......؟ اماں آپ بھی ناں...... مجھے بتائے بغیر

فیصلے کر دیتی ہیں...... اس کی آواز قدرے اونچی تھی......

شاباش ہے بیٹا...... اب میں ہر بات اور کام تمہاری اجازت سے کروں گی...... کیوں کیا ہوا؟ اگر میں نے یہ کہہ دیا تو......؟

مجھے دو بجے تک آفس جانا تھا۔ وہ لوگ میرا انتظار کر رہے ہوں گے وہ جھنجلائے تو اماں نے نہایت ہی دھیمے لہجے میں مشورہ دیا مجیب صاحب کو ہاسپٹل لے جانے سے زیادہ ضروری تمہارا آفس نہیں ہے جب آفس والا ہی بیمار ہو تو......

بحر حال فون پر بتا دو آج کا کام کل ہو جائے گا۔

بس...... وہ تیزی سے کمرے میں چلی گئیں۔ ''

☆☆☆

یار سوری تو بول دیا ناں اب اتنی ناراضگی بھی اچھی نہیں ہوتی انسان کی ہزار مجبوریاں ہوتی ہیں۔ میری تو لاکھ مجبوریاں ہیں ایک بیوی چار اماں باوا ان سب کو بھی تو مجھے فیس کرنا پڑتا ہے۔ ہر ایک کے مختلف سوالات کے جواب دینے پڑتے ہیں۔ تم میری پریشانیوں میں مزید اضافہ کرتی ہو...... شکیل بہت ہی دھیمے انداز میں بول رہے تھے اور ناز ایک ٹک انہیں دیکھ رہی تھی......

بہت ہی سیدھے اور بہت بھولے ہو یار تم...... مرد ہو اور حالات اور امتحان سے ڈر جاتے ہو۔ اتنی ہمت اور حوصلہ نہیں ہے کہ ڈٹ کر مقابلہ کرو...... اگر تم نے ذرا بھی گڑبڑ کی اور نکاح کے وقت کچھ کہا ناں تو ایک بار پھر میں پوری شیشی حلق میں اتار لوں گی ہاں...... جب تم درمیان میں آ گئے تھے مجھے اٹھا کر ہاسپٹل پہنچا دیا تھا مگر اب...... تم نہیں بچ سکو گے کیونکہ اب کوئی مجھے اٹھا کر سینے سے لگانے والا نہیں ہوگا اور تم سیدھے حوالات کی ہوا کھاؤ گے پھر تمہیں بچانے کون آئے گا تم پہلے ہی گھر والوں کی نظر میں مشکوک ہو چکے ہو۔ جب ان کو تمہارے کرتوتوں کا علم ہوگا کاروبار کی تباہی کی وجہ معلوم ہوگی تب سب تمہیں عاق کر دیں گے۔

پھر ساون رت کی پون چلی

جب بھی سوچوں ماضی کو میں
عجب سماں ہو جاتا ہے
وقت کا پہیہ الٹا چل کے
اس دل کو تڑپاتا ہے
اداسی کے ساگر میں آخر
دل کیوں ڈوبا جاتا ہے
آم کے پودے کا وہ جھولا
ذہن میں لہراتا ہے
اس کے ساتھ ہی بچپن میرا
آنکھوں میں پھر جاتا ہے
بارش، جھولا، بھیگتی بچی
جو تھی اپنی بات کی پکی
اب بھی بارش مدھر لے میں
جب موتی برساتی ہے
وہ چھوٹی سی لڑکی گویا
پھر سے لوٹ کے آتی ہے
بچپن کی یاد مناتی ہے

﴿شگفتہ شفیق، کراچی﴾

میرے بھولے بادشاہ سنبھل جائیں ساری مجبوریاں...... سارے امتحان...... سارے سوال و جواب ان سے بعد میں نمٹتے رہنا۔ وہ بری طرح ہنس رہی تھی مکروہ اور شیطانی قہقہے لگا رہی تھی۔

تو...... تو کیا آج ہمارا نکاح ہے......؟

مم...... مگر...... تم نے مجھے کل تو نہیں بتایا تھا......

شکیل پریشانی کے عالم سے دو چار تھے۔

یہ سب آج...... ارے تو اس قدر گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس قدر سرسیلی کیوں لے رہے ہو؟ وہ

اٹھلائی۔

نہیں بالکل نہیں...... ناز میں نے تم سے ہمدردی کی...... اچھا ہمدردی کی آپ نے بڑی مہربانی آپ کی مگر کس ناطے سے کی...... وہ مسکرائی۔

انسانیت کے ناطے سے شکیل نے غصے سے جواب دیا۔

تو جناب وہ ہمدردی ہاسپٹل میں داخل کرنے کے بعد ختم بھی تو ہوسکتی تھی۔ اتنی لمبی ہمدردی کی کیا ضرورت تھی تمہیں...... یہ ہی نا مجھے چھوا، اٹھا کر ہاسپٹل پہنچایا سارا دن میری سیوا میں لگے رہے۔ کئی دن تک بڑی پابندی سے خدمت کرتے رہے۔ میرے حسن اور قابلیت کے قائل ہو گئے اور مجھ میں دلچسپی لینے لگے۔ میرے ایک اشارے پر لاکھوں روپے نچھاور کرتے رہے...... اپنی بیوی کو چھوڑ کر روز بروز مجھ میں دلچسپی لیتے رہے اور اب نکاح کرنے سے کیوں انکار ہے؟ اس نے ایک ادا سے اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں

شکیل کو جیسے ایک مدت بعد ہوش آیا۔

اسی وقت کمرے میں ناز کی اماں داخل ہوئیں۔ تم لوگ تیار ہو ناں قاضی صاحب آ گئے ہیں۔

لیکن میں تیار نہیں ہوں شکیل تیزی سے کھڑے ہو گئے۔

ارے واہ آپ کیسے تیار نہیں داماد جی...... ذرا یہ تصویر تو دیکھیں یہ کس کی ہے یہ آپ کی ہے دیکھیں یہ آپ کا چہرہ ہے اور چادر کے اندر چھپا جسم بھی شاید آپ ہی کا ہوگا۔ شکیل زور سے چیخے۔

نہیں...... نہیں...... ایسا کبھی نہیں ہوا یہ جھوٹ ہے میرے خلاف سازش ہے یہ...... مجھے بدنام کرنے کا منصوبہ ہے...... ت...... تت...... تم...... لوگوں نے یہ گھناؤنا حربہ استعمال کیا ہے۔

چندا......! آرام سے اونچی آواز میں چیخنے چلانے سے تمہاری ہی بدنامی ہوگی پھر تم جیسے شریف خاندانی شادی شدہ مرد کی ایسی تصویر توبہ...... توبہ...... چلو شاباش بیٹھ جاؤ۔

وہ ماں...... جس کا تقدس، پاکیزگی اپنے پیروں کے نیچے جنت رکھنے والی ہستی کا مرتبہ وہ اپنا یہ روپ دکھا کر کمرے سے جا چکی تھی۔

نکاح ہو گیا شکیل نہ چاہتے ہوئے بھی نکاح نامے پر دستخط کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ کافی دیر تک ماحول پر سکوت طاری رہا۔ بہنیں اماں اور قاضی کمرے سے جا چکے تھے گواہ بھی ان کے اپنے کارندے تھے۔ کسی قسم کا کوئی مسئلہ یا رکاوٹ نہیں ہوئی تھی۔

آخر اس موت کے سناٹے کو شکیل نے توڑا......

آخر تم لوگوں نے اس گھناؤنے گھٹیا انداز کو اپنا کر مجھے مجبور کر دیا کہ میں تم جیسی لڑکی کو بیوی بنا بیٹھا مجھے سخت ترین افسوس اور ملال ہے لعنت ہے تم پر۔ شکیل کی آواز میں غصہ، نفرت اور شکست نمایاں تھی۔

تم جیسی لڑکی نہ کہو ڈیئر...... وہ مسکرائی۔

تم جیسی حسین اور قابل لڑکی کہو یار...... ہم پہ ہزاروں مرتے ہیں مگر...... ہم تم پر مرمٹے وہ آنکھیں مٹکا کر شکیل کو دیکھنے لگی......

لعنت ہے اس حسن پر اس چالاکی اور فریب پر یہ قابلیت نہیں ہے فریب ہے دھوکہ ہے، وہ کرختگی سے بولے تو ناز ہنسنے لگی۔

ارے...... ارے...... تم تو ناراض ہونے لگے۔ آج تو موڈ اچھا رکھو......

تم لوگوں نے میری مجبوری سے فائدہ اٹھایا ظاہر میں اس گھٹیا قابل اعتراض تصویر دیکھ کر مجبور ہی تو ہوا ہوں۔ پھر ایک مجبوری کی یہ بھاری قیمت دینی پڑی انہوں نے ناز کو گھورا۔

ہاں جی میاں جی......! اس دنیا میں اکثر کام مجبوری کی بناء پر ہو جاتے ہیں۔ جیسے آپ نے ایک حسین جوان لڑکی کو رات کے اندھیرے میں بانہوں

میں بھر کے ہاسپٹل لے گئے اور جب تک وہاں رہے جب تک وہ ہوش میں نہیں آ گئی...... ہے ناں...... کیا سمجھ کر مجھے چھوا تھا...... گود میں اٹھایا تھا...... ہاں بولو ناں...... وہ مجبوری تھی...... وہ رکی تو شکیل تیز آواز میں بولے بالکل میں نے انسانیت کے ناطے تمہاری مدد کی یہ ہی میرا قصور ہے ناں اچھا تھا تمہیں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جانے دیا ہوتا۔

ایک نیکی اور ہمدردی کی اتنی بھیانک اور خطرناک سزا ملے گی مجھے علم نہیں تھا شکیل بہت ہی بکھرے بکھرے نظر آ رہے تھے۔

اچھا چلو چھوڑو اس بحث کو چلو ممی اور نینا کلب جا رہی ہیں ہم بھی چلتے ہیں بڑا زبردست ماحول ہوتا ہے میں تو فل انجوائے کرتی ہوں اس نے آنکھیں موند کر مزا لیتے ہوئے کہا تو شکیل نے سختی سے منع کر دیا کہ وہ نہیں جائیں گے۔

نو پرابلم وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ چاہو تو تم گھر جا سکتے ہو ہم لوگ جا رہے ہیں لیٹ نائٹ واپسی ہو گی...... وہ کمرے سے نکل گئی۔

کچھ دن اور گزر گئے...... دونوں گھروں میں کھچڑی سی پک رہی تھی کیونکہ اڑتی اڑتی ایک خبر ملی کہ شکیل نے شادی کر لی ہے اس وجہ سے کاروبار میں دلچسپی کم ہو گئی ہے۔ روز بروز گراف گرتا جا رہا ہے۔ نفع کم نقصان زیادہ ہو رہا ہے۔ ناز دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہی تھی۔ عیش کر رہی تھی۔ مجیب صاحب نے ایک مخبر کو شکیل کی نقل و حرکات، آفس، دیگر امور پر نظر رکھنے پر مامور کر دیا تھا۔

چند ہی دنوں میں مکمل خبر مل گئی کہ شکیل نے شادی کر لی ہے۔ ماں بیٹیاں بدنام زمانہ ہیں۔ اس خبر کا سننا تھا گھر میں طوفان آ گیا۔ یوسف صاحب آپے سے باہر ہو گئے...... فوراً فون کیا کہ فوراً گھر پہنچو......

شکیل نے کال ریسیو کی اور ان کو ابو کے لہجے اور ارجنٹ بلانے پر دھچکا سا لگا وہ وسوسوں کے حصار میں گھر پہنچے۔

یوسف صاحب کی آواز کی گھن گرج سے کمرہ گونج رہا تھا میں ایک لفظ بھی نہیں سنوں گا مجھے صرف اتنا جواب دو کہ...... کیا تم نے شادی کر لی ہے؟

ہاں یا ناں...... بس باقی کسی قسم کی بکواس کی ضرورت نہیں۔

بولو...... جواب دو...... میں کیا پوچھ رہا ہوں......

ہاں...... یا ناں...... جلدی کرو ورنہ۔ انہوں نے بیٹے پر ہاتھ اٹھایا از کا جو والدین کی چہیتی بیٹی تھی اس نے آگے بڑھ کر باپ کا ہاتھ پکڑ لیا...... ابو پلیز میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں...... رک جائیں بھیا بتا رہے ہیں۔

بھیا...... بھیا جی بتا دو وہ رونے لگی...... بھیا کہہ دو ناں...... ''نا''......

نہیں جانو شکیل نے بہن کے آنسو صاف کیے اور سر جھکا کر دھیرے سے کہا۔

''ہاں'' بس پھر کیا تھا ایک زناٹے دار تھپڑ شکیل کے گال پر یوسف صاحب کی انگلیوں کے نشان چھوڑ گیا۔ آج کے بعد تو میرے لیے مر گیا ہے اب تو اور وہ بدذات عورت اس گھر میں قدم نہیں رکھیں گے۔ نکل جا میرے سامنے سے میرے گھر سے وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ تب ہی از کا چیخی۔

امی جی...... امی...... امی...... بیگم یوسف بیڈ سے گر پڑیں از کا یوسف صاحب حواس باختہ ہو گئے کیونکہ انہیں پتہ تھا کہ شکیل بیگم یوسف کا بڑی ہی منتوں، مرادوں، کا بیٹا تھا شادی کے دس سال بعد ہوا تھا...... بس یہ سمجھو کہ پہلے زمانے میں نانی، دادی، بچوں کو کہانیاں سناتی تھیں کہ ''دیو'' کی جان ''طوطے'' میں تھی اسی طرح بیگم یوسف کی جان شکیل میں تھی۔

بیگم یوسف نے اس حادثے کا اتنا زیادہ اثر لیا کہ

ایک مہینہ ہاسپٹل میں رہیں۔

گھر میں لوگ تھے۔ مگر یوں لگتا کہ ویران پڑا ہے ماں بہنوں کو لگتا گھر کی رونق چلی گئی۔ یوسف صاحب مرد تھے ضبط کرتے اپنے جذبات اور احساسات کا اظہار نہیں کرتے اندر ہی اندر اتار لیتے۔ انسان زبان سے کہہ دے تو دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا۔ یوسف صاحب کو ہارٹ پرابلم ہوگئی...... انہوں نے بالکل خاموشی اختیار کر لی تھی آخران کا بھی لاڈلا تھا وہ......

یہ رشتے اتنی جلدی اتنی آسانی سے نہیں توڑے جاتے غصے میں زبان سے کچھ اس قسم کے جملے نکل جاتے ہیں کہ ''تمہارا ہمارا رشتہ ختم'' ''تم ہمارے لیے مر گئے۔ دوبارہ اس گھر میں قدم نہیں رکھنا۔ فلاں کو میری میت میں نہیں آنے دینا۔ وغیرہ وغیرہ......

مگر ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ لیکن یوسف صاحب بہت ہی سخت اور بااصول شخص تھے جو کہہ دیا...... سو کہہ دیا۔ بیگم یوسف کی صحت تو دن بہ دن گرتی جا رہی تھی اور یوسف صاحب بھی اس حادثے سے اتنے متاثر ہوئے کہ ایک دن اچانک اٹیک ہوا اور سب کو روتا بلکتا چھوڑ کر اس دنیا سے چلے گئے۔ اذکا نے شکیل کو فون کیا۔

وہ ابو کے پاؤں پر سر رکھے چھوٹے سے بچے کی طرح بلک رہا تھا۔ تڑپ رہا تھا، دیواروں سے سر ٹکرا رہا تھا مگر لاحاصل...... اب...... اب وہ یتیم ہو گیا تھا......

دو بہنیں اور بیمار ماں...... بڑی ہی مشکل سے اسے وہاں سے ہٹایا گیا۔

چند دن شکیل وہیں رکے رہے۔ ماں نے سینے سے لگایا والہانہ انداز میں چوما پیار کیا دن رات اپنے سامنے رکھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے انہیں آب حیات مل گیا ہو۔

ماں کو اتنا مہربان دیکھا تو شکیل نے ایک بڑا فیصلہ کر لیا...... انہوں نے تہیہ کر لیا کہ ناز کو اماں سے ملائیں گے اب ابو تو رہے نہیں اب تو ناز آ سکتی ہے۔ اماں کو وہ جانتے تھے کہ وہ ناز کو بہو سمجھ کر قبول کر لیں گی۔

☆☆☆

مجیب صاحب نے شکیل سے وہ سب کچھ چھین لیا جو انہوں نے اپنی بیٹی کے سکھ و چین کے لیے دیا تھا...... سب پر جو اثر ہوا سو ہوا شکیل کی شادی کا سن کر والدین نے خلع لینے کے لیے کہا۔

یوسف صاحب اور بیگم یوسف نے بھی خاموشی اختیار کر لی تھی کہ نازنین اور اس کے والدین جو بھی فیصلہ کریں انہیں پورا پورا اختیار ہے۔ لیکن نازنین نے نہ طلاق مانگی نہ خلع لینی چاہی اس نے صاف لفظوں میں کہہ دیا میری زندگی میں ایک مرد آیا اسے میں نے شوہر کے روپ میں دیکھا اور اس کی ذات اس کے نام سے منسوب ہوئی۔ مروں گی بھی تو سہاگن اور اسی کے نام کی سہاگن بن کر زندگی گزار دوں گی...... والدین نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔

دن رات، مہینے، سال ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے رہے۔ وقت کا یہ کھیل جاری رہا پھر رمضان آ گیا تھا۔ سارا مہینہ نازنین رمضان کی ایک ایک بات کو یاد کرتی رہی۔ عید والے دن روتی رہی ساری رات جاگتی رہی شکیل کی باتیں شرارتیں، جذباتی باتیں خوبصورت باتیں وہ حسین لمحات سب کچھ تو اسے ازبر تھا...... لمحہ لمحہ دکھ کے پل صراط سے گزر رہی تھی۔ وہی خوبصورت جملوں اور شرارتی مکالموں کی بازگشت اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ دو ہاتھوں کی انگلیاں کانوں میں دے رہی تھی تڑپ رہی تھی۔ بلک رہی تھی...... ایک وہ عید کا دن تھا اور ایک یہ عید کا دن ہے کتنا مختلف، کتنا جدا، کتنا تکلیف دہ، کتنا بے بس...... کتنا مجبور ہے آج کا دن......

اس کی کیفیت، اس کی حالت اس کی تڑپ سے سب واقف تھے سب جانتے تھے کہ نازنین اس وقت کس اذیت میں ہے۔ چلتی پھرتی ایک لاش بن کر رہ گئی تھی۔ بہت زیادہ سنجیدہ اور خاموش ہوگئی تھی۔ تنہائی پسند

ہو گئی تھی خاندان میں کوئی خوشی ہو یا غم کوئی تہوار ہو کسی میں بھی شرکت نہیں کرتی۔ والدین نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا وہ کس قدر شوخ چنچل تھی جہاں نازنین ہوتی وہاں قہقہے سنائی دیتے۔ اک لمحے کے لیے بھی سنجیدہ نہیں ہوتی، ہر وقت زبان چلتی رہتی۔ حاضر جواب ایسی کے مدمقابل کو لاجواب کر دیتی۔ عقل دنگ رہ جاتی کہ آخر یہ لڑکی ہے کیا......؟

ہر چیز کا جواب اس کے پاس موجود ہوتا ہے اس عمر میں اتنی زندگی میں اس نے کیا کچھ معلوم کر لیا۔ ہر وقت موٹی موٹی کتابوں میں گھری ہوتی...... مگر...... اب......

اب تو...... وہ تنہا بیٹھی دور خلاؤں میں گھورتی رہتی لگتا اس کا سب کچھ لٹ گیا، سب کچھ چھن گیا، وہ خالی ہاتھ ہو گئی، حیات کے آنچل کے رنگ پھیکے پڑ گئے تھے۔ زندگی کے دامن میں اداسیاں، تنہائیاں، بربادیاں جمع ہو گئی تھی۔ جیون آنگن میں دور، دور تک گھپ اندھیروں کا راج تھا...... سوچیں...... یادیں...... بیتے لمحات بلا روک ٹوک اس پر ہر لحہ مسلط رہتے اور وہ ماضی کے ہر لمحے کو حال کی ہر اذیت کو فیس کرتے کرتے تھک سی گئی تھی۔ نہ وہ خود شکیل کو برا کہتی نہ کسی کو کہنے دیتی......

پگلی...... اب نجانے کس آس، امید اور یقین کے سہارے جی رہی تھی اسے پتہ ہے وہ شادی کر کے اپنی دنیا میں مگن ہے پہلے تو آزادانہ گھر بھی آ جاتا ظاہر ہے کاروبار کی باتیں، پیسوں کا لین دین، مہینے میں لازمی دو تین بار تو اس دشمن جاں کا سامنا ہوتا۔ باتیں ہوتیں، چھیڑ چھاڑ ہوتی مگر اب......

کبھی کبھی اذکا اس کے گلے لگ کر بلکتی تو وہ بڑے یقین سے کہتی...... اذکا! مجھے اپنے رب اپنے پیار پر پورا یقین ہے شکیل...... دیکھنا ایک روز ضرور میرا ہو گا مجھے یقین ہے...... میرا دل کہتا ہے میں...... ایک روز اسے اپنا لوں گی وہ میری زندگی میں ضرور بہار بن کر لوٹ آئے گا۔

تب اذکا تڑپ اٹھتی اور تڑپ کر گڑگڑا کر اپنے رب سے دعا مانگتی کہ اے میرے رب اس پاگل لڑکی کے اس خواب کو پورا کرنا اس کے مان اور یقین کو پورا کرنا...... ورنہ...... ورنہ...... یہ پاگل ہو جائے گی۔ اے اللہ اس نادان لڑکی پر رحم فرما اس کا شکیل اسے واپس دلا دے مالک......

بھیا...... بھیا جی لوٹ آئیں اس پاگل نادان سی لڑکی کو تمہارا انتظار ہے بھیا اس بکھری بکھری سی لڑکی کو آ کر سمیٹ لو...... اس کی ویران زندگی میں چلے آؤ...... اس کی خزاں رسیدہ حیات کو بہاروں کی نذر کر دو......

صبر اور امتحان...... جتنے طویل ہوتے ہیں انسان اتنا ہی ٹوٹتا بکھرتا جاتا ہے۔ میں اس ادھوری ٹوٹی بکھری لڑکی کو کیسے سنبھالوں...... اس کے صبر اور انتظار کو کہاں تک ناپوں...... کیا پیمائش کروں میں اس کے دکھوں اور محرومیوں کی...... نماز پڑھ کر اذکا نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اپنے رب سے محو کلام تھی۔ آنسوؤں سے چہرہ بھیگا ہوا تھا لبوں پر دعائیں تھیں......

وہ کل ہی نازنین سے مل کر آئی تھی۔ نازنین کی برتھ ڈے تھی وہ ڈھیر سارے گفٹ اور کارڈ لے کر گئی تھی بظاہر وہ یہ سوچ کر گئی تھی کہ اسے احساس نہ ہو کہ پچھلی بار اس کی خوشیوں میں امی، ابو، اذکا، خالہ خالو بھیا اور شانی (چھوٹی بہن) سب ہی اس دن اکٹھے تھے کتنا مزا آیا تھا......

مگر...... نازنین...... بھلا ان چیزوں سے کیا خوش ہوتی......؟ اس کی زندگی میں کتنا بڑا خلا...... پیدا ہو گیا تھا......

☆☆☆

تھوڑی دیر تک شکیل یہ منظر دیکھتے رہے مگر جب ناز کی حرکتیں ناقابل برداشت ہو گئیں تب وہ تیزی سے اٹھے ان کی مٹھیاں بھینچی ہوئی تھیں بتیسی بری طرح سے جکڑی ہوئی تھی وہ دانت پیستے ہوئے آگے بڑھے اس

زور سے بیوی کے گال پر بھرپور تھپڑ جڑ دیا۔
ناز آپے سے باہر ہوگئی ماحول پر چند لمحے کے لیے سکوت سا چھا گیا۔ ہارون ناز کو بانہوں میں لے کر اس کا گال سہلا رہا تھا۔
شکیل زبان سے اک لفظ بھی نہ کہہ سکے شدت غم و غصے سے ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں وہ تیزی سے اس محفل سے دور چلے گئے۔ آج یہاں سارے دوست جمع تھے۔ ویلن ٹائن ڈے منایا جا رہا تھا۔ رقص و سرور کی محفل جوبن پہ تھیں نشے میں چور ہر شخص بدمستی میں تھا۔
شکیل کے جانے کے بعد ناز چیخی۔ ایڈیٹ...... بیک ورڈ......
اور پھر دوسرے ہی لمحے محفل پر پھر مستی چھا گئی۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں...... ہارون نے اسے بانہوں میں لے کر مشورہ دیا...... ارے لعنت بھیجو اس جاہل، گنوار پر ہم ہیں نا تمہارے پرانے عاشق ناز مسکرائی دل میں خوشی کے جلترنگ سے بجنے لگے۔
ارے جانی تم نے تو میرے منہ کی بات چھین لی اب اس کنگال کے پاس کیا ہے سب کچھ تو میں نے لوٹ لیا۔ ارے نچوڑ لیا ہے۔ اس معصوم پنچھی کو صرف اک تصویر دکھا کر...... کیا سوچنے لگیں جان من...... ہارون نے کمر کے گرد حلقہ تنگ کرتے ہوئے کہا تو وہ ہنس پڑی۔
ارے کچھ نہیں...... تھوڑی...... اور...... ہارون نے پیگ بھر کے اس کی طرف بڑھا دیا اور...... پھر...... ناز کو خبر نہیں رات...... کب...... کیسے...... کس کے ساتھ اور کس طرح گزری جب صبح اٹھی تو وہ ہوٹل کے کمرے میں تھی اور کوئی نہ تھا۔ وہ تیزی سے اٹھی اپنا حلیہ درست کیا جب گھر پہنچی تو...... دروازہ کھلا تھا...... بیڈ پر تکیے کے پاس ایک خط پڑا تھا۔
میں ہمیشہ کے لیے جا رہا ہوں۔ تجھ جیسی آوارہ، بدچلن بے شرم بے ہودہ، بے غیرت کی شکل دیکھنا بھی گوارا نہیں ہے۔ ساتھ رہنا تو بہت بڑی بات ہے۔ مجھے یقین ہے اب تجھے میری ضرورت بھی نہیں ہے میں بالکل کنگال ہو گیا ہوں اب تیری دلچسپی مجھ میں نہیں ہارون جیسے ہینڈسم اور کروڑ پتی میں ہوگی...... اب تیرا نشانہ، تیرا شکار ہارون ہوگا ''خوبصورت ناگن'' تو کب تک نیک شریف، مالدار پنچھیوں کا شکار کرتی رہے گی۔ ''طلاق نامے'' کی تجھے ضرورت تو نہیں ہوگی مگر میں کل تیرے منہ پر ''طلاق'' کے کاغذات ماردوں گا۔
لعنت ہے تجھ جیسی خوبصورت، حسین، ناگن پر...... میں تجھے زندگی بھر معاف نہیں کروں گا۔
ناز نے بار بار کاغذ کے پرزے کو چوما...... زور زور سے قہقہے لگاتی رہی...... ارے واہ تو...... تو بڑا ہی غیرت دار نکلا رے...... جا...... جا...... عیش کر...... تو بھی کیا یاد کرے گا کس تخی حسینہ سے پالا پڑا تھا۔ اب تو آزا ہے...... میں...... میں...... اب ہارون کو لوٹوں گی بڑا تگڑا مرغا ہے...... وہ بیڈ پر آڑھی ترچھی گر پڑی...... دیر تک سوکر تھکن اتار کر اٹھی ہاتھ لیا پھر ہارون کو فون کیا۔
ڈارلنگ مجھے ہوٹل کے کمرے میں اکیلا چھوڑ کر کہاں چلے گئے تھے؟
تم کون بول رہی ہو...... میں تمہیں نہیں جانتا۔
ارے واہ...... پاگل ہو گئے ہو مجھے نہیں جانتے...... کیوں مذاق کر رہے ہو وہ ہنسی......
اس وقت میں کسی اور کے ساتھ ہوں اور اب آئندہ مجھ سے رابطہ نہ کرنا۔
کھٹ سے سیل بند ہو گیا۔ وہ دیر تک ہونقوں کی طرح سیل کو گھورتی رہی......

☆☆☆

تارکول کی شفاف سڑک پر گاڑی بہت تیزی سے دوڑ رہی تھی ایکسیلٹر پر دباؤ اور بڑھتا جا رہا تھا۔ نازنین کا روتا بلکتا وجود، اماں کا بے ہوش ہو کر گرنا، ابو کے

پیروں سے لپٹ کر اپنا زار و قطار رونا دھوکے سے نکاح نامے پر دستخط کروانا...... ہارون کی بانہوں میں ناز کا جھولنا اور چٹاخ اس کا تھپڑ ناز کے گال پر پڑنا ان سوچوں کے ساتھ ہی...... اس نے آنکھیں بند کیں اور پھر...... جب آنکھ کھلی تو اپنے اردگرد ...... ڈاکٹری لینگویج سن کر...... انہوں نے زبردستی آنکھیں کھولنے کی کوشش کی۔

مگر وہاں تو گھپ اندھیرا تھا...... میں...... میں...... کہاں ہوں؟ امی...... امی جی...... نازنین ...... نا...... نا...... اور پھر بے ہوش ہو گئے۔

ڈاکٹرز کی متفقہ رائے یہ تھی کہ سر کی چوٹ کی وجہ سے بینائی متاثر ہو سکتی ہے مکمل ہوش آ جائے تو پھر کچھ کہا جا سکتا ہے۔

اذکا ابھی بستر ہی میں تھی نازنین کا فون آ گیا اس نے ریسو کیا...... اذکا یار میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔ سب ٹھیک تو ہیں...... تم سب کیسے ہو؟ نازنین نے ایک سانس میں کہہ دیا۔

ریلیکس ڈیئر ریلیکس ...... سب ٹھیک ہیں...... اچھا میں آ رہی ہوں تم ڈسٹرب نہ ہو...... اذکا نے کہا۔

دراصل...... میں...... میں نے خواب دیکھا ہے۔ نازنین کی آواز لرز رہی تھی۔

اچھا...... اچھا...... بولو......

وہ...... میں نے دیکھا کہ شکیل کا...... اللہ نہ کرے ایکسیڈنٹ ہوا ہے...... وہ رونے لگی......

اچھا...... اچھا...... کچھ کرتے ہیں تم حوصلہ رکھو۔ میں آ رہی ہوں۔ اذکا نے فون بند کر دیا۔

کیا ہو گیا یار کیا حالت بنالی تم نے رات سے اب تک اور...... اور بھیا ایسے بے فکر اور لاتعلق ہیں جیسے تم کو جانتے بھی نہ ہوں...... پگلی خالہ، خالو نے دیکھ لیا تو کیا کہیں گے...... چلو شاباش اٹھو...... منہ ہاتھ دھو لو چہرہ اور آنکھیں کتنے سرخ ہو رہے ہیں۔ اذکا نے ڈانٹ کر

> ## عــــزت
>
> عورت کو چاہیے کہ اپنے شوہر کو عزت دے، اگر شوہر عزت دار ہوا تو اپنی بیگم کو خود سے زیادہ عزت دے گا اور اگر کم ظرف ہوا تو اپنی عزت بھی گنوا دے گا۔
>
> (شائستہ خالد، لاہور)

نازنین کو اٹھایا۔ منہ دھونے سے ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارنے سے آنکھیں بھی کچھ بہتر ہوئیں۔ نازنین کے جلتے وجود اور سلگتی آنکھوں کو کچھ سکون سا ملا۔

اذکا نے اس کے بال درست کیے اسے سمجھانے لگی یار نازنین ڈیئر...... تم چھوڑ دو ان کا پیچھا جب ان کو تمہاری فکر نہیں تمہارا خیال نہیں تو...... تو...... تم...... کیوں ہلکان ہو رہی ہو......؟ کہنے کو اذکا یہ سب کہہ رہی تھی مگر...... اس کے اندر بھی کچھ ہو رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا بھیا اسے آواز دے رہا ہے امی اور نازنین کو یاد کر رہا ہے۔

اس نے اپنے دل کو بہلانے کی بہت کوشش کی مگر اب وہ بھی اپنے آپ کو مشکل سے سنبھال رہی تھی۔ تب ہی سیل بجنے لگا اس نے دیکھا ان نون نمبر تھا۔ اس نے آف کر دیا۔

پھر بیل بجی...... اس طرح جب لگاتار بیل ہوتی رہی اس نے ریسور کر ہی لیا۔

دوسری طرف سے آواز آئی۔ شکر ہے ریسو کر لیا...... آپ اذکا بات کر رہی ہیں۔

آپ کو کس سے بات کرنی ہے یہ بتائیں میرا نام پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ آواز میں رعب تھا۔

اچھا اچھا آپ جو بھی ہیں آپ کو ایک بری خبر دینی ہے۔

کیا؟ اذکا کا ہاتھ کانپ گیا۔

جی...... جی بولیے سر اس نے نہایت مودبانہ انداز میں کہا۔

کیا......؟ اف آپ کون ہیں۔ کہاں سے بول رہے ہیں وہ بہت ہی بے چینی سے بولی۔

میں ڈاکٹر عارب ہوں...... اب شکیل کی حالت قدرے بہتر ہے انہیں ہوش آیا تو انہوں نے آپ کا نمبر دیا۔ ان کے ساتھ کون ہے؟ اذکا نے سوال کیا تو جواب ملا وہ اکیلے ہیں راہ گیر انہیں ہاسپٹل لائے تھے۔

اذکا نے فون بند کیا اور لاکھ ضبط کے باوجود روتے ہوئے بولی۔

نازنین...... بھیا کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے میں ہاسپٹل جا رہی ہوں...... وہ بیڈ سے اترنے لگی تو نازنین نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

میں...... میں بھی چلوں گی...... وہ تیزی سے برقعہ پہننے لگی۔

ارے...... تم...... کہاں جا رہی ہو اس بدحواسی میں صالحہ بیگم کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولیں۔

اذکا نے انہیں سب کچھ بتا دیا۔ میں اور تمہارے ابو چلے جائیں گے۔ تم گھر پر رہو...... انہوں نے بیٹی کو منع کیا تو وہ بولی۔

نہیں...... امی...... میں بھی جاؤں گی وہ کمرے سے باہر نکلنے لگی۔ چلو اذکا جلدی کرو...... وہ بہت بے چین اور ڈسٹرب ہو رہی تھی۔

مجیب صاحب نے یہ سنا تو بولے ابھی اسی وقت چلو...... مگر...... میں نے نازنین کو منع کیا ہے یہ نہیں جائے گی...... صالحہ بیگم میاں کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔

ابو میں بیوی ہوں ان کی...... میرا شوہر ہاسپٹل میں زخمی پڑا ہے میں جاؤں گی...... آپ کس لیے روک رہی ہیں وہ ضدی لہجے میں ماں سے مخاطب تھی۔ اس نے تمہیں چھوڑ دیا۔ تمہاری بے عزتی کی، توہین کی ہے اس نے اس مقدس رشتے کی صالحہ بیگم غصے سے بولیں۔

اذکا نے خالہ، خالو کے سامنے ہاتھ جوڑ لیے، پلیز آپ لوگ جو کچھ سوچ رہے ہیں یا کہہ رہے ہیں بالکل صحیح ہے مگر خدا کے لیے یہ وقت ان باتوں کا نہیں......

وہ رو پڑی...... تھوڑی ہی دیر میں مجیب صاحب صالحہ بیگم، بیگم یوسف، نازنین، اذکا ہاسپٹل پہنچ گئے تھے۔

ماں کا کلیجہ منہ کو آ گیا کہ ان کا جوان بیٹا کس بے بسی سے پٹیوں سے جکڑا پڑا تھا۔ مجیب صاحب نے رومال میں اپنے آنسو جذب کرتے ہوئے بیڈ کے قریب آئے اس وقت شکیل مکمل غنودگی میں تھے جب ہوش میں آئے تو بہت بے چین ہوتے بہت ہی پریشان ہوتے، زخموں کی تکلیف سے بری طرح کراہ رہے تھے۔ اذکا اور نازنین کی آنکھیں مسلسل برس رہی تھیں۔ ڈاکٹرز سب کو اکٹھا نہیں جانے دے رہے تھے باری باری شکیل کے قریب جا رہے تھے۔ سب سے آخر میں جان بوجھ کر نازنین گئی جب ڈاکٹرز نے اسے کمرے سے جانے کے لیے کہا تو اس نے ریکوسٹ کی کہ میں...... ان کی مسز ہوں پلیز آپ لوگ...... مجھے پرمیشن دے دیں...... میں بالکل بھی ڈسٹرب نہیں کروں گی۔

آپ کا نام ڈاکٹر نے اچانک نازنین سے سوال کر ڈالا۔

جی نازنین...... اس نے اپنا نام بتایا اور ڈاکٹر نے متفقہ رائے سے پرمیشن دے دیا۔

لیکن بی بی رات کو تو کسی جینٹس کو رکنا پڑے گا۔

ڈاکٹر عارب نے اذکا کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ بولی۔

ٹھیک ہے بھابی آپ دن کو یہاں رک جائیں۔ اب کیسی ناراضگی۔ سب ہی کے دل موم ہو گئے تھے۔ ایک زخموں سے چور بے ہوش شخص سے کیا ناراض ہونا، شرمندہ کرنا، ذلیل کرنا، نادم کرنا...... کون چاہے گا۔

سب اپنی اپنی جگہ خاموش تھے۔ سارا دن سب

باہر بالکونی میں بنچوں پر بیٹھے رہے رات کو مجبوراً گھر چلے آئے...... گھر آ کر نازنین نے خود کو جائے نماز کے سپرد کر دیا وہ ساری رات عبادت اور دعا میں مصروف رہی کہتے ہیں جب بندہ براہ راست خدا سے رابطہ کرتا ہے اس کے راز و نیاز اپنے رب سے ہوتے ہیں تب بندے کی تڑپ، گڑگڑا کر اس کا دامن کو پھیلانا...... عاجزی سے سر کو جھکانا۔ اس کا مان، اس کا یقین، اس کا اعتبار، دیکھ کر مالک دو جہاں بھی اس کی دعا کو شرف قبولیت بخشتا ہے۔

صبح نازنین اور اذکا ہاسپٹل پہنچی تو شکیل مکمل ہوش میں تھے۔ اذکا بھائی کے بیڈ کے قریب پہنچی۔ "

السلام علیکم بھیا جی...... اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ وہ ان کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولی تو شکیل نے آہستہ سے بہن کے سر پر ہاتھ رکھا۔ ٹھیک ہوں گڑیا تم کیسی ہو؟ وہ بہن سے باتیں کر رہے تھے مگر نظریں کسی کو بڑی بے چینی سے تلاش کر رہی تھیں۔

اذکا ان کی اس کیفیت سے لطف اندوز ہو رہی تھی وہ چاہتی تھی بھائی بے چینی و بے قراری سے نازنین کے بارے میں سوالات کریں۔ مگر لگتا تھا جیسے وہ شرمندگی اور ندامت کے سبب ایسا کرنے سے قاصر تھے۔

تب ہی ڈاکٹر عارب وارڈ میں آئے اذکا کے ہاتھ میں لسٹ تھما دی کہ اس میڈیسن کی فوری ضرورت ہے آپ نیچے اسٹور سے لے آئیں......

اذکا لسٹ لے کر وارڈ سے باہر نکلی باہر بیٹھی ہوئی نازنین سے کہا بھیا ماشاء اللہ مکمل ہوش میں ہیں تم اندر جاؤ میں یہ میڈیسن لے کر آتی ہوں۔ نازنین وارڈ میں داخل ہوئی شکیل کی نظریں دروازے پر لگی تھیں۔

نازنین کی بھی عجیب کیفیت ہو رہی تھی وہ جیسے ہی شکیل کے قریب پہنچی یہ دیکھ کر تڑپ اٹھی شکیل کی بند آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔ وہ تیزی سے آگے بڑھی اور خود بھی روتی ہوئی اپنے آنچل سے شکیل کے آنسو پونچھنے لگی۔

دونوں کی حالت اور ذہنی کیفیت دیدنی تھی۔ ایک نادم اور شرمندہ دوسرا بے حد جذباتی......

شکیل نے نازنین کا ہاتھ پکڑ کر ہونٹوں سے لگا لیا اور بڑی مشکل سے بولے۔ شاید میں اس کا بھی حق دار نہیں ہوں...... مجھے معاف کر دو خدا کے لیے انہوں نے دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑنے کی ناکام کوشش کی۔ کتنا مجبور اور بے بس ہو گیا ہوں...... میرا جرم معاف کرنے کے قابل تو نہیں ہے مگر پہلی غلطی پر تو خدا بھی معاف کر دیتا ہے۔ وہ زار و قطار رو رہے تھے یہ ہی حالت نازنین کی بھی تھی۔

بڑی مشکل سے اس نے اتنا کہا پلیز شکیل آپ روئیں نا...... میں آپ سے ناراض ہی کب ہوئی تھی مجھے اپنے رب سے امید اور اپنے پیار پر یقین تھا میرا رب دلوں کے حال جانتا ہے وہ انصاف کرے گا اس یقین، امید اور پاکیزہ محبت پر مکمل اعتبار تھا۔ سو اللہ نے فتح نصیب کی۔ اس نے آنسوؤں سے تر چہرے کے ساتھ دھیرے سے مسکرا کر کہا تو شکیل نے جذباتی انداز میں اس کے ہاتھ کو چومتے ہوئے آنکھوں سے لگا لیا......

وارڈ کا پردہ ہٹا کر اندر آتی ہوئی اذکا نے قدرے زور سے کہا......

ارے...... یہ کیا ہو رہا ہے مسٹر اینڈ مسز شکیل...... یہ آپ کا بیڈ روم نہیں ہاسپٹل کا وارڈ ہے اور مسٹر شکیل آپ زخمی ہیں وہ ہنسی تو دونوں بھی ہنسنے لگے۔ اور پھر پچیسویں روز ے کو شکیل کو ہاسپٹل سے ڈسچارج کیا گیا۔

دونوں گھروں کو دلہن کی طرح سجایا گیا...... شکیل نے من و عن اپنی اور ناز کی ساری کہانی سب کو بتا دی اور سب نے شکیل کو معاف کر دیا...... طے یہ پایا کہ عید والے دن رخصتی ہوگی......

دونوں خوشی اور مسرت سے پھولے نہیں سما رہے

تھے۔

☆☆☆

آج صبح سے دونوں گھروں میں زبردست گہما گہمی تھی تیاریاں زوروں پر تھیں۔ دونوں طرف یہ ہی سوچ تھی کہ کسی قسم کی چھوٹی یا بڑی کمی نہیں ہوگی۔ سارے ارمان جی بھر کے نکالنے ہیں خاندان میں بھی سب بہت خوش تھے ہر شخص اپنی بساط سے بڑھ کر تیاریاں کر رہا تھا۔

نازنین کی ثابت قدمی، نماز اور عبادتیں رنگ لائیں۔ بس درمیان میں ایک بھیانک خواب آیا تھا جو وقت کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ ماضی بن گیا اور حال نے کروٹ بدلی خوشیوں اور مسرتوں نے ڈیرا ڈال دیا۔ بہاروں نے اپنے دامن میں سمیٹ لیا ہر طرف جلترنگ سے بج رہے تھے۔

عید مبارک...... عید مبارک...... عید مبارک...... اور رب رخصتی کے ٹائم...... مبارک...... مبارک...... بہت مبارک...... سب ایک دوسرے کو دل کھول کر شادی کی مبارکباد دے رہے تھے۔

شکیل پر بھی بڑا روپ آیا تھا۔ نازنین کے چہرے، وجود اور من کے اندر خوشی کا طوفان برپا تھا۔ ہر زبان پر دونوں کو مبارکباد اور سلامتی کی دعائیں مل رہی تھیں۔

سب کچھ بخیر وخوبی انجام پذیر ہوا۔

حجلہ عروسی میں نازنین دھڑکتے دل کے ساتھ اپنے شکیل کا انتظار کر رہی تھی۔ سوچوں، خیالات و جذبات میں ایک ہلچل مچی ہوئی تھی۔ تب ہی دروازہ کھلا اور مخصوص خوشبو کا جھونکا شکیل کی آمد کا پتہ دے رہا تھا۔

نازنین تھوڑا سا اور سنبھل کر بیٹھ گئی۔ شکیل مسکراتے ہوئے اس کے قریب آ گئے۔

السلام علیکم! وہ ذرا سا مسکرائے۔ نازنین نے بھی نظریں نیچے کر کے سلام کا جواب دیا۔

اگر آپ کی اجازت ہو تو بندہ ناچیز یہاں بیٹھنے کی جسارت کر سکتا ہے وہ شوخی سے اجازت مانگ رہے تھے۔ ویسے تو...... بندہ ناچیز نے بہت ہی بڑا جرم کیا تھا اس کے پیش نظر اصولاً اجازت نہیں ملنی چاہیے۔ وہ بھی شریر لہجے میں بولی۔

ملکہ عالیہ...... آپ بجا فرماتی ہیں...... مجرم نے اس جرم کا معاوضہ بھی ادا کر دیا۔ دیکھیں طلاق کے کاغذات انہوں نے ایک لفافہ نازنین کو دکھاتے ہوئے کہا۔

یار بس اب زیادہ انتظار نہیں ہوتا۔ بہت ہی پیاری اور حسین لگ رہی ہو کہیں میری نظر نہ لگے۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا کر نازنین کو اپنی آغوش میں بھر لیا۔

میری زندگی میں نے تمہیں بہت ستایا بہت رلایا...... بہت تنگ کیا اپنے شکیل کو معاف نہیں کرو گی۔ انہوں نے ہاتھ جوڑ لیے۔ نازنین ان کے سینے میں منہ چھپا کر رو پڑی تب شکیل تڑپ اٹھے۔

میری جان...... میری زندگی...... اب...... اب میں تمہاری آنکھ میں ایک آنسو بھی نہیں دیکھ سکتا بس مجھے معاف کر دو......

یہ لو...... تمہاری منہ دکھائی انہوں خوبصورت سی ڈبیہ سے ڈائمنڈ کی رنگ نکالی...... نازنین نے ہاتھ بڑھایا اور خوبصورت سی رنگ نازنین کی انگلی میں اور بھی زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی۔

اس نے رنگ کو چوم لیا...... اس کی اس حرکت پر شکیل جذباتی انداز میں خود بھی اسے چومنے لگے یہ کیسی سچی خوشیاں تھیں؟ کیسی انمول گھڑی تھی؟ کیسا حسین ملاپ تھا...... اور پھر زندگی کی بڑی ہی اہم ناقابل فراموش خوشیوں، بہاروں، مسرتوں، جذبات اور کامیابیوں سے پر جھلملاتی مسکراتی، گنگناتی، مہکتی ہوئی رات دھیرے دھیرے محو سفر تھی۔

چاند کھڑکی کے راستے دونوں کی خوشیوں بھرے ملاپ پر مسکرا رہا تھا۔

☆☆☆

چاند عید کا

فریدہ جاوید فری

جولوگ اپنے یقین کی ڈور خدا پر چھوڑتے ہیں
تو خدا بھی کبھی انہیں مایوس نہیں کرتا
آنسوؤں سے ہنسی تک کا راستہ کتنا
ہی کٹھن ہو مگر یقین کو مرنے نہیں دینا چاہیے۔

ایک لڑکی کا فسانہ جس نے صبر کا دامن نہ چھوڑا

وہی نور عکس پھیلا وہی عید کی خوشی ہے
یہ چاند کا تصور تیری دید کی خوشی ہے

رمضان المبارک کا چاند نظر آ گیا تھا۔ ہر طرف مبارک باد کا شوروغل تھا۔ مسجدوں سے اعلان کی آوازیں فضا میں گونج رہی تھیں۔ ماحول میں پاکیزہ کیفیتیں اجاگر ہو گئی تھیں۔ ہر شخص کا چہرہ اور آنکھیں اس بابرکت مہینے کی رحمتوں کے خیال سے جگمگا رہیں تھیں کہ وہ غفور ورحیم اپنے کرم سے رحمتوں اور قبولیت کے دروازے کھول دے گا۔ تب ندا نے چاند دیکھ کر دعا کی۔

اب میری سزا ختم کردو عمران...... میں نے ایسا کب چاہا تھا جس کی اتنی طویل سزا دے ڈالی۔ پورے پانچ سال ہو گئے ہیں آپ کو دیکھے ہوئے آپ کی آواز سنے ہوئے، سماعتیں آپ کی پیار بھری سرگوشیوں کی منتظر ہیں۔ آ جاؤ...... لوٹ آؤ...... عمران......

اس کے ہاتھ دعا کے لیے اٹھے ہوئے تھے اور

لبوں پر خاموش فریاد تھی اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ چپ ہو جا میری بچی...... ہر رات کے بعد سحر ہوتی ہے! دکھ کے بعد سکھ کے دن ضرور آتے ہیں، رات خواہ کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو، اس کی صبح ضرور طلوع ہوتی ہے۔ تمہاری سزا ختم ہونے والی ہے۔ وہ آجائے گا لوٹ آئے گا۔ میں ماں ہوں میرا دل کہتا ہے اس بار وہ آجائے گا۔ وہ تم سے نہیں مجھ سے ناراض ہو کر گیا ہے اور سزا تمہیں دے رہا ہے۔ تم دونوں کی قصور وار میں ہوں، دونوں کو جدا کرنے والی میں ہوں، مجھے معاف کر دو بہو...... انہوں نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔ وہ شرمندگی سے آنسو بہا رہیں تھیں۔ بہو کا دکھ نہیں دیکھا جاتا تھا۔

اس کی اجڑی صورت دیکھ کر وہ ندامت سے زمین میں گڑھ جاتیں اور اپنی زیادتی کا احساس شدت سے ہوتا۔ بیٹے کی محبت میں بہو پر ظلم ڈھایا تھا۔

ایسا نہ بولیں امی آپ میری ماں ہیں۔ میرے سامنے ہاتھ مت جوڑیں۔ ورنہ میرا اللہ مجھ سے خفا ہو جائے گا۔ اس نے ساس کے ہاتھ کھولتے ہوئے کہا تو انہوں نے اسے کھینچ کر اپنے سینے سے لگالیا۔

اچھے خاندان اور شریف غیرت مند ماں باپ کی بیٹی ہو۔ ورنہ تمہاری جگہ کوئی اور ہوتی تو کبھی کا گھر سے نکال باہر کرتی۔ یاسمین میری سگی بھانجی ہے لیکن وہ خالہ نہیں اپنی ساس کا درجہ دیتی ہے اور بلا لحاظ جو منہ میں آتا ہے بول دیتی ہے یہاں تک کہ میرا بیٹا بھی مجھ سے دور کر دیا اور میں سمجھتی ہوں مجھ جیسی عورتوں کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے۔ اتنا کچھ ہو جانے کے بعد بھی مجھے عقل نہیں آئی اور تم پر ظلم ڈھاتی رہی۔ باقی دونوں بہوؤں اور بیٹیوں کا رویہ سامنے رکھتی تو ایک لفظ تک زبان سے نہ نکالتی تمہارے لیے۔ لیکن مجھے عقل نہیں آئی۔ بیٹے کی محبت میں پاگل تھی۔

یاسمین نے کہا تھا اگر بیٹے کی محبت میں اتنی ہی پاگل تھی تو اس کی شادی نہ کرتی کسی کی بیٹی کی زندگی یوں برباد نہ کرتی۔ لیکن میں داد دیتی ہوں اس ماں کو جس نے تمہاری اتنی اچھی تربیت کی کہ حرف شکایت زبان پر نہ لائی۔ وہ اسے سینے سے لگائے دل کی بھڑاس نکال رہیں تھیں۔ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر رہیں تھیں۔ ان کا ضمیر کچوکے لگاتا تھا۔ ہتھوڑے کی طرح دل پر ضرب پڑتی تھی اور وہ تڑپ جاتیں، اور جب ندا کو بیوہ جیسی زندگی گزارتے دیکھتیں تو دل خون کے آنسو رونے لگتا۔

مہر النساء کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں، کامران، عدنان، آمنہ، کلثوم اور عمران۔ عمران بچپن میں بہت بیمار رہتا تھا، جس کی وجہ سے وہ جوان ہو کر بھی اس کمزوری کا شکار رہا۔ مہر النساء سب سے زیادہ اس کا خیال رکھتیں، مگر وہ اتنا نازک مزاج ہو چکا تھا کہ ذرا سی سرد یا گرم ہوا چلتی وہ بیمار پڑ جاتا مہر النساء نے اسے ہاتھ کا چھالا بنا کے رکھا تھا۔

وہ بھی ماں کے پلو سے باندھا رہتا تھا، سکول، کالج کے لیے اس کے ساتھ ایک ملازم بیگ اٹھائے اور دیکھ بھال کے لیے جاتا تھا۔ دونوں بیٹیوں اور بیٹوں کی شادی انہوں نے کم عمری میں ہی کر دی تھی لیکن عمران پچیس کا ہو گیا تھا وہ اس کی شادی کے بارے میں سوچتیں بھی نہ تھیں۔

کامران کی بہو نئے لوگوں میں سے تھی اور عدنان کی بیوی اس کی بھانجی تھی، مہر النساء تیز اور نازک مزاج کی تھیں۔ بہو بیٹوں پر کڑی نگاہ رکھنے والی انہوں نے بہوؤں پر اتنی سختی کی کہ وہ ان کے خلاف ہو گئیں اور ان کے بیٹوں کو اپنے کنٹرول میں کر لیا۔ بڑی بہو کامران کو لے کر الگ شفٹ ہو گئی اور یاسمین رہی تو اسی گھر میں مگر وہ خالہ کا خون تھی برابر کی چوٹ، ان کی ایک بات کے دس جواب دیتی پھر بھی تسلی نہ ہوتی۔ اس نے اپنا کچن الگ کر لیا۔ پھر وہ دونوں بہوئیں ان سے نالاں تھیں

اب سب عمران کی شادی کے بارے میں ان پر زور ڈالتے مگر وہ خاموش رہتیں، مگر شوہر نے انہیں مجبور کر دیا اور وہ ایسے گھر کی تلاش میں تھیں، جو حیثیت میں ان سے ذرا کم ہو، اور جلد ہی انہیں ایسا گھر مل گیا۔

لڑکی خوب صورت تھی، جھٹ منگنی اور پٹ بیاہ...... ندا اپنی حیثیت کے مطابق جہیز بھی لائی مگر ساس کی ناک کے نیچے نہ آیا۔ وہ اسے دبا کر رکھتیں، اور دونوں بہوؤں کا غصہ بھی اسی پر نکالتیں۔ غرض وہ ان کے عتاب کا نشانہ بنی رہتی۔ اس نے یہی بس نہیں کیا، وہ عمران کو زیادہ سے زیادہ اپنے قریب رکھتیں۔ ایک تو وہ بچپن میں بہت بیمار رہا تھا دوسرا وہ ان کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا، جو لمحے وہ بہو کے ساتھ گزارتا وہ سانپ بن کر لوٹتے۔ وہ ندا کو میکے بھی کم جانے دیتیں اور اپنے جال سے نکلنے نہ دیتیں۔ ندا کی والدہ بیمار تھیں وہ گھر جانا چاہتی تھی مگر ساس کی اجازت نہ ملی۔ تو وہ عمران سے الجھ پڑی۔ اس نے کہا امی اجازت دیں تو چلی جاؤ۔ وہ ماں کے اشاروں پر چلتا تھا، ان کی مرضی کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں بولتا تھا۔ اس کی عمران کے ساتھ جھڑپ ہوگئی۔ اس نے صاف لفظوں میں کہہ دیا۔

میں گھر جاؤں گی عمران اگر مجھے کسی نے روکنے کی کوشش کی تو میں ساری زنجیریں توڑ کر چلی جاؤں گی، بہت ہو چکا اب میں اس خاندان میں نہیں رہ سکتی۔ اگر میں تم سے کہوں نہ جاؤ تب بھی...... عمران کا اعتبار قابل حیرت تھا...... اپنے بھائیوں کو دیکھ لیں کیسے بیویوں کا دم بھرتے ہیں عیش کر رہے ہیں ان پر کوئی پابندی نہیں ہر ظلم مجھ پر ہی کیوں ٹوٹتا ہے۔ اگر آپ ان زیادتیوں کے خلاف سپر بن جاتے تو میں تمام دنیا سے لڑ جاتی۔ کسی کی پروا نہ کرتی مگر اب میں کسی کی نہیں سنوں گی، وہ خفا ہو کر لیٹ گئی۔

عمران نے اسے منایا۔ سمجھایا مگر وہ نہ مانی۔ عمران صبح ہی کہیں چلا گیا، اس کی ماں آئیں اور ندا کو احساس دلوایا کہ وہ اس پر ظلم توڑ رہی ہے۔ وہ کوئی زر خرید نہیں اور نہ ہی لاوارث جو ایسا سلوک ہو رہا ہے اس کے ساتھ۔ کافی ضد بحث کے بعد وہ اسے لے گئیں۔ جب وہ گھر آیا تو ماں نے شکایت کی کہ ندا چلی گئی۔ عمران نے جواب دیا۔ اسے یہ ہی کرنا چاہیے تھا۔

کیوں تمہیں افسوس نہیں ہوا؟

افسوس کس بات کا اسے یہ ہی کرنا چاہیے تھا اس گھر نے اسے دیا ہی کیا تھا؟

مہر النساء چکرا کر رہ گئیں یہ کیا ہو رہا تھا۔ شوہر سے بات کی تو الٹا انہوں نے ان کو ہی سنائیں۔ وہ ہکا بکا رہ گئیں یہ کیا ہو گیا تھا۔ سب نے آنکھیں پھیر لی تھیں، عمران کو ندا کے بغیر کمرہ سونا لگتا، اس کا دل گھبرانے لگتا اور پھر وہ ایک دن خاموشی سے کاغذ کے ایک ٹکڑے پر اپنے جانے کی اطلاع لکھ کر چلا گیا۔ ماں نے پڑھا تو بلک پڑیں۔

کہاں کہاں تلاش نہ کیا لیکن وہ نہ ملا ندا نے سنا تو اس کے پیروں کے تلے زمین نکل گئی۔ مہر النساء تڑپتی ہوئیں اس کے پاس گئیں اسے سینے سے لگا کر رو دیں۔ اس نے ایک دو نہیں پورے سال تک پلٹ کر نہ دیکھا وہ ندا کے پاس آتیں۔ پیار کرتیں دل کی باتیں کرتیں معافی مانگتی اور اس کو ساتھ لے جانے کی ضد کرتیں۔

ندا خاموشی سے سنتی کچھ نہ کہتی تب وہ خود ہی کہتیں، اب کس لیے جاؤ گی جس کے حوالے سے گئی تھی وہ ہی نہ رہا۔ جانے کہاں چلا گیا ہے...... ماں کا خیال بھی نہ آیا۔ جانے کب پلٹے گا۔ وہ آہ بھرتیں میرا گھر سونا ہو گیا ہے۔ بٹی اگر تم یہاں نہ آتی تو شاید عمران کہیں نہیں جاتا، جب تک عمران خود لینے نہیں آتا میں نہیں بھیجوں گی۔ ندا کی ماں نے مہر النساء سے کہا تو وہ سر جھکا کر رہ گئیں۔

پھر ایک نہیں کئی عیدیں گزریں مگر وہ نہیں آیا۔ رمضان المبارک کا چاند وہ ندا کے ساتھ ہی دیکھتیں اور عیدیں بھی اس کے ساتھ کرتیں۔ عید کی صبح دل عجیب سا ہو رہا تھا۔ اسے اپنی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ اس کا دل چاہا رہا تھا کہ وہ اچھی طرح تیار ہو جیسے عمران نے آنے کی اطلاع دی ہو مگر اس نے دل کی دھڑکنوں کا شور سنا ہی نہیں۔ وہ پھر پرانے کپڑے پہن کر عید کی نماز ادا کی اور خاموشی سے آ کر بیٹھ گئی۔

اس کی آنکھیں دروازے پر لگ گئی تھیں اور وہ ہر آہٹ پر چونک جاتی اور تب اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ پانچ سال پورے پانچ سال بعد عمران اس کے سامنے کھڑا تھا۔ کتنی دیر وہ بیٹھی اسے تکتی رہی اور پھر ایک دم اٹھی اور اس کی طرف دوڑی عمران نے اپنی بانہیں پھیلائیں۔ لیکن وہ اس کے قریب جا کر رک گئی۔ وہ خفا سی کھڑی رہی۔

ندا رک کیوں گئی...... ادھر آؤ...... یا یقین نہیں آ رہا اپنی آنکھوں پر......

نہیں سنی...... مجھے آپ کی کوئی بات...... وہ روٹھے لہجے میں بولی۔ تب ہی اس کی والدہ بھاری مردانہ آواز پر کچن سے نکلیں اور وہ بھی سکتے کی کیفیت میں کھڑی تھیں۔ طویل وقفے بعد ان کے لب ہلے......

عمران......

جی امی میں...... لوٹ آیا ہوں......

اس نے جھک کر ان کو سلام کیا تو انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے سینے سے لگا لیا۔ جبکہ ندا پلٹ کے لاؤنج میں چلی گئی۔

جھٹ پٹ اس کی آمد پر کھانے کا خصوصی اہتمام کیا گیا۔ اتنے میں مہر النساء چلی آئیں۔ ندا بیٹی طبیعت خراب تھی دیر ہو گئی...... عید مبارک بیٹی...... اور تب ہی ان کی نظر عمران پر پڑی تو وہ اس کی طرف لپکیں اور وہ بھی ماں کی طرف اور وہ ان کے سینے سے لگ گیا۔

ماں اسے سینے سے لگائے اسے ڈانٹتی رہیں اور آنسو بہاتی رہیں اور ندا کے بارے میں بھی بتاتی رہیں۔ ابا بھائی نماز کے بعد لوگوں سے ملنے ملانے کے بعد کافی دیر بعد آئے تو اسے دیکھ کر نا صرف حیران ہوئے بلکہ خوش بھی وہ اس سے بغل گیر ہو گئے۔

گھر میں عید کی خوشیاں دو بالا ہو گئی تھیں اور تب اس نے بتایا وہ ابا کے مشورے سے دبئی چلا گیا تھا۔ کیونکہ ابا نے وہاں نیا بزنس سیٹ کیا تھا۔ جس کے لیے اسے وہاں بھیج دیا اور گھر میں کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی اور اب مکمل طور پر اپنے قدموں پر کھڑا ہو کر لوٹا ہوں۔

اپنے فیصلے خود کر سکتا ہوں...... لیکن میں بہت معافی چاہتا ہوں کہ آپ سب کو اذیت دی۔ لیکن اچھے دنوں کے لیے یہ سب ضروری تھا۔ جب سکھ کے دن آئیں تو دکھ کے سب لمحے بھول جاتے ہیں۔ میری بھی یہ ہی گزارش ہے کہ گزرتے دنوں کو بھول کر اچھے وقت کا استقبال خوش دلی سے کریں۔ اس کی بات پر سب کا قہقہہ نکلا...... تب مہر النساء نے ندا کی ماں سے کہا۔

بہن اب تو عمران خود ندا کو لینے آیا ہے آپ کی یہ ہی ضد تھی ناں...... تو اب میری بیٹی گھر بھیج دیں۔ اس کے بنا گھر بہت سونا ہے......

وہ ایک دم سے مسکرا دیں، میری طرف سے اجازت ہے اپنی بیٹی کو لے جا سکتی ہیں۔

ندا آؤ اپنے گھر چلتے ہیں عمران نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ مسکرا دی۔

رات کے بعد کی سحر بہت خوب صورت تھی! بہت حسین۔ عید نے اس کا دامن خوشیوں سے بھر دیا تھا۔ اسے لگا وہ آج رخصت ہو کر اپنے گھر جا رہی ہو......

☆☆☆

افسانہ

دعائیں رد نہیں ہوتیں

جویریہ ضیاء

کبھی کبھی انسان اپنے ہی ہاتھوں
اپنی قبر کھود لیتا ہے، اس نے بھی ایسا ہی کیا
کیوں کہ وہ رشتوں کے تقدس سے نا آشنا تھی۔

ایک لڑکی کی کہانی جسے آخر کار چاہتوں نے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا

آج دنیا نے ستم ڈھائے تو دل ٹوٹ گیا
تیری باتیں ترا انداز وفا یاد آیا
کاش ہم تم کو منا لیتے نہ جانے دیتے
مدتوں بعد یہ احساس خطا یاد آیا

وہ جلدی جلدی ہیئر برش کر رہی تھی کیونکہ اس کو پتا تھا کہ ابشام کسی بھی وقت اس کو پک کرنے آنے والا ہے۔ اتنے میں ابشام کی آواز ضحیٰ کے کانوں سے ٹکرائی۔

ضحیٰ! کہاں ہو تم، چلو ویسے ہی یونیورسٹی سے بہت لیٹ ہو گئے ہیں۔

ہاں آ رہی ہوں ابشام وہ جلدی جلدی بھاگتی ہوئی بیگ اٹھاتی نیچے آ گئی۔

آج پہلے ہی دن تم نے لیٹ کروانا ہے۔ وہ برا سا منہ بنائے ضحیٰ کو دیکھ رہا تھا۔

ایکسکیوزمی! آپ بھی دیر سے ہی آئے ہیں ویسے مجھے پک کرنے، ضحیٰ کا مزید برا منہ ہوگیا۔

جب تمہارا کوئی میسج ہی نہیں آیا تو ظاہر ہے مجھے خود ہی آنا پڑا!! ابشام تقریباً غصے سے بولا۔

ان کی لڑائی کی آواز سن کر مسز توقیر باہر آگئیں۔

ارے بچوں! تم لوگ ایسے ہی لڑتے رہو گے تو آج کوئی بھی کلاس نہیں لے پاؤ گے۔ جلدی جاؤ۔ اللہ تم دونوں کو اپنی امان میں رکھے......

مسٹر اینڈ مسز توقیر ایک عالیشان زندگی گزار رہے تھے۔ گھر میں نوکر چاکر کے ساتھ ساتھ دنیا کی ہر آسائش موجود تھی۔ لیکن دونوں میاں بیوی فیملی ویلیوز رکھنے والے انتہائی سادہ طبیعت کے مالک تھے۔ ان کے تین بچے طاہر، اطہر اور ضحیٰ تھے۔

طاہر نے اپنا MBA مکمل کر کے والد صاحب کے بزنس میں ہی دل لگایا تھا۔ اطہر نے انجینئرنگ کر لی تھی۔ لیکن اسے دبئی جانے کا شوق تھا تو وہ دبئی میں جاب کر چکا تھا۔

طاہر اور اطہر میں ڈیڑھ سال کا فرق تھا۔ جب کہ ضحیٰ اطہر سے تقریباً پانچ سال چھوٹی تھی۔ گھر میں سب سے چھوٹی ہونے کے ناطے اس میں بے جا ضد اور نخرے بھرے ہوئے تھے۔ اپنی من مانی کرنے والی لڑکی تھی۔ جس کی کسی بھی ضد اور فرمائش کو کوئی رد نہیں کر پاتا تھا۔ جبکہ اس کے برعکس اس کے بھائی کافی سلجھے ہوئے اور سادہ تھے۔ شاید اس کا اکلوتا ہونا اس کی طاقت تھی۔

دوسری طرف ابشام کے والدین مسٹر اینڈ مسز سرور تھے۔ روپے پیسے کی ان کے پاس بھی کوئی کمی نہ تھی۔ مسٹر توقیر اور مسٹر سرور بزنس پارٹنر اور بچپن کے دوست تھے۔ جن کی دوستی انتہائی مثالی تھی۔ بزنس پارٹنر بننے کے باوجود بھی ان دونوں کے بیچ میں منافع کو لے کر کبھی دراڑ نہ آئی۔ دونوں اپنا کام بے حد ایمانداری سے کر رہے تھے۔ مسٹر اینڈ مسز سرور کے دو بچے بڑی سحر اور دوسرا ابشام تھا۔ سحر اور اطہر کی پسندیدگی دیکھتے ہوئے ان کی منگنی کر دی گئی تھی اور اطہر کی واپسی پر شادی کا ارادہ تھا اور ابشام اور ضحیٰ ہم عمر تھے جن کی سکولنگ، کالج اور اب یونیورسٹی سب ساتھ ہی ہوا تھا۔ دونوں ہی پڑھنے میں بہت اچھے تھے اور ایک ہی فیلڈ میں دلچسپی رکھنے کی وجہ سے ایک دوسرے کی خوب مدد کرتے تھے۔

ابشام کو بچپن سے ہی چھوٹی سے گرین آنکھوں والی اور لمبے بالوں والی ضحیٰ بہت اچھی لگتی تھی اور یہ پسند محبت میں کیسے بدل گئی اس کو احساس ہی نہیں ہوا جبکہ ضحیٰ کا ماننا یہ تھا کہ میں نے ابشام جیسے سیدھے سادھے بندے سے شادی نہیں کرنی۔ میرے لیے تو کوئی ہیرو آئے گا......

گھر والے ابشام کی پسند سے واقف تھے اور کسی کو کوئی اعتراض نہ تھا، سوائے ضحیٰ کے......

جیسے ہی وہ دونوں یونیورسٹی پہنچے وہاں کا ماحول الگ ہی پایا۔ ہر کوئی اپنے آپ میں مگن، کہیں پارٹیز تو کہیں رائیڈنگ......

اف......اب چار سال ہمیں یہیں گزارنے پڑیں گے ابشام بڑبڑایا......

پاگل لڑکے یہاں صرف بڑے خاندان کے ہی بچے پڑھنے آتے ہیں۔ ہماری جیسی فیملیز ہی یہ یونیورسٹی افورڈ کر سکتی ہیں۔ اس لیے تو میں نے اس یونیورسٹی کا انتخاب کیا ہے۔ شاید میرا پرنس بھی یہیں مل جائے۔ ایک قہقہے کے ساتھ وہ گاڑی سے اتر گئی اور ابشام اسے کوئی جواب نہ دے سکا۔

ابشام سیدھی سادھی طبیعت کا مالک تھا اس لیے اسے زیادہ لوگوں سے الجھن ہوتی تھی۔ جب کہ ضحیٰ چاہتی تھی کہ ہر وقت اس کے آس پاس میلہ لگا رہے۔

خیر اب تو ابشام کو ایڈجسٹ کرنا ہی تھا۔

وقت گزرتا گیا پہلا سمسٹر سر پر تھا۔ دونوں جان توڑ

محنت کر رہے تھے..... آخری پیپر والے دن سب بہت جشن منا رہے تھے۔ کیونکہ سمسٹر گیا ہی اتنا اچھا تھا۔ دونوں دوستوں کا گھر پر پارٹی کا پلان تھا۔ ابشام کی بچپن سے صرف دو ہی دوست تھیں ایک اس کی آپی سحر اور دوسری ضحیٰ۔ اس نے کبھی کوئی تیسرا دوست بنانے کے بارے میں سوچا ہی نہیں تھا۔ جبکہ ضحیٰ کے دوستوں کی تعداد کی فہرست اس کے قد سے بھی بڑی تھی۔

ابشام میں سوچ رہی ہوں حرا، حمزہ اور سارہ کو بھی بلا لوں وہ لوگ بھی تو سمسٹر سے آزاد ہوئے ہیں۔ کال ریسیو کرتے ہی ضحیٰ نے بولنا شروع کر دیا۔

نہیں ضحیٰ یہ ہماری پارٹی ہے۔ ہم فرینڈز میں کسی تھرڈ پرسن کا کیا کام؟ ابشام نے سمجھایا۔

وہ کوئی تھرڈ پرسن نہیں ہیں میرے فرینڈز ہیں ضحیٰ ناراض ہوئی۔

اگر تم مجھ سے پرمیشن لے رہی ہو تو میں یہ نہیں برداشت کر سکتا کہ ہماری دوستی کے بیچ میں کوئی آئے۔ ابشام بھی ناراض ہو کر بولا۔

پرمیشن؟ مائی فٹ..... تم ہوتے کون ہو مجھے کسی بھی چیز سے روکنے والے۔ میرا جو دل کرے گا میں وہ ہی کروں گی، تمہیں آنا ہے آؤ، نہیں آنا تو مت آؤ۔ بائے!

اتنا کہہ کر ضحیٰ موبائل پٹخ چکی تھی اور ابشام سوچ میں پڑ گیا تھا کہ جائے یا نہ جائے۔ لیکن اس کے دوست بہت عجیب سی باتیں کرتے ہیں۔ میں کیسے اتنی دیر رہ سکوں گا ان کے ساتھ۔ لیکن ابشام کو ضحیٰ کی خوشی کا خیال آیا تو وہ آخر کار دل کے ہاتھوں مجبور ہو گیا۔

مجھے صرف ضحیٰ کی خوشی عزیز ہے۔ میں اس کے لیے ہی چلا جاؤں گا۔ تو کیا ہوا اگر وہ عجیب عجیب سی باتیں سن لوں گا تھوڑی دیر لیکن میری ضحیٰ ناراض نہیں رہے گی۔ بس وہ یہی سوچتے ہوئے کپڑے نکالنے لگا۔

بیٹا وہ تو اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ گھومنے گئی ہے۔ آٹھ بجے ابشام ضحیٰ کے گھر پہنچا تو مسز توقیر نے ابشام کو بتایا تھا۔

لیکن آنٹی ہمارا تو گھر پر ہی سیلیبریٹ کرنے کا پلان تھا۔ ابشام دکھی ہوا تھا۔

ہاں بیٹا میں نے بھی اس سے تمہارا پوچھا تھا لیکن اس نے کہا کہ تمہیں کچھ کام ہے۔ مسز توقیر فکر مند ہو گئی تھیں۔ کیونکہ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ ضحیٰ، ابشام کے بغیر ہی کہیں گھومنے نکلی تھی۔

اچھا آنٹی میں چلتا ہوں، آپ ضحیٰ کو بتایئے گا نہیں کہ میں آیا تھا۔ میں اس کا موڈ خراب نہیں کرنا چاہتا۔ وہ دکھ اور حیرت کی ملی جلی کیفیت لیے گھر واپس آ گیا۔

سمسٹر بریک تھا۔ ایک ہفتے تک ان دونوں کی کوئی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

ہاں ابشام نے کئی بار ضحیٰ کو کال کی کہ معذرت کر لیتا لیکن ضحیٰ اس کا فون سنے بغیر ہی کاٹ دیتی اور نہ ہی میسج کا جواب دیتی۔

ضحیٰ کو منانے کا طریقہ سوچتے ہوئے اسے گھنٹوں لگ گئے تھے۔ لیکن کوئی ترکیب کسی طور نہ سمجھ آئی تھی۔ وہ ان ہی سوچوں میں گم رہتا تھا۔

سحر آپی! کیا میں اندر آ جاؤں؟ ہاں ابشام اندر آؤ، کیا بات ہے؟ سحر آپی گویا ہوئیں۔

اگر آپ بزی ہیں تو میں بعد میں آ جاتا ہوں، سحر کو کال پر بات کرتے دیکھ کر ابشام کو شرمندگی ہوئی۔

ارے نہیں اطہر کی کال تو دن میں چار، پانچ بار آ جاتی ہے، ہاں آج کل میرا بھائی کچھ عجیب سی ٹینشن کا شکار نظر آتا ہے۔ سحر آپی پریشان ہوتے ہوئے بولیں۔

ہاں آپی! میں واقعی تھوڑا پریشان ہوں، ابشام کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

تو کیا پریشانی ہے میرے بھائی کو؟ مجھے بتاؤ میں حل کرنے کی کوشش کروں گی۔ آپی آپ واقعی پریشان ہو رہی تھیں۔ ہمیشہ خوش رہتا والا بھائی کچھ دکھی تھا۔

آپی آپ جانتی ہیں نا کہ میں ضحیٰ کو بہت پسند کرتا ہوں اور شادی بھی کرنا چاہتا ہوں، ابشام گویا ہوا تو سحر نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ میرے بھائی یہ تو ہم سب جانتے ہیں۔ توقیر انکل، آنٹی کی بھی یہی خواہش ہے۔ اس میں پریشانی کی کیا بات ہے بیٹا؟ آپی بے شک سب یہی چاہتے ہیں لیکن جس کو چاہنا چاہیے صرف وہ ہی نہیں چاہتی۔ ابشام افسردہ ہوا۔

کیا مطلب ابشام؟ کھل کے ٹھیک سے بتاؤ۔ اس بار سحر نے تقریباً ڈانٹا تھا۔

آپی جی! میں نے کئی بار ضحیٰ کو سمجھایا ہے کہ وہ میری قسمت میں ہے لیکن ہر بار اس نے نا صرف انکار کیا ہے، بلکہ میری بے عزتی بھی کی ہے۔ بقول اس کے اسے میرے جیسے شخص میں کوئی انٹرسٹ نہیں۔

اسے کسی فلم کا ہیرو چاہیے جس کے ساتھ اس کی اپنی پرسنلٹی سوٹ کرے۔ مجھ جیسے سیدھے سادھے لڑکے کے ساتھ اس کا کوئی میچ نہیں بنتا۔ آپی اب اس کو میری دوستی بھی اچھی نہیں لگتی۔ مجھ سے دور بھاگتی ہے۔ حتیٰ کہ اس نے اب میرے بغیر آؤٹنگ کے پلان بنانے شروع کر دیئے اور سب سے پریشان کن بات میرے لیے یہ ہے کہ اس کے گروپ میں جو لڑکا ہے حمزہ وہ ویسا ہی ہے جیسا ضحیٰ چاہتی ہے۔

آپی میں ضحیٰ کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میں مر جاؤں گا۔ ایک ہفتے سے ضحیٰ نے مجھ سے بات نہیں کی ہے۔ میرا فون نہیں پک کرتی۔ میں کیا کروں آپی آپ ہی بتائیں۔ ابشام کی آنکھوں سے باقاعدہ آنسو بہہ رہے تھے اور وہ اپنی دھن میں بولے جا رہا تھا۔

وہ چپ ہوا تو آپی بولیں ابشام یہ تو واقعی پریشانی کی بات ہے اور میں تمہاری فیلنگز سمجھ سکتی ہوں۔ لیکن تمہیں تو یہ سوچنا ہی نہیں چاہیے کہ ضحیٰ کی شادی کسی اور سے ہوگی۔ کیونکہ توقیر انکل پاپا کو زبان دے چکے ہیں اور تمہیں پتا ہے کہ وہ اپنے اصول کے بہت پکے ہیں۔

میرے معصوم بھائی تم پریشان نہ ہوا ایسا کچھ نہیں ہوگا اور اگر ایسا ہوا تو میں اطہر سے شادی نہیں کروں گی۔

اللہ نہ کرے آپی! آپ ایسے کیسے کر سکتی ہیں۔ آپ ایسا کچھ نہیں کریں گی۔ میں اتنا بے غیرت بھائی نہیں ہوں جو اپنی خوشیوں کے لیے بہن کی خوشی کا خون کر ڈالوں۔ آپ کو میری قسم ہے آپ ایسا سوچیں گی بھی نہیں اب کبھی بھی، وہ چلایا تھا۔

میری قسمت میں جو ہو سو ہو میں آپ کو آپ کی زندگی کے ساتھ کھیلنے کی اجازت نہیں دوں گا۔ یہ کہہ کر پیر پٹختا ہوا باہر چلا گیا اور وہ اسے حیرت سے دیکھتی رہ گئی۔

وقت کا کام ہے گزرنا اور وہ گزر ہی جاتا ہے۔ اچانک سے مسٹر توقیر کے گھر میں طاہر کی شادی کا شور اٹھا۔ ضحیٰ کی یونیورسٹی کو تین سال مکمل ہو چکے تھے اور ضحیٰ کی ایک دوست صنم جو ایک دو بار صرف نوٹس کے لیے گھر آئی تھی۔ اس کم گو اور سیدھی شرمیلی لڑکی نے طاہر کے دل پر دستک دی تھی اور اتفاق سے وہ مسٹر توقیر کے کوئی پرانے دوست کی بیٹی نکلی تو رشتہ کرنے میں کوئی مسئلہ ہوئے بغیر پکا ہوا اور اب صنم کی پڑھائی پوری کروانے کے وعدے پر چھٹے سمسٹر میں ہی شادی کا فیصلہ کر دیا گیا۔

اب جلدی جلدی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔ سب سے زیادہ ضحیٰ کی تیاریاں تھیں، ظاہر ہے کہ اکلوتی بہن ہونے کے ناطے اس کی تیاری ہی الگ ہوتی تھی۔ پھر اطہر نے بھی آنے کا پلان بنایا تو مسٹر سرور نے سحر کی شادی کی پیشکش کر ڈالی۔ بس ضحیٰ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں رہا تھا۔ اس کے دونوں بھائی دولہا بننے والے تھے وہ بھی ایک ساتھ۔ یہاں ابشام کے گھر میں بھی تیاریاں زور و شور سے ہو رہی تھیں۔ دونوں گھروں میں گانے ڈھول، ہنگامے اور سب سے زیادہ تھکن ہو رہی تھی۔

لیکن دونوں گھروں میں خوشی برابر کی تھی۔ مہندی والا دن آیا اور آج ابشام نے پختہ ارادہ کیا ہوا تھا کہ ضحیٰ کو شادی کے لیے پرپوز کر ہی دے گا۔ یلیو اور اورنج کامبینشن کا گوٹے کے کام کی شارٹ شرٹ پر اونچی کیپری پہنے وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ لمبے بالوں میں گولڈن اسٹریکس کروائے گئے تھے۔

آج تو میں بس اس کو اپنا کر کے ہی دم لوں گا۔ ابشام نے دل میں سوچا۔ مہندی کلر کے کرتے پر یلیو چنری ڈالے وہ بھی بہت ہی ہینڈسم لگ رہا تھا۔ خوب ڈانس اور ہنگاموں کے بعد کھانا لگایا گیا۔ سب لوگ بزی تھے۔ ابشام ضحیٰ کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی اس کو ڈریسنگ روم میں لے آیا تھا۔

چھوڑو ابشام تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ میں سمجھی تھی کہ ان تین سالوں میں تمہارا دماغ جگہ پر آ گیا ہو گیا۔ لیکن تم نے تو آج حد ہی کر دی۔ دفع ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے۔ میں نے حمزہ سے شادی کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ضحیٰ انتہائی غصے کے عالم میں بول رہی تھی اور ابشام کا ہاتھ جو ایک انگوٹھی نکالنے کے لیے اس کی جیب میں گیا تھا وہ وہیں رہ گیا۔

اس کے ان الفاظ نے ابشام کا دل مکمل طور پر چکنا چور کر دیا تھا۔ ابشام نے سوچا تھا کہ شاید اس نے دور رہ کر ضحیٰ کے دل میں گھر کر لیا ہو گا۔ لیکن ضحیٰ تو اسے مکمل طور پر ہی بھول چکی تھی اور نہ صرف یہ بلکہ اس نے تو اپنا لائف پارٹنر بھی چن لیا تھا۔

اب کیا ہو گا؟ مما، پاپا کیا سوچیں گے؟ میں آپی کو شادی سے پہلے کچھ نہیں بتاؤں گا انہی سوچوں میں وہ رات گزر گئی۔ اس کا دل بری طرح سے ٹوٹ چکا تھا۔ وہ خوش رہنے کی ناکام کوششوں میں لگا ہوا تھا۔

بلآخر شادی کا دن آیا تھا اور سحر آپی سسرال جا رہی تھیں۔ ابشام اس دن سحر سے مل کر بہت رویا تھا اور اس نے یہ فیصلہ بھی سنا دیا تھا کہ وہ تعلیم مکمل ہوتے ہی دبئی آ جائے گا۔ سب حیرت میں تھے جو بیٹا کبھی اپنے ماں باپ سے دور رہنے کا تصور بھی نہ کرتا تھا وہ نہ صرف جانے بلکہ مکمل طور پر وہاں شفٹ ہونے کا کہہ رہا تھا۔

لیکن سب چپ رہے۔ شاید سب ہی ضحیٰ کے ارادوں کو سمجھ چکے تھے۔ سب خاموش تھے۔ بس ایک ضحیٰ ہی خوش تھی...... جیسے تیسے تعلیم مکمل ہوئی تو ابشام نے دبئی جانے کا شور مچا دیا۔

مسٹر سرور خفا ہوئے تھے کہ ضحیٰ سے شادی کر لے پھر چلا جائے۔ لیکن ابشام نے اپنی طرف سے منع کر دیا تھا کہ وہ ضحیٰ سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔ وہ یہ بات کس دل سے بول رہا تھا یہ صرف وہ ہی جانتا تھا۔ اس کی اس بات سے سب خفا تھے لیکن ضحیٰ بہت خوش تھی کیونکہ ابشام نے اس کا کام اور آسان کر دیا تھا۔ جو بات وہ خود کرنا چاہتی تھی وہ ابشام نے ہی کر دی تھی۔

دبئی گئے ہوئے اسے ایک مہینہ ہو گیا تھا۔ وہ وہاں

غزل

گزرے گا ساون بھی یادوں کے سہارے
بھیگ رہا ہوں برکھا میں وعدوں کے سہارے
کلیوں کے سنگ بھیگتی یہ جوانی اس کی
جو ہنستا بھی ہے تو گلابوں کے سہارے
گھنگھور گھٹا میں بھیگتی تیری ریشمی زلفیں
زندہ ہوں آج بھی ان خوشبوؤں کے سہارے
نشیلے اس کے نین ہیں یا اڈتی برکھا
جو بسا ہے دل میں آنکھوں کے سہارے
دائمی ساتھ ہو تیرا اس برکھا میں عنبرین
جیت ہو گی پھر محبت کی وعدوں کے سہارے
(عنبرین اختر لاہور)

سیٹ ہونے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔ ڈگری کے بعد ضحیٰ کے لیے حمزہ کا رشتہ آیا تھا۔ وہ بھی بڑے اور پیسے والے باپ کی اکلوتی اولاد تھا۔ جس کے آگے پیچھے ہر وقت لڑکیوں کا گھیرا ہوتا تھا۔ جس کے پاس پیسہ ہونے کی وجہ سے شوق بھی عجیب تھے۔ ہر دوسری لڑکی سے فلرٹ، اسموکنگ، ڈرنکنگ جیسے اس کے لیے کوئی عام سی بات تھی۔ ضحیٰ ان باتوں سے باخبر تھی۔ لیکن اسے تو صرف اس کی پرسنلٹی ہی اٹریکٹ کر رہی تھی اور وہ اس کی لکس کی محبت میں گرفتار تھی۔

منگنی کی تاریخ طے ہو چکی تھی۔ آج کل ضحیٰ ہواؤں میں اڑ رہی تھی۔ سب لوگ ضحیٰ کی خوشی میں خوش تو تھے لیکن دل سے چاہتے تھے کہ ابشام واپس آئے اور ضحیٰ کو اپنی دلہن بنا لے۔ ابشام کو اس بات کا علم ہو گیا تھا لیکن وہ واپس نہیں آنا چاہتا تھا۔

سحر اور اطہر تین دن کے لیے صرف منگنی اٹینڈ کرنے آئے تھے۔ ساری تیاری صنم اور طاہر نے کی تھی۔ آخر ان کی چھوٹی سی گڑیا بڑی ہونے جا رہی تھی۔ ضحیٰ کی خوشی کی خاطر کسی نے یہ نہیں سوچا تھا کہ حمزہ کے بارے میں کچھ پتا لگایا جائے۔

بہر حال شادی چھ ماہ بعد ہونی تھی سب ہی لوگ مطمئن نظر آتے تھے۔ لیکن ابشام پر زندگی تنگ ہوتی جا رہی تھی۔ وہ جتنا ضحیٰ کو بھولنے کی کوشش کرتا وہ اتنا ہی اسے اپنی یادوں میں جکڑ لیتی۔ ابشام کام میں بزی رہتا لیکن ضحیٰ کا خیال کبھی بھی دل سے نہ جاتا۔

ظاہر ہے بچپن کی محبت کو دل سے بھلانا بہت آسان نہ تھا۔ وہ نارمل ہونے کی کوشش کر رہا تھا......

میں نے تمہارے لیے ایک لڑکی دیکھی ہے رسمی سلام دعا کے بعد مما نے فون پر ہی ابشام پر بم پھوڑا تھا۔ لیکن کیوں مما؟ ابشام نے بے وجہ ہی سوال کیا تھا۔

کیوں کا کیا مطلب ہے بیٹا؟ کیا تمہیں شادی نہیں کرنی؟ خیر سے تم کافی حد تک سیٹل ہو چکے ہو۔ تمہارے ماموں امریکہ سے آئے ہوئے ہیں، ان کی چھوٹی بیٹی سندس مجھے بہت اچھی لگی ہے۔

مما کوئی کیسی بھی ہو لیکن ضحیٰ جیسی نہیں ہو سکتی، پہلی بار ابشام کی زبان پر دل کی بات آئی تھی۔ مما میں آپ کو کہہ رہا ہوں آپ میری فکر چھوڑ دیں۔ اگر زندگی میں کبھی مجھے ضرورت محسوس ہو گی تو سوچ لوں گا اس بارے میں لیکن ابھی آپ پلیز مجھے فورس نہ کریں یہ کہہ کر ابشام فون رکھ چکا تھا اور مما پریشان دل کے ساتھ ساکت کھڑی رہ گئیں تھیں۔

☆☆☆

گڑیا گڑیا کہاں ہو تم؟ طاہر بھائی نے گھر میں داخل ہوتے ہی ضحیٰ کو آوازیں دی تھیں۔

جی بھائی آپ نے بلوایا؟ ضحیٰ جو کہیں جانے کی تیاری میں تھی بھاگ کر آئی تھی۔ طاہر کچھ پریشان لگ رہا تھا۔ ضحیٰ آج تمہاری حمزہ سے کچھ بات ہوئی ہے۔

نہیں بھائی کیوں؟ طاہر کے اس اچانک سوال پر ضحیٰ کچھ ٹپٹا سی گئی تھی۔

بتائیں نا بھائی کیوں پوچھ رہے ہیں۔ آج تو حمزہ ایک بزنس میٹنگ کے لیے شہر سے باہر گیا ہے اور کل واپس آئے گا۔

اچھا! پھر تم اس کو ابھی کال کرو میرے سامنے اور سپیکر آن کر کے بات کرو۔ طاہر غصے سے بولا تھا۔

لیکن بھائی بات کیا ہے؟ آپ مجھے بتا کیوں نہیں رہے؟ آپ کو مجھ پر بھروسہ نہیں ہے کیا؟ ضحیٰ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔

میری گڑیا مجھے تم پر بھروسہ ہے اور دنیا میں عزیز تر ہو تم مجھے۔ اس لیے یہ سب تم سے کہہ رہا ہوں۔ طاہر کا لہجہ نرم پڑ چکا تھا۔ وہ کوئی میٹنگ کے لیے کہیں نہیں گیا۔ میں ابھی آتے ہوئے اسے دو لڑکیوں کے ساتھ گاڑی میں دیکھا ہے۔ انتہائی واہیات حرکات تھیں اس کی۔ بس میں تمہیں بچانا چاہتا ہوں اور کچھ نہیں۔ طاہر چپ

ہو گیا تھا۔

ایسا ہو ہی نہیں سکتا بھائی...... وہ میرے ساتھ دھوکہ کر ہی نہیں سکتا۔ مجھے اپنی محبت پر پورا بھروسہ ہے۔ اس نے تو جہاز میں بیٹھ کر بھی مجھ سے بات کی ہے۔ میں مان ہی نہیں سکتی۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے بھائی! یا آپ کو ابشام نے بھڑکایا ہے حمزہ کے خلاف۔

وہ تو چاہتا ہی نہیں تھا میری حمزہ سے شادی ہو ضحیٰ پیر پٹختے کمرے میں جا چکی تھی۔ مسز توقیر سب کچھ سن چکی تھیں۔ ان کے دل میں داماد کے لیے شک پیدا ہو گیا تھا۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ طاہر جیسا سمجھدار بیٹا کوئی غلط بات نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن بیٹی کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ چپ ہی رہی۔ کیونکہ بیٹی کو سمجھانا ناممکن تھا......

شادی کی تاریخ قریب تھی۔ ضحیٰ نے خوشی خوشی ساری تیاری خود ہی کی تھی۔

ابشام کو یہ وقت گزرانا کوئی قیامت جیسا لگ رہا تھا۔ شادی کا دن تھا لال لہنگے میں ضحیٰ پری لگ رہی تھی۔ سب ہی اس کی نظر اتارنے جا رہے تھے۔ رخصتی میں ماں، باپ نے بے انتہا دعائیں دے کر رخصت کر دیا تھا۔ ان کی چھوٹی سی گڑیا کو بڑا ہونا تھا۔

ہیلو گرل کیسی ہو؟ حمزہ نشے میں دھت کمرے میں داخل ہوا تھا۔

حمزہ تم نے شراب پی ہے؟ ضحیٰ نے حیرت سے پوچھا۔

تو کیا اپنی شادی کی خوشی میں دوستوں کو پارٹی نہ دیتا؟ حمزہ باقاعدہ جھوم رہا تھا۔

ضحیٰ غصے میں اٹھ کر حمزہ کے پاس چلی آئی۔ تمہیں شرم نہیں آتی؟ آج میری زندگی کا سب سے زیادہ خوشی کا دن ہے اور تم مجھے یہ تحفہ دے رہے ہو؟ چٹاخ کی آواز سے کمرہ گونجا تھا! کم عقل لڑکی تم خود ہی میرے پیچھے پڑ گئی تھیں اور تمہارے لیے ہو گا یہ خوشی کا دن میں نے تو پتا نہیں کتنی بار یہ خوشی دیکھی ہے مجھے یاد بھی نہیں اور آگے بھی جو مجھے پسند آتی رہیں گی وہ اس گھر میں آتی رہیں گی۔ زوردار قہقہہ گونجا تھا!

دھڑام سے دروازہ بند ہونے کی آواز سے آنکھیں اوپر اٹھیں۔ پورا چہرہ سرخ اور آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔ یہ پہلا تحفہ تھا جو ضحیٰ کو شادی کے بعد ملا تھا۔

کیسی ہو ضحیٰ! ولیمہ والے دن صنم پوچھے بغیر نہیں رہ سکی۔ جن آنکھوں میں ہمیشہ زندگی چمکتی تھی آج اس میں اداسی کی واضح جھلک تھی۔

میں بہت اچھی ہوں بھابی، بہت خوش ہوں۔ حمزہ بہت اچھے ہیں۔ مجھے تو لگتا ہی نہیں ہے کہ میں اپنوں میں نہیں ہوں۔ وہ اداسی کے عالم میں جھوٹ پر جھوٹ بولے جا رہی تھی اور صنم اس کی خوشی سے خوش ہو رہی تھی۔ شاید تھکن کی وجہ سے اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہو گی۔ صنم نے سوچا۔ اسٹیج پر بھی کئی لڑکیاں انتہائی بے باکی سے حمزہ سے ملتی اور ضحیٰ شرمندہ ہو کر رہ جاتی۔ بقول حمزہ کے کہ وہ ساری تو دوست ہیں......

آپ کو کم سے کم اسٹیج پر وہ حرکتیں نہیں کرنی چاہیے تھیں وہ جیولری اتارتے ہوئے گویا ہوئی۔

کون سی حرکتیں؟ اور اب تم مجھے سکھاؤ گی کہ کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں؟ میرے ساتھ رہنا ہے تو یہ سب برداشت کرو...... میں ایسا ہی ہوں، تمہیں بھی ایسا ہی بننا پڑے گا۔ وہ پیر پٹختا باہر چلا گیا۔

وہ آنسو بہائے بغیر نہ رہ سکی۔ کاش کہ میں سب کی بات مان لیتی۔ کاش اس دن طاہر بھائی کی بات پر یقین کیا ہوتا۔ ان کی محبت پر یقین نہ کیا ہوتا۔ وہ مسلسل رو رہی تھی۔

یہ کیا تم ہر وقت اب نحوست پھیلاتی رہتی ہو؟ وہ کمرے میں آیا تھا اور روتا دیکھ کر مزید ایک دل پر لگنے والا سوال کر ڈالا۔

اب کیا مجھے رونے بھی نہیں دو گے؟ میرا آنسوؤں پر اختیار نہیں ہے۔ وہ مزید افسردہ تھی۔

نہیں اب میں ہی بتاؤں گا تمہیں کب رونا ہے اور کب ہنسنا ہے۔ ایک قہقہہ گونجا تھا۔
لیکن کیوں حمزہ؟ میں نے آپ کیا کیا بگاڑا ہے؟ میں نے تو آپ سے محبت کی ہے۔ اس محبت پر کسی کو ترجیح دینے کا سوچا بھی نہیں۔ لیکن آپ نے تو میرے خواب چکنا چور ہی کر دیئے ہیں۔ جن حسین سپنوں کو لیے میں اس گھر میں آئی تھی آپ نے ایک ہی جھٹکے میں سب ختم کر دیا ہے۔ اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔
میں تو تمہارے پیچھے نہیں آیا تھا۔ تم نے ہی دوستی کا پیغام بھیجا تھا۔ اپنا نمبر بھی خود ہی دیا تھا۔ ملنے کے سارے پلان بھی خود ہی بنایا کرتی تھیں۔ تب تم جھوٹ بول کر گھر سے نکلتی تھی وہ تمہیں غلط نہیں لگتا تھا؟ جو آج تمہیں میری حرکتیں واہیات لگ رہی ہیں۔ مجھے کچھ بولنے کی کوشش بھی کی تو ابھی اور اسی وقت تمہیں فارغ کر دوں گا۔ عورت ہو عورت بن کے رہو۔ میرے پاؤں کی جوتی بن کے رہو گی تو تمہارے لیے ہی اچھا ہو گا۔ وہ منہ لپیٹ کے سو گیا تھا اور ضحیٰ کے تو جیسے رت جگے شروع ہو گئے تھے۔

☆☆☆

ہیلو مما کیسی ہیں؟ ابشام نے کافی دن بعد کال کی تھی جس کی وجہ سے مما ناراض تھیں۔
تمہیں کیا فکر ماں جیئے یا مرے..... ارے مما آپ تو میری جان ہیں۔ آپ سے غافل کیسے ہو سکتا ہوں۔ بس آپ تو جانتی ہیں کہ پچھلے پندرہ دن سے میں دبئی میں کم اور لندن زیادہ رہا ہوں۔ اتنی میٹنگز اف...... اور تھکن دور کرنے کے لیے آپ کو کال کی ہے تو آپ بھی ناراض ہیں۔ اب میں کہاں جاؤں..... مما ہنسے بغیر نہیں رہ سکیں۔ آخر تم مجھے اپنی باتوں سے منا ہی لیتے ہو۔
گھنٹہ تک بات کر کے مما کی ناراضگی اور ابشام کی تھکن دور ہوئی تھی۔ بیٹا مجھے تم سے ایک اور بات کرنی ہے۔ مما کی سنجیدگی بھرے لہجے کو ابشام سمجھ گیا تھا۔
اچھا مما مجھے ذرا ایک ای میل کرنی ہے بعد میں بات کرتا ہوں۔ مما ایک بار پھر خالی رہ گئیں تھیں۔
چھ ماہ میں وہ پہلی بار میکے میں رکنے آ رہی تھی۔ سب بہت خوش تھے۔ اس نے حمزہ کی مصروفیت اور اکیلے پن کو بہانا بنایا تھا اور نہ آنے کی وجہ بتائی تھی۔ خوب پکوان پک رہے تھے۔ ہر چیز ضحیٰ کی پسند کی بن رہی تھی۔ گاڑی پارکنگ تک آئی تو سب ہی ضحیٰ کو ریسیو کرنے پہنچ گئے تھے۔
وہ تھکے تھکے قدموں سے گاڑی سے اتری اور ماں کو دیکھتے ہی جیسے اس کا ہر غم تازہ ہو گیا تھا۔ وہ مسز توقیر کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔
کیا ہوا میری بچی ایسے کیوں رو رہی ہو؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں! مسٹر توقیر پریشانی کے عالم میں بیٹی کی حالت دیکھ کر سوال کیے جا رہے تھے۔
جی پاپا میں ٹھیک ہوں، بس کافی دن بعد آپ لوگوں کو دیکھا تو خود پر قابو نہیں رکھ پائی۔ وہ مسکرا کر بولی اور بولتی بھی کیا؟ حمزہ کی شکایت کس حق سے کرتی وہ اس کی ہی تو محبت تھی۔
بیٹا! حمزہ آج بھی نہیں آیا؟
نہیں مما ان کی میٹنگ تھی۔ وہ لاہور گئے ہیں۔ مما مجھے بہت بھوک لگی ہے۔ صنم بھابی آپ نے کیا بنایا ہے؟ وہ ایک ساتھ بولی۔
ہاں ہاں ضحیٰ آؤ کھانا تیار ہے۔ سب کچھ تمہاری پسند کا بنایا ہے۔ صنم نے پیار سے جواب دیا۔
ضحیٰ! تم مجھے کچھ پریشان لگ رہی ہو؟ ضحیٰ کھانے کے بعد آرام کی غرض سے کمرے کی طرف جا رہی تھی کہ صنم نے کہا۔
نہیں بھابی آئی ایم آل رائٹ! آنکھوں میں نمی کے ساتھ اس نے جواب دیا۔
ضحیٰ! اللہ نے تمہیں بہن نہیں دی ہے لیکن بھابی

بھی بہن کی طرح ہوتی ہے تم جو کچھ چاہے مجھ سے شیئر کر سکتی ہو۔ یو نو...... کچھ بھی تمہارے بھائی اور مما پاپا کو معلوم نہیں ہوگا۔ یہ ہمارے بیچ کی بات ہوگی۔ صنم کا لہجہ انتہائی محبت بھرا تھا۔

بھابی میں آرام کرنا چاہتی ہوں، آنے کی خوشی میں رات بھر نہیں سوئی تھی۔ ضحیٰ مسکرائی۔ لیکن تمہارے آنکھوں کے گرد حلقے تو کچھ اور ہی بیان کر رہے ہیں۔ تم اپنے میک اپ سے انہیں کتنا بھی چھپا لو لیکن میں نے دیکھ لیے ہیں۔ یہ حلقے ایک رات کے نہیں لگتے کئی راتوں سے جاگ رہی ہو تم مجھے لگتا ہے۔

صنم بولے بغیر نہ رہ سکی۔ بھابی میں جاؤں؟ ضحیٰ تنگ آرہی تھی۔

اچھا جاؤ شام میں چائے پر ملتے ہیں۔ صنم نے چپ رہنے میں عافیت جانی تھی۔

☆☆☆

ابشام مکمل نارمل ہو چکا تھا۔ مما اگر شادی کا کہتی تھیں تو اب وہ انکار نہیں کرتا تھا۔ کیونکہ ضحیٰ کی شادی کو ڈیڑھ سال کا عرصہ بیت چکا تھا اور سحر آپی سے معلوم ہوا تھا کہ وہ چھوٹی سی گڑیا ماں بننے والی ہے......

اس دن کے بعد سے صنم بھابی نے بھی ضحیٰ سے کچھ نہ پوچھا تھا۔ کیونکہ ضحیٰ نے جاگنے کی وجہ حمزہ کی لیٹ نائٹ میٹنگز اور پارٹیز بتائی تھیں۔ جن میں ضحیٰ کو بھی جانا پڑتا تھا......

مما کیا آپ یہاں آسکتی ہیں میری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔ ہاسپٹل جانا ہے۔ فون ریسیو ہوتے ہی ضحیٰ نے بولنا شروع کیا تھا۔

ہاں بچے میں آرہی ہوں، لیکن حمزہ کہاں ہے؟

معلوم نہیں مما...... پلیز جلدی آجائیں......

مبارک ہو مسز توقیر آپ کی بیٹی نے بیٹی کو جنم دیا ہے۔ لیکن ضحیٰ کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ ہمیں آبزرویشن میں رکھنا پڑے گا۔

ٹھیکے دار

ایک پاکستانی سیاح کو گائیڈ نے پیرس کا ''پیسا'' کا مشہور عالم مینار دکھاتے ہوئے کہا۔

'' اور یہ ہے پیسا کا وہ ٹیڑھا مینار جسے لوگ دنیا بھر سے دیکھنے آتے ہیں۔''

پاکستانی سیاح نے اوپر سے نیچے تک مینار کو دیکھا اور منہ بنا کر بولا۔'' اس میں تو کوئی خاص بات نہیں۔ اس ٹھیکے دار کی بنائی ہوئی کئی عمارتیں ہمارے ملک میں بھی موجود ہیں۔''

(مرسلہ: صدف نعیم، کراچی)

مسز توقیر تو خوشی سے بے حال ہو رہی تھیں۔ ان کی گڑیا جیسی بچی کے پاس بھی گڑیا آگئی تھی۔ مسز توقیر نے پورے ہسپتال میں مٹھائی بانٹی تھی۔ دو گھنٹوں بعد ضحیٰ کو ہوش آگیا تھا۔

مما میرا بیٹا ہوا ہے ناں! ہوش میں آتے ہی ضحیٰ نے سوال کیا تھا۔

نہیں بیٹا ماشاء اللہ بہت ہی پیاری بیٹی ہوئی ہے۔

نہیں مما ایسا نہیں ہو سکتا۔ مما کے جواب پر ضحیٰ چلائی تھی۔

کیوں بیٹا کیا ہوا ہے؟ ایسے کیوں کہہ رہی ہو؟ بیٹیاں تو بہت پیاری ہوتی ہیں۔ پھر تمہیں برا کیوں لگ رہا ہے؟

مما! حمزہ مجھے اور میری بچی دونوں کو مار دے گا۔ اس نے سختی سے کہا تھا کہ بیٹی ہوگی تو دونوں کا قتل کر دے گا۔

مما اس کی بات پر دنگ رہ گئیں تھی۔ اچھا ابھی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے تم آرام کرو۔ اس بارے میں ہم بعد میں بات کریں گے۔ وہ اپنی فکر کو چھپاتے ہوئے بولیں۔

وہ ضحیٰ کے پاس بیٹھی رہیں جب تک وہ سو نہیں گئی۔

توقیر صاحب ضحیٰ کچھ عجیب سی بات کر رہی ہے۔ روم سے باہر آ کر انہوں نے ضحیٰ کی ساری باتیں بتا دیں۔

بیگم! حمزہ ایسا لڑکا تو نہیں ہے۔ ہاں توقیر لیکن وہ ضحیٰ کو اس حالت میں اکیلا چھوڑ کر کیسے جا سکتا تھا اور آپ نے دو گھنٹے پہلے ہی اس کو کال کر دی تھی تو اس کو پہنچ جانا چاہیے تھا۔ باپ تو بیٹی سے بغیر دیکھے ہی محبت کرتا ہے پھر یہ کیسا باپ ہے جو ابھی تک آیا ہی نہیں۔ مسز توقیر مزید پریشان ہوئیں بچی کے دادا، دادی تو پہلے ہی ملک میں نہیں، کم سے کم باپ کو تو اس وقت یہاں ہونا چاہیے تھا۔

بچی کی پیدائش کو چوبیس گھنٹے بیت چکے تھے۔ ضحیٰ کی طبیعت قدرے بہتر تھی۔ لیکن ایک عجیب سی ٹینشن تھی کیونکہ حمزہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔ سب کے لیے یہ بات پریشان کن تھی۔ کل سے طاہر اور توقیر کئی بار حمزہ کو کال کر چکے تھے۔ کبھی کال پک نہ ہوتی اور کبھی یہ کہہ کر کاٹ دی جاتی اپنی بیٹی خود سنبھالیں۔ لیکن یہ بات ضحیٰ کے علم میں نہیں تھی۔ اسے یہ بتایا گیا تھا کہ وہ شہر سے باہر ہے اور دو تین دن لگ جائیں گے۔

لیکن ضحیٰ اس بات سے واقف تھی کہ اب حمزہ کبھی واپس نہیں آئے گا......

ضحیٰ ڈسچارج ہو چکی تھی۔ توقیر صاحب پارکنگ سے گاڑی نکال رہے تھے۔

ضحیٰ! ضحیٰ کو کسی انتہائی شناسا آواز نے پکارا تھا۔ جیسے ہی وہ خوشی سے پیچھے مڑی، چٹاخ کی آواز سے سب وہیں مخاطب ہوئے۔ آخر کار تم نے بیٹی ہی پیدا کی ہے۔ جاہل عورت تم اس کو بھی وہی بناؤ گی جو تم خود ہو۔ بے غیرت، بے حیا مجھے نہیں چاہیے بیٹی۔ میں تمہیں ابھی طلاق دیتا ہوں۔

یہ سنتے ہی ضحیٰ بے ہوش ہو چکی تھی سب لوگ یہ سن کر حیران پریشان حمزہ کو دیکھتے رہ گئے تھے۔ ضحیٰ نیچے گری تو سب پھر سے ہاسپٹل کی طرف بھاگے۔ کسی

نے نوٹ نہیں کیا تھا کب حمزہ وہاں سے جا چکا تھا
دبئی میں دو دن پہلے بیٹی کی پیدائش کی خبر
اور سحر خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے، آج ا
ضحیٰ کی طلاق کی خبر بھی پہنچ چکی تھی۔ بیٹی کا غم
تھا۔ اس صدمے سے مسز توقیر دلبرداشتہ تھے
ہارٹ اٹیک ہو گیا تھا۔ طاہر کا یہ سب سچوئشن ہینڈ
بہت مشکل تھا۔ اطہر اس ہی رات پاکستان آ
ایک ہاسپٹل میں بہن بے ہوش تھی اور دوسر
باپ زندگی اور موت کی کشمکش میں تھے۔

رات میں اطہر پہنچ چکا تھا۔ مسز توقیر کی حالت
ہی بری ہو رہی تھی۔ ایک طرف بیٹی کی طلاق
طرف شوہر کی حالت، لیکن توقیر صاحب کا اٹیک
ثابت ہوا۔ اللہ نے ان کی زندگی بخش دی تھی
نے خدا کا شکر ادا کیا تھا۔ ضحیٰ ہوش میں تو آ گئی
اس کے دماغ پر گہرا اثر پڑا تھا۔ جو باتیں وہ ا
والوں سے دو سال سے چھپائے ہوئے تھی وہ
معلوم ہو گئی تھی۔ سب ضحیٰ کے سامنے نارمل ر
کوشش کر رہے تھے۔

صنم نے بچی کو اپنی ذمہ داری بنا رکھا تھا
دن رات بس روتے ہی گزر رہے تھے۔ وہ بچی
بھی نہ لگاتی تھی۔ وہ اس معصوم کو اپنی بربادی
سمجھتی تھی۔

☆☆☆

ابشام کو ان سب باتوں کی خبر تو تھی ہی لیکن
میں واپس جا کر کسی کا سامنا کرنے کی ہمت نہ
آپی بہت سمجھاتی کہ تمہاری بچپن کی دوست کو
بہت ضرورت ہے۔ تم پاکستان آ جاؤ لیکن وہ
اسے دوست ہی کب سمجھتی تھی۔ اسے اپنی ہر ہر
یاد آتی تھی۔ لیکن وہ پھر معاف کرنے پر مجبور ہو

ہاں اس نے مسز توقیر کو کئی بار کال کر کے م
اور ضحیٰ کی خیریت دریافت کی تھی۔

ضحیٰ صدمے سے باہر آنا چاہتی تھی، اپنے اندر کا غبار نکالنا چاہتی تھی لیکن اس کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کس سے کہے، پاپا سے کہہ نہیں سکتی تھی۔ مما بھی اتنی ہی پریشان رہتی تھیں۔ اطہر بھائی ان دونوں کی طبیعت سنبھلنے کے بعد ہی واپس جا چکے تھے۔ طاہر بھائی پاپا کے بغیر بزنس سنبھال رہے تھے اور آجکل اتنے بزی تھے کہ ان کے پاس تو بھابی اور اپنے بچے کے لیے بھی وقت نہیں تھا۔ پھر تو اس کی بات سننے کے لیے بھائی کے پاس ٹائم کہاں سے آتا۔

سحر آپی جن سے وہ بچپن سے بہت فرینک تھی وہ بھی اتنی دور جا کر بیٹھی تھیں۔ اطہر بھائی تو شروع سے ہی ذرا کم گو تھے اور اس کی باتوں پر کم دھیان دیتے تھے۔ لے دے کر صنم بھابی ہی تھیں جن سے وہ ہر بات بول سکتی تھی۔ لیکن انہیں بھی تو گھر کے کام کرنے ہوتے تھے اور اب اپنے بیٹے کے ساتھ ساتھ ضحیٰ کی بیٹی کی بھی ذمہ داری لی ہوئی تھی۔ جس کا نام نور بھی انہوں نے خود ہی رکھا تھا۔

ان کا ماننا تھا کہ یہ ہی ضحیٰ کی زندگی میں نور کی روشنی لائے گی......

بہر حال ایک دن کچن میں چائے بناتے ہوئے اس نے صنم بھابی کو سب کچھ بتانے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا۔ پوچھنا تو ظاہر ہے وہ بھی چاہتی تھیں لیکن پوچھنے کی ہمت نہیں کر پاتی تھیں۔

کیا ہوا ضحیٰ تمہیں کچھ چاہیے؟

بھابی کے سوال پر ضحیٰ کی آنکھیں بھر آئیں، بھابی مجھے آپ کا تھوڑا وقت چاہیے۔ آپ کی سپورٹ چاہیے۔ آپ کا شانہ چاہیے تاکہ میں اس پر سر رکھ کر اپنے سارے دکھ دل سے باہر نکال دوں۔ میں اس اذیت سے نکلنا چاہتی ہوں۔

ہاں میری بہن ہم خود یہی چاہتے ہیں کہ تم ساری اذیت بھول جاؤ۔ زندگی میں آگے بڑھو۔ میری بہن اپنی معصوم بچی کی طرف پیار کی نگاہ ڈالو۔ وہ تمہاری بربادی کی ذمہ داری کیسے ہوسکتی ہے۔ ایک بار پیار سے اسے گلے لگالو۔ دیکھنا تمہارے سارے غم دور ہو جائیں گے۔ بھابی نے ضحیٰ کا ہاتھ تھاما تھا۔

بھابی مجھے اپنی نور سے بہت محبت ہے لیکن میں جب بھی اس کی طرف پیار سے دیکھنا چاہتی ہوں۔ اس میں مجھے حمزہ کا عکس نظر آتا ہے۔ پھر مجھے خود سے نفرت ہونے لگتی ہے۔

ضحیٰ بے تحاشہ رو رہی تھی۔ اچھا یہاں ملازم ہیں یہ جگہ ایسی باتوں کے لیے ٹھیک نہیں ہے تم اپنے کمرے میں جاؤ میں چائے لے کر وہیں آتی ہوں۔

ضحیٰ کمرے میں جا چکی تھی۔ دستک کی آواز سے اس نے بستر سے منہ اٹھا کر دیکھا۔ چہرہ ایک بار پھر آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔ صنم، نور کو گود میں لیے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ ساتھ میں ایک ملازمہ چائے کی ٹرے ٹیبل پر رکھ کر چلی گئی تھی۔

چلو پہلے چائے پی لیتے ہیں پھر باتیں کریں گے۔ اس کی حالت کو اگنور کرتے ہوئے بھابی نے کہا۔

ضحیٰ نے آگے بڑھ کر نور کو بھابی کی گود سے تقریباً چھینا تھا اور اب اسے گلے لگا کر زارو قطار رو رہی تھی۔

مجھے معاف کر دو میری بچی، میں تم سب کی مجرم ہوں۔ میں نے ہی سب کی زندگی عذاب میں ڈالے رکھی۔ میں نے اپنے باپ کو موت کی دہلیز تک پہنچایا۔ بھابی میں بہت شرمندہ ہوں میں نے آپ سب کو بہت دکھ دیئے ہیں۔

میں ہر اس انسان کی مجرم ہوں جو مجھ سے محبت کرتا ہے۔ بھابی میں نے بہت بار مرنے کی بھی کوشش کی لیکن اللہ نے زندگی رکھی ہوئی تھی۔ بھابی میں آپ سب سے معافی مانگتی ہوں، مانگنا چاہتی ہوں لیکن ہمت نہیں کر پاتی۔ وہ روئے جا رہی تھی۔

میری گڑیا ہم میں سے کوئی بھی تم سے ناراض نہیں

ہے۔ اچھا ہی ہوا کہ صحیح وقت پر حمزہ کا اصلی چہرہ ہمارے سامنے آ گیا۔ ورنہ وہ تو اس معصوم کو بھی زندہ نہیں رہنا دیتا۔

بھابی کو بھی اس کی حالت دیکھ کر رونا آیا تھا۔ کاش تم اس ہی وقت ہمیں سب بتا دیتی تو تمہیں اتنی اذیت کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ بھابی افسوس سے کہہ رہی تھیں۔

بھابی میں کب بتاتی شادی کی رات کو ہی پہلا تحفہ ملا تھا تھپڑ کی صورت میں۔ بھابی میرا کوئی ایک دن ایسا نہیں گزرا جب اس نے مجھے مارا نہ ہو۔ روزانہ شراب کے نشے میں وہ پاگلوں کی طرح مجھے مارتا پیٹتا تھا۔ یہ دیکھیں میرے ہاتھ سگریٹ کے جلے ہیں۔ اس نے مجھے جسمانی اور دماغی ہر طرح کی اذیت سے دوچار کیا تھا۔ یہ دو سال میں نے کس طرح گزارے ہیں یہ میں ہی جانتی ہوں۔

وہ اپنے آوارہ اور بدمعاش دوستوں کو کمرے تک میں لے آتا تھا۔ جو میری حالت دیکھ کر ہنستے رہتے تھے۔ اس کا کہنا تھا کہ میں پہلی لڑکی نہیں جس کے ساتھ وہ یہ سب کر رہا ہے۔ بھابی میں پوری پوری رات واش روم اور اسٹور روم میں چھپی رہتی تھی۔

وہ زبردستی مجھے شراب پلانے کی کوشش کرتا تھا اور میرے انکار پر مجھے لاتوں اور بیلٹ سے مارتا تھا۔ ایک سال بعد جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ میں ماں بننے والی ہوں تو میں نے سوچا کہ شاید وہ سدھر جائے لیکن اس کے ظلم اور بڑھ گئے۔

دو بار اس نے مجھے سیڑھیوں سے گرانے کی کوشش کی لیکن میری نور نے دنیا میں آنا تھا تو میں بچ گئی۔ حمزہ کا کہنا تھا کہ مجھ جیسی عورت صرف لڑکی کو ہی جنم دے سکتی ہے جو میرے گناہوں کا ازالہ کرے گی۔

بھابی! آپ ہی بتائیں کہ اپنی مرضی سے شادی کرنا کوئی گناہ ہے کیا؟

شکر ہے نور کے پیدا ہونے پر اس نے ہمیں قتل نہیں کیا۔ لیکن اس وقت بھی اللہ کو ہماری زندگی ہی منظور تھی۔ بھابی میں بہت بری ہوں۔ میں ہی آپ لوگوں کی پریشانی کی وجہ ہوں مجھے معاف کر دیں مجھے شرمندگی کے حصار سے باہر نکال دیں۔ وہ ہاتھ جوڑے صنم کے سامنے ہر بات کا اعتراف کر رہی تھی اور صنم کو حمزہ کی حرکتوں پر حیرت اور غصہ آ رہا تھا۔

لیکن اس نے آگے بڑھ کر ضحیٰ کا ہاتھ تھاما۔ نہیں گڑیا ہم سب تم سے بہت پیار کرتے ہیں ہم نے اس وقت بھی صرف تمہاری خوشی دیکھی تھی...... تم کمرے سے باہر نکلا کرو۔ سب کے ساتھ بیٹھا کرو...... بہت اچھا فیل کرو گی۔ اس نے ماتھے پر بوسہ دیا۔

بھابی آپ سے یہ باتیں شیئر کر کے میرا دل کتنا ہلکا ہوا ہے آپ کو اس بات کا اندازہ بھی نہیں ہے۔ میں جانتی ہوں میری گڑیا وہ مسکرائی۔

چلو اب آج سے رونا دھونا بند کرو، میرے پاس ایک گڈ نیوز ہے تمہارے لیے......

میرے لیے کیا گڈ نیوز ہو گی بھابی وہ افسردہ تھی۔ جو میں تم سے بات کرنے جا رہی ہوں اس کو اطمینان سے سننا اور سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا۔ یہ تمہاری اور نور کی زندگی کا سب سے اہم فیصلہ ہو گا۔

بھابی بول رہی تھی اور ضحیٰ نہ سمجھنے والے انداز میں سن رہی تھی۔ میں کچھ سمجھی نہیں بھابی، آپ کیا بول رہی ہیں؟

ابشام آج پورے ڈھائی سال بعد واپس آیا ہے اور تمہارے حالات کو دیکھتے ہوئے وہ ایک بار پھر اپنی دوستی نبھانا چاہتا ہے۔ وہ نور کے ساتھ تمہیں اپنانا چاہتا ہے۔

انکل آنٹی کو بھی اس بات سے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ تم بتاؤ تم اپنے پرانے پارٹنر کو لائف پارٹنر بناؤ گی؟ بھابی کی بات پر ضحیٰ بہت حیران تھی۔

نہیں بھابی بالکل نہیں میں ابشام جیسے اچھے انسان

کے قابل نہیں ہوں۔ میں مر بھی جاؤں تو اس کے قابل نہ بن پاؤں گی۔ بھابی پلیز ایسی بات کر کے مجھے اور شرمندہ مت کریں۔ آپ لوگ فکر نہ کریں، میں اور میری بیٹی آپ لوگوں پر بوجھ نہیں بنیں گے۔ پلیز مجھ سے ایسا کچھ نہ مانگیں جو میں نہیں دے سکتی۔ وہ پھر سے رو رہی تھی۔

ارے پاگل ہوگئی ہو کیا! ہم کب کہہ رہے ہیں کہ تم ہمارے لیے کوئی بوجھ ہو؟ بس ہم سب تمہیں خوش اور مطمئن دیکھنے کے خواہش مند ہیں۔ پاپا کی حالت اس قابل نہیں ہے کہ وہ تمہاری زندگی اکیلی اور تنہا گزرتے دیکھیں۔ میں نے تمہارا جواب ابھی نہیں مانگا ہے اگر تم چاہو تو اپنی زندگی پھر سے شروع کر سکتی ہو، ایسے انسان کے ساتھ جو ہمیشہ سے صرف تمہارا ہے۔ تم آج سوچ لو، کل جواب دینا، ہم انتظار کریں گے تمہارے جواب کا۔

ابشام کے اس فیصلے پر مما، پاپا بھی بہت خوش ہیں۔ تمہاری اور ہم سب کی خوشی اس ہی میں ہے۔ میں اب چلتی ہوں تمہارے بھائی آنے والے ہوں گے اور ہاں ایک اور بات اگر تم چاہو تو نور...... کی زندگی کا فیصلہ بھی ابھی کر سکتی ہو۔ اس کو تو میں ہی اپنی بہو بنانا چاہتی ہوں۔ بولو کیا یہ ممکن ہے۔

بھابی اس کو تو ابھی تک آپ نے ہی ماں بن کے پالا ہے بے شک وہ آپ کی ہی ہے۔ اچھا ابھی یہ فیصلہ بعد میں ہوگا، پہلے اپنی زندگی کا فیصلہ کرو۔ کیونکہ تمہاری زندگی سنورے گی تو ہی تم نور کے لیے بہتری کر سکو گی......

پوری رات وہ سوچتی رہی پھر پتہ نہیں کیا سوچ کر صبح صبح فون اٹھایا اور ایک پرانا نمبر ڈائل کرنے لگی......

ہیلو! نیند بھری آواز میں بولا گیا، شاید نمبر پہچانا نہیں تھا یا دیکھا ہی نہیں تھا!

کیسے ہو ابشام؟ اس جانی پہچانی آواز پر جیسے ابشام کو شاک لگا تھا۔

ضحیٰ تم؟ تم نے مجھے کال کی؟ حیرت کی بات ہے۔ آج تو ہماری زندگی ہی مکمل ہوگئی۔ دنیا کی سب سے خوبصورت لڑکی نے مجھے کال کی۔ اس کی ساری باتوں کو اگنور کر کے سوال کر ڈالا۔ تم میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہو؟ کیا اب مجھ سے بدلہ لینے کی باری تمہاری ہے ابشام؟ مجھے ایسے امتحان میں کیوں ڈالا ہے جس میں، میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ سچ تو یہ ہے کہ میں اب خود کو تمہارے قابل نہیں سمجھتی۔ پلیز ایک بار پھر شادی کے لیے منع کر دو۔

وہ چپ ہوئی تو ابشام نے بولنا شروع کیا۔ صحیح بات ہے یہ تمہارا امتحان تو ہے اور مجھے پورا بھروسہ ہے کہ تم اپنے ہر امتحان کی طرح یہ بھی پاس کر لو گی۔ میں تم پر اور نور پر کوئی احسان نہیں جتانا چاہتا۔ میں بس یہ جانتا ہوں کہ تمہیں اس وقت محبت کی ضرورت ہے اور نور کو باپ کی شفقت کی اور میں یہ بھی دعویٰ کرتا ہوں کہ مجھ سے بڑھ کر تمہیں کوئی بھی محبت نہیں کر سکتا۔

شاید میں اپنے آپ کو اب تمہارے قابل بنا پاؤں۔ ضحیٰ میں نے صرف اور صرف تم سے محبت کی ہے اور مرتے دم تک کرتا رہوں گا۔ پلیز تم نے مجھے ایک بار تنہا کیا ہے اب کی بار تم نے ایسا کیا تو تمہارا یہ بچپن کا دوست مر جائے گا۔

اللہ نہ کرے! ابشام فضول باتیں مت کرو! اللہ تمہیں لمبی حیات عطا کرے۔ میری تمام غلطیاں معاف کر دو۔ میں کتنی بے وقوف تھی جو سچی محبت کو نہیں سمجھ سکی۔ پلیز مجھ سے اتنی بڑی بات کی امید نہ رکھو جو میں نہ کر پاؤں۔ وہ التجائیہ لہجے میں بولی تھی۔

ضحیٰ دیکھو میں نے پہلی بار تو تمہیں معاف کر دیا اب کی بار معافی نہیں ملے گی۔ یہ کہہ کر وہ فون بند کر چکا تھا۔

یا اللہ تو ہی مجھے کوئی راستہ دکھا۔ وہ اٹھی اور نماز فجر ادا کی اور سجدہ ریز ہوگئی اور روتے ہوئے جو اس کی

آنکھوں میں پہلی شبیہ بنی تھی وہ ابشام کی تھی۔ کیا یہ اللہ کی طرف سے کوئی اشارہ ہے۔ اس نے سوچا۔ لیکن دل تھوڑا ہلکا ہوا تھا۔ اس دن وہ تھوڑی دیر سے اٹھی تھی۔ گھر میں ایک شور اٹھا ہوا تھا۔ مما، بھابی مسلسل بھاگ دوڑ میں مصروف تھے۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

اس نے بھابی سے پوچھا تھا لیکن وہ مسکرا کر خاموش ہوگئی تھی۔

مما یہ سب کیا ہے؟ آج کوئی آ رہا ہے کیا؟ اطہر بھائی آ رہے ہیں؟ یہ تیاریاں کیسی ہیں؟ مما کی خوشی دیکھ کر اس نے پوچھا۔

ہاں بیٹا کوئی آ تو رہا ہے لیکن وہ اطہر تو نہیں ہے۔

کیا مطلب؟ اس نے مزید سوال کیا۔

آج انکل سرور اور آنٹی تمہارا رشتہ لے کر آ رہے ہیں۔ ہم نے سنا ہے صبح تمہاری اور ابشام کی بات ہوئی ہے اور تم نے اس سے شادی کے لیے ہاں کر دی ہے۔

جیتی رہو میری بچی خوش رہو! ماں نے پیار کیا تو پاپا بھی پیار سے بولے اللہ میری بچی کو ہمیشہ خوش رکھے۔

لیکن مما ہماری بات ضرور ہوئی ہے لیکن میں نے...... وہ اپنی بات مکمل بھی نہ کر سکی تھی کہ طاہر بھائی آ گئے۔

ارے گڑیا ناشتہ کر کے ریڈی ہو جاؤ، شاپنگ پر جانا ہے۔ تمہارے نکاح کا ڈریس میں ہی پسند کروں گا۔ ارے آپ کیوں پسند کریں گے میں پسند کروں گی۔ آخر ایک ہی تو نند ہے میری، بھابی خفا ہو کر بولیں۔ میرے گھر والے واقعی کس قدر خوش ہیں۔ پہلے میں نے اپنی خوشی دیکھی تھی۔ اب ان سب کی خوشی کی خاطر میں ابشام سے شادی ضرور کروں گی۔ اس نے دل میں سوچا تھا۔

آؤ بیٹی کیسی ہو مسز سرور نے ضحیٰ کو دیکھ کر سوال کیا تھا۔ ڈرائنگ روم میں سب بیٹھے تھے جب وہ ننھی سی نور کو گود میں لیے آئی تھی۔ ان چند سالوں نے ضحیٰ کو کتنا مرجھا دیا تھا۔

ابشام اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ ضحیٰ اس سے آنکھیں نہیں ملا پا رہی تھی۔ سب اپنی باتوں میں مگن تھے کسی نے نوٹ نہیں کیا تھا کب ابشام اپنی جگہ سے اٹھ کر ضحیٰ کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا۔

سب نے چونک کر دیکھا تھا۔ ابشام کی نظریں ضحیٰ پر تھیں اور ضحیٰ شرمندگی سے جھکی ہوئی تھی۔ ابشام نے ایک ڈبیہ جیب سے نکال کر اس میں سے انگوٹھی نکالی تھی۔ یہ میں تمہیں سحر آپی کی مہندی والے دن ہی دینے والا تھا لیکن تم نے تو اس دن سنا ہی نہیں۔

آئی لو یو سو مچ...... اس کے اس انداز پر سب ہی حیران تھے اور ساتھ ہی ضحیٰ کو اقرار کے لیے اکسا رہے تھے۔ ضحیٰ نے شرماتے ہوئے ''یس'' کہا تھا اور پورا گھر تالیوں کی آواز سے گونجا تھا......

ایک ہفتے بعد نکاح تھا۔ اطہر اور سحر اپنی بیٹی کے ساتھ پاکستان آ گئے تھے۔ دونوں گھروں میں دھوم دھام سے تیاری ہو رہی تھی۔ سب بہت ایکسائیٹڈ تھے۔ آخر کار نکاح کا دن آ گیا۔ مغرب کے بعد نکاح تھا اور عشاء کے بعد کھانا ہو گیا تھا۔ رخصتی کے وقت سب بہت مطمئن تھے۔ ضحیٰ خود ہر خدشے سے عاری تھی۔ ابشام کی خوشی نور کی وجہ سے دوبالا ہوئی تھی۔ رات میں دونوں ٹیرس پر بیٹھے مستقبل کے حسین خواب بن رہے تھے۔

دیکھا بچو! میں نہ کہتا تھا کہ تم صرف میری قسمت میں ہو۔ مجھے یقین تھا کہ میری دعائیں کبھی رد نہیں ہوتیں۔ میں تم سے بہت محبت کرتا تھا۔ ہوں اور ہمیشہ کرتا رہوں گا۔ ہاں لیکن میری بیٹی اور میرے بیچ میں خبردار جو تم کبھی آئیں۔ دونوں زور سے ہنس پڑے...... واقعی دیر سے ہی سہی لیکن سچے دل سے کی گئی دعائیں کبھی رد نہیں ہوتیں۔

☆☆☆

عید اسلام اور ہم

اُم علی

مولوی صاحب نماز ظہر پڑھانے کے بعد گھر جانے کے بجائے مسجد میں ہی بیٹھے رہے اور سوچتے رہے کہ عید آنے میں صرف چار دن باقی ہیں۔ زینب اور فاطمہ کے لیے نئے کپڑے، جوتے اور چوڑیاں خریدنے کے لیے کوئی انتظام نہیں کر پا رہے تھے۔ جب کوئی بھی حل نہ ملا تو انہوں نے اپنے رب کے آگے ہاتھ اٹھا لیے اور اللہ کی بارگاہ میں دعا کی پھر اللہ کا شکر ادا کیا اور گھر کی طرف چل پڑے۔

زینب! ''بابا جان آپ کو پتا ہے کہ آپ ساری دنیا سے زیادہ اچھے ہیں؟''

مولوی صاحب! ''نہیں بچے۔''

زینب! ''بابا جان اللہ کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ آپ سب سے زیادہ اچھے ہیں۔ نہیں یقین تو فاطمہ سے پوچھ لیں۔'' فاطمہ نے سر سے سرکتی میلی سی چنی کو درست کرتے ہوئے باہیں بابا جان کے گلے میں ڈال کر جھولتے ہوئے کہا۔ ''ہاں آپی میرے بابا دنیا کے سب سے اچھے اور پیارے بابا ہیں۔'' مولوی صاحب بالکل مبہوت، کاٹو تو بدن میں لہو نہیں، ایک دم متحیر کہ یہ کیا کہہ رہی ہیں۔ رجے پیٹ والی بیٹیاں لاڈ سے باپ کو کہتی ہیں کہ جائیں میں آپ سے بات نہیں کرتی کہ آپ مجھے جیولری لا کر نہیں دے رہے، ایک اتنی سی چیز بھی تو لا کر نہیں دیتے تب اتنے ایسے موقع پر تو شکوے کرتی ہیں۔ مولوی صاحب کا تجسس بڑھ گیا۔ چلو بڑی تو سمجھدار تھی لیکن چھوٹی بیٹی فاطمہ (تو ابھی صرف گیارہ سال کی تھی) نے تو خلاف توقع کہہ دیا۔ انہوں نے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے ساتھ بٹھایا اور زینب کے سر پر محبت سے ہاتھ رکھتے ہوئے مسکرا کر پوچھا۔

''اے میرے جگر کے ٹکڑے! یہ تو بتاؤ کیسے تمہارے بابا دنیا کے سب سے اچھے بابا ہیں؟'' زینب نے لاڈ سے بابا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''وہ ایسے کہ ہمارے بابا نے ہمیں دین سکھایا، ہمارے بابا نے ہی ہمیں پردہ سکھایا، بابا آپ نے ہمیں شرم و حیا سے روشناس کرایا ہے، کبھی ہمارے بابا نے ہمارے وجود پہ کسی غیر محرم کی نظر نہیں پڑنے دی، ہمارے بابا نے ہمارے سراپے کو گندی نگاہوں سے محفوظ رکھا ہوا ہے، ہمارے بابا نے ہمیں سب سے قیمتی چیز سمجھا ہے، بابا جان آپ نے ہمیں حقیقی نسوانی صفحات عالیہ سے آراستہ کیا ہے، کائنات کی سب سے عظیم خوبی جو کسی عورت کے لیے ہو سکتی ہے وہ آپ نے ہماری جھولی میں ڈال دی ہے۔'' مولوی صاحب بس پیار سے زینب کو دیکھ رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ میری گڑیا بڑی ہو گئی ہے اور سمجھدار بھی ہو گئی ہے۔

☆☆☆

مولوی صاحب گھر میں داخل ہوئے تو ان کی بڑی بیٹی زینب چارپائی پر لیٹی اپنی ماں کو زور زور سے آوازیں دے رہی تھی۔ ''امی، امی، امی۔۔۔ آپ بولتی کیوں نہیں؟'' چھوٹی فاطمہ گھبرائی ہوئی ان کو دیکھ رہی تھی۔ زینب کی عمر بارہ سال ہو گی اور فاطمہ کی آٹھ سال۔ اپنے بابا کو دیکھ کر زینب دوڑ کر ان سے لپٹ گئی اور رونا شروع کر دیا۔

''بابا آپ امی کی دوائی لینے گئے تھے نا؟ دیکھیں امی کو کیا ہوا ہے؟ وہ بول بھی نہیں رہی ہیں۔'' دو تین دن سے کلثوم کو بخار چڑھا ہوا تھا۔ دوائی بھی لی تھی پر بخار پھر بھی کم نہ ہوا تھا۔

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

آج مولوی صاحب کسی سے قرض کے طور پر کچھ رقم مانگ کر لائے تھے تاکہ وہ اپنی بیوی کو کسی بڑے ہسپتال کے بڑے ڈاکٹر کے پاس لے کر جائیں لیکن کلثوم تو ہمیشہ کی طرح بنا کوئی شکوہ کیے چپ چاپ بڑی خاموشی سے اپنے آخری سفر پر رواں دواں ہو گئیں تھیں مگر مولوی عبدالباسط کو زندگی کی پریشانیوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے تنہا چھوڑ گئی تھیں۔ جب کلثوم کو فوت ہوئے تین ماہ گزر چکے تو رشتہ داروں نے مولوی صاحب کو دوسری شادی کرنے پر زور ڈالنا شروع کر دیا تو مولوی صاحب نے سب کو یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اپنی بیٹیوں کی ماں بھی اب میں ہی ہوں۔

☆☆☆

''بابا آپ کہاں کھو گئے؟'' فاطمہ نے اپنے بابا کی گود میں سر رکھ کر پکارا تو مولوی صاحب ایک دم چونک گئے اور مسکرا کر فاطمہ کے سر پہ ہاتھ پھیرا اور بولے۔ ''کچھ نہیں بیٹا۔''

زینب!'' بابا میں آپ کے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' اسی وقت عید کا چاند نظر آ گیا ہے کہ شور ہوا تو فاطمہ دوڑ کر اپنی آپی کے پاس گئی اور اس سے لپٹ گئی۔زینب نے اسے اپنی بانہوں کے حصار میں لے لیا۔صحن میں بیٹھے مولوی صاحب اپنے جگر گوشوں کو پیار بھری نظروں سے دیکھتے رہے۔مولوی صاحب سوچ رہے تھے کہ کاش امت محمدیہ کا ہر فرد اپنی اولاد کی تربیت اسلامی اصولوں پر کرے تو وہ کبھی بھی ان کا سر بے راہ روی اور بے جا خواہشوں کے باعث کبھی بھی جھکنے نہ دیں۔ بلکہ ہر پر فتن دور میں خود کو ہر طرح کی برائیوں سے بچا کر رکھیں اور اللہ کا شکر ادا کرتے رہیں اور اپنے والدین کا سر فخر سے بلند رکھیں۔زینب چائے لے کر آئی اور فاطمہ اپنے ہاتھوں پہ لگی مہندی دکھانے لگی۔

''بابا دیکھیں میں نے مہندی لگائی ہے۔اچھی ہے نا؟''

''بہت پیاری ہے۔'' مولوی صاحب نے کہا۔ مولوی صاحب زینب اور فاطمہ کو محبت پاش نظروں سے دیکھے جا رہے تھے جو کہ آج ان کی محنت اور مشقت کا صلہ بن کر ان کے سامنے موجود تھیں اور ایک مکمل سانچے میں ڈھلی ہوئی تھیں۔مولوی صاحب کی آنکھیں نمکین پانی سے لبریز تھیں اور دل اپنے رب کے حضور احساسِ تشکر سے جھکا جا رہا تھا۔

''آپی آج آپ نے مہندی کیوں نہیں لگائی؟ آپی اگر آج امی زندہ ہوتیں تو کتنا مزہ آتا۔ ہم دونوں مہندی لگاتے اور امی سوئیاں پکاتیں۔ ہے نا آپی؟'' فاطمہ بولتی چلی گئی اور زینب اس کو سونے کا کہہ کر کروٹ بدل کر سوچا کہ امی کے جانے کے بعد کبھی مہندی لگائی ہی نہیں۔

☆☆☆

مولوی صاحب عید کی نماز ادا کر کے گھر میں داخل ہوئے تو سامنے ان کی خالہ زاد بہن آمنہ، ان کے شوہر حیدر جیلانی، بیٹا حنظلہ، بیٹی عائشہ بیٹھی تھی۔ فاطمہ اور عائشہ نے ایک جیسے کپڑے پہن رکھے تھے اور کشتی کھیل میں مصروف تھیں۔یہ سوٹ آمنہ فاطمہ کے لیے عید کا تحفہ لائی تھی۔مولوی صاحب کو دیکھ کر سب اٹھ کر ملنے لگے اور عید کی مبارکباد دینے لگے۔

☆☆☆

دسترخوان بچھا کر زینب نے کھانا لگایا اور فاطمہ کو یہ کہہ کر باہر نکل گئی کہ بابا جان کو کہو کہ کھانا کھا لیں۔جب کھانا کھا چکے تو آمنہ بولی۔''بھائی صاحب! آج عید کا دن ہے، خوشیاں بانٹنے کا دن ہے آپ میری جھولی کو خوشیوں سے بھر دیں آپ مجھے میرے بیٹے حنظلہ کے لیے زینب کا رشتہ دے دیں۔

مولوی صاحب نے حیران ہو کر آمنہ کی طرف دیکھا اور پھر حنظلہ کو دیکھنے لگے۔گورا رنگ، کشادہ پیشانی، ستواں ناک، خوبصورت آنکھوں پر چشمہ، گھنی داڑھی، ہونٹوں پہ ہلکا سا تبسم سجائے پانی کا گلاس ہاتھ میں لیے بیٹھا تھا۔مولوی صاحب کو خاموش دیکھ کر آمنہ پھر بولی۔

''بھائی صاحب میں زینب کو ماں بن کر پیار دوں گی۔''

مولوی صاحب نے کہا'' لیکن آمنہ بہن آپ کو ہم سے بہتر گھرانوں سے رشتہ مل سکتا ہے۔''

آمنہ نے کہا'' ہاں بھائی صاحب مل تو سکتا ہے۔''

''پھر آپ۔۔۔'' مولوی صاحب نے اپنی بات ادھوری چھوڑ کر اس کے شوہر کی طرف دیکھا۔ حیدر جیلانی مسکرا کر بولے۔'' لیکن ہمیں تو بیٹی زینب پسند ہے۔''

آمنہ نے کہا بھائی صاحب آپ انکار مت کرنا۔ہمیں زینب جیسی سمجھدار، سگھڑ اور پیاری سی بہو چاہیے۔میری تو یہ کئی سالوں کی آرزو ہے۔خدارا آپ ہاں کر دیں۔'' مولوی صاحب نے مسکرا کر سر کو جنبش دی اور کہا۔

''آمنہ بہن! جیسے آپ کی مرضی مجھے منظور ہے۔'' آمنہ نے فوراً مٹھائی کی ٹوکری کھولی اور سب کا منہ میٹھا کرانے لگی۔مولوی صاحب اللہ کی اس دین پہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ اپنے رب تعالیٰ کے حضور شکر بجا لایا۔

زینب کو دوسرے کمرے میں آمنہ تیار کرنے میں مصروف تھی کیونکہ شام کو نکاح کی چھوٹی سی تقریب تھی، اور پھر رخصتی سرخ جوڑے میں۔سرخ جوڑے میں ہلکا سا میک اپ اور سونے کا سیٹ پہنے وہ دلہن بنی اپنے سسرال میں گلاب کے پھولوں کی سیج میں بیٹھی تھی اور اپنے رب کا شکر ادا کر رہی تھی۔اس کے کانوں میں بابا جان کی آواز گونج رہی تھی جب وہ ہر پریشانی کے وقت پڑھتے تھے اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْن اور جب کوئی خوشی ملتی تو فَبِاَیِّ آلَاءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰن پڑھتے اور زینب ہمیشہ کی طرح اللہ سبحان وتعالیٰ کے اس کرم پہ شکر بجا لائی۔

☆☆☆

افسانہ

تیری دید میری عید پیا

انعمتہ گل

محبت دو دلوں میں پروان چڑھتی ہے تو زندگی دھنک
بن جاتی ہے محبت اپنے نام کی طرح خوبصورت
احساس ہے مگر اس کا دوسرا روپ جدائی ہے

وطن کی مٹی سے محبت کرنے والے دو پریمیوں کی کہانی

وابستہ میری یاد سے کچھ تلخیاں بھی تھیں
اچھا کیا جو مجھ کو فراموش کر دیا

پنجاب کے اس چھوٹے سے گاؤں 'نظام پور' میں زندگی اپنی تمام تر خوبصورتی کے ساتھ رواں دواں تھی۔ ہرے بھرے لہلہاتے کھیت آنکھوں کو عجیب تازگی اور ٹھنڈک بخش رہے تھے۔ ہر طرف ٹھنڈی اور تازہ ہوا اپنے ساتھ مٹی کی خوشبو لیے ہر سانس کو مہکا رہی تھی۔ تاجی نے کچے صحن میں پانی کا چھڑکاؤ کرتے ایک لمبی سانس اندر کھینچی جیسے وہ مٹی کی ساری خوشبو اپنے اندر جذب کرنا چاہ رہی ہو۔

''تاجی! تجھے کتنی دفعہ کہا ہے کہ کچے صحن میں اس قدر نہ کیا کر چھڑکاؤ کہ کیچڑ ہی بن جائے۔ آدھا آدھا گھنٹہ آنکھیں بند کیے نا جانے کدھر کھوئی رہتی ہے۔''
رضیہ بیگم نے تاجی کو لتاڑتے بڑی مشکل سے موٹر تک آ کر نل بند کیا۔

''اف اماں۔۔۔ آپ نہیں سمجھیں گی کہ مجھے مٹی

سے عشق ہے۔ مٹی کی خوشبو مجھے پاگل کر دیتی ہے دل کرتا ہے کہ ساری کی ساری اپنے اندر اتار لوں یا پھر خود ہی اس میں جذب ہو جاؤں۔'' تاجور نے خوشی سے جھومتے ہوئے مبہور لہجے میں کہا۔

''تاجی! کیا اُول فُول بکے جا رہی ہے؟'' رضیہ بیگم نے دہل کر سینے پر ہاتھ دھرا۔ کبھی کبھی تاجور انہیں واقعی حیران کر دیتی تھی۔

''اچھا میری پیاری اماں۔ نہیں بولتی تیری تاجی اب ایسے۔ پر اماں کہے دیتی ہوں کہ تیری تاجی کو اس مٹی سے پیار ہے۔''

''نہ میرا پتر مجھے تو اب سمجھ لگ رہی ہے کہ یہ تیرا قصور نہیں ہے تو نے بچپن میں کھایا ہی اس مٹی کو اتنا ہے کہ یہ تیرے بھیجے میں بس گئی ہے اب۔''

''ہاہاہا...... نہیں اماں بس کریں ناں دعا کر کہ تیری تاجی اس مٹی میں بس جائے۔'' رضیہ بیگم کو یوں لگا جیسے ان کی سانس رک سی گئی ہو۔

''تاجی کیوں بوا رہی ہے ایسے؟ میں نے اب چپل اتار کر تیری واقعی پٹائی شروع کر دینی ہے۔'' رضیہ بیگم نے آنسوؤں کو روکتے ہاتھ چپل کی طرف بڑھایا۔

''نہ۔۔۔ نہیں اماں۔۔۔ میں تو مذاق کر رہی تھی تو بھی نا۔ پر ایک گل ہے۔ آج تیری تاجی کو پتا چل گیا کہ اس کی پیاری اماں جو ہر وقت ڈانٹتی رہتی ہے اور مار بھی لیتی ہے، وہ اندر سے کس قدر مجھے چاہتی ہے۔'' تاجی نے اماں کے قریب آتے لاڈ سے بازو پھیلا کر ماں کو اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ رضیہ بیگم نے بھی اپنی جھلی سی بیٹی کا ماتھا چومتے ساتھ لگا لیا۔

☆☆☆

موسم نے یک دم ہی روپ بدلا تھا اور سردی سے کب گرمی آ گئی پتہ ہی نہ چلا۔ گندم کی بالیاں جو پہلے ہری کچور تھیں دن بہ دن سنہری مائل ہوتی چلی گئیں اور پھر بیساکھی کا دن بھی آن پہنچا اور گندم کی ڈالیاں سوکھ کر بھرپور سنہری ہو گئیں۔ ڈھول کی تھاپ پہ لوگوں نے گندم کی کٹائی بھی شروع کر دی۔ پنجاب میں بیساکھی کا یہ منظر دیکھنے والا ہوتا تھا۔ بڑے بڑے کڑاہوں میں دیسی گھی والی جلیبیاں نکالی جاتیں اور پورے گاؤں میں بیساکھی لگنے کی خوشی میں بانٹی جاتیں۔ گرمی سے بے نیاز گاؤں کے لوگوں کا جوش و خروش دیکھنے والا ہوتا تھا۔ سارا گاؤں یکجا ہو جاتا اور ایک دوسرے کو اپنے ہونے کا احساس دلایا جاتا اور مل جل کر گندم کی کٹائی کی جاتی۔ پاکستان میں یکجہتی، اتحاد اور محبت کا یہ منظر اتنا دلفریب ہوتا تھا کہ جو دیکھتا، دیکھتا ہی رہ جاتا۔ تاجی کو بیساکھی کا ہمیشہ سے ہی انتظار رہتا تب گاؤں میں عید کا سا سماں ہوتا اور ان کے سال بھر کے روزگار کا یہی ایک ذریعہ تھا۔ گندم کو کاٹ کر اس کو پھر چھوٹی چھوٹی گٹھریوں میں باندھا جاتا پھر ایک جگہ اکٹھا کر کے تھریشر مشین میں ایک ایک گٹھری ڈالی جاتی اور موتیوں جیسے گندم کے دانے نیچے زمین پہ پڑے ٹاٹ میں گرتے چلے جاتے۔ رضیہ بیگم کی دعائیں اور سجدے بیساکھی کے دنوں میں طویل تر ہو جاتے کہ اللہ سائیں ساری گندم ساتوں خیریت سے گھر آ جائے۔ اگر کبھی آسمان پہ بدلی چھا جاتی تو لوگ فکر مند سے ہو جاتے، آسمان کی طرف دیکھ کر سب محو التجا ہوتے۔ نہ اللہ سائیں نہ ہم غریبوں پہ اپنا کرم فرمانا، ہمارے سال بھر کی روزی تیرے ہاتھ میں ہے، اپنے بندوں کے پسینوں کے تر چہرے آسمان کی طرف اٹھے دیکھ لے بارش کو کسی اور وقت رحمت بنا کر بھیجنا اللہ جی۔ ہماری دعاؤں کو سن اللہ سائیں اور اللہ تو ہی ہے غفور الرحیم۔ اپنے محنت کش بندوں کی دعا کو قبولیت کی سند بخشنا۔ بدلیاں غائب ہو جاتیں اور لوگ جوش و خروش سے درانتیوں کو مہارت سے گندم کی ڈالیوں پہ چلاتے جاتے۔ پھر پنجاب کی مٹیاریں ٹھنڈی ٹھارلسی کے مٹکے اور کھانا اٹھائے کھیتوں کا رخ کرتیں۔

☆☆☆

جب سے رضیہ بیگم ایک حادثے میں ٹانگ سے معذور ہوئی تھیں تو وہ کھیتوں میں جانے کے قابل نہیں رہی تھیں۔تاجی نے سارے گھر کا کام سمیٹا، بھوری (بھینس) کو پانی پلا کر چھاؤں میں باندھا، پھر تازہ دہی کی لسی رڑکی۔ اس کی پیاری اماں نے بیٹھے بیٹھے پیاز اور لہسن کاٹ کے رکھا ہوا تھا۔

''چل پتر جلدی سے ہانڈی چڑھا لے تیرے ابا اور تیرے تاجی (تایا جی) کو بھوک لگی ہو گی اور کیا پتہ ساول پتر بھی رات آ گیا ہو۔''

''نہیں اماں وہ نہیں آنے والا اکو ہی بہانہ ہے اس کے پاس، چھٹی نہیں ملے گی، یہ اور وہ۔ ہونہہ ہو جیسے جانے ہیں بس سارے اس کے۔'' چولہے پہ ہانڈی چڑھاتے ساول کا اکثر اوقات بولا گیا ڈائیلاگ اماں کو سنایا۔

''نہ پتر فوج میں سو مجبوریاں ہوں گی تجھے کیا پتا۔اپنے ابے اور چاچے پہ تو جان چھڑکتا ہے ساول۔ آج تک نہ آیا تو کل تک آ ہی جائے گا۔'' رضیہ بیگم نے محبت سے کہتے ساول کا دفاع کیا۔

ساول کو فوج میں جانے کا جنون کی حد تک شوق تھا اسی شوق کے تحت اس نے کسی کی بھی نہ سنی۔ اچھی تعلیم، سرو قد، خوبصورت مردانہ وجاہت سے بھرپور سراپا اور دل میں وطن کی محبت کا جوشیلا ٹھاٹھیں مارتا سمندر۔ غرض ہر لحاظ سے وہ بھرپور نوجوان وطن کی حفاظت کے لیے موزوں قرار دے دیا۔وہ بہت زیادہ خوش تھا اور خوشی سے اپنی اماں کو خبر دی۔

''دیکھ اماں تیرے ساول کو اللہ نے وطن کی حفاظت کے لیے چن لیا۔میری لگن سچی تھی میں کامیاب ہو گیا۔'' زبیدہ بیگم قوتِ گویائی سے محروم تھیں مگر خاموش آنسو بھری نگاہوں سے التجا کی اور ٹھوڑی سے پکڑ کر نفی میں گردن ہلائی جیسے کہہ رہی ہوں کہ اکو اک ہی تو چن ہے تو میرا۔میری ساری حیاتی کی دولت تو ہی ہے۔نہ جا دور مجھ سے ساول۔

''وے ساول کی ماں پاگل ہو گئی ہے تو؟ کیوں رو کر بچے کا دل توڑ رہی ہے تو؟ میرا شیر پتر ہے ساول اور شیر ہی اس وطن کی حفاظت کرتے ہیں۔شاواشے پتر اٹھ تیاری کر جانے کی۔'' کرم دین نے حقہ پیتے ساول کی ہمت بندھائی۔''چل زبیدہ بیٹے کو اچھی طرح سے رخصت کر۔'' ساول نے قریب جا کر اماں کے ہاتھوں پہ بوسہ دیا۔

''فکر نہ کر اماں میں آتا جاتا رہوں گا۔کوئی ہمیشہ کے لیے تھوڑی جا رہا ہوں اور ابا جی آپ تو اٹھ کر جپھی ڈال کر ملیں دل خوش کر دیا آپ نے۔''

''لو جوانا فیر لگ جا گلے۔'' زبیدہ بیگم باپ بیٹے کی اس محبت پہ نم آنکھوں سے مسکرا دیں۔اب ساول کو سب سے مشکل کام تاجی کو منانا لگ رہا تھا۔مگر اس کی دلیلوں کے آگے تاجی کی ایک نہ چلی۔

''دیکھ تاجی تجھے اس مٹی سے عشق ہے نا؟''

''ہوں۔'' تاجی نے گلے میں آنسوؤں کے پھندے کو دھکیلتے اثبات میں سر ہلایا۔

''تو مجھے تیرے اس عشق کی حفاظت کرنی ہے، تیری مٹی کی حفاظت۔ تو بتا روکے گی مجھے اس سے؟'' تاجی نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

''اونہوں! نہیں روکوں گی۔ بس اک ڈر لگتا ہے مجھے ساول۔'' تاجی نے نظر پھیر کر پھر کہا۔

''کیسا ڈر؟ موت کا ڈر، شہید ہونے کا ڈر؟ جھلیے موت تو یہاں بھی آ سکتی ہے۔کھڑے کھڑے، ابھی اسی وقت۔موت سے تو بزدل ڈرتے ہیں شیر نہیں۔شہادت تو خوش نصیبوں کو ملتی ہے۔ میں اتنا خوش نصیب ہو جاؤں۔۔۔''

''خدا کے لیے ساول نہ بول ایسے۔'' تاجی نے تڑپ کر سر اٹھایا۔''میں دل و جان سے راضی ہوں تو جا بس اس وطن کی حفاظت کے لیے۔ اللہ تجھے اس کی حفاظت کے لیے لمبی زندگی دے۔'' تاجی آنسوؤں کو

دھکیلتی کہہ کر سیڑھیاں اتر گئی۔

''تاجی سن۔۔۔'' مگر وہ جا چکی تھی۔تاجی نے جب سنا کہ وہ جا رہا ہے تو وہ دوڑی آئی تھی کہ وہ روک لے گی مگر اسے کیا پتہ تھا کہ وہ الٹا اسے قائل کر لے گا۔

☆☆☆

کرم دین اور اللہ دین دو ہی بھائی تھے۔دونوں اکٹھے ہی زمینوں کو سنبھالتے۔کرم دین کا ایک ہی بیٹا تھا ساول اور اللہ دین کو اللہ نے تاجی کے روپ میں رحمت سے نوازا تھا۔دونوں گھرانے گاؤں کے متوسط گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔دونوں میں اتفاق اس قدر تھا کہ لوگ ان کی مثالیں دیتے نہ تھکتے۔ساول کی ماں قوتِ گویائی سے محروم تھیں۔نہ کسی کو اچھا کہتی تھیں نہ برا۔صرف اپنے کام سے کام رکھتی تھیں اور رضیہ بیگم بھی بہت اچھی اور دھیمے مزاج کی خاتون تھیں۔چھت سے گرنے کے سبب وہ ایک ٹانگ سے محروم تھیں۔

☆☆☆

تاجی نے دیسی ککڑ بھونا، گڑ والے چاول بنائے، ساتھ اچار لیا اور سارے کھانے کو باندھ کر ہاتھ میں پکڑا اور لسی کے مٹکے کو اٹھا کر سر پہ رکھ لیا۔

''اچھا اماں جی میں چلتی ہوں پھر آ کر آپ کے ساتھ ہی روٹی کھاؤں گی۔ٹھیک ہے؟''

''اچھا پتر رب سوہنے کے حوالے آرام سے ٹر کے جانا۔میری ہمت ہوتی تو تجھے کبھی اتنے وختوں میں نہ ڈالتی پتری۔'' تاجی کو گیٹ سے نکلتے دیکھ کر رضیہ بیگم نے دکھ سے کہتے ہنکارا ابھرا۔

''تائی امی میں روٹی لے کر جا رہی ہوں۔آج آپ کی طبیعت خراب ہے کیسے پکائیں گی؟ رہنے دیتا آپ اچھا۔'' تاجی نے ساول کے گھر کے پاس آتے سوچا کہ انہیں اطلاع دے آئے کہیں وہ بھی نہ لے جائیں۔انہوں نے محبت سے دیکھتے سر ہلایا جیسے کہہ رہی ہوں اچھا ٹھیک ہے پتر۔تاجی کو جانے کیوں لگا کہ جیسے تائی اماں بہت خوش ہوں آج مگر پھر سر جھٹکتے آگے چلی گئی۔پراندے کو ایک طرف ڈالے وہ کچی پگڈنڈیوں پہ چلے جا رہی تھی۔پیلے رنگ کی پٹیالہ شلوار پہ گھٹنوں سے تھوڑی اوپر تک آتی سبز قمیص اور سبز گوٹے سے سجا دوپٹہ کیے وہ ہیر کے حسن کو بھی مات دے رہی تھی۔ساول نے دور سے تاجی کو آتے دیکھا تو درانتی کو زمین میں دھنسایا اور ٹاہلی کی چھاؤں تلے جاتے ہوئے چاچا اور ابا کو آواز دی۔

''آ جائیں ابا جی اور چاچا چھاؤں میں۔تاجی کھانا لے کر آ رہی ہے۔'' کرم دین اور اللہ دین نے اس راستے کی طرف دیکھا جہاں سے تاجی چلی آ رہی تھی۔بے ساختہ ان کے لبوں پہ پیار بھری مسکان اٹھ آئی۔درانتی کی نوک زمین میں دھنساتے وہ دونوں بھائی بھی چھاؤں میں چلے گئے۔ٹاہلی کے پاس ٹھنڈے ٹھار اور صاف ستھرے پانی کا نالہ بہتا تھا۔ساول نے ہاتھ منہ اس پانی سے دھویا اور چھاؤں میں ڈالی چٹائی پہ جا بیٹھا۔تاجی کو دیکھ کر ساری تھکن اڑن چھو ہوتی محسوس ہوئی۔وہ اس کی بچپن کی منگ تھی۔بچپن سے جوانی تک آتے اور والدین کی مبہم سی باتوں سے وہ دونوں ان کہے ہی سمجھ گئے تھے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے ہی بنے ہیں۔

''ساول پتر اٹھ راستے سے مٹکا پکڑ کے لے آ بڑی مشکل سے میری دھی چل کے آ رہی ہوگی۔اٹھ شاباش۔'' تاجی اب انہیں نظر نہیں آ رہی تھی کیونکہ وہ قطار در قطار لگے درختوں کے پیچھے چھپ سی گئی تھی۔ساول کے پاس بیٹھے اس کے ابا کرم دین نے اسے اٹھا کے اس کی مدد کو بھیجا۔ساول بھی جیسے حکم کا ہی منتظر تھا جھٹ سے اٹھ گیا۔

''بڑی بختوں والی اور کاموں والی دھی ہے میری۔اللہ اس کے بھاگ دی سوہنے کرے۔''

''کیا مطلب اللہ دین تیری دھی ہی کیوں تاجی

میری بھی دمی ہے۔بھل گیا ہے تو یاد کرا دیتا ہوں تجھے۔اس سال انشاء اللہ اپنی بیٹی کو گھر لے آؤں گا۔ساول کو اپنے سگے پتر جیسا ہی سمجھ۔فکر کیوں کرتا ہے؟" کرم دین نے بھائی کا شانہ تھپکتے انہیں حوصلہ دیا۔

"ہاں ساول پتر تو سونا ہے۔ اللہ اس جیسا فرمانبردار پتر سب کو دے۔آمین۔"

"تاجی کدھر رہ گئی؟" ساول نے درختوں کے گھنے جھنڈ میں آتے تاجی کو پکارا۔تاجی کو لگا کہ شاید اسے سننے میں مغالطہ لگا ہو۔بے ساختہ آگے پیچھے دیکھا تو وہ سامنے سے آتا دکھائی دیا۔

"ارے تو؟" تاجی نے حیرت اور خوشی کی ملی جلی کیفیت میں پوچھا۔

"ہاں میں ہی۔" ساول نے تاجی کی حالت کا مزہ لیتے ہوئے کہا۔

"کب آیا؟بغیر خبر کے ہی؟"

"میں بس رات کو ہی آیا بیساکھی کی چھٹی لے کر چاچا جی اور ابا کیسے کریں گے یہی سوچ کر چھٹی لی اور آ گیا۔مجھے پتہ تھا کہ کھانا دینے تو ہی آئے گی اور تو اتنی دیر سے کیوں آئی ہے؟"

"نہیں تو میں تو اپنی طرف سے بڑی جھپتی جھپتی آئی ہوں۔"

"ہاں بڑی جھپتی آئی ہے۔بھوک سے جان نکلی جا رہی ہے۔لا یہ منکا مجھے پکڑا دے اور کھانا بھی۔تیری کھانا لانے کی ڈیوٹی اب ختم۔بہت دھوپ نکل آئی ہے تو واپس چلی جا شاباش۔"

"یہ لے۔" تاجی نے منکا پکڑا دیا اور کھانا بھی۔ساول نے بے ساختہ تاجی کے روپ سے نظریں چرائیں۔دھوپ سے تپتے رخسار سرخی مائل ہو گئے تھے۔

"اچھا ٹھیک ہے رب راکھا۔" تاجی بھی جھینپتے ہوئے رخ موڑ گئی۔

"اچھا سن۔" ساول نے یکدم پکارا۔تاجی جاتے جاتے پلٹی اور سوالیہ نظروں سے دیکھا۔"چاچی کو میرا سلام کہنا اور میں رات کو ان سے ملنے آؤں گا۔"

"اچھا ٹھیک ہے آجانا اور کچھ؟"

"ہاں نا اور کچھ مگر ابھی انتظار کر۔"

"اف ساول تو بھی نا، میں چلی۔" تاجی دھڑکنوں کو سنبھالتی جھٹکے سے مڑی اور بھاگ گئی۔ساول کا ہلکا سا قہقہہ ہوا میں گونج کر رہ گیا۔

☆☆☆

عجیب لمبے لمبے اور گھٹن زدہ سے دن تھے۔گاؤں میں جو بیساکھی کی رونق اور چہل پہل تھی وہ سب مفقود ہو چکی تھی۔ساول ابا جی اور چاچا جی کے ساتھ مل کر گندم کو بوریوں میں ڈال کر گھر چھوڑ گیا تھا جو دونوں بھائیوں نے برابر تقسیم کر لی۔ساول جلد آنے کے وعدے کے ساتھ ایک دفعہ پھر وطن عزیز کی حفاظت کے لیے چلا گیا۔جاتے ہوئے تاجی اسے چھت پہ کپڑے پھیلاتے ہوئے مل ہی گئی۔

"آہم۔" مگر وہ چونکے بغیر کپڑے پھیلاتی رہی۔"ناراض ہو؟"

"نہیں تو۔"

"پھر بول کیوں نہیں رہیں؟"

"کیا بولوں؟"

"کچھ بھی جو تیرا من کرے۔" ساول نے اس کے موہنے روپ کو آنکھوں میں سموتے ہوئے پوچھا۔

"سارے لفظ ہی ختم ہو جاتے ہیں آج والے دن ساول۔بس یہی کہوں گی کہ تو خیریت سے اپنے مشن پہ جا۔اللہ تجھے کامیاب کرے۔" تاجی سے کپکپاتے لبوں سے بس اتنا ہی بولا گیا۔

"تاجور میرے لیے دعا کرنا بہت ساری کہ اللہ مجھے ثابت قدمی سے اپنے مقصد میں کامیاب

کرے۔ میں بہت جلد آنے کی کوشش کروں گا تا کہ پھر تجھے ہمیشہ کے لیے اپنے گھر لے آؤں۔'' مسکرا کے کہتے اس نے تاجی کے بدلتے روپ کو دیکھا۔ تاجی لال ہوتے عارضوں کے ساتھ سر جھکا گئی۔ ساول کچھ دیر ٹھہر کر پھر بولا۔ ''اور اگر نہ آ سکا تو۔۔۔''

''خدا کے لیے ساول پھر وہی بات۔۔۔'' تاجی نے جھکا سر جھٹکے سے اٹھایا۔ بڑی بڑی ساحر آنکھوں میں نمی لیے شکوہ کناں ہوئی۔

''اونہوں! رونا نہیں۔'' ساول نے تاجی کی آنکھ میں اٹکا آنسو اپنی انگلی کی پور پہ چن لیا۔

''تو فیر تجھے کتنی دفعہ کہا ہے کہ ایسی بات منہ سے نہ نکالا کر اور اگر ایسے ہی بولنا ہوتا ہے تو مجھے بتائے بغیر ہی چلا جایا کر۔'' وہ آہستگی سے کہتے رخ موڑ گئی۔

''ہاں ایک دفعہ ایسے ہی کیا تھا پھر تو نے لمبے لمبے خط لکھ کر مجھے بیچ میں پریشان کر کے رکھ دیا تھا۔''

''کیا؟'' میرے خط سے تو پریشان ہوتا ہے؟''

''نہ۔۔۔نہیں تاجی تو بھی نا میں تو اویں ہی مخول کر رہا تھا۔'' تاجی کو سنجیدہ ہوتے دیکھ ساول نے بوکھلا کر وضاحت کی مگر تاجی کا موڈ بگڑ چکا تھا۔

''چل ٹھیک ہے۔ رب راکھا۔ تیری تو عادت ہے مجھے جلا کر جانے کی۔''

''نہیں تاجی۔ ایسا کیوں سوچتی ہے؟ ہر بار لڑ کے رخصت کرتی ہے۔ اب پھر جا رہی ہے۔'' ساول نروٹھے پن سے کہتا گھوم کر سیڑھیوں کی طرف جاتی تاجی کے سامنے آیا۔

''چل ہٹ بھڑی ٹھنڈ ڈال دی ہے تو نے کلیجے میں بس ایہو ای بات ہے۔'' تاجی دونوں ہاتھوں سے پیچھے دھکیلتی جانے لگی۔

''صرف پنج منٹ۔ یہ دیکھ تیرے لیے ایک چیز لایا تھا۔''

''کیا؟ کونسی؟'' تاجی نے سوالیہ نظر ڈالی۔

''یہ وہ چیز ہے جس سے نہ صرف تو ڈائریکٹ مجھے وہاں بیٹھا دیکھ سکے گی بلکہ آواز بھی سن سکے گی اور ٹیلی فون کرنے ماسٹرنی کے گھر بھی نہیں جانا پڑے گا۔''

''اچھا واقعی؟ پر ٹھہر جا تو بے وقوف بنا رہا ہے ناں؟''

''نہیں یہ دیکھ۔'' ساول نے ایک بے حد اسٹائلش اور خوبصورت موبائل تاجی کی طرف بڑھایا۔ تاجی حیرت سے منہ کھولے کبھی فون اور کبھی ساول کی طرف دیکھ رہی تھی۔''

''کیا ہوا نہیں آیا پسند؟''

''نہ۔۔۔نہیں بہت ودیا ہے یہ تو۔''

''اچھا پھر پکڑ بھی لے۔''

''مگر میں یہ دیکھ رہی تھی کہ تو اتنا بڑا گھبرو جوان اس وچ آئے گا کیسے؟'' تاجی پریشان سی پرسوچ لہجے میں بولی۔

''ہاہا جھلی تو فکر نہ کر آ جاؤں گا اس میں۔ چل سمجھاتا ہوں تجھے۔ بس تم کرنا یہ کہ جب فون کرنا تو چھت پہ آ جانا یہاں سگنل ہوں گے اچھا۔''

''ہاں ٹھیک ہے فیر کیا کروں؟'' تاجی پاس پڑی چارپائی پہ بیٹھ گئی اور فون الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔ ''پر یہ تو خراب ہے۔''

''نہیں تاجی بالکل نیا ہے۔''

''تو پاگل اس کے بٹن دیکھ کر لیتا تھا نا۔ ہونڑ میں اس کا کیا کروں گی؟ اویں مخول کے لیے روک لیا۔ میں تو جاؤں سو کام ہیں۔ یہ پکڑ۔''

''اُف۔'' ساول کا دل کیا کہ فون جیب میں ڈال لے اور ہاتھ جوڑ دے کہ جا چلی جا تیرے وس کی بات نہیں ہے۔ اب وہ اس وقت کو پچھتا رہا تھا جب جذبات میں آ کر یہ فون لے بیٹھا کہ وہاں جب تاجی کے خط جاتے تو اس کے دوست مذاق اڑاتے۔

''اوئے کس صدی میں جی رہا ہے یار؟ اس دو

میں کون لکھتا ہے اب خط؟'' مگر وہ انہیں کیا بتاتا کہ اس کے اماں ابا ان پڑھ اور جہاں بھر کے سادہ تھے۔ ایسے میں تاجی صرف خط لکھنا اور پڑھنا جانتی تھی۔ اسمارٹ فون نہ دیکھا نہ پالا پڑا تو تاجی کا حیران ہونا فطری بات تھی۔ ساول نے گہرا سانس لے کر ایک آخری کوشش کی کہ سمجھائے گا تو آ ہی جائے گا چلانا۔

''دیکھ تاجی اگر تو نے یہ سیکھ لیا تو مجھے تم سب سے رابطے میں رہنے کی آسانی ہو جائے گی۔'' وہ منت بھرے لہجے میں بولا۔

''اچھا فیر بتا دے مجھے۔'' تاجی کو ترس آ گیا۔ ساول نے ایک گھنٹہ لگا کر سمجھایا اور شکر کہ وہ ذہین تھی سمجھ بھی گئی۔ ''ساری سمجھ آ گئی ہے ساول۔ یہ تو بڑے مزے کی چیز ہے۔ میں سکھاں کو بھی بتاؤں گی کہ میرے پاس کتنی ودیا چیز ہے۔ ہونڑ میں جاؤں؟''

''ہاں چلی جا۔'' ساول نے مسکراتے ہوئے اجازت دی۔ ''اور یہ چارجر بھی لیتی جا۔'' تاجی نے آگے بڑھ کر چارجر اٹھالیا۔

''مگر یہ کیا؟'' وہ جاتے جاتے پھر پلٹی۔ ''لے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ تصویر والی کال کیسے کرے گا تو؟''

''نہ بس یہ ای سیکھ لی تو نے بہت ہے۔ ویسے بھی شاید میں یہ کال بھی مشکل سے ہی کر پاؤں۔''

''اچھا روز اپنا فوٹو ورکشاپ پہ بھیجنا مت بھولنا۔ اللہ سوہنے کے حوالے۔'' تاجی کہہ کر جلدی سے سیڑھیاں اتر گئی۔ ساول کا فلک شگاف قہقہہ رکنے میں ہی نہیں آ رہا تھا۔

''افف کیسے گزریں گے اتنے دن تمہارے بغیر تاجی؟'' اتنا سادہ بھی ہوتا ہے کوئی بھلا جتنی وہ تھی؟ اس کے رٹو طوطے کی طرح یاد کرانے کے باوجود بھی وہ واٹس ایپ کو ورکشاپ بول گئی تھی۔ ساول ایک دلچسپ شام گزار کر رخصت ہو گیا۔

☆☆☆

سورج بڑی بے رحمی سے اپنی تیز چمکیلی اور آگ اگلتی کرنیں ہر سو بکھیر رہا تھا۔ دور دور تک بادلوں کا نشان تک نہیں تھا۔ ایسے میں ہوائیں سورج کو شکست دینے کی ناکام کوشش کرتے سارا سارا دن لوگوں کی دعائیں لیتے نہ تھکتیں۔ گرمی سے گھبرائے بچے، بوڑھے لڑکیاں اور عورتیں درختوں کے جھنڈ کے نیچے بیٹھے پائے جاتے اور جیسے جیسے ہوا چلتی کلمہ شہادت پڑھتے شکر ادا کرتے۔ ان ہی دنوں رمضان المبارک کا چاند نظر آنے کی خوشی ہر احساس پر حاوی ہو گئی۔ لوگ کئی دنوں سے رمضان کی آمد کے منتظر تھے۔ یہ خوشی گرمی کے احساس کو بھی ختم کر گئی۔ سب رمضان کی برکتیں، رحمتیں سمیٹنے کے لیے پر جوش تھے۔ ایسے میں رضیہ بیگم بھی خوشی سے نہال صبح کے روزے کی تیاری کرنے لگیں۔

''تاجی کدھر رہ گئی ہے پتر؟ ادھر آ جلدی سے؟''

''جی اماں جی۔'' تاجی پریشان سی فون پہ اوپر نیچے انگلی پھیرتے کمرے سے نکلی۔

''کل روزہ ہے۔ تو ایسا کر۔۔۔'' رضیہ بیگم تاجی کو دیکھتے بولنے لگی تھیں کہ۔ ''ہیں؟ خیر تو ہے نا؟ تیرے منہ پہ بارہ کیوں بج رہے، ہیں؟''

''کچھ وی نہیں اماں جی بس یہ۔۔۔ افف کدھر گیا؟'' تاجی مسلسل فون کو آگے پیچھے اوپر نیچے کر رہی تھی۔

''ہائے اللہ اس نمونے نے تو تیرا ساہ ہی سکایا ہوا ہے۔ ہر ویلے اس کے ساتھ لگی رہتی ہے۔ یہ تو تجھے بمار (بیمار) کر دے گا۔ دیکھ میری بچی اتا سا منہ نکل آیا ہے تیرا۔ رکھ دے اس کو اندر چل۔'' رضیہ بیگم نے پچکارتے ہوئے منت سے کہا۔

''اف اماں وہ چیز ہی گم ہو گئی ہے اور نمبر بھی۔'' تاجی دانتوں سے ناخنوں کو کاٹتی سخت حواس باختہ لگ رہی تھی۔ شاید الٹی سیدھی انگلی لگ گئی تھی اور وہ نمبر ڈیلیٹ کر چکی تھی۔ ''افف مینوں نہیں پتا۔'' آخرکار جب

کچھ بھی سمجھ نہ آیا تو جھنجلاتے ہوئے فون چارپائی پہ ڈال دیا۔ "آ لینے دے اک بار اسے اماں پتہ نہیں کس گل کا بدلہ لیا ہے اس نے مجھ سے جو یہ دے گیا۔ اک وار وی نی کیا فون۔ تائی اماں الگ فون کی طرف اشارے کر کے پوچھتی ہیں۔ بھلا میں کیا جواب دوں انہیں؟"

"نہ تجھے ضرورت ہی کیا تھی یہ لینے کی؟ تاجی جس رستے کا علم نہ ہو، دیکھا نہ ہو اس پہ چلنے کا فائدہ ہی کیا؟"

"قسم لے لو اماں میں نے تو نہیں بولا کہ دے کے جا، زبردستی دے گیا۔ ویسے تیری دھی اتنی وی بھولی نی ہے آتا ہے چلانا۔ پر چھوڑیں اماں جی یہ بتائیں آپ کیا کہہ رہی تھیں؟"

"میں تو یہ کہہ رہی تھی پتر کہ سرگی ویلے اٹھنا ہے تو ایسا کر جھاگ لگا کر رکھ دے۔ پتہ ہے تیرا باوا صبح لسی سے روزہ رکھتا ہے۔ اور۔۔۔" وہ تاجی کو تفصیل سے سمجھانے لگیں۔ تاجی ہاتھ ٹھوڑی پہ رکھے غائب دماغی سے سنے گئی۔

☆☆☆

رمضان المبارک کا پہلا عشرہ اپنی تمام تر رحمتیں لٹاتا رخصت ہو گیا تھا۔ شدید گرمی کے باوجود لوگ اپنے معمول کے کام سرانجام دیتے رمضان المبارک کے روزے بھی رکھ رہے تھے۔ رضیہ بیگم اور زبیدہ بیگم دونوں زیادہ وقت عبادات میں گزارتیں۔ تاجور بھی اس مہینے عبادت کا معمول سے زیادہ اہتمام کرتی۔ سارا دن زبان پہ ذکر واذکار جاری رہتے۔ کرم دین اور اللہ دین روزہ رکھے اپنے اپنے جانوروں کے لیے چارہ اور گھاس بھی لے کر آتے۔ آج بھی پسینے سے شرابور وہ گھر آئے تو تاجی ان کی مدد کو آگے بڑھی۔

"یہ مجھے دیں ابا جی۔ میں ڈال دیتی ہوں بھوری کو بھی اور گلابو کو بھی۔ آپ اندر پنکھے کے نیچے چلے جائیں۔" وہ ایسی ہی تھی۔ جانوروں کے بھی پیار سے نام رکھے ہوئے تھے۔

"جیتی رہ پتر یہ لے۔" وہ پھولتی سانس کے ساتھ گھاس رکھ کر اندر کی طرف بڑھ گئے۔ تاجی نے گھاس اٹھا کر پچھواڑے میں بندھی بھینس اور گائے کے آگے رکھ دی۔

"یہ لو تسی کھاؤ موجاں کرو۔" وہ گھاس ڈال کر ان کے پاس ہی کھرلی پہ بیٹھ گئی۔ اپنی عادت کے مطابق ان سے باتیں کرنے لگی۔ "تجھے پتا ہے گلابو (گائے) ساول کو گئے پورے دو ماہ اور تیرہ دن ہو گئے ہیں۔ اس نے اک وار وی خط نی لکھا اور نہ ہی فون کیا، ایویں دے گیا تھا۔ اور تجھے بتاؤں اور شاید وہ ڈرانے کے لیے دے کے گیا تھا بڑی خوفناک آواز نکالتا تھا۔ میں نے اٹھا کے پیٹی میں ڈال دیا اور خط وی نی لکھوں گی اگر اسے کوئی پرواہ نی تو میں کیوں کروں؟ سچ تجھے تو دکھایا ہی نہیں تھا۔ دکھاؤں؟" وہ ایسے بات کر رہی تھی جیسے کسی سہیلی سے کر رہی ہو۔ گلابو نے ایسے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو نہیں تو۔ دکھاؤ ذرا۔ "اچھا رک میں لے کر آتی ہوں۔" گلابو ساری گھاس کھا کر اب آرام سے کھڑی تھی۔ "یہ دیکھ۔" تاجی نے فون اس کے سامنے لہرایا۔ بھوری بے چین ہوئی کہ شاید اس کے ہاتھ میں کوئی کھانے کی چیز ہے۔ "ارے ارے تو کیوں ناراض ہو رہی ہے؟ یہ دیکھ پیارا ہے نا؟ اور کیوں نہ ہو ساول کا تحفہ ہے۔" تاجی نے فون کی طرف دیکھ کر پیار سے کہا۔ اور پھر وہ ہو گیا جو تاجی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ بھوری نے سر مارا اور فون تاجی کے ہاتھ سے چھوٹ کے اس کے پاؤں پہ جا گرا۔ "اوئے تیرا بیڑا غرق۔" تاجی نے دو جھاڑ لگا کے جب تک فون کی طرف لپکی بھینس نے پاؤں رکھ کے اسکرین کے ٹوٹے ٹوٹے کر دیے۔ وہ ششدر کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ جتنے آنسو بہا سکتی تھی اس نے بہائے۔ رو رو کر آنکھیں سوجھ

گئیں تھیں۔

''دیکھ تاجی پتر نا رو تو بتا مجھے میں شہر سے ابھی لے کے آتا ہوں بالکل ایہو جیا ہی لے کے آؤں گا۔''

''نہیں ابا جی یہ دوبارہ نہیں مل سکتا۔'' تاجی بھاری زکام زدہ آواز میں بولی۔

''چل چپ کر جا تاجی۔ خبردار جو اب ایک آنسو وی بہایا۔ جو ہوا چنگا ہی ہوا۔''

''پر اماں۔۔۔''

''بس چپ۔ چل اٹھ شاباش افطاری کی تیاری کر۔'' رضیہ بیگم نے تھوڑے سخت لہجے میں بولا تو وہ اٹھ کر رسوئی کی طرف چلی گئی۔

☆☆☆

ساول آج بے حد اداس بیٹھا تھا۔ جو سوچا تھا وہ قطعاً نہیں ہوا تھا۔ خدا کا شکر تھا کہ اب ملک میں امن کی صورت حال تھی۔ شروع شروع میں حالات بے حد سنجیدہ تھے۔ ساول کو ٹائم ہی نہ ملا کہ وہ فون کرتا مگر پھر بھی اس نے ایک دو دفعہ کیا مگر مجال ہے کہ وہ لڑکی اٹھا لے۔ شاید معجزہ ہی ہوتا اگر وہ اٹھا لیتی اور وہ اسی معجزے کا شدت سے منتظر تھا مگر یہ معجزہ نہ ہونا تھا سو نہ ہوا۔ اب جبکہ رمضان المبارک کا آخری عشرہ تھا اس نے کئی بار نمبر ٹرائی کیا مگر ''رابطہ ممکن نہیں'' کی بازگشت سنائی دیتی۔ بے حد پریشانی کے عالم میں اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کرے تو کیا کرے۔ خط بھی نہیں لکھ سکتا تھا۔ اس کی پرمیشن بھی ان دنوں ختم تھی۔ وہ پریشان تو بے حد تھا۔ تاجی پہ رہ رہ کے غصہ آتا۔

''یا اللہ سب خیریت سے ہوں۔'' آسمان کی طرف دیکھتے بے چینی سے دل سے دعا نکلی۔ دو دفعہ چھٹی کی درخواست دینے کے باوجود بھی چھٹی نہ ملی تھی۔

''خیر تو ہے پنجابیو؟ پریشان کیوں بیٹھے ہو؟'' میجر نوید نے پاس بیٹھتے کندھے پہ دھپ لگاتے پوچھا۔ وہ واحد تھا جو ساول کے بے حد قریب تھا۔ وہ ہر بات ایک دوسرے سے شیئر کر لیتے تھے۔ ساول نے کچھ بھی کہے بغیر ایک رنجیدہ سی نظر ڈالی اور پاس پڑے کنکر اٹھا کر دور پھینکنے لگا۔ ''چھٹی ملی؟''

''نہیں یار نہیں ملی۔'' اطراف پہ نظر ڈالتے وہ اداسی کی انتہا پہ تھا۔

''او یار پھر اب کیا کرو گے؟''

''کرنا کیا ہے؟ بس انتظار کہ کب ملے۔''

''اگر زیادہ پریشانی والی بات ہے تو میری چھٹی پہ چلے جاؤ۔ میرا جانا ویسے بھی ضروری نہیں ہے۔ گھر کی خیر خیریت بھی مجھے پتہ چل جاتی ہے۔ تمہیں تو اس بات کی بھی ٹینشن ہو گی۔''

''مذاق نہ کر یار۔ تجھے خود اتنی مشکل سے ملی ہے۔ میں ایسا نہیں کر سکتا۔''

''میں مذاق کے موڈ میں بالکل بھی نہیں ہوں۔ ایک دو دن میں چھٹیاں اوپن ہو جائیں گی تو چلا جاؤں گا۔ دیکھ موقع اچھا ہے۔ پھر ڈھونڈنے سے بھی شاید نہ ملے۔ اٹھو جاؤ شاباش پیکنگ کرو۔ خوشی خوشی جاؤ اور اس دفعہ شادی کی مٹھائی نہ کھلائی تو سب مل کر تیرا حشر کر دیں گے۔''

''ہاہاہا کیوں نہیں یار انشاء اللہ ضرور اور تیرا یہ احسان میں زندگی بھر نہیں چکا سکوں گا۔''

''بے گانوں والی باتیں نہ کر یار۔'' ساول نے آگے بڑھ کر گلے سے لگا لیا۔ وہ خوش تھا بے حد خوش۔

☆☆☆

آج رمضان المبارک کا آخری عشرہ بھی رخصت ہونے کی تیاریوں میں تھا۔ انتیسویں روزے کی شب تھی۔ گاؤں کی لڑکیاں اور بچے پر جوش سے چھت پہ چڑھے آسمان پہ عید کا چاند ڈھونڈ رہے تھے۔ ایسے میں صرف تاجی ہی تھی جو بجھے دل کے ساتھ اداس سی گھٹنوں پہ سر ٹکائے بیٹھی تھی۔ آنسو قطار کی صورت بہے جا رہے تھے اسے خود بھی سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کیوں رو رہی

ہے۔اندر کی گھٹن جب حد سے بڑھی تو وہ چھت پہ چلی گئی۔آسمان پہ نظر دوڑائی تو کچھ بھی دکھائی نہ دیا۔ بار بار ہتھیلی سے آنکھیں رگڑ ڈالتی ۔ فضا میں یکدم "چاند نظر آ گیا چاند نظر آ گیا" کا شور سا بلند ہوا۔ تاجی نے آسمان کی طرف نگاہ دوڑائی۔ دھندلی آنکھوں سے کچھ بھی نظر نہ آیا۔ نیچے عجیب سے شور کی آوازیں آتی رہیں مگر وہ دھیان دیئے بغیر بیٹھی رہی۔

"تاجی۔۔۔ادھر کیوں بیٹھی ہو؟ چاند رات مبارک ہو۔" وہ کان کے قریب آ کر اتنی زور سے بولا کہ تاجی کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ یکدم جھٹکے سے پلٹی، پراندہ بھی اسی شدت سے گھوما اور سیدھا ساول کی آنکھ پہ جا لگا۔

"اُف ظالم لڑکی کیسا استقبال کیا۔" وہ درد سے بلبلا کے رہ گیا۔ تاجور منہ پہ ہاتھ رکھ کہ بے ساختہ اٹھنے والی چیخ کا گلہ گھونٹ کے رہ گئی۔ دعائیں ایسے بھی قبول ہوتی ہیں کیا؟ ساول اس کے بالکل سامنے ہی تو کھڑا تھا ایک ہاتھ آنکھ پہ رکھے، دوسری آنکھ سے تاجی کو گھورتے۔ تاجی کو یکدم کسی گڑبڑ کا احساس ہو وہ فوراً لپکی۔

"اوئی اللہ زیادہ تو نہیں لگی؟"

"نہیں بالکل بھی زیادہ نہیں لگی بلکہ بہت زیادہ لگی ہے۔ ظالم نہ ہو تو۔" تاجی گھبراہٹ کے عالم میں ہاتھوں کی انگلیاں مروڑنے لگی۔

"چل معاف کر دے ساول نہیں لگا پتہ اور تجھے ڈرانے کی کیا ضرورت تھی بھلا؟"

"پاگل ہی رہو گی ہمیشہ۔ سرپرائز ہی خراب کر دیا۔"

"نہ تو بس آرام سے آیا کر مجھے نہیں چاہیے سرپرائز لے یہ پانی ڈال لے شاید آرام آ جائے۔" مگر اس نے اسی کے ڈوپٹے کا کونا پکڑا، پھونک ماری اور آنکھ پہ رکھ لیا۔ دو چار دفعہ ایسا کرنے سے آنکھ واقعی کھل گئی تھی۔ تاجی منتشر دھڑکنیں سنبھالتی رہ گئی۔

"اچھا ساری باتیں چھوڑو مجھے یہ بتاؤ میرا فون اٹینڈ کیوں نہیں کیا تھا؟"

"وہ فون۔۔۔؟" تاجی نے اُنگلی کے اشارے سے وہ کو لمبا کھینچا۔

"ہاں ہاں وہی۔ اگر نہیں تھا لینا تو بتا دینا تھا میں کتنی ٹینشن میں تھا اندازہ نہیں تمہیں۔"

"ساول وہ اب نہیں ہے۔" یہ جملہ بولتے ساتھ وہ پھر رونے لگی۔

"ار۔۔رے۔۔۔ رو کیوں رہی ہو؟ کیا ہوا؟ گر کے ٹوٹ گیا کہیں یا گم ہو گیا؟ بولو نا رومت۔ اچھا نہیں پوچھتا۔"

"س۔۔۔ساول۔۔۔ وہ بھوری نے پاؤں رکھا اور وہ ٹوٹے ٹوٹے ہو گیا۔" پھر زور کا رونا آیا۔

"اچھا اچھا کوئی بات نہیں رونا نہیں۔ (ساول نے تفصیل ہی نہ پوچھی۔ اس کا کچھ پتہ نہیں تھا وہ پھر رونے لگتی) آج چاند رات ہے اور صبح عید۔ ایسے میں تمہاری ساری غلطیوں کی سزا کسی اور وقت کے لیے محفوظ کی۔" گھنی مونچھوں تلے گلابی ہونٹ مسکرائے۔"اور تجھے بتاؤں؟" وہ تھوڑا سا جھکا۔

"کیا؟"

"آج اماں اور ابا آئے ہیں شادی کا دن طے کرنے۔" تاجی نے منہ کھولا پھر بند کر دیا۔ نم آنکھوں اور شرمیلی سی مسکان کے ساتھ وہ سیدھا دل میں اتری جا رہی تھی۔ تاجی سر جھکائے دھڑکنیں سنبھالتی نیچے کی طرف لپکی۔"اونہوں! کدھر جا رہی ہو؟ تفصیل تو سنتی جاؤ۔" مگر وہ ان سنی کرتی ہنستے ہوئے سیڑھیاں اتر گئی۔ ساول بالوں پہ ہاتھ پھیرتے سرشار سا عید کے چاند کو دیکھتے گنگنانے لگا۔ خوشی گیت کی صورت لبوں پہ بکھرنے لگی۔ اور تاجی کی خوشی اور اس کی عید بس ساول کی دید سے ہی مشروط تھی۔ دور فلک پہ عید کا چاند بھی ان کی خوشی پہ خوش ہوتا بدلیوں میں چھپ گیا۔

☆☆☆

افسانہ

پاگل سی لڑکی

صغریٰ بخاری

یادیں زندگی کا انمول سرمایہ ہیں
دل میں بسے کچھ خاص لوگ خود تو ہم سے بہت
دور جا بستے ہیں، مگران کی یادیں ہمیشہ ہمارے ساتھ رہتی ہیں

اک خوبصورت تحریر قارئین ریشم کے لیے

یہی زندگی کا اصول ہے..... جو بچھڑ گیا اسے بھول جا..... جو ملا ہے اسے دل سے لگا کے رکھ..... وہ خواب تھا، وہ خیال تھا، اسے بھول جا، اسے بھول جا.....

وہ خواب کب تھا.....؟ وہ خیال کب تھا.....؟ وہ کل کائنات تھا، وہ کل کائنات ہے، تو پھر اسے کیسے بھولا جائے جو خود سے الگ ہی نہ ہو.....؟

نہ کوئی بڑی کہانی ہے نہ کوئی افسانہ ہے، بس چند لمحوں کا ساتھ ہے، کچھ یادیں اور کچھ باتیں ہیں جو دل کے کسی کونے میں چھپی چھپی رہتی ہیں۔ نہ دعوے ہیں نہ قسمیں ہیں، نہ محبت ہے نہ نفرت ہے، بظاہر فقط دوستی کا رشتہ ہے۔

اک عظیم دوست خدا تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہوتا

ہے...... جس کا کوئی نعم البدل نہیں ہوتا...... یہ ہماری خوش قسمتی ہوتی ہے اگر ہم زندگی میں اک مخلص دوست کا ساتھ پالیں...... ایسا دوست جو ہمیں سمجھتا ہو...... جسے ہمیں ہر بات بتانی نہ پڑے، جو ہمارا چہرہ پڑھ لے، جو ہمارے دل کے ہر موسم سے آشنا ہو۔ جو ہر حال میں ہمارا ساتھ دے، جو ہمارے ہر صحیح کام کو ہی سراہے اور غلط کام کو غلط کہے تاکہ آیندہ ہم ویسی غلطی نہ کرسکیں۔ ایسا دوست جو ہماری خوشیوں میں خوش ہو اور غم میں بھی ہمارا ساتھ دے۔ وہ دوست جو ہمارے دل کی کتاب کو بہت غور وفکر سے پڑھے اور سنے، کیونکہ زندگی میں بہت سے ایسے واقعات ہوتے ہیں یا بہت سی ایسی باتیں ہوتی ہیں جو ہم کسی سے کہہ نہیں سکتے، نہ ماں باپ سے، نہ بہن بھائی سے نہ کسی اور رشتے دار سے۔

ہوتی ہیں ناں کچھ ایسی باتیں جو ہم صرف اپنے کسی مخلص دوست سے ہی شیئر کر پاتے ہیں...... بعض دفعہ جب زندگی کبھی ہمیں تنگ کرنا شروع کر دیتی ہے ناں تو ہم تھک سے جاتے ہیں...... ہم بھاگ جانا چاہتے ہیں کہیں دور، جہاں صرف سکون ہی ہمیں مل سکے...... مگر صرف سکون ہی زندگی کا حصہ نہیں ہوسکتا...... دنیا میں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں صرف سکون ہی سکون ہو...... نہ ہی کوئی ایسا انسان ہے جس کی زندگی میں صرف اور صرف سکون کا ہی بسیرا ہو...... زندگی میں دکھوں اور سکھوں کے موسم آتے جاتے رہتے ہیں...... بس کوئی ایسا سہارا ساتھ ہو جو ہمیں ہارنے نہ دیتا ہو...... اور وہ سہارا اک دوست ہی ہمیں دے سکتا ہے اور وہ دوست ہمارا رب العلیٰ ہمیں عطا کرتا ہے۔

وہ دوست جس کے کندھے پر سر رکھ کے ہم اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرسکیں جو ہماری ہر بات سنے اور کہے......

رونا بند کرو، بزدل لوگ روتے ہیں۔ باہمت لوگ گھبرایا نہیں کرتے، فکر مت کرو اللہ تعالیٰ سب ٹھیک کر دے گا...... میں ہوں نا تمہارے ساتھ...... اور اس دوست کے ان تین چار جملوں سے ہم پھر سے تازہ دم ہو جاتے ہیں اور ہر مشکل سے نمٹنے کے لیے اپنے اندر ہمت جمع کر لیتے ہیں۔ میری دعا ہے کہ زندگی میں وہ پاک ہستی ہر انسان کو اک مخلص دوست ضرور عطا کرے (آمین)

میں شاہ زیب حسن اک الگ تھلگ سا انسان ہوا کرتا تھا۔ پوری دنیا سے روٹھا ہوا سا، یہاں تک کہ خود سے ہی روٹھا ہوا تھا۔ اندر ہی اندر سے ٹوٹا ہوا تھا...... زندگی میں جب کوئی اپنا نہ بچے تو انسان ٹوٹ کے بکھر ہی تو جاتا ہے...... کرچی کرچی ہو جاتا ہے۔ تن من ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے زندگی...... درد کی لہریں پورے وجود میں پیوست ہو جاتی ہیں...... دل و دماغ میں یادوں کے جھکڑ چلتے رہتے ہیں۔ پھر وہ پاک ذات، پاک ہستی جو قادر مطلق ہے جو بہت مہربان ہے رحم کرنے والی ذات ہے۔ وہ ہی عظیم ہستی اس انسان کو صبر عطا کرتی ہے اور پھر اسے آزمائشوں سے نکالتا ہے میرا رب...... بہت سی نعمتیں عطا کرتا ہے...... لیکن جب وہ اک مخلص دوست کی نعمت عطا کرتا ہے ناں تو انسان اس دوست سے مل کر زندگی کو اک نئے سرے سے شروع ہوتا دیکھنے لگتا ہے۔ یہ میرے رب العلیٰ کے کام ہیں جسے چاہے جو عطا کرے۔ (بے شک)

میں ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھا۔ ماں باپ، دادا، دادی اور پھوپھی کی جان ہوا کرتا تھا...... پھوپھی کا بس چلتا تو وہ مجھے رات کو بھی گود میں ڈال کے خوش گپیوں میں لگ جاتی...... لیکن رات کو مجبوراں پھوپھی کو بھی چین سے سونا پڑتا تھا کیونکہ بقول دادی میں بہت سوتا تھا۔ شام ڈھلتے ہی نیند کی دیوی مجھے اپنی گود میں لے لیتی تھی۔ اور دادی بتاتی تھیں کہ میرے سونے کے بعد بھی پھوپھی مجھے چومتے رہتی اور پھر میری ماں میری پھوپھی سے لڑ پڑتی تھی کہ بس کردے اگر جاگ گیا ناں

تو گھر سر پر اٹھا لے گا رو رو کر...... اصل میں میرے دادا کی تین اولادیں تھیں۔ اک میرا باپ اور اک تایا ابا جو کہ شہر میں ملازمت کرتے تھے اور اک پھوپھی تھیں۔ تایا ابا کی شادی ہوئی تو وہ کچھ عرصہ یہاں رہے پھر تائی ماں کو بھی اپنے ساتھ ہی لے گئے۔ جہاں وہ جاب کرتے تھے۔

تایا ابا کے ہاں پہلی بیٹی ہوئی تو وہ کچھ عرصے کے لیے دادا دادی کے پاس آ کر رکے...... وقت اپنی مخصوص رفتار سے چلتا ہی گیا، دن طلوع ہوتا، دوپہر آتی، شام ڈھلتی اور رات بیت جاتی۔ اپنے معمول کے مطابق وقت دوڑتا چلا گیا۔

تایا ابا کے ہاں بیٹا پیدا ہوا اور ادھر میرے ابا میاں بھی شادی کے بندھن میں منسلک ہو گئے...... شادی کے ڈیڑھ سال بعد میں دادا دادی کا شہزادہ شاہ زیب حسن اس دنیا میں تشریف لے آیا...... دادی بتاتی تھیں میں بہت شرارتی ہوا کرتا تھا...... اک جگہ تو ٹکتا ہی نہ تھا...... میری پیدائش کے پانچ ماہ بعد تایا ابا کے ہاں دوسرے بیٹے نے جنم لیا...... دادی اور پھوپھی خود اسے دیکھنے گئیں کیونکہ تایا ابا کو چھٹیاں نہیں ملی تھیں اور تائی ماں یہاں زیادہ آنا جانا پسند نہیں کرتی تھیں۔

میں تین سال کا تھا جب میری پھوپھی کی شادی ہوگئی۔ دادی بتاتی تھیں پھوپھی بہت روئی تھی مجھے سینے سے لگا کے...... پہلے پہل پھوپھی زیادہ آتی جاتی تھی مگر پھر آہستہ آہستہ وہ بھی اپنے گھر میں مصروف ہوتی گئیں...... اور بہت کم کم آنا جانا ہوتا...... مگر جب بھی پھوپھی آتی تو شاہ زیب میاں ان کی گود میں براجمان رہتے...... اور پھوپھی بہت سے کھلونے لاتی شاہ زیب کے لیے...... تب شاہ زیب کو معلوم نہیں تھا کہ زندگی گزارنے کے لیے اس کے پاس صرف یہی کھلونے رہ جائیں گے۔

میرے ابا چلتے پھرتے ہنستے مسکراتے کچھ اس طرح

باتیں یاد رکھنے کی

☆ آنسو بہا کر نہیں آنسو چھپا کر جیو۔

☆ اپنوں کو ہمیشہ اپنے ہونے کا احساس دلاؤ ورنہ وقت آپ کے اپنوں کو آپ کے بنا جینا سکھا دے گا۔

☆ دولت مٹی کی طرح ہوتی ہے اور مٹی پاؤں کے نیچے ہی ہونا چاہیے سر پر چڑھاؤ گے تو قبر بن جائے گی اور زندہ لوگوں کی قبریں نہیں ہوتیں۔

☆ کتابیں جوانی میں رہنما بڑھاپے میں تفریح اور تنہائی میں رفیق ثابت ہوتی ہیں۔

☆ اس چراغ کی طرح جیو جو بادشاہ کے لیے اس کے محل میں بھی اتنی ہی روشنی دیتا ہے جتنی کسی غریب کی جھونپڑی میں۔

☆ جو کرتا ہے اللہ کرتا ہے اور اللہ جو کرتا ہے صحیح کرتا ہے۔

(پرنس افضل شاہین، بہاولنگر)

سے کم ہوئے کہ دوبارہ بھی مجھے مل نہ سکے...... اک بچے کے لیے اگر اس کی ماں ٹھنڈی چھاؤں ہوتی ہے ناں تو اس کا باپ اس کا مضبوط سہارا ہوتا ہے۔ جس طرح دنیا میں ماں کے جیسا کوئی نہیں ہوتا ناں...... بالکل اسی طرح باپ کے جیسا بھی کوئی نہیں ہوتا...... جتنا پیار، جتنی چاہت محبت ماں کے دل میں ہوتی ہے ناں، اپنے بچے کے لیے اتنی ہی اک باپ کے دل میں ہوتی ہے محبت اپنے بچوں کے لیے میں نے نوٹ کیا ہے کئی بار...... کہ ماں کے متعلق بہت سے لوگوں نے بہت کچھ لکھا ہے مگر باپ کے متعلق کم کم لکھتے ہیں اور ان لکھنے والوں سے میں یہ کہوں گا کہ جس طرح آپ فقرہ لکھتے ہیں ناں......

''ماں کی قدر ان سے پوچھ جن کی ماں نہیں ہوتی''

بالکل اسی طرح ''باپ کی قدر بھی ان سے پوچھو جن کے باپ انہیں چھوڑ کے کہیں دور جا بستے ہیں''

میں چھ سال کا تھا جب مجھے میرا باپ چھوڑ گیا......
میری ماں کچھ عرصہ پاس رہی پھر وہ بھی مجھے چھوڑ کر اپنی ہی دنیا میں مگن ہو گئیں۔ میری ماں مجھے مجبوراً چھوڑ گئی تھیں یا پھر شوق سے یہ میں نہیں جانتا...... اور کبھی جاننے کی کوشش ہی نہیں کی...... کیونکہ جو آپ کو چھوڑ گیا، بس چھوڑ گیا ناں...... کیوں چھوڑ گیا......؟ کس لیے چھوڑ گیا......؟ اور ہمیں چھوڑ کر گیا کہاں......؟ پھر یہ ساری باتیں یہ سارے سوال بے معنی ہوتے ہیں......
ہم نے کیا کرنا ہوتا ہے جان کر......؟ کیونکہ ہمیں تو وہ شخص تنہا کر گیا نا...... پھر ایسے سوالات کیوں کیے جائیں......؟
میری ماں کو میرے ماموں لے گئے تھے اور ان کی کہیں اور شادی کر دی تھی...... دادی بہت روئی تھیں۔ تب اماں کے جانے پہ روئی تھیں یا پھر میرے باپ کو یاد کر کے روئی تھیں...... میں نہیں جانتا۔
ماں کبھی کبھار مجھ سے ملنے آتی رہی مگر میرا دل نہیں کرتا تھا ان سے ملنے کو۔ دادی بہت پیار کرتی تھیں مجھ سے اور دادا، دادی سے بڑھ کر چاہتے تھے...... ابا کی وفات کے بعد ٹوٹ تو دادا بھی گئے تھے مگر وہ خود کو سنبھال چکے تھے، صبر کا دامن مضبوطی سے تھام چکے تھے مگر دادی بہت کمزور پڑ گئی تھیں...... کیا کوئی جوان بیٹے کی موت برداشت کر سکتا ہے بھلا......؟ دادی کو چھوٹی موٹی کئی بیماریاں چمٹتی گئیں۔ روڈ پر دادا کی تین، چار دکانیں تھیں جو انہوں نے کرایے پر دے رکھی تھیں۔ دادا ہر مہینے کرایہ وصول کرتے اور کچھ تایا ابا بھیجا کرتے تھے تو گزر بسر ہو ہی جاتا تھا۔ زیادہ عیش و عشرت تو نہ تھی مگر اچھا کھانے پینے کو مل ہی جاتا تھا۔ یہ سب اس قادر مطلق کی مہربانیاں ہیں، جو کبھی کسی کو بھوک سے نہیں مرنے دیتا......
شاہ زیب حسن سکول جانے لگا، دادی کانپتے ہاتھوں سے ناشتہ بناتی، یونیفارم دھو دھو کے چمکاتی اور شاہ زیب بقول دادا، شہزادہ بن کے سکول جاتا تھا......
دادا، دادی بہت خوش تھے، میں خود بھی بہت خوش خوش رہنے لگا تھا...... مگر میں بڑا ہوتا جا رہا تھا، سب سمجھنے لگا تھا...... باپ کی بہت زیادہ کمی محسوس ہوتی تھی۔ ماں کی نرم گرم گود بہت یاد آنے لگی تھی...... سردیوں کے دن اور خاص کر دسمبر کے دنوں میں تو نہ جانے کیوں اک بے نام سی اداسی چاروں طرف پھیل جاتی ہے۔ اک مہیب سا سناٹا ہمارے اردگرد دھرنا دے کر بیٹھ جاتا ہے...... ہمیں اپنا آپ ہی کھوکھلا سا لگنے لگتا ہے...... لحافوں اور کمبلوں میں چھپ کر بھی ماں کی نرم گرم گود کی کمی بڑی شدت سے محسوس ہونے لگتی ہے......
دل کے کونوں میں چھپی بھولی بسری یادیں پھر سے ہمیں بے حال کرنے لگتی ہیں...... اور من مندر کی اتھاہ گہرائیوں میں ٹوٹ پھوٹ کا عمل پھر سے تازہ دم ہونے لگتا ہے اور پھر دل بھل بھل رونے اور آنسو بہانے لگتا ہے......
کبھی کبھی زندگی ہم سے بڑے بڑے امتحان لینے لگتی ہے۔ زندگی کو ذرا سا بھی ہم پہ ترس نہیں آتا...... ہمارا رونا، بلکنا، تڑپنا کچھ بھی اسے دکھائی نہیں دیتا...... یہ اپنے امتحان لے کر ہی رہتی ہے قسمت کی ستم ظریفی تھی کہ دادا اک دن گھر واپس آ رہے تھے اور موٹر سوار لڑکے نے اپنی لاپروائی سے میرے دادا کو مجھ سے دور کر دیا...... دادا وہیں سڑک پر گر گئے تھے...... میں سکول سے واپس آیا تو دادا میرا انتظار کر رہے تھے مگر بند آنکھوں سے...... دادی کا رو رو کر برا حال تھا۔ بار بار بے ہوش ہو جاتی تھیں...... مجھے سمجھ ہی نہ آتا تھا کیا کروں......؟ پھر ہمت کی دادی کو سنبھالا مگر وہ سنبھلتی ہی نہ تھیں...... تایا، تائی آئے تھے ان کے بچے بھی آئے تھے، پھوپھی بھی آئیں تھیں...... میں پھوپھی سے لپٹ کے بہت رویا تھا۔ دادا کے جانے پہ مجھے باپ کے جانے سے بڑھ کر دکھ ہوا تھا۔ پھوپھی ایک ہفتہ میرے

اور دادی کے پاس رہی تھیں۔ تایا اور تائی ماں تین دن بمشکل رکے تھے..... میں آٹھویں جماعت میں تھا جب دادا مجھے چھوڑ گئے تھے..... گھر کی ساری ذمہ داری میرے کندھوں پر آ پڑی تھی، دادی چارپائی کی ہی ہو کر رہ گئیں تھیں۔

کرایے کی وصولی، سودا سلف لانا، کپڑے دھونا اپنے اور دادی کے، برتن دھونا صفائی ستھرائی سب میں خود کرتا تھا..... کھانا بنانا نہیں آتا تھا وہ میری پیاری سی دادی بناتی تھیں مگر میں ان کی اس کام میں بھی بہت زیادہ مدد کرتا تھا تاکہ میری دادی تھک نہ جائیں۔

میں سکول جانے سے پہلے دادی کو ناشتہ کروا کے دوا کھلا کے جاتا تھا..... ان کی ضرورت کی ہر چیز ان کے پاس رکھ کر جاتا تاکہ انہیں کوئی دقت نہ ہو..... اور دادی مجھے ڈھیروں دعائیں دے کر رخصت کرتی تھیں۔ میری زندگی میں کام، کام اور بس کام رہ گیا..... وقت گزرتا گیا..... سارے دکھ، غم آہستہ آہستہ چھپنے لگے..... زندگی کی اک مخصوص روٹین بن گئی..... دادی، میرا چھوٹا سا گھر اور خود شاہ زیب حسن مجھے بس صرف یہی یاد تھا.....

کبھی کبھی آزمائشیں ختم نہیں ہوا کرتی..... وقت بہت آگے نکل گیا اور میں اکیلا رہ گیا..... اک شام دادی سوئی اور پھر جاگ نہ سکیں۔ دوسرے دن کا طلوع ہوتا سورج وہ نہ دیکھ سکیں..... اور ہمیشہ کے لیے مجھ سے بہت دور جا کر گہری نیند سو گئیں۔

میرا کون رہ گیا تھا بھری دنیا میں..... اک برستی ہوئی بھیگی سی رات میں، دادا، دادی کا شہزادہ شاہ زیب اک ٹوٹی بکھری، اجڑی ہوئی ویران سی دہلیز پہ تنہا بیٹھا رہ گیا تھا..... بوجھل سی اور دکھ بھری ہوا اس کے غم میں برابر کی شریک تھی..... اس کے گھر کے در و دیوار سب اس کے ساتھ آنسو بہا رہے تھے..... دکھ کی وہ رات شاہ زیب کے لیے بہت لمبی اور بہت ہی تکلیف دہ اور بھاری تھی..... اذیت ہی اذیت تھی..... شہزادہ شاہ زیب اک میٹرک پاس لڑکا آج ٹوٹ ٹوٹ کے رویا تھا۔

باپ کے وہ لاڈ، ماں کی نرم آغوش، پھوپھی سے اٹھوائے گئے وہ ناز نخرے، دادا، دادی کی محبت ان کی وہ شفقت ان کی وہ دعائیں آج اسے سب یاد آرہا تھا..... ہر نئے زخم پہ پرانے زخم تازہ ہو جاتے ہیں..... ٹھیک کہتے ہیں لوگ..... زندگی ہمیں اور زیادہ تنگ کرنے لگتی ہے اور ہم تھک ہار کر بے بس ہو کر ڈھے سے جاتے ہیں.....

اور پھر بس اک ہی جملہ زبان سے ادا ہو سکتا ہے بار بار، کسی سنگر نے کیا خوب کہا ہے

"خدا دے تو حوصلہ، ہم تھکنے نہ پائیں"

☆☆☆

تایا ابا مجھے اپنے ساتھ اپنے گھر لے آئے تھے، کیونکہ اب ویسے بھی مجھے کالج جانا تھا..... تائی ماں اور ان کے بچے میرے آنے سے خوش نہیں تھے..... مگر تایا کا حکم تھا سو انہیں مجبوراً ماننا پڑا۔ تایا کا اپنا چھوٹا سا گھر تھا۔ تین چار کمروں پہ مشتمل تھا، جو کہ ان کے اپنے اپنے بیڈ رومز تھے..... ایک سٹور روم تھا جسے صاف کروایا گیا اور وہ سٹور روم شاہ زیب حسن کا بیڈ روم بن گیا تھا..... تایا ابا بہت اچھے مزاج کے تھے..... کھانے کے وقت پاس بٹھاتے، توجہ دیتے، ضروریات کے متعلق پوچھتے..... اکثر رات کے کھانے پہ ہی تایا ابا سے ملاقات ہو پاتی۔ کیونکہ تایا ابا نے کالج میں ایڈمیشن کروا دیا تھا اور شاہ زیب حسن بڑی لگن اور محنت سے اپنی پڑھائی میں مگن ہو گیا تھا۔

تایا ابا کے دونوں بیٹے عاشر غازی اور فاخر غازی رات گئے ہی گھر لوٹتے، پہلے کالج، پھر اکیڈمی اور پھر پلے گراؤنڈ..... اور تایا ابا کی بیٹی بسماء چار بجے تک ہی گھر لوٹتی تھی۔ وہ بہت محنتی تھی مگر مجھ سے بہت چڑتی تھی..... ظاہر ہے میں جو زبردستی ان کی زندگیوں میں

[illegible] تو ان کا مجھ سے چڑنا تو بنتا تھا...... میں دو بجے گھر لوٹ آتا تھا...... مجھے آرام کرنے کی عادت نہیں تھی...... آتے ہی پڑھنے بیٹھ جاتا پھر تائی ماں نے بہت سے کام میرے لیے بچا رکھے ہوتے تھے جنہیں میں خوشی سے کرنے لگ جاتا تھا۔

مجھے ان سے کچھ نہیں چاہیے تھا...... میرے دادا کی دکانیں اب بھی کرائے پہ تھیں جن کا کرایہ میں ہر ماہ وصول کر لیتا تھا...... کالج کی فیس اور باقی کے اخراجات میں باآسانی پورے کر لیتا تھا...... اور میری کوئی بڑی خواہش نہیں ہوا کرتی تھی جو میں پوری نہ کر سکتا۔ تایا کبھی کچھ رقم مجھے دیتے بھی تو میں انکار کر دیتا تھا، یہ کیا کم تھا کہ انہوں نے مجھے اتنے بڑے شہر میں رہنے کے لیے سر چھپانے کی جگہ دے رکھی تھی اور ساتھ کھانے پینے کی ذمہ داری بھی انہی کے سر تھی۔

تائی ماں کا رویہ میرے ساتھ نہ زیادہ سخت ہوتا تھا اور نہ زیادہ محبت والا...... کبھی کبھی بات چیت کر لیتی تھیں، پڑھائی کے متعلق پوچھ لیتی تھیں، میں نے بھی تو تائی ماں کے بہت سے کام سنبھال رکھے تھے...... بازار سے سودا سلف لانا، کسی مہمان کی آمد پر کچھ منگوانا ہوتا تو شاہ زیب حاضر ہوتا...... بسماء کی دوست آئی ہے کچھ اسپیشل کھانا ہے تو بھی شاہ زیب بھاگے مارکیٹ تک......

بسماء کے موبائل کا بیلنس ختم ہو گیا، اس نے ضروری کال کرنی ہوتی تھی تو شاہ زیب صاحب بسماء کے حکم پہ دوڑ رہے ہوتے...... تایا ابا شام کے کھانے سے تھوڑی دیر پہلے لوٹتے تھے...... عاشر اور فاخر تایا ابا سے کچھ دیر پہلے ہی گھر آتے تھے۔ ان سے میری کوئی خاص گپ شپ نہ ہوتی بلکہ یوں کہیے کہ بات چیت نہ ہونے کے برابر تھی، بس کھانے کے وقت ساتھ بیٹھتے یا کچھ دیر ٹی وی مل کر دیکھ لیتے، وہ بھی انہی کے پسند کے چینلز شاہ زیب بھی دیکھتا اور اٹھ کر اپنے بیڈ روم میں آ جاتا تھا۔

میرا زیادہ تر وقت کمرے میں ہی گزرتا تھا۔ آئی مین بیڈ روم میں جہاں نہ بیڈ تھا نہ کچھ اور...... بس اک چٹائی تھی، جس پہ بستر لگا ہوا تھا اور ساتھ لکڑی کی اک پرانی سی چیئر ہوا کرتی تھی۔ اور اک دیوار میں دو تین شلفیں بنی ہوئی تھیں۔ جس میں چند اک کپڑوں کے جوڑے، میری کتابیں اور پھوپھی کے دیئے ہوئے وہ کھلونے سجا رکھے تھے...... جو میرا کل سرمایہ تھے......

☆☆☆

میں جو بولنے لگا تو دیکھیں کہاں سے کہاں پہنچ گیا...... کہنا کچھ اور تھا آپ سے اور کہہ کچھ اور ہی گیا...... اب آتا ہوں کالج کے تین چار سال جس رشتے نے میرا ساتھ دیا میری ہمت بندھائی، مجھے بکھرنے سے بچایا، وہ تھا دوستی کا رشتہ......

تایا ابا کے گھر کے ساتھ ہی ایک بوسیدہ سا لکڑی کا چھوٹا سا دروازہ تھا...... دروازہ کھولو تو چند قدم کے فاصلے پہ اک کچا پکا سا کرہ تھا...... جس کے سامنے برآمدے نما اک چھت سی بنی ہوئی تھی۔ تاکہ کمرے کے اندر دھوپ کا آنا جانا کم ہو...... کمرے کے دائیں طرف وہی کچا پکا سا کچن تھا...... اور ان دونوں کمروں کی پچھلی طرف غسل خانہ تھا...... کمروں کے سامنے تھوڑا سا صحن تھا اور اس کچے صحن میں ایک پیپل کا درخت تھا...... جس کی بہت ہی ٹھنڈی چھاؤں ہوا کرتی تھی اور اس چھاؤں میں تین، چار لال لال مرغیاں ہمہ وقت پھر رہی ہوتی تھیں......

کمرے کے سامنے جو چھوٹی سی چھت بنی ہوئی تھی اس کے نیچے ایک گھڑا پڑا ہوتا تھا۔ جس کا پانی مجھے بہت ٹھنڈا اور میٹھا میٹھا سا لگتا تھا...... وہ گھر تھا اس اماں کا...... جو تایا ابا کے گھر میں صفائی وغیرہ کرنے آتی تھیں اور ساتھ والے دو چار اور گھروں میں بھی کام کیا کرتی تھی ان کی ایک بیٹی تھی...... عافیہ......

وہ اک پاگل سی لڑکی تھی عافیہ...... باتونی سی

عافیہ...... بہت زیادہ بولنے والی عافیہ...... ہر بات منہ پہ کر دینے والی عافیہ...... کھا جانے والی نظروں سے دیکھنے والی عافیہ...... اور میری وہ دوست عافیہ اس پیپل کے درخت کی چھاؤں جیسی تھی......

ہمیشہ اماں ہی کام کرنے آتی تھیں...... میں نے کبھی بھی عافیہ کو نہیں دیکھا تھا...... ہاں اماں بتاتی تھیں کہ ان کی ایک بیٹی ہے...... اماں پورے گھر کی صفائی کیا کرتی تھیں اور کپڑے دھویا کرتی تھیں...... مگر میں نے کبھی بھی اماں سے اپنا کمرہ صاف نہیں کروایا تھا اور نہ ہی کپڑے دھلواتا تھا...... میں ہمیشہ کپڑے خود ہی دھوتا تھا۔ بستر کی چادر وغیرہ بھی خود دھو لیتا تھا...... میں اپنا ہر کام خود ہی کیا کرتا تھا......

وقت اک ایسا قلم ہے جو ہمیشہ چلتا ہی جاتا ہے......

ہر انسان کی زندگی کے ہر ایک صفحے پہ کچھ نہ کچھ لکھتا ہوا چلتا جاتا ہے اور یہ ایک ایسا عجیب سا قلم ہے جس کی سیاہی تک ختم نہیں ہوا کرتی، یہ ہمیشہ اپنی مخصوص رفتار سے چلتا ہی رہتا ہے۔

مجھے یہاں آئے چھ مہینے ہو چکے تھے...... اور میں بہت تنگ آ گیا تھا اس جگہ سے اس شہر سے...... میرا دل ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا...... میرا دل چاہتا تھا اس گھٹن سے نکل جاؤں...... کہیں دور بھاگ جاؤں اور کہیں نہیں تو واپس دادا والے گھر ہی چلا جاؤں...... چھوڑ دوں یہ پڑھائی...... یہ مستقبل کو سنوارنے کا جنون...... یہ آگے بڑھنے کی لگن...... اور بڑا آدمی بننے کی خواہش میرے اندر ختم ہوتی جا رہی تھی...... کیونکہ مجھے اس ماحول میں گھٹن ہونے لگی تھی...... وہ گھر تھا مگر میرا گھر نہیں تھا...... میں سب کے درمیان تھا مگر پھر بھی تنہا تھا...... بس اس گھر میں اجنبی سا تھا اور چھ مہینوں تک اجنبی ہی رہا...... میں نکلنا چاہتا تھا وہاں سے اور عین ممکن تھا میں اسی ہفتے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے وہاں سے بھاگ نکلتا

اگر جو اس دن میری ملاقات عافیہ سے نہ ہوتی......

میں اپنے کمرے میں اپنے بستر میں گھسا بیٹھا تھا...... نومبر کا اختتام اور دسمبر کی آمد کے دن تھے...... اور سردی پوری قوت سے ہمارے اردگرد پھیل چکی تھی...... ہر طرف صبح صبح سفید چادر سی تنی ہوئی تھی...... دور سے تو کیا پاس سے بھی کچھ مشکل سے ہی دکھائی دیتا تھا...... ہر طرف دھند ہی دھند تھی۔ مگر ہر کسی کو اپنے روٹین کے کام تو کرنے ہی پڑتے ہیں بھلے موسم جیسا ہی ہو...... اس روز اتوار تھا میں گھر پہ تھا...... تایا ابا اور ان کی فیملی تائی ماں کے بھائی کے گھر گئے ہوئے تھے۔

جب عافیہ وہاں آئی...... سلام دعا کے بعد اس نے بتایا کہ اماں کی طبیعت خراب ہے اس لیے آج سارا کام میں کروں گی......

تائی ماں میرے ذمے لگا گئیں تھی کہ میں صفائی بھی مکمل کروا لوں اماں سے اور سارے کپڑے بھی دھلوا لوں...... مگر آج اماں نہیں عافیہ موجود تھی...... وہی پاگل سی لڑکی...... کام جو کرنے لگی تو گھنٹے لگا دیئے...... کہیں جو کوئی ٹکڑا اخبار یا رسالہ ملتا وہیں چوکڑی لگا کے بیٹھ جاتی...... اور پھر جو اک دم چونکتی بھاگ اٹھتی اور کام میں لگ جاتی...... سارے گھر کو صاف کرنے کے بعد وہ میرے روم میں آئی تھی۔

شاہ زیب بھائی آپ کا کمرہ صاف کر دوں......؟ باقی پورا گھر صاف کر دیا ہے۔ جالے بھی اتار دیئے ہیں...... کھڑکیاں بھی صاف ہو گئی ہیں...... فرش بھی چمکا دیا ہے...... اور اور...... اس کی زبان کو بریک لگی جب وہ بول رہی تھی اک ہی سانس میں اور میں اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ عجیب ہی نظارہ لگ رہی تھی...... نہ زیادہ خوبصورت نہ کم خوبصورت، اور نہ ہی میں اس کی صورت دیکھ رہا تھا...... میں تو اس کا حلیہ دیکھ رہا تھا، مجھے نہیں پتہ اس نے کیسے کپڑے پہن رکھے تھے اور نہ ہی سارے عرصے میں مجھے معلوم ہو سکا کہ وہ کیسے لباس استعمال کیا

کرتی تھی۔ کیونکہ پورے تھان کی جتنی بڑی چادر سے وہ ہر وقت لپٹی ہوتی تھی اور اس وقت بھی بڑے اچھے طریقے سے چادر سے خود کو لپیٹ رکھا تھا...... مجھے لڑکیوں کے لیے پوری دنیا میں ایک ہی چیز سب سے زیادہ پسند آتی ہے...... "چادر"

پتہ نہیں کیوں مگر میرا دل چاہتا ہے...... کہ اگر آپ اپنی بہن کو، یا اپنی کسی دوست کو یا اپنی بیوی کو کوئی گفٹ دینا چاہیں تو سب سے پہلا گفٹ ایک نرم و ملائم سی چادر کا ہی دیں...... کیونکہ چادر کے جیسا مقدس تحفہ دل سے قدر کرنے والے ہی دیا کرتے ہیں......

میں اپنے کمرے کی صفائی خود کرتا ہوں آپ جائیں میں کر لوں گا...... مگر نہیں جی وہ تو زبردستی کام میں لگ گئی اور دس، پندرہ منٹ میں اتنا بولی، اتنا بولی کہ میرے پورے خاندان کے متعلق اس نے مجھ سے سب کچھ معلوم کر لیا......

توبہ اس کے وہ سوالات...... وہ سوال کرنے کا انداز...... اور جواب ملنے کے فوراً بعد اگلا سوال......

توبہ...... کیا تھی وہ......؟ بس وہ اک پاگل سی لڑکی تھی...... جتنی پاگل تھی اس سے بڑھ کر وہ سمجھداری کی باتیں بھی کیا کرتی تھی...... پتہ ہے اس کے ساتھ میرا رشتہ کیا تھا...... اس سے میرا رشتہ دوستی کا تھا...... اک سچی، کھری اور پاکیزہ دوستی تھی ہمارے درمیان......

جب کبھی مجھے ایک دوست کی ضرورت ہوتی تو وہ میری دوست بن جاتی جب مجھے بہن کی کمی محسوس ہوتی تو وہ بہنوں جیسی باتیں کرنے لگ جاتی کبھی وہ ایک بھائی کے روپ میں میرے سامنے ہوتی اور کبھی جب مجھے اپنے ماں باپ یاد آتے ناں تو وہ ابا اور ماں کی جیسی بڑی بڑی باتیں کرنے لگ جاتی...... اور مجھے لگتا تھا میرے اس سے بہت سارے رشتے ہیں...... مجھے لگتا تھا وہ میرا سب کچھ ہے...... اور واقعی میں وہ میرا سب کچھ تھی...... دو سال 8 مہینے اور 12 دن کا ساتھ تھا ہمارا......

وہی میری زندگی کا حاصل تھی، ایک وہ پاگل لڑکی اور پیپل کی ٹھنڈی چھاؤں جو اس پاگل لڑکی کے جیسی تھی اور وہ پاگل سی لڑکی اس چھاؤں جیسی گھنی اور ٹھنڈی ٹھنڈی سی تھی...... ٹھنڈا ٹھار، ٹھہرا ہوا دھیما سا لہجہ...... اور چہرے پہ چھائی سادگی اور معصومیت...... گندمی سی رنگت اور وہ دو بڑی بڑی اور کالی کالی سی آنکھیں......

ہم پہلی دفعہ بھی دسمبر میں ملے تھے اور پھر آخری بار بھی ہم دسمبر میں ہی ملے تھے...... تب مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں اسے کھو دوں گا، وہ مجھے دوبارہ کبھی نہیں مل سکے گی...... مگر اسے تو جیسے پکا یقین تھا کہ میں لوٹ کر ضرور آؤں گا...... ہاں میں لوٹ کر آیا ضرور مگر میں نے آنے میں بہت دیر کر دی تھی...... وہاں سب کچھ پہلے جیسا تھا بس نہیں تھی تو میری پیاری دوست وہاں نہیں تھی۔

اس روز جب وہ مجھ سے ملی تو پھر اکثر آنے لگی اور میں بھی ان کے گھر جانے لگا، اس ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں میں مجھے سکون ملنے لگا، اس بیل بوٹوں والے گھڑے کا پانی بہت میٹھا میٹھا سا لگنے لگا...... اماں اور عافیہ میرا بہت خیال رکھتیں خاص کر عافی...... تھوڑے ہی دنوں میں، میں شاہ زیب سے زیبی اور وہ عافیہ سے عافی بن گئی تھی۔

میں نے اسے اپنی زندگی کی داستان سنائی...... اپنے دکھ، سکھ اس سے کہے تو دل کا بوجھ ہلکا ہوتا ہوا محسوس ہوا...... اور پھر میں نے کبھی رو کر تو کبھی ہنس کر اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ، اپنی ہر خوشی اپنا ہر غم اس کو سنایا...... اور تب وہ اماں دادی بن جاتی تھی......

"دیکھو زیبی بہادر لوگ رویا نہیں کرتے، بزدل لوگ روتے ہیں...... اور تم فکر مت کرو اللہ تعالیٰ سب ٹھیک کر دے گا...... تم ایسا کیوں کہتے ہو کہ تمہارا کوئی نہیں ہے...... میں اور اماں تمہارے ساتھ ہیں اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی ذات تمہارے ساتھ ہے...... تو

بس اپنے رب کو یاد کیا کرو، میرا رب کبھی بھی اپنے
بندے کا ساتھ نہیں چھوڑتا...... اور قرآن پاک میں اللہ
تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ...... ''تم مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد
رکھوں گا''

تم دیکھنا میرا رب تمہارے لیے کتنی آسانیاں پیدا
کرے گا...... اگر مشکلات پیش آئی ہیں تو ایک دن وہی
پاک مہربان اور رحم کرنے والی ذات تمہیں بہت سی
خوشیاں بھی نوازے گی انشاء اللہ......

اور پھر وہ اتنا لمبا سانس روک کے اور پرسکون ہو
کر ''آمین'' کہتی کہ میں اپنے آپ میں گم بیٹھا ہوا اک
دم چونک جاتا......''

بس پھر میں پڑھائی میں بہت آگے جانے لگا
خوب دل لگا کر پڑھنے لگا...... اور میرا زیادہ تر وقت
عافی کے گھر پہ ہی گزرنے لگا...... کسی کو جب میری پروا
ہی نہ تھی تو کون پوچھتا کہ میں دن بھر کہاں ہوتا
ہوں......؟ مائیں ہی تکتی ہیں راہیں بیٹوں کی، کب ان
کے جگر کا ٹکڑا گھر لوٹے گا...... اتنی دیر لگا دی ان کے
لخت جگر نے خدا خیر کرے...... یہ الفاظ یہ جملے مائیں
ہی ادا کرتی ہیں ناں......؟ اس کی قسمت میں وہ ماں
جیسی عظیم ہستی نہیں رہی تھی...... اور زیبی بے چارہ تو
جانتا ہی نہ تھا کہ اس کی ماں ہیں کہاں......؟ بہت بد
نصیب ہوتے ہیں ناں وہ لوگ جن کی مائیں نہیں
ہوتیں...... واقعی میں ماں کی قدر، ماں کی محبت انہی کو
معلوم ہوتی ہے جن کی ماں نہیں ہوتی...... اپنی ماں کے
جیسا تو کوئی نہیں ہوتا ناں......؟ اور ہم سب تو اپنی اپنی
ماؤں کے پیروں کی دھول ہیں......

اب تایا ابا سے ملاقات اتوار کو ہی ہو پاتی تھی......
میں صبح ہوتے ہی نماز ادا کرتا قرآن پاک کی تلاوت
کرتا...... کیونکہ عافی نے مجھے پانچ وقت نماز کا پابند اور
دو وقت قرآن پاک کی تلاوت کرنے کا پابند بنا دیا تھا۔
جب کالج سے واپسی پہ عافی سے ملاقات ہوتی تو پہلا

سوچتی ہوں

بہت دنوں سے یہ سوچتی ہوں
کہ تم ملو گے تو یہ کہوں گی

وہ بیتی باتیں وہ سارے لمحے
جو سوچ کے دیپ ہیں جلاتے

وہ خوشبو سی تمام باتیں
وہ چاندنی سی تمام راتیں

مہکی مہکی سی ساری یادیں
جو تم ملو گے تو میں کہوں گی

بارش کی مست بوندیں
جب دل میں میرے ہیں گیت گاتی

نئے نئے ہیں جو گل کھلاتی
بہار بن کر جو آرہے ہیں

وہ سارے منظر تمہیں کہوں گی
ملو گے جب تم تو ساری باتیں کہوں گی

یہ سارے لفظ اور ساری باتیں
کیا کہہ سکوں گی یا چپ رہوں گی

(فہمیدہ غوری، گلشن اقبال، کراچی)

سوال یہی آتا...... نماز پڑھی کہ نہیں......؟ اور زیبی بے چارہ فوراً وہاں جی پڑھی ہے'' کہہ دیتا ورنہ پھر عافی کے لیکچر کا تو پتہ ہی تھا جو اک گھنٹہ جاری رہتا تھا، موڈ اس کا الگ خراب ہو جاتا تھا اور تب تک خراب رہتا، جب تک میں دوسرے دن کی نمازیں ادا کرنے کی خبر اسے نہیں دے دیتا تھا۔

زیبی میں چاہتی ہوں تم ایسے بن جاؤ کہ خود دل سے نماز ادا کرنے لگو...... عافی اب بھی تو دل سی ہی پڑھتا ہوں ناں......؟ جی نہیں تم میرے کہنے پہ نماز ادا کرتے ہو، کیونکہ تم مجھ سے ڈرتے ہو...... اور زیبی اس کی بات پہ دل سے ہنسا تھا۔ قہقہہ لگا کے ہنسا تھا......

زیبی کے بچے منہ پھاڑ کے ہنس کیوں رہے ہو میں نے لطیفہ سنایا ہے کیا؟ لطیفہ ہی تو ہے عافی، میں یعنی کہ میں تم سے ڈرتا ہوں۔ ویسے عافی مجھے خود آج پتہ چلا ہے کہ میں تم سے ڈرتا ہوں...... اوہوں مجھ سے نہ سہی میرے لیکچر سے تو ڈرتے ہو ناں......؟

جی نہیں میں تو نہیں ڈرتا تیرے لیکچر سے، ہاں تو میرے ناراض ہو جانے سے تو ڈرتے ہو ناں......؟

''نہیں جی میں تو نہیں ڈرتا ورتا تیرے ناراض ہو جانے سے، جاؤ ہو جاؤ ناراض، مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا تیری ناراضگی سے، بیٹھ جاتی ہے میرا دماغ چاٹنے، جاؤ کوئی کام وام بھی کر لیا کرو۔'' یہ ساری باتیں میں تمہیں دیکھے بنا کہہ دیتا تھا اور تم تم...... تمہیں یاد ہے ناں تم وہ کالی آنکھیں لبالب پانیوں سے بھر لیتی تھی...... اور اسی اک منظر پہ میرا دل دکھتا تھا، دل کٹتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ کوئی ایسا درد ہوتا تھا جس کی سمجھ ہی نہ آتی تھی کہ درد ہو کہاں رہا ہے؟...... اور پھر میں خود ہی کو ڈانٹ دیتا تھا کہ کیوں تمہیں تنگ کرنے کے لیے یہ فضول سی باتیں تم سے کہتا ہوں......

پاگل میں تو یوں ہی تمہیں تنگ کرنے کے لیے مذاق کرتا تھا اور تم رو پڑتی تھی، مگر پھر میں سوری بول کے کان پکڑ کے سوری بولتا اور تمہیں منا لیتا تھا اور پھر وہی ہنسی مذاق کی بوندیں ہمارے آس پاس گرنے لگتی تھیں۔

عافی اک بات بتاؤں تمہیں...... ان دو سالوں، سات مہینے اور بارہ دن کے تیرے ساتھ میں جو دل کو سکون ملا تھا...... میں نے بہت ڈھونڈا مگر پھر کہیں وہ سکون نہیں ملا......

''نہ کہیں وہ عافی ملی اور نہ کہیں اس سے جڑا وہ سکون ملا''

☆☆☆

زیبی چل لے کر آ بھٹہ آج تیری باری ہے......

میرے پاس آج نہیں ہیں پیسے...... عافی آج نہیں کھائیں گے بھٹہ تو کیا ہو جائے گا......؟ زیبی ہوگا تو کچھ نہیں مگر کھا لیں گے تو کیا ہو جائے گا......؟

زیبی جب میری باری ہوتی ہے میں نے کبھی ہاں نہیں کی کوئی رٹ لگائی ہے کبھی؟ ہاں تو تم کون سا خود کماتی ہو اماں کی کمائی پہ عیش کرتی ہو...... اچھا تم تو جیسے خود کماتے ہو...... دادا کی کمائی ہی تیرے کام آتی ہے...... ہاں تو ختم ہوگئی دادا کی کمائی مہینے کے آخری دن جو ہیں تو ہاتھ ذرا تنگ دستی کا شکار ہے۔

اف یہ لو پیسے بھٹہ لے آؤ، میرا سر مت کھاؤ......

میرے پاس پیسے ہوتے تھے مگر مجھے مزا آتا تھا اسے تنگ کرنے اور چڑانے میں...... اک دن میں اپنے پیسوں سے بھٹہ لیتا تھا اور ایک دن تیرے پیسوں سے آتا تھا اور ہم اک ہی بھٹہ شیئر کر لیتے تھے......

وہ حساب کتاب کے معاملے میں بڑی حقیقت پسند تھی۔ میرا ایک روپیہ تک نہیں کھاتی تھی الٹا اکثر میری مدد کیا کرتی تھی۔ وہ بڑی چالاکو ماسی تھی...... اپنا حصہ ختم کر کے مجھ سے میرا بھٹہ چھینا کرتی تھی...... عافی تمہیں یاد ہے ناں، کیسی معصوم شکل بنا کر تم کہا کرتی تھیں۔

''زیبی تھوڑا سا دے دو کل واپس لے لینا'' اور میں بھی تو زیبی تھا اسی کا ساتھی...... اک دانہ تک نہیں دیتا تھا...... مزے لے لے کر کھاتا تھا اور جان بوجھ کے جلدی ختم نہیں کرتا تھا...... مگر کچھ دیر تنگ کر کے میں تمہیں دے دیتا تھا اور پھر ہم ہنسی مذاق، چھینا جھپٹی شروع کر دیتے تھے۔

تمہیں یاد ہے ناں اک دن تم پورا بھٹہ چھین کر بھاگ گئی تھی...... آگے آگے تم تھی اور پیچھے میں تھا......

اف عافی تم کتنا تیز بھاگتی تھی اور پھر کیا ہوا تھا تم پیچھے منہ کر کے مجھے چڑانے لگی تھی اور تیرا پاؤں ایک موٹی سی لکڑی سے ٹکرا گیا تھا اور پھر تم دھڑام سے نیچے گر گئی تھی...... میں بہت پریشان ہو گیا تھا، بھٹہ بھول بھال گیا تھا مگر شکر ہے تمہیں کوئی چوٹ نہیں لگی تھی اور تم ٹھیک تھیں......

ہنسی کے دیئے زیبی اور عافی کے اردگرد منڈلانے لگے تھے...... اور پھر بھٹہ چھین کے زیبی بھاگ نکلا تھا اور عافی بے چاری چادر سنبھالتی ہوئی زیبی کو پکڑنے کی ناکام کوشش میں لگی ہوئی تھی...... اور پھر جب میں تھک گیا تو آ کر بیٹھ گیا اور وہ پاگل سی لڑکی بھی میرے ساتھ آ کر بیٹھ گئی تھی...... ہنس ہنس کر آنکھیں پانیوں سے بھر گئی تھیں اور ہم دونوں مل کر بھٹہ کھانے لگے تھے۔ عافی میں پھر کبھی بھٹہ نہیں کھا پایا...... وہ لذت ہی نہیں رہی بھٹے میں جو اس آدھے بھٹے میں ہوا کرتی تھی......

☆☆☆

میں کالج میں ٹاپ سٹوڈنٹ تھا...... کالج میں ہر جگہ نمایاں رہنے لگا تھا...... انہی دنوں ایک غلطی مجھ سے ہوئی...... اک لڑکی تھی جو مجھے لگتا تھا کہ وہ مجھ میں انٹرسٹڈ ہے مگر ایسا نہیں تھا...... ہاں رسمی سلام و دعا وہ مجھ سے ضرور کیا کرتی تھی روز...... اس لڑکی کے گروپ میں تین لڑکیاں اور چار لڑکے تھے...... جو کہ سب بہت اچھے دوست تھے...... ہر جگہ وہ ایک ساتھ پائے جاتے تھے...... میں چونکہ کلاس میں A-1 جا رہا تھا تو اس گروپ نے مجھے اپنے ساتھ شامل کرنے کی آفر کی...... میں بخوشی ان کے گروپ میں شامل ہو گیا...... وقت گزرتا گیا، کبھی کسی کو سکھ کے لمحات دیتا ہوا تو کبھی کسی کو دکھ کی سوغاتیں دیتا ہوا گزرتا ہی گیا......

میں نے اس لڑکی سے اپنی زندگی کے چند اک دکھ اور کچھ باتیں ہی اس سے کہی تھیں، وہ بھی اس کے پوچھنے پر، مگر وہ بور ہونے لگی اور مجھے پہ ہنسنے لگی...... اور ایک جملہ بول کر وہاں سے نکل گئی......

''شاہ زیب تم تو بہت بورنگ اور لٹے پٹے ہوئے سے انسان ہو''

جو باتیں اس لڑکی نے کہیں تھی، وہ تو میں بھول چکا ہوں اور ان باتوں کو بھلانے میں عافی نے ہی میری مدد کی تھی۔

مجھے بس وہ یاد ہے جو کچھ مجھ سے عافی نے کہا تھا......

اس دن میں بہت اداس تھا جب وہ عافی کی بچی معمول کے مطابق چائے کا کپ تھام کر اپنی بے سر آواز میں گانا گا رہی تھی۔

بڑے بے مروت ہیں یہ حسن والے کبھی دل لگانے
کی کوشش نہ کرنا

میرے دل کے زخموں کو نیند آ گئی ہے انہیں تم
جگانے کی کوشش نہ کرنا

پتہ نہیں وہ کیا آدھا ادھورا گائے جا رہی تھی...... میں تو غور سے سن ہی نہیں رہا تھا، نہ اسے ڈانٹ رہا تھا اور نہ ہی اس کی غلطیاں نکال رہا تھا۔ اس نے خود ہی سے آج اگلا گانا سٹارٹ کر دیا تھا، بنا میری رائے لیے......

بڑی مہنگی پڑے گی جدائی کسی سے کوئی پیار نہ

کرے

دل دیتا ہے رو رو دھائی کسی سے کوئی پیار نہ کرے
پیار نے کچھ تو پاگل بنایا اور کچھ زندگی نے بھی ستایا......
خوب اپنی ہوئی جگ ہنسائی
کوئی سمجھے کسی کو نہ اپنا...... جھوٹا نکلے گا جیون کا سپنا
گاؤں گاؤں پکارے شہنائی

زیبی دیکھو آج تو میں نے پورا گانا سنایا ہے......
ہاں زندگی میں پہلی مرتبہ تم نے کوئی ڈھنگ کا اور پورا گانا سنایا ہے...... پہلے میں بے ڈھنگا گانا سناتی تھی کیا......؟

اور اس نے جب آنکھیں پھاڑ کے مجھے دیکھا تھا تو فوراً سیریس ہوگئی تھی۔ زیبی کیا بات ہے......؟ سب ٹھیک تو ہے......؟ کیا ہوا ہے تمہیں......؟ میں نے اسے اس لڑکی والا سارا قصہ سنایا...... اور وہ تو تھی ہی میری ہمدرد میری سچی کھری دوست...... مجھے ہر دکھ سے نکالنے والی...... ہر پریشانی کو مجھ سے دور بھگانے والی...... مجھے خوشی دینے والی عافی...... وہ پاگل سی لڑکی ایک بار پھر بولنے لگ گئی تھی اور غور سے اسے سنے جا رہا تھا۔

دیکھو زیبی زندگی میں دکھ سکھ آتے رہتے ہیں...... اور بعض دفعہ زندگی ایسے دکھ دیتی ہے جو گہرے زخم بن جاتے ہیں...... وہ زخم صرف ہماری اپنی ذات تک محدود ہوتے ہیں...... ان زخموں کی گہرائی اور ان زخموں کے درد کی شدت کو صرف ہم خود محسوس کرتے ہیں...... کوئی دوسرا کبھی محسوس نہیں کر سکتا...... مگر اک مخلص دوست ضرور محسوس کر سکتا ہے...... لیکن ہر انسان ہمارا دوست نہیں ہوتا اور ہر دوست مخلص دوست نہیں ہوتا...... اس لیے اپنے دکھ، غم، اپنے دل کے زخم ان لوگوں کے پاس لے کر مت جاؤ، جن کے پاس مرہم نہ ہو...... وہ لوگ تیرے زخم ٹھیک کرنے کی بجائے اور بھی گہرے کر دیں گے۔

تمہارے زخموں پر مرہم لگانے کی بجائے نمک چھڑک دیں گے...... اور تمہیں ہر گام پہ ایسے ہی لوگ ملیں گے...... در بدر زخم ملیں گے...... لوگ ہنسیں گے تمہارا مذاق اڑائیں گے...... اس سے بہتر نہیں کہ ہم زخم پہ زخم کھاتے جائیں اور مسکراتے رہیں تاکہ کسی کو معلوم ہی نہ ہو پائے کہ ہم زخمی ہیں اور وہ لوگ نمک چھڑکنے کی بجائے ہمارے پاس سے گزر جائیں...... میں عافی کی باتیں سمجھ گیا تھا......

اتنا کچھ سمجھا کہ وہ پاگل لڑکی آگے بھی کچھ بولی تھی...... زخم پہ زخم کھا کے جی، اپنے لہو کے گھونٹ پی آہ نہ کر لبوں کو سی، عشق ہے دل لگی نہیں...... اور میں نے اپنی پاس پڑی کتاب اٹھا کر اس کے سر پہ دے ماری تھی...... اور وہ پاگل لڑکی گرتی پڑتی، مسکراتی ہوئی بھاگ اٹھی تھی...... ادھر آ عافی کی بچی میں تمہیں بتا ہوں عشق ہے کہ دل لگی ہے...... اور وہ پاگل لڑکی ہنس ہنس کے دوہری ہوتی چلی جا رہی تھی...... یہ طے تھا کہ عافی مجھے کوئی بھی لیکچر دیتی یا کوئی اہم بات کرتی تو اتنی ہی سنجیدگی سے آخر میں کوئی ہنسانے والی بات کر کے بھاگ جاتی تھی۔

عافی وہی گانے جو تم بے سرے گاتی تھی...... آج وہی گانے بڑی کثرت سے سنتا ہوں...... بڑی حسرت سے سنتا ہوں...... مگر عافی مجھے سب گانے والے بے سرے لگتے ہیں اور دل کہتا ہے سُر لگا کے تو میری پاگل دوست عافی گانا سنایا کرتی تھی......

عافی پلیز آ جاؤ کہیں سے اور وہی گانا سناؤ نا، جو تم نے کالج والی لڑکی کا واقعہ سننے کے بعد ہنس ہنس کے گایا تھا اور مجھے تم نے اس دن حد سے زیادہ تنگ کیا تھا......

''لمبی جدائی، چار دناں دا پیار او ربا''
''بڑی لمبی جدائی''

☆☆☆☆

وہ ٹھنڈی ہوا

فہمیدہ غوری

بختاور نے آخری روٹی تندور سے نکالی اور چھبڑی میں رکھ کر پسینہ پونچھتی اندر آئی۔ پنکھا چلا کر ٹھنڈی ہوا لینا چاہی تھی کہ بجلی چلی گئی۔

کدی تے بخش دو غریبوں نوں وہ ہاتھ کا پنکھا جھل کر واپڈا والوں کو کوسنے لگی۔

جون کی گرمی جب چپل ماس چھوڑ دے۔ انڈا بھی فرش پر ڈالو تو وہ بھی پک جائے۔

اری نیک بخت گرمی پڑتی ہے تو گندم پکتی ہے گندم پکے گی تو ہی غریب کو روٹی ملے گی۔"

ہاں مگر ابھی تو ہم پک رہے ہیں بختاور تپ کر بولی۔

بختاور لمبی چوڑی محنتی عورت تھی گھر کے کام منٹوں میں انجام دیتی۔ خوش باش ہنس مکھ۔ ہاں مگر گرمی سے اس کی جان جاتی تھی۔ اکثر وہ نادر سے کہتی کاش ہمارے پاس بھی اتنے پیسے ہوتے ہم بھی چودھری اللہ نواز کے گھر میں لگے ایئر کنڈیشنڈ جیسا لگا سکتے۔ چودھری کے گھر میں تو ہر کمرے میں یہ مشین لگی ہے۔

نادر ہنستا، باتیں دیکھو اس کی پتا بھی ہے کتنے کی آتی ہے یہ کمرہ ٹھنڈا کرنے والی مشین۔

ہاں ہاں پتہ ہے بھائی نذیر کہہ رہا تھا شہر میں یہ مشین استعمال کی ہوئی بھی ملتی ہے۔ آدھی قیمت پر وہ بھی اچھی بھلی چلتی ہے۔

اچھا اچھا چل روٹی لا۔ نادر اور بختاور کے دو بچے تھے چھ سالہ فیضان اور چار سال کی فضیلہ۔ دونوں سکول جاتے تھے۔ فیضان بہت شرارتی اور فضیلہ گول مٹول گڑیا جیسی معصوم صورت بچی تھی۔

دونوں ہی گھر کی رونق تھے۔ نادر کی کچھ زمین تھی۔ جس پر وہ مختلف فصلیں اگاتا اور اس کی محنت سے بہت اچھی فصل ہوتی تھی۔ اچھا گزارہ ہو رہا تھا۔

بختاور کو گرمی سے چڑ تھی اور پنجاب کی گرمی الاامان الحفیظ......

بے چاری گرمی دانوں میں بھر جاتی اور چولہے کے سامنے تندور میں روٹی لگاتے تو اس کا برا حال ہو جاتا۔

وہ بس ہر وقت ہی سوچ میں گم رہتی کہ کسی طرح اس کے پاس پیسے ہوں اور وہ کمرہ ٹھنڈا کرنے والی مشین خرید لے۔

آج وہ چودھری کے گھر قرآن خوانی میں گئی تھی۔ گاؤں کی ساری ہی عورتیں تھیں۔ بڑے کمرے میں ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا میں سپارہ پڑھتے ہوئے ایسا سکون مل رہا تھا کہ اس کا تو گھر جانے کا دل ہی نہیں کر رہا تھا۔

اب تو اس کی سوچوں میں یہ موئی مشین اور بھی زیادہ شدت سے شامل ہو گئی تھی۔

آج اس کی سہیلی فرصت اس سے ملنے آئی فرصت میکے گئی ہوئی تھی۔ مہینہ رہ کر آئی تو اس کے لیے بھی سوغاتیں لے کر آئی۔ آج شکر ہے لائٹ تھی۔ دونوں پنکھے کی ہوا کھاتے اپنے دل کی باتیں کرتی رہیں۔

بختاور نے بڑی دکھی دل سے اپنی بات کہہ دی۔

ارے یہ کیا بات ہوئی یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ خالہ رشیدہ جس کے پاس ہم سب کمیٹی ڈالتے ہیں وہ اب بڑی کمیٹی شروع کر رہی ہے تو بھی اس کے پاس کمیٹی ڈال دے۔ بڑی کھری عورت ہے خالہ رشیدہ۔

ہاں ہاں میں جانتی ہوں۔ خالہ بہت ایماندار عورت ہے میں نادر سے پوچھ کر بتاتی ہوں۔

رات کو نادر سے بات کی پہلے تو اس نے انکار کیا کہ بہت بڑی رقم ہے مہینہ اتنی جلدی گزر جاتا ہے۔ مگر بختاور کا اترا ہوا منہ دیکھ کر آخر مان گیا۔

فرحت نے خالہ سے کہہ کر تیسری کمیٹی دلوادی۔

بختاور دن گن گن کر یہ وقت گزارنے لگی۔ آخر تین ماہ بعد اس کی کمیٹی کھل گئی۔ نادر بھی بہت خوش تھا۔ پیسے ملتے ہی نادر کی نیت بھی بدلنے لگی۔ یار اس پیسے سے کھاد اور بیج لے لیتے ہیں فصل اور بھی اچھی ہو گی۔ تو میں تجھے ایئر کنڈیشنڈ لے دوں گا۔

مگر وہ بھی اپنے نام کی پکی تھی۔ مان کر نہ دی۔ آخر نادر اس کے چھوٹے بھائی کے ساتھ شہر جا کر سیکنڈ ہینڈ اے سی لے آیا۔ الیکٹریشن کو بلوا کر کمرے میں ہاتھ کے ہاتھ اے سی لگ گیا۔

اف کیا ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا تھی۔ جیسے برف کا کمرہ ہو مگر یہ کیا لائٹ چلی گئی۔ چلو کوئی بات نہیں آ جائے گی۔ جب لائٹ آئے گی خوب کمرہ ٹھنڈا کرلوں گی۔ تا کہ جب لائٹ جائے تب بھی کمرہ ٹھنڈا ہی رہے۔

نادر کو بھی اچھا لگا ساری رات سکون سے سوئے۔ بچے بھی خوش تھے۔ سکول سے بھی جلدی جلدی آتے اور کمرے میں گھس جاتے۔ فرحت بھی چکر لگاتی۔ دونوں سہیلیاں خوب باتیں کرتیں۔

اب تو گاؤں کی دوسری عورتیں بھی بہانے بہانے سے آتیں۔ کوئی سالن، کوئی لسی، کوئی کچھ اور غرض میلہ سا لگا رہتا۔

پہلی تاریخ آ گئی۔ کمیٹی کے پیسے دینے نادر کو بہت بھاری لگ رہے تھے مگر بے چارہ بیوی کی خوشی کے آگے مجبور تھا۔ سارا دن ساری رات اے سی چلاتی۔ بختاور میکے، سسرال سب کو بھول بیٹھی تھی۔ نادر بھی دن میں ایک دو چکر گھر کے لگاتا اور خوب لمبی تان کر سوتا۔ کھیت پر اپنا کوئی دوست بیٹھا آتا۔ اس بار فصل بھی اچھی نہیں ہوئی۔

نادر صاحب ٹھنڈے کمرے میں سوئے ہوئے تھے۔ آج بچوں کو سکول بھیج کر بختاور جلدی جلدی کام نبٹانے لگی کہ آج اس کا اور فرحت کا فلم دیکھنے کا

مرضی

حضرت علیؓ نے فرمایا" جب میری دعا قبول ہوتی ہے تو میں خوش ہوتا ہوں کہ یہ میری مرضی ہے اور جب میری دعا قبول نہیں ہوتی تو میں خوش ہوتا ہوں کہ یہ اللہ کی مرضی ہے۔"

(عابدہ پروین، ملتان)

پروگرام تھا ٹی وی پر...... دروازہ بج رہا تھا۔

بجلی کا بل تھا۔ بختاور بل لے کر اندر آئی۔ بل ٹی وی پر رکھ کر دوبارہ کام میں مشغول ہو گئی۔ بچے سکول سے آ گئے۔ نادر بھی آ گیا۔ بختاور نے دستر خوان لگا کر اے سی چلا دیا اور نادر اور بچے بھی دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھانے لگے۔

ارے ہاں نادر بجلی کا بل آیا ہے۔

اچھا کہاں ہے۔ اب کے کچھ دیر سے آیا ہے۔ یہ رہا۔ نادر نوالہ منہ میں ڈال کر بل دیکھنے لگا۔

اس کا نوالہ حلق میں پھنس گیا۔

کیا ہوا...... دیکھ کر مرچیں ہیں کیا۔ نادر کو تو سکتہ ہو گیا۔ بل میں ایئر کنڈیشنڈ کے چارج......

پانی کا گلاس نادر کے منہ سے لگایا۔ ہٹا پرے اس کو دیکھ یہ تیری کمرہ ٹھنڈا کرنے والی مشین کا بل تیرا باپ بھرے گا یا تیرا چاچا۔

اب ٹھنڈی ہوا لے......

کیا ہوا نادر کتنا بل ہے آخر......

لائٹ بھی چلی گئی اور ساری ٹھنڈک جیسے تپتی لو میں بدل گئی۔ ایسا بل کے بختاور اور نادر بلبلا اٹھے اور کمیٹی کے جو پیسے خالہ کو دینے تھے وہ بل کی ادائیگی کے لیے دینے پڑ گئے۔

ہاتھی پالیں تو دروازے بھی بڑے کرنے پڑتے ہیں۔ یہ بات بختاور کو اچھی طرح سمجھ آ گئی تھی۔

☆☆☆

فرشتہ

ایس۔امتیاز احمد

جب وہ گھر واپس جا رہا تھا، تب رات کافی اندھیری ہو چکی تھی، آسمان پر بادل شیطانی روحوں کی طرح ادھر ادھر دوڑ رہے تھے۔ گلی میں دن کی بارش ہونے کی وجہ سے پھسلن ہو چکی تھی۔ چھوٹے بڑے گڑھے اور کھڈے پانی اور گندگی کے ڈھیروں سے بھر گئے تھے۔ جو گلی میں ہر طرف پھیلے ہوئے تھے۔ اس کی گندگی سے بو پھیل رہی تھی۔ میونسپلٹی کی طرف سے لگا ہوا فانوس ٹم ٹما رہا تھا۔ جیسے موت کا فرشتہ گھوم رہا ہو (یا سب کو سانپ نے ڈس لیا ہو) کبھی کبھی کسی گھر سے بچے کے رونے یا کسی کتے کے بھونکنے کی آواز آ رہی تھی اور پھر خاموشی پھیل جاتی تھی۔

اس نے اپنے جسم کی طرف دیکھا جو لگاتار بیماریوں کی وجہ سے کمزور ہو گیا تھا۔ جس میں نہ مضبوطی تھی نہ طاقت ایک انسانی ڈھانچہ جو ڈاکٹروں کے پاس نمائش و نمود کے لیے پڑا رہتا ہے۔ اس نے اپنی جیب کی طرف دیکھا جس میں 50 روپے تھے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی ایسی مسکراہٹ جس میں ہزاروں زخم چھپے ہوئے ہوں۔ جس میں ہزاروں درد چھپے ہوئے ہوں۔

”پورے دن کی کمائی صرف 50 روپے“ وہ نفرت سے بڑبڑایا اور خاموش ہو گیا۔ یہ بھی جیسے خطرات کے طور پر ملے ہوں۔ اس کو کارخانے سے نکال دیا گیا تھا۔ اس کارخانے سے جہاں اس کے دادا نے کام کرتے ہوئے زندگی ختم کی تھی، جہاں اس کا باپ کام کرتے ہوئے پٹے (Belt) کے نیچے شہید ہو گیا تھا۔ جہاں اس نے بچپن سے کام شروع کیا تھا کیونکہ وہ بیمار تھا اور اب اس کی کارخانے میں کوئی بھی ضرورت نہیں تھی۔ ایک وقت تھا کہ وہ اپنے گروپ (ٹولے) کا مانا ہوا مزدور شمار ہوتا تھا۔ اس کے کام سے دوسرے رشک کرتے تھے۔ سیٹھ خوش ہو کر اسے شاباش کہتا تھا۔ وہ صبح سے شام تک کام کر کے پچاس روپے کما ہی لیتا تھا۔ مگر اب وہ زندہ لاش تھا، جو قبر چیر کر اس دنیا میں آیا ہو۔ جسے لوگ دیکھ کر گھبرا جائیں۔ نہیں بابا نہیں تجھ سے مزدوری نہیں ہو گی۔ ”نہیں جناب نہیں، تم ٹوکرا نہیں اٹھا سکتے۔“

”نہیں مسٹر! ایسا وزن اٹھانا تمہارے بس کا کام نہیں ہے۔“

آہ وہ کر بھی کیا سکتا تھا۔ ایسا کوئی بھی انسان نہیں تھا جو اس پر رحم کھا کر اسے کہتا۔

”آؤ بابا! یہ وزن اٹھا لو۔“

صبح سے شام تک بازاروں اور مارکیٹوں کے چکر لگانے سے کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ صرف پچاس روپے، جس میں سے ایک ڈبل روٹی لے کر خود کھائی تھی اور باقی رقم اس خیال سے بچائے رکھتی تھی کہ شاید کل مزدوری نہ ملے اور پیٹ پر پتھر باندھنا پڑے۔ کبھی ایسے دن بھی آتے تھے کہ اس کو اور اس کی ماں کو فاقوں میں صرف پانی نصیب ہوتا تھا۔ یہ سب کچھ بھی تو وہ اپنی ماں کے لیے کر رہا تھا جو اس کی ساری کائنات تھی۔ ورنہ وہ دنیا سے منہ موڑ کر اس طرح مزے سے چادر لپیٹ کر سو جاتا کہ اسے کوئی قیامت کے روز بھی بیدار نہیں کر سکتا تھا۔

اس ماں کے لیے جس نے راتوں کی نیندیں اڑا کر اس کی خدمت کی تھی۔ اس ماں کے لیے جس نے صبح سے شام تک چکی چلا کر اس کی ہر ضرورت پوری کی تھی۔ اس ماں کے لیے جو گرمی سردی میں اس کے آرام کی خاطر کبھی سکھ سے نہ سو سکی۔ آخر اس کی خدمت کرتے ہوئے وہ بیمار ہو گئی۔

حکیم اور طبیب آئے، لیکن کچھ نہ بنا۔ ڈاکٹروں نے فیسیں لیں کچھ نہ بنا۔ سرکاری ہسپتال سے اسے لاعلاج کر کے نکالا گیا۔ ان کے گھر میں جو جمع پونجی تھی وہ بھی ختم ہو گئی ان کے گھر کا سارا سامان بک چکا تھا۔ برسوں کے پیچھے مزید کئی برس گزر گئے اس کی ماں تندرست نہ ہو سکی۔ البتہ وہ خود بیمار ہو گیا۔ پہلے چار پیسے کما کر ماں کے لیے کچھ کھانے کو لاتا تھا مگر اب اسے کوئی مزدوری دینے کے لیے بھی تیار نہ تھا۔ کوئی بھی اسے کام کی پیش کش نہیں کرتا تھا۔ صبح سے شام تک تگ و دو کر کے گھر پہنچتا تھا۔

آسمان پر بادل جمع ہو گئے تھے جیسے آسمانی دیوتا کے باشندوں کے خلاف سازش کر رہے ہیں۔ بجلی رک رک کر گرج رہی تھی۔ آہستہ آہستہ بوندیں پڑنے لگیں۔

اس نے آہستہ آہستہ قدم جھونپڑی میں رکھے۔ مٹی کا چراغ ٹم ٹما رہا تھا۔ اس کی ماں نیم مردہ حالت میں پڑی تھی۔ اپنے بیٹے کے پاؤں کی آہٹ سن کر بولنے کی کوشش کی، لیکن کھانسی کی وجہ سے اس

کے الفاظ اس کے حلق میں رک گئے۔ تھوڑی دیر بعد اس نے آہستہ سے کہا۔ بیٹے! بہت دیر لگادی۔ پھر تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہوگئی۔ بیٹے! میری دوائی اس کی آنکھیں آہستہ آہستہ بیٹے کے چہرے پر پڑیں۔

"اماں......!" الفاظ اس کے حلق میں اٹک گئے۔

"حکیم نے کہا ہے کہ دوائی ابھی تیار نہیں ہے۔ کل انشاءاللہ تیار ہوجائے گی۔"

دوائی کا نام سنتے ہی اس کی ماں کی جان میں جان آئی۔ بیٹے اس جینے سے تو موت بہتر ہے! اگر زہر مل جائے تو زندگی کے تمام دردوں سے نجات مل جائے۔

اس نے ڈبل روٹی ماں کے آگے بڑھائی جس میں سے دو تین ٹکڑے ماں منہ میں ڈال کر لیٹ گئی۔

ہوا تیز ہوتی گئی۔ بارش نے تانتا باندھ لیا۔ جسے آسمان سے آبشار گر رہا ہو۔ اس کی ماں نے ساری رات کراہتے، روتے کھانستے اور ہانپتے گزار دی۔ چراغ ہوا کے جھونکوں سے آنکھ مچولی کھیل رہا تھا۔ وہ دونوں بازو سرہانا کر کے لیٹا لیکن اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہیں۔ وہ اپنی اور ماں کی زندگی پر سوچ رہا تھا۔ وہ سمجھ نہ سکا کہ اگر یہ "زندگی" ہے تو پھر موت کیا ہوگی۔

وہ ماں کی آہ و زاری کو سن رہا تھا۔ اس نے دوائی کے لیے سوچا۔ مگر دوائی کہاں سے آئے گی؟ اتنا عذاب کب تک؟ اس کے کانوں میں ماں کے الفاظ ہر لمحہ بجنے لگے۔ بیٹے! اس جینے سے تو موت بہتر ہے۔ زہر مل جائے تو اس زندگی کے درد اور تکالیف سے آزاد ہو جاؤں۔

وہ کروٹیں بدلتا رہا۔ باہر بارش تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئی۔ چراغ جلتے جلتے گل ہوگیا۔ لیکن اس کی آنکھیں اب تک چمک رہی تھیں۔ آخر اس کی زندگی کے تمام دکھ درد کا علاج ہاتھ آیا۔ اس کی آنکھیں ایک دم ماں کی طرف چلی گئیں۔ جو کراہ رہی تھی۔

"اس دکھ بھرے جینے سے تو موت بہتر ہے۔" اس کی آنکھوں سے آنسو لڑیوں کی صورت بہنے لگے۔ جیسے کہہ رہے ہوں۔ پیاری اماں! تیرے سوا میرا اس دنیا میں کون ہے؟ صبح ہوتے ہی وہ شہر سے دور نکل گیا۔ جہاں تھوہر (ایک پودا) کے جھنڈ تھے۔ جس کے دودھ کے پانچ قطرے انسانی زندگی لینے کے لیے کافی تھے۔ زہر سے بھرے ہوئے تھوہر کو جانور بھی دیکھ کر دور بھاگتے ہیں۔ اس نے اپنی جیب سے ایک شیشی نکالی۔ تھوہر کی جانب اپنے ہاتھ بڑھائے۔ اس کے ہاتھ کانپنے لگے۔ تھوہر کا دودھ شیشی کو اس طرح بھر رہا تھا جیسے چھوٹے بچے کے لیے ماں کا دودھ۔ اس کو ماں کا شفیق چہرہ نظر آیا، جو مسکرا کر اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ چونک گیا اور شیشی زمین پر گر پڑی۔

"وہ چونک کر اٹھا۔" اوہ! میں کیا کر رہا ہوں؟"

ماں کا کراہتا ہوا اور غم زدہ چہرہ اس کے سامنے گھومنے لگا۔ بیٹے! اس جینے سے تو موت بہتر ہے۔ اگر زہر مل جائے تو زندگی کے تمام دکھوں سے نجات مل جائے گی۔ اس بیماری کا کوئی علاج نہیں۔

پھر ماں کی عذاب بھری راتیں اور دکھ بھرے دن اس کی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگے تو وہ خاموش ہوگیا۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے شیشی اٹھا کر آنکھیں بند کیں اور شیشی تھوہر کے نیچے رکھ دی۔ شیشی کسی غم زدہ کی زندگی کی طرح بھر گئی۔ ابھی اس نے قدم جھونپڑی میں رکھے ہی تھے کہ ماں کے کراہنے کی آواز سنی۔ اس کے کھانسنے سے جھونپڑی دکھ سے کانپ رہی تھی۔ بیٹے کو دیکھتے ہی اس کے چہرے پر رونق آگئی۔ "بیٹے!" وہ تھوڑی دیر کے لیے چپ ہوئی۔

"آج تو ضرور میرے لیے دوائی لایا ہوگا۔" وہ دیوار کی طرح خاموش رہا۔

"بیٹے! اس جینے سے تو موت بہتر ہے۔"

وہ ماں کے قریب آیا اور ماں کے گلے لگ کر رونے لگا۔ "ہاں ماں! آج میں تمہارے لیے دوائی لایا ہوں۔" اس کی آواز ہچکیوں میں گم ہوگئی۔

پھر آہستہ آہستہ اٹھ کر اس نے شیشی نکالی۔ اس کے ہاتھ کانپنے لگے۔ سانس تیز ہونے لگی۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ سر چکرانے لگا۔ کچھ قطرے پیالی میں ڈال کر، پانی ملا کر اس نے ماں کو دیا جسے وہ امرت سمجھ کر ایک ہی سانس میں پی گئی اور پھر اس کے چہرے پر مسکراہٹ چھا گئی۔ "بیٹے! تجھے میرا کتنا خیال ہے۔ بیٹے تم فرشتے ہو فرشتے۔"

اس نے گردن ماں کی گود میں ڈال دی۔ اس کی ماں کا ہاتھ آہستہ آہستہ اس کے بالوں میں پھرنے لگا۔ جیسے وہ اپنی انگلیوں سے اس کے بالوں میں کنگھی کر رہی ہو۔

☆☆☆

سسرال میں عید

کرن خان اسی

وہ گہری نیند سو رہی تھی جب موبائل فون کا الارم چیخ چیخ کر بجنے لگا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھی تو گھڑی صبح کے چار بجا رہی تھی۔ "ارے اتنی جلدی چار بج گئے ابھی تو نیند بھی پوری نہیں ہوئی "اس نے نظریں پاس میں لیٹے میاں صاحب پر ڈالی تو وہ میٹھی نیند سو رہے تھے۔ رشک بھری ایک نگاہ وہ ان پر ڈالتی اٹھ کھڑی ہوئی اور کچن کی طرف چلی گئی۔ نیند سے برا حال تھا۔ منہ پر پانی کے چھینٹے مارے تو کچھ نیند کی خماری کم ہوئی۔ یہ سسرال میں اس کی پہلی عید تھی۔ چھ ماہ پہلے ہی وہ بیاہ کر پیا گھر آئی تھی۔ میکے میں اس کی امی فجر کے وقت ہی اٹھ کر سوئیاں بنا لیا کرتی تھی اور جب وہ اٹھتی خوب ساری سوئیاں کھاتی اور امی کی تعریف کرتی لیکن آج بات الگ تھی اسے لگا جیسے وہ اس ایک سال میں بہت بڑی ہو گئی ہو۔ کل تک وہ امی کے ہاتھ کی سوئیاں کھایا کرتی تھی مگر آج اسے خود بنانی پڑ رہی تھی۔

ایک لمحے میں سمٹ آیا ہے صدیوں کا سفر
زندگی تیز بہت تیز چلی ہو جیسے

اس نے اپنی امی کو یاد کیا تو ایک ہلکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ گئی۔ اس نے سوئیاں بنائی، گھر صاف ستھرا کیا، سب کے کپڑے پریس کیے تو تب تک چھ بج چکے تے۔ مسجد میں عید کی نماز سات بجے ادا ہونی تھی ابھی وقت تھا اس نے پہلے خود شاور لیا پھر میاں جی کو اٹھانے کے لیے گئی۔ وہ ابھی بھی اتنی ہی گہری نیند میں سو رہے تھے جیسے وہ انہیں چھوڑ کر گئی تھی۔ "میرے ارسلان کتنے ہینڈسم ہیں" اس نے نگاہ بھر کر ارسلان کی طرف دیکھا۔ اسے شرارت سوجھی تو اس نے گیلے گیلے بالوں سے پانی اس کے ماتھے پر ٹپکانا شروع کر دیا۔ ارسلان نے آنکھیں کھولی تو صوفیہ کو اپنے بے حد قریب پایا۔ وہ ایسی شرارت اکثر کیا کرتی تھی اور ارسلان اسے اپنے اور قریب کر لیتے تھے۔

☆☆☆

گھر کے تمام افراد اٹھ چکے تھے۔ عید کی نماز کے لیے جانے سے پہلے تمام مرد حضرات کا منہ میٹھا کیا گیا۔ اب صوفیہ تیار ہونے لگی تو اس نے الماری سے پہلے وہ جوڑا نکالا جو اس کی امی اسے عیدی کے طور پر دے کر گئی تھیں۔ جوڑا انتہائی خوبصورت اس کی پسند کے مطابق تھا، اس نے جوڑے کو چوما اور اپنے سینے سے لگا لیا۔ موٹے موٹے آنسو اس کی روشن آنکھوں سے بہنے لگے۔ اسے شدت سے اپنا گھر یاد آ رہا تھا۔ اس کا دل کیا وہ اڑ کر اپنے گھر چلی جائے اور اپنی ماں کے سینے سے جا

لگے۔ یہ پہلی عید تھی جو وہ اپنے ماں باپ بہن بھائیوں کے بنا گزار رہی تھی۔ وہ سوچوں میں گم تھی کہ اچانک اس کے موبائل کی بیل بجی، اس نے جو اسکرین پر دیکھا تو امی جان کا نمبر تھا۔ سچ ہے دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ اس نے لپک کر فون اٹھایا۔ آنکھوں میں چمک اور لبوں پر تبسم بکھر گئی۔ دوسرے ہی لمحے اس نے فون کان سے لگایا اور شدت جذبات سے بولی۔

"اسلام وعلیکم امی جان! میں آپ کو ہی یاد کر رہی تھی۔"

"وعلیکم السلام بیٹا! میں جانتی تھی کہ میری بیٹی مجھے یاد کر رہی ہے اس لیے فون کر لیا" دوسری طرف سے بھی گرم جوشی سے جواب دیا گیا۔

"امی میری پیاری امی! آپ کو کیسے پتا چل جاتا ہے؟" وہ ماں کے اچانک فون آنے پر حیران بھی تھی۔

"ماں ہوں نا اس لیے پتا چل جاتا ہے، اچھا یہ بتاؤ سوئیاں بنا لیں یا ابھی تک سو رہی تھی۔" انہوں نے ایسے ہی پوچھا تھا جبکہ وہ جانتی تھیں کہ وہ صبح ہی بنا چکی ہو گی۔ "جی جی امی بنا لیں تھیں، آپ کو پتا ہے، میں آپ کی طرح صبح چار بجے ہی اٹھ گئی تھی"

"شاباش میرا بیٹا! مجھے فخر ہے اپنے بچوں پر، دیکھو بیٹا! یہ جو ماں باپ کی عزت ہوتی ہے نا یہ بیٹیوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور مجھے خوشی ہے کہ ان چھ مہینوں میں میری بیٹی نے کوئی شکایت کا موقع نہیں دیا۔"

وہ اکثر اسے فون کر کے ایسے ہی سمجھایا کرتی تھیں اور یہ ہی وجہ تھی کے آج صوفیہ نا صرف اپنے شوہر کے بلکہ تمام سسرال والوں کے دل پر راج کر رہی تھی۔ "جی امی" اس نے اثبات میں سر ہلایا "اچھا اب تیار ہو جاؤ تمہاری تیاری میں بھی ٹائم لگتا ہے؛ میری بیٹی کو سجنے سورنے کا جو بہت شوق ہے۔ خوش رہو میرا بیٹا ہمیشہ" جی جی بہت" اس نے بھی ہنستے ہوئے جواب دیا۔ "اللہ حافظ بیٹا" "اللہ حافظ امی" وہ فون بند کرنے کے بعد دوبارہ کپڑوں کی طرف متوجہ ہو گئی اس نے الماری سے وہ جوڑا بھی نکالا جو ارسلان نے اسے عید کے لیے لا کر دیا تھا۔ یہ جوڑا بس نارمل ہی تھا جبکہ اس کی ماں کا لایا ہوا جوڑا بے حد خوبصورت تھا۔ وہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ وہ کیا پہنے۔ اس کا دل کیا کہ وہ امی والا جوڑا ہی پہنے مگر پھر اسے خیال آیا کہ ارسلان اس کے لیے بہت پیار سے لائے ہیں، کہیں وہ برا ہی نہ مان جائیں۔ آخر کار فیصلہ ارسلان کے لائے جوڑے کے حق میں کیا گیا۔ وہ اس معمولی جوڑے میں بھی بلا کی خوبصورت لگ رہی تھی۔ خوب بجی سنوری، ارسلان کو بھی اس کا سجے سنورے رہنا اچھا لگتا تھا۔ "صوفیہ آج تو ارسلان تم پر فدا ہی ہو جائیں گے، گلابی کلر میں تو تم کتنی حسین لگ رہی ہو" وہ خود کلامی کر رہی تھی، اسی دوران ارسلان کب کمرے میں داخل ہوئے اسے خبر ہی نہ ہوئی۔ اس کا جو عکس آئینے میں نمودار ہوا تو وہ ایک دم گھبرا سی گئی۔

"آ......آ......آپ! کب آئے؟" اس نے گھبراتے ہوئے پوچھا۔

"تب ہی، جب میری حسین وجمیل بیوی سنگھار کر رہی تھی، سچ میں یار! تمہیں خدا نے کتنی فرصت سے بنایا ہے، دل کرتا ہے بس تمہیں دیکھتا ہی رہوں" اس نے اس کی جھیل سی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا، وہ اس پر اس قدر جھکا تھا کہ اگر وہ خود کو نہ سنبھالتی تو شاید اس سے ٹکرا جاتی۔

"آپ بھی ناں" وہ شرماتے ہوئے پیچھے ہٹی تو ارسلان نے اسے کھینچ کر اپنی بانہوں کے حصار میں لے لیا۔

سسرال میں اس کی پہلی عید اچھی گزر رہی تھی مگر اپنے گھر والوں کی یاد بھی اسے ستا رہی تھی اس لیے وہ خود کو کسی نا کسی کام میں مصروف رکھے ہوئے تھی۔ اس نے مختلف قسم کے پکوان بنائے۔ جو بھی اس کے ہاتھ کا کھانا کھاتا اس کی تعریف کیے بنا نہ رہ سکتا۔ ہاتھ میں ذائقہ اسے اپنی ماں سے وراثت میں ملا تھا۔ وہ کھانا

ٹیبل پر لگا کر کچن میں جانے لگی تو میاں جی کی آواز آئی "صوفیہ! تھوڑی صبح والی سوئیاں بھی لے آنا" "جی اچھا" کہتی وہ کچن میں چلی گئی۔ "ارے بھائی جان! کچھ ہم معصوموں کے لیے بھی چھوڑ دیں، صبح سے دس بار آپ کھا چکے ہیں۔" یہ ارسلان کے چھوٹے بھائی علی کی آواز تھی جو شرارتاً اسے چھیڑ رہا تھا" اب ارسلان بیچارا کیا کرے ہماری بہو نے سوئیاں بنائی ہی اتنی مزے کی ہیں" ابو جان ارسلان کی طرفداری کرنے لگے۔ صوفیہ کچن سے سوئیاں لے آئی تو ساس نے اس کا ہاتھ تھام کر اس کا ماتھا چومتے ہوئے کہا" بہو نہیں یہ تو بیٹی ہے ہماری، سچ میں بیٹا تم نے تو جیسے اس گھر میں آ کر چار چاند لگا دیئے ہیں، نا جانے ہم نے ایسی کون سی نیکی کی تھی جس کا صلہ اللہ پاک نے ہمیں تمہاری صورت دیا ہے۔ ان کی آنکھیں بھر آئیں۔" نہیں امی! آپ خود بہت اچھی ہیں، آپ سب بہت اچھے ہیں بس اسی لیے آپ کو میں بھی اچھی لگتی ہوں" اس نے ساس کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"اُف یہاں پر تو سب ہی ایموشنل ہو رہے ہیں، ارے بھائی کسی کو ہماری بھی فکر ہے، پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں" علی نے ایسے انداز میں کہا کہ سب ہنس پڑے۔ سب کھانا کھاتے رہے اور اس کی تعریف کرتے رہے۔ سب کھا چکے تو وہ برتن اٹھا کر کچن میں دھونے کے لیے چلی گئی۔ کتنا فرق تھا سسرال کی عید کا۔ گھر میں تو وہ شہنشاہوں کی طرح عید منایا کرتی تھی۔ عید کے دن تو وہ کچن کا کام خود پر حرام سمجھتی تھی۔ عام روٹین میں تو وہ تمام کاموں میں امی کا ہاتھ بٹاتی مگر عید کا دن تو جیسے اس کا دن ہوتا تھا۔ اگر کبھی امی کہہ دیتی کہ برتن ہی اٹھا کر رکھ دو تو وہ بڑی بے فکری سے کہتی اپنے کمرے کی طرف بھاگ جاتی کہ نا جی نا آج عید ہے۔ آج تو ہم کوئی کام نہیں کریں گے۔ وہ سوچوں میں گم آہستہ آہستہ برتن دھو رہی تھی کہ شیشے کا گلاس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر ریزہ ریزہ ہو گیا۔ وہ ایک دم چونکی اور فرش پر گرے کانچ اٹھانے لگی۔ "ارے کیا ہوا؟ لگی تو نہیں؟ کتنی بار کہا ہے کہ اتنا کام مت کیا کرو، پر تم سنتی کہاں ہو" ارسلان نے اس کے دونوں ہاتھوں کا جائزہ لیا" شکر ہے خدا کا، تمہیں لگی نہیں، چلو شاباش کمرے میں جا کے آرام کرو یہ میں کر لیتا ہوں"" نہیں ارسلان میں کر لیتی ہوں" وہ جانتا تھا کہ وہ نہیں مانے گی اس لیے وہ اس کا ہاتھ تھام کر اسے کمرے میں لے گیا اور اس کے پاس فرش پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا"صوفیہ! میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں، تم نے میری زندگی کو خوشیوں سے بھر دیا ہے، کبھی اپنی محبت کم مت کرنا اور تم کبھی کوئی فرمائش کیوں نہیں کرتیں؟" ارسلان نے اس کے دونوں ہاتھ تھام رکھے تھے۔" اس لیے کہ آپ میری ہر فرمائش بنا کہے جو پوری کر دیتے ہو۔ ارسلان ایک بات کہوں"

وہ سر جھکائے ہوئے تھی "ہاں ہاں بولو یار" اس نے نگاہیں اس کی جانب مرکوز کیں۔" کچھ نہیں"

"بتاؤ نا یار کیا بات ہے؟ اس نے پھر اسرار کیا۔ وہ خاموش تھی اس کا دل کیا کے اسے کہے کے وہ اپنے گھر جانا چاہتی ہے۔ اپنے امی ابو بہن بھائیوں سے گلے لگ کر عید ملنا چاہتی ہے اسے سب کی یاد ستا رہی ہے اور پھر امی کے ہاتھ کی بنی سوئیاں وہ کیسے کھائے بنا رہ سکتی تھی۔ آنسو اس کی پلکوں کو بھگوتے ہوئے ارسلان کے ہاتھوں پہ جا گرے۔ اس نے چونک کر اپنے ہاتھوں کو دیکھا اور پھر صوفیہ کو۔" یہ سب کیا ہے صوفیہ! میری جان کیا ہوا ہے تمہیں؟ مجھے نہیں بتاؤ گی" وہ بے حد محبت سے اس سے پوچھ رہا تھا۔" کچھ نہیں، آپ بتائیں شام کو کھانے میں کیا بناؤں؟"

"ارے میری پیاری بیگم! آج ہم کھانا باہر کھائیں گے، چلو اٹھو جلدی سے تیار ہو جاؤ، خوب گھومیں گے پھریں گے اور ہاں پھر تمہارے فیورٹ ریسٹورنٹ میں

کھانا کھائیں گے" وہ اٹھا اور اسے الماری سے اسے وہی جاڑا نکال کر دیا جو اس کی امی دے کر گئی تھیں " ارے کتنا پیارا گرین کلر ہے، تم یہی پہنو بہت پیاری لگو گی" تھوڑی دیر بعد ہی وہ تیار تھی "یار گرمی بہت زیادہ ہے میں آٹو کروا لیتا ہوں، کیا کہتی ہو؟" جی" اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ وہ آٹو لے آیا تو دونوں اس میں بیٹھ گئے۔ آج گرمی کچھ زیادہ ہی تھی اس نے اپنا سر ارسلان کے کاندھے پر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ وہ کب نیند کی وادی میں چلی گئی اسے خبر ہی نہ ہوئی۔ اس کی کھلی زلفیں ہوا کے زور سے بار بار اس کے منہ پہ آ رہی تھیں۔ ارسلان بھی اپنی انگلی کی پوروں سے اس کی پیشانی سے زلفیں ہٹاتا۔ فاصلہ کب طے ہوا دونوں کو پتا ہی نا چلا۔ آٹو رکا تو ارسلان کو اندازہ ہوا کہ ہم پہنچ چکے ہیں۔

اس نے ایک لمحے اپنی بیگم کو دیکھا اور دوسرے لمحے اپنے کندھے کو ہلایا "بیگم صاحبہ اٹھیے منزل آ گئی ہے اگر آپ چاہیں تو آٹو میں مزید ایک آدھ گھنٹہ سو سکتی ہیں؟" اس نے بیوی کو چھیڑنے کے انداز میں کہا۔" نہیں وہ پتا ہی نہیں چلا کب نیند آ گئی" وہ گھبرا سی گئی اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے آٹو سے اتارا باہر کا نظارہ ہی اور تھا، وہ حیران تھی اس نے ایک نگاہ گیٹ پہ ڈالی اور دوسری ارسلان پہ،" بیگم چلیے اندر سب انتظار کر رہے ہیں" اس نے اسے حیران کھڑے دیکھا تو خود ہی ہاتھ تھام کر اندر لے گیا۔ وہ سب سے گرم جوشی سے ملی اور ساتھ ساتھ تشکر بھری نگاہیں ارسلان پر بھی ڈالتی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اچانک ملی خوشی کا اظہار کس طرح کرے۔ "امی سب سے پہلے اپنے ہاتھ کی بنی سوئیاں کھلائیں بہت مس کیا ہے میں نے انہیں"" جی آپی! میں لاتی ہوں ابھی" صبا سوئیاں لینے چلی گئی تو سب ہنسی مذاق کرنے لگے۔ کتنی خوشی تھی سب کے چہروں پہ یہ خوشی ارسلان کے چھوٹے سے فیصلے نے سب کو دی تھی۔ صبا نے سوئیاں لا کر ان کے سامنے رکھیں تو صوفیہ جلدی جلدی کھانے لگی۔

"ارے آرام سے آپی! سوئیاں کہیں بھاگ تھوڑی رہی ہیں"۔ صبا نے کہا تو سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ "واہ آنٹی آپ تو بالکل صوفیہ جیسی سوئیاں بناتی ہیں بے حد مزیدار" ارسلان نے کھاتے ہی آنٹی کی تعریف کی۔" نہیں جناب امی میرے جیسی نہیں بلکہ میں امی جیسی بناتی ہوں" صوفیہ نے سوئیاں کھاتے ہوئے کہا۔

باقی کا وقت انہوں نے وہاں ہی گزارا۔ خوب باتیں ہنسی مذاق اور ہلہ گلہ چلتا رہا۔ رات کے کھانے کے بعد انہوں نے اجازت لی تو انہیں خوب دعاؤں میں رخصت کیا گیا۔

☆☆☆

"مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ آپ کا شکریہ کن الفاظ میں ادا کروں؟" وہ دھیمے انداز میں بول رہی تھی۔ "شکریہ کس بات کا میری جان؟" وہ جان بوجھ کر انجان بن رہا تھا۔ "وہ آپ مجھے گھر لے گئے تھے نا اس لیے، مجھے لگا آپ مجھے آج نہیں لے کر جائیں گے، اس لیے میں نے بھی اصرار نہیں کیا تھا۔ پھر آپ کیسے سمجھ گئے کہ میں کیا کہنا چاہتی تھی" وہ اس کے قریب بیٹھی سر جھکائے ہی بول رہی تھی۔ "یہ دلوں کی باتیں ہیں بیگم! انسان بنا کہے ہی سمجھ جاتا ہے، تم نے مجھے اتنا پیار اتنی محبت دی میرے گھر والوں کو اپنا سمجھا کبھی کسی کو شکایت کا موقع نہیں دیا، اپنی خوشیوں کے آگے میرے گھر والوں کو فوقیت دی ہے تو کیا میرا فرض نہیں بنتا کہ میں بھی تمہاری خوشی کا خیال رکھوں؟ ہم نے تو بس اپنا فرض ادا کیا ہے" اس نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا تو اس کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ "بس اسی مسکراہٹ پر تو ہم مرتے ہیں" ارسلان نے اسے اپنے بے حد قریب کیا۔ یہ عید اس کی زندگی میں کئی رنگ لے کر آئی تھی۔ ان کی مسکراہٹ کے ساتھ ساتھ یہ عید بھی مسکرا اٹھی تھی۔

☆☆☆☆

ہلچل

ثمینہ طاہر بٹ

''بھابی!! آپ کیوں نہیں بیٹھتیں اس بار اعتکاف میں؟'' عائشہ، میری لاڈلی اور منہ چڑھی بھانجی نے حسب عادت ادھر اُدھر کی ہانکتے ہوئے ایک دم پینترا بدلا اور میری بہو کو اپنے نادر و نایاب مشورے سے اس طرح نوازا کہ اس کے ساتھ ساتھ ہم سب بھی بھونچکے رہ گئے۔ یوں تو عائشہ ہر کسی کو مشورے اور تجاویز دینے میں ماہر تھی ہی۔ اور ہم سب بشمول اس کے والدین، اکثر و بیشتر اس کے مشوروں پر نہ چاہتے ہوئے بھی عمل کرتے پائے جاتے تھے۔ مگر جیسے ہی وہ خاندان بھر کی ''بہوؤں اور بھابیوں'' کو اپنے قیمتی مشوروں سے نوازنا شروع کرتی، تمام ساسوں اور نندوں میں اندرونِ خانہ بے چینی سی پھیل جاتی۔ کیونکہ عائشہ بی بی کے اس ''سوشل ورک'' کا خمیازہ ہم جیسی ساسوں اور ان کی لاڈلی بیٹیوں کو بھگتنا پڑ جاتا تھا۔ لیکن اس محترمہ کو اس کی چنداں پرواہ نہ تھی۔ اس پر ایسے ''سوشل ورک'' کا بخار اکثر و بیشتر چڑھا ہی رہتا تھا۔ اور ایسے موقعوں پر میری طرح کی ''عقلمند ساسیں'' اپنی بہوؤں پر ''کڑی نگاہ'' رکھتے ہوئے انہیں عائشہ سے کوسوں دور رکھنے کی کوشش کرتی تھیں۔

''بھابی۔۔۔!! سوچ کیا رہی ہیں آپ؟ نیک کام کے لیے اتنا سوچنے کی کیا ضرورت ہے بھلا؟ آپ تو بس یہ سوچیں کہ دورانِ اعتکاف آپ اللہ کے کس قدر نزدیک ہو جائیں گی۔ رمضان کی برکات اور فضائل جھولیاں بھر بھر کے سمیٹیں گی، اور آپ کے اس عمل کی برکت سے اس گھر پر بھی کس کس طرح کے فضائل نازل ہوں گے۔

سوچیں ذرا بھابی۔ اللہ کی رحمتیں، برکتیں، اور فضیلتیں بارش کی طرح برس رہی ہوں گی اور بارش میں ہم سب سر تا پا بھیگ بھیگ جائیں گے۔۔واہ۔۔ سبحان اللہ۔!!''

اور میں، جو ابھی تک اس کے پہلے ''حملے'' سے ہی نہیں سنبھل پائی تھی، اس کے دوسرے ''ڈرون اٹیک'' سے بالکل ہی چت ہو گئی۔ میرے تسبیح پر تیزی سے گھومتے ہاتھ یکلخت رک گئے اور ورد کرتے ہونٹ مارے حیرت کے پورے کے پورے کھل گئے۔

میں نے بے ساختہ کومل (اپنی بہو) کو اپنی اسی ''مخصوص گھوری'' سے نوازا تھا، جس کے بعد نتیجہ ہمیشہ میرے حسبِ منشا ہی نکلتا تھا۔ ارے، بھئی میں نے کہا ناں کہ میں بہت ''عقلمند'' ہوں۔ دیکھیں ناں۔ جب سانپ بغیر لاٹھی کے ہی مر سکتا ہو تو پھر لاٹھی کو تکلیف دینے کی کیا ضرورت بھلا؟ اس لیے مجھ جیسی ''ذہین وفطین ساس'' جس کا کام ایک گھوری سے ہی نکل جاتا ہو اسے لڑ بھڑ کر سارے زمانے میں برا بننے کی ضرورت بھی کیا ہے بھلا اور یہ تو میرا شروع سے ہی وطیرہ رہا ہے کہ سب کو ہمیشہ اپنی آنکھ کے اشارے پر چلاتی رہی ہوں میں۔ یہی وجہ ہے آج تک خواجہ صاحب اور ان کے گھر پر راج کرتی پائی جاتی ہوں۔ میں نے ہمیشہ اپنی اسی عقل اور ذہانت کا بروقت استعمال کیا اور اسی کے بل بوتے پر ہی تو اپنے سسرال کے ساتھ ساتھ اپنے بیٹوں کی سسرال کو بھی چت کرتی چلی آئی ہوں۔ اور رہی کومل، تو، وہ تو اللہ میاں کی گائے ہے گائے۔ سیدھی سادی اور بہت معصوم سی۔ سات سال ہو گئے اسے میری راجدھانی میں آئے ہوئے۔ مگر کیا مجال ہے جو آج تک میری کسی بات سے اختلاف کرنے کی اسے جرأت ہوئی ہو۔ ارے بھئی، آپس کی بات ہے۔ جب خواجہ صاحب کو آج تک میرے کسی عمل سے اختلاف نہیں ہوا تو کومل بے چاری کس کھیت کی مولی ہے۔

ہاں، البتہ میرے بڑے بیٹے مُغیث نے خوب، اپنی مرضی کی۔ ایسی دھول جھونکی میری آنکھوں میں کہ، میری ساری ذہانت، فصاحت منہ کھولے، آنکھیں پھاڑے بس دیکھتی کی دیکھتی رہ گئیں۔ مُغیث ہمارا سب سے بڑا لاڈلا اور ہونہار بیٹا، جسے C-A کے بعد مزید تعلیم کا چسکا آکسفورڈ لے گیا۔ اور وہ۔۔ جو ہم سب سے خوب وعدے وعید کر کے یورپ ڈگریاں لینے گیا تھا۔ یورپین ڈگریاں تو اسے جب ملتیں، تب ہی ملتیں۔ ہاں، البتہ اسے ایک ''یورپین میم'' ضرور مل گئی، اور اس نے اس ''جنجال پورے'' میں واپس آنے سے لاکھ درجے بہتر وہیں شادی کر کے سیٹل ہو جانا سمجھا۔ جی، ہمارا ہونہار، لاڈلا بہت ''انوکھا'' بھی تو تھا ناں۔ مُغیث کی طرف سے ہاتھ دھونے اور مایوس ہونے کے بعد میں نے فوری طور پر مُنیب کے لیے لڑکی دیکھنا شروع کر دی اور اس کے لیے مجھے کوئی خاص تردد بھی نہیں کرنا پڑا۔ کومل کی والدہ میری چھوٹی بہن زبیدہ کی ملنے والی تھیں۔ بے حد شریف النفس، سفید پوش لوگ تھے۔ اس کے والد صاحب پروفیسر تھے اور والدہ سکول ٹیچر۔ ان کی تین بیٹیاں ہی تھیں اور کومل کا نمبر پہلا تھا۔ اس کے والدین کا شریفانہ انداز مجھے ایسا پسند آیا کہ میں نے واقعی ہتھیلی پر سرسوں جما ڈالی اور چند مہینوں کے اندر اندر کومل کو بہو بنا کر گھر لے آئی۔ مُنیب میرا بڑا ہی فرمانبردار بیٹا ہے۔ اتنا فرمانبردار کہ اس نے میرے ایک بار کہنے پر ہی اپنی محبت کا گلہ گھونٹ دیا۔ میرے بہتے آنسو اور لرزتا وجود دیکھ کر اس کی اپنی حالت غیر ہو گئی۔ اور یوں، میں مغیث کی Love marrige کی ڈری اور ڈسی ہوئی، اپنی ذہانت اور عقل کے بل بوتے پر اپنے دوسرے بیٹے کو اس ''محبت نامی بلا'' کے منہ سے کھینچ ہی لائی۔

☆☆☆

''ارے۔!! تو اور کیا، ہمارا تو اس طرف کبھی دھیان گیا ہی نہیں۔ چلو، امی بے چاری تو اپنے بلڈ پریشر اور شوگر کی وجہ سے روزے ہی نہیں رکھ سکتیں، تو جب روزہ

دار ہی نہیں تو پھر بھلا اعتکاف میں کیسے بیٹھیں گی۔۔؟؟ مگر بھابی تو ہیں ناں۔۔سچ، میری ساری دوستوں کی امیاں اور بھابی اں وغیرہ ہر سال اعتکاف کرتی ہیں، اور ایسے ایسے روح پرور واقعات وہ برکات اور فضائل سناتی ہیں کہ میرا بھی دل چاہنے لگتا ہے کہ کاش، کوئی ہمارے گھر میں بھی ایسی ہی برکتوں کے نزول کا سبب بنے۔!!'' میں تو ابھی جانے اور کتنی دیر تک سناٹوں میں گھری کومل کے چہرے کے تاثرات دیکھتی ہوئی اسے گھوریوں سے نوازتی رہتی کہ اپنی سب سے چھوٹی نورچشمی دعا کی ''دلی خواہش'' کا حال سن کر اچھل ہی تو پڑی۔

''تو بس پھر ٹھیک ہے۔ اس بار بھابی ضرور ضرور اعتکاف میں بیٹھیں گی۔!!'' عائشہ نے بڑے جوش وخروش سے میز پر ہاتھ مارتے ہوئے فیصلہ سنایا تو کومل کے چہرے پر ہزار والٹ کے بلب روشن ہو گئے۔ مگر جیسے ہی اس کی نگاہ میری نگاہوں سے ملیں، وہ بلب ایک جھٹکے سے بجھ گئے۔

''میں؟ گھر میں کیسے دس دن کا اعتکاف کر سکتی ہوں؟ ابھی ٹیپو بہت چھوٹا ہے۔ اور پھر سحری، افطاری کی تیاریاں، گھر کا سارا کام، اور۔۔ اور پھر عید کی اسپیشل تیاریاں، پھر عشاء کی شادی بھی تو قریب آ رہی ہے۔ اس کی تیاریاں بھی تو کرنی ہیں ناں ساتھ ساتھ۔۔ تو پھر۔۔!!'' یہ میری تیز نگاہ کا ہی اعجاز تھا کہ کومل حسب سابق، اپنے من کی مار کر سب کو میرے من کی سنا رہی تھی۔ اور اس کی بات سن کر جو اطمینان اور سکون میں نے اپنے قلب میں اترتا محسوس کیا الفاظ میں بیان کیا ہی نہیں جا سکتا۔

''مگر بھابی!! رمضان کی برکتوں پر آپ کا بھی تو حق ہے۔ ارے، صرف سحریوں اور افطاریوں میں سب کی فرمائشیں پوری کرنے کے لیے ہلکان ہوتے رہنے سے تو ثواب نہیں مل پاتا ہے۔ اس کے لیے تو عبادت بھی کرنی پڑتی ہے، اور آپ کو تو ڈھنگ سے نماز ادا کرتے بھی نہیں دیکھا کبھی میں نے۔ ہمیشہ بھاگم بھاگ فرض پڑھے اور پھر واپس کچن میں لینڈ فرما جاتی ہیں۔ ارے۔۔ میری پیاری بھابی جان! آپ کا بھی تو حق ہے ناں کہ آپ بھی ان برکات وفضائل سے بہرہ ور ہوں۔ سکون اور خشوع وخضوع کے ساتھ عبادت کا لطف اٹھا پائیں۔ اور رہی ٹیپو کی بات، تو ہم سب ہیں ناں، اپنے چھوٹو کا خیال رکھنے کے لیے۔ کیوں بھائی، ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں میں۔!!'' اب کہ میرے سکون کو غارت کرنے کے لیے عشاء سے چھوٹا اور دعا سے بڑا حسیب میدان میں کودا تھا۔ اس کی باتیں سن کر میں نے بے چینی سے پہلو بدلا تھا۔ میں نے فوری طور پر اپنی عقل کے گھوڑے دوڑانے شروع کیے اور کسی نتیجے پر پہنچ نہیں پائی تھی کہ عشاء کی آواز نے مجھے ایکدم سہارہ سا دیا۔

''تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ روزہ داروں کے روزے رکھوانے اور کھلوانے والے کو کوئی ثواب نہیں ملتا۔ ارے، انہیں تو دوہرا اجر ملتا ہے۔ اپنے روزے کا بھی اور روزہ داروں کی خدمت کے عوض ان کے روزے کا بھی۔ اور پھر، گھر کا سارا انتظام تو بھابی ہی دیکھتی ہیں۔ بھئی، سچی بات ہے، میرے پاس تو اتنا وقت ہی نہیں کہ سب کے لیے سحریاں اور افطاریاں بناتی پھروں۔ مجھ سے تو کوئی توقع مت رکھنا تم لوگ، اور رہی دعا۔۔ تو، یہ تو ابھی خود ناسمجھ ہے۔ اور یہ...... یہ عائشہ، یہ تو خود کبھی کبھار ہی شکل دکھاتی ہے۔ اب رہ گئیں امی، تو یہ بے چاری کیا کر سکتیں ہیں بھلا؟ اب بھابی کے اعتکاف کے بعد جو صورتِ حال ہو گی تو تم خود تصور کر لو۔!!'' جی ہاں، یہ عشاء تھی۔ مُغیث اور مُنیب سے چھوٹی اور حسیب، دعا سے بڑی۔ صحیح معنوں میں میری جانشین۔۔ ہو بہو میری کاپی۔

عشاء کی بات سن کر میرا چھنا ہوا چین وقرار واپس آنا شروع ہو گیا۔ مگر عین وقت پر خواجہ صاحب نے انٹری دے ڈالی اور کیا ہی غلط انداز میں دی کہ میں بھنا کر رہ گئی

انہوں نے کھلم کھلا، حسیب، دعاء اور عائشہ کے حق میں ووٹ دے کر کومل کو اعتکاف کی اجازت دے دی، اور میں، جو ہر طرح کی ''ویٹو پاور'' اپنی جیب میں لیے گھومتی تھی۔۔ اپنی تمام پاورز سمیت بس دیکھتی کی دیکھتی ہی رہ گئی۔ اسی لمحے میری نظر مُنیب پر پڑی تو مجھے کچھ حوصلہ ہوا کیونکہ، میرے خیال سے گیند ابھی بھی میرے ہی کورٹ میں تھی۔ بھئی ظاہر ہے، جب تک منیب اجازت نہ دیتا، کومل اعتکاف کر ہی نہیں سکتی تھی۔ اور مُنیب میرا بے حد تابعدار اور واضح طور پر میری آنکھ کے اشارے پر چلنے والا بیٹا تھا، لہٰذا میں نے ایک بار پھر عقل لڑائی اور اظاہر بڑے لاپرواہ انداز میں گویا ہوئی۔

''اوہو بھئی۔۔!! آپ لوگ یہ کس فضول بحث میں الجھ رہے ہیں۔ اعتکاف تو ایک نفلی عبادت ہے فرض تو نہیں۔ اور عورت کے لیے تو واضح حکم ہے کہ نفلی عبادت کی اجازت اپنے شوہر سے لے۔ اب، اگر بہو ایسی کوئی عبادت کرنا چاہتی ہے تو اسے چاہئے کہ مُنیب کی اجازت حاصل کرے۔ تیرے میرے کہنے سے بھلا کیا ہونے والا ہے۔!!'' میں نے ''مکھی اڑانے'' والے انداز سے کہا تھا، مجھے پورا یقین تھا کہ میرا ''فرمانبردار، ذہین'' بیٹا میری منشا ضرور سمجھ جائے گا اور اسی یقین نے تو میرے اعتماد کے غبارے میں ہوا بھری تھی۔۔ جس کی بنا پر میں نے اپنے تئیں ''چھکا'' دے مارا تھا۔

''کیں!! بھلا مجھے کیا اعتراض ہوگا۔ یہ تو اچھی بات ہے کہ سب گھر والے اس نیکی کے کام، اس عبادت کے لیے کومل کا ساتھ دینا چاہتے ہیں، اور یہ عمل تو ہے بھی بڑا سعادت والا، اللہ جسے توفیق دے۔ مجھے بالکل بھی اعتراض نہیں۔ کومل ضرور بیٹھے اعتکاف میں۔ میں سنبھال لوں گا نیپو کو۔!!''

''ٹھس!! ''جی!! یہ آواز میرے اُسی یقین کے پھولے غبارے سے ہوا نکلنے کی تھی، جس پر چڑھی میں ہواؤں میں اُڑ رہی تھی اور اب اپنے ''ہونہار، فرمانبردار، ذہین'' بیٹے کے منہ سے نکلنے والے ''اجازت نامے'' کو سنتے ہی ''ٹھس'' ہو کر بیٹھی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

اور جناب، پھر اس کے بعد، باقی کے روزوں کی تیاریاں تو کہیں بہت پیچھے رہ گئیں اور گھر بھر میں ''کومل بھابی'' کے اعتکاف کی تیاریاں زور پکڑ گئیں۔ کومل کے لیے عشاء اور دعاء کے کمرے میں جگہ بنا دی گئی۔ اپنے کمرے میں وہ منیب اور نیپو کی وجہ سے بیٹھ نہیں سکتی تھی۔۔ اور کچھ ہماری دعا کو ''دعائیں'' سمیٹنے کا زیادہ ہی چاہی (شوق) چڑھا ہوا تھا۔

اس روز بیسواں روزہ تھا۔ گھر میں صبح سے ہی افراتفری کا عالم تھا۔ عصر کے بعد کومل نے پردے میں چلے جانا تھا، لہٰذا مُنیب کے ساتھ ساتھ خواجہ صاحب بھی چھٹی پر تھے۔ افطار کے لیے کافی کچھ بازار سے منگوایا گیا تھا۔ گو کہ کومل نے کافی آئٹمز گھر پر ہی تیار کی تھیں اور صرف یہی نہیں، بلکہ اس نے تو تین چار دن لگا کر اپنے حصے کا کافی کام نپٹانے کی بھرپور کوشش بھی کی تھی۔ دس دنوں کی افطاریوں کے لیے رول، سموسے، نگٹس، کباب وغیرہ بنا کر فریز کر دیئے تھے تا کہ دعاء اور عشاء کو زیادہ محنت نہ کرنی پڑے۔ اس کے علاوہ منیب، حسیب، دعاء اور نازو (ملازمہ) کو ساتھ لگا کر سارا گھر صاف کیا تھا۔ جالے اتارنے سے لے کر پردوں کی دھلائی، فرش اور دیواروں کی رگڑائی، سب کچھ اس نے چند دنوں میں نپٹا ڈالا تھا۔ اعتکاف میں بیٹھنے کی خوشی اور جوش میں بالکل مشین بن کر رہ گئی تھی۔ اور اس کی محنتوں کا نتیجہ تھا کہ سارا گھر جگ مگ کر رہا تھا۔ کومل نے نازو کو سختی سے ہدایت کر دی تھی سحری اور افطاری کی تیاری میں عشاء، دعاء کا پورا پورا ہاتھ بٹاتی رہے۔۔ اس کے علاوہ اس ساری ہلچل، اس سارے کھڑاک کی ذمہ دار عائشہ نے بھی ان کی مدد کرادنے کا بھرپور وعدہ کیا تھا اور یوں، آج وہ مبارک دن بھی آن پہنچا تھا۔ افطار ڈنر پر عائشہ کی فیملی

کے ساتھ ساتھ کومل کے والدین بھی مدعو تھے۔ اس کی دونوں بہنیں بھی بیاہی جا چکی تھیں۔ ایک سعودیہ میں آباد تھی تو دوسری کوئٹہ میں۔ سالوں بعد ان کا میکے آنا ہوتا تو ان کی ملاقات ہو پاتی تھی۔ ورنہ فون یا اسکائپ سے ہی کام چلا لیتیں تھی۔ کومل کی دونوں بہنوں نے باری باری فون پر اس کے علاوہ ہم سب کو بہت مبارکباد دی تھی۔ مُغیث اور ماریہ کا بھی یہی حال تھا۔ انہوں نے بھی فون کیا تھا اور کومل کو مبارک دینے کے ساتھ ساتھ اس سے اپنے لیے خصوصی طور پر دعا کرنے کو کہا تھا۔ کومل اس اسپیشل پروٹوکول سے خوش بھی ہو رہی تھی اور گھبرا بھی رہی تھی۔ بے چاری میرے ماتھے کے بلوں سے ڈرتی تھی۔ مگر میں تو خود سب سے مبارکبادیں یوں وصول کر رہی تھی جیسے یہ میرا اپنا اور ذاتی فیصلہ ہو۔

عصر سے پہلے پہلے سارے مہمان آ چکے تھے۔ آج تو کومل کو سب کی طرف سے خوب گفٹس ملے تھے۔ یعنی کہ اعتکاف کی برکتیں ظاہر ہونا شروع بھی ہو گئیں تھیں۔ اس کی امی اس کے لیے بڑا خوبصورت گلابی رنگ کا ملٹی شیڈیڈ کڑھائی والا سوٹ لائی تھیں۔ زبیدہ اور عائشہ نے بھی اسے سرخ رنگ کا خوبصورت اور جدید اسٹائل کا ریڈی میڈ سوٹ دیا تھا اور تو اور خواجہ صاحب بھی اپنی بہو کے لیے بے حد اسٹائلش اور خوبصورت موتیا رنگ کا ریڈی میڈ سوٹ لائے تھے۔ جس کے گلے اور بازوؤں پر خوبصورت کشمیری کڑھائی بہار دکھا رہی تھی، اور سب سے حسین تو اس کا دوپٹہ تھا۔ چوڑے خوبصورت اور نفیس سی کڑھائی والے بارڈر اور جال سے مزین۔ سچ کہوں، تو ایک لمحے کے لیے میرا اپنا دل اس سوٹ پر آ گیا تھا، پھر عشاء کی آنکھوں میں جس طرح پسندیدگی کے رنگ اترے تھے میرا ارادہ مزید متزلزل ہو گیا تھا۔ مگر پھر سب کے دیکھا دیکھی، میں نے بھی جی کڑا کر کے وہ گفٹ کومل کو دے ہی دیا۔ جیسے ہی عصر کی اذان ہوئی، کومل اپنے کمرے سے تیار ہو کر نکلی۔ اس نے وہی موتیا سوٹ زیب تن کر رکھا تھا۔ ہاتھوں، بالوں اور کانوں میں موتیا کے پھولوں سے بنے گہنے سجا رکھے تھے۔ یہ یقیناً اس کے لیے مُنیب ہی لایا تھا۔ نورِ ایمانی سے اس کا ملیح چہرہ جگمگا رہا تھا۔ سب سے ملنے اور سب کی دعائیں لینے کے بعد وہ میری طرف آئی اور پھر میرے گلے سے لگ گئی۔

''امی جان۔۔!! مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہو۔ جانے انجانے میں میرے کسی عمل کی وجہ سے اگر آپ کا دل دکھا ہو، یا میں آپ کے لیے کسی تکلیف کا باعث بنی ہوں تو پلیز مجھے معاف کر دیجیے گا۔ اور دعا کیجیے گا کہ اللہ پاک میری اس ادنیٰ سی کاوش کو قبول فرمائیں۔ اور ہمارے گھر، ہماری زندگیوں میں اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل کر دیں۔ امی جان، پتا نہیں زندگی پھر موقع دے یا نہیں، مگر میں آج اپنے دل کی گہرائیوں سے آپ سے معافی مانگتی ہوں۔!!'' اس نے میرے گلے لگے ہی ہولے سے میرے کان میں کہا تو اس کی بھیگی آواز سن کر میرا دل کانپ کر رہ گیا۔ میں جو مارے باندھے اسے ساتھ لگائے کھڑی تھی، بے ساختہ اسے بانہوں میں بھینچ کر پیار کرنے لگی جس پر وہ روتے روتے مسکرا دی۔

''شکریہ امی جان۔۔!!'' اس نے میرے گال پر پیار کیا اور پھر سب کو سلام کرنے کے بعد اپنے لیے مختص کی گئی جگہ میں چلی گئی۔

☆☆☆

لیں جی!! کومل تو ہوگئی دس دنوں کے لیے پردہ نشین اور پیچھے رہ گئے ہم سب۔ اس بے ضرر سی لڑکی کی اہمیت ایک رات میں ہی ہم سب پر واضح ہو گئی تھی اور کوئی مانے نہ مانے، مگر میں مان رہی تھی۔ (اور وہ بھی صرف دل ہی دل میں) رات گئے افطار اور ڈنر کے بعد سب مہمان واپس چلے گئے۔ البتہ نازو اور عائشہ کو میں نے روک لیا تھا۔ اکیسویں روزے کو سحری کے وقت مجھے خود سب سے پہلے اٹھنا پڑا تھا اور ایسا ایک لمبے عرصے کے بعد ہوا تھا، کیونکہ جب سے کومل بیاہ کر آئی تھی۔ میں نے اسے ٹرینڈ

ہی اس طرح کیا تھا کہ مجھے کبھی بھی کسی کام کو دوبارہ کہنا نہیں پڑتا تھا۔ صرف اور صرف، وہی، آنکھ کا اشارہ ہی کافی ہوتا تھا اسے سمجھانے کے لیے۔ جن دنوں کومل بہو بن کر اس گھر میں آئی تھی، مغیث اور ماریہ کی طوطا چشمی کے زیر اثر میں بظاہر مغموم ہی رہتی تھی۔ اکثر و بیشتر مجھ پر افسردگی کے دورے پڑتے رہتے تھے اور مُنیب کے سامنے تو یہ دورے سوا نیزے پر پہنچ جایا کرتے تھے۔۔ کیونکہ مجھے اندر ہی اندر کہیں یہ خوف بھی تو ستاتا رہتا تھا ناں کہ مغیث کی طرح منیب بھی اگر اپنی نئی نویلی زوجہ محترمہ کے "موہ" کا شکار ہو کر مجھ سے منہ موڑ گیا تو پھر میں کیا کروں گی؟ اور پھر اسی ڈر، اسی خوف کی وجہ سے میں ایسے مواقع پیدا کر دیتی تھی کہ مُنیب تو مُنیب، بے چاری کومل بھی میرے ارد گرد ہی چک پھیریاں لیتی رہ جاتی۔

میں نے آہستہ آہستہ سارے گھر کی ذمہ داری کومل کے سر ڈال دی۔ حالانکہ اس کا اور عشاء کا تھوڑا ہی فرق تھا۔ وہ دونوں تقریباً ہم عمر ہی تھیں، مگر یہاں فرق نظریات کا آ گیا تھا۔ عشاء ابھی پڑھ رہی تھی۔ کنواری تھی، اور پھر ابھی اپنے والدین کے گھر بیٹھی تھی، لہٰذا وہ ہنوز "بچی" ہی تھی۔ جبکہ کومل شادی شدہ ہونے کی وجہ سے خود بخود ہی اپنی عمر سے بڑی، سمجھدار، سنجیدہ اور خاتونِ خانہ کے درجات کو جا پہنچی تھی اور انہی درجات کی وجہ سے وہ گھریلو ذمہ داریوں اور کاموں میں الجھتی چلی گئی۔ حتیٰ کہ ٹیپو کی آمد بھی اس کے معمولات میں رتی برابر بھی فرق نہیں ڈال سکی اور ویسے بھی ٹیپو ہمارا اکلوتا لاڈلا پوتا، جس میں گھر بھر کی جان تھی۔ اسی لیے وہ زیادہ تر ہمارے پاس ہی پایا جاتا تھا۔ کومل کے پاس تو صرف ضرورت کے وقت جاتا تھا اور آج ایک لمبے عرصے کے بعد سحری میں اٹھنا مجھے دوبھر لگ رہا تھا۔ کہاں تو میں سب سے آخر میں اٹھ کر سجے سجائے ٹیبل پر آن براجمان ہوتی تھی، اور کہاں، اب سب سے پہلے اٹھنا اور پھر کچن میں جانا۔ اور پھر وہاں جس افراتفری اور بے ترتیبی نے میرا استقبال کیا، ایک لمحے کو تو میرا دماغ ہی گھوم گیا۔ برتن دھلے ہوئے ضرور تھے مگر اوندھے، سیدھے، یہاں وہاں بکھرے پڑے تھے۔ اور تو اور ڈنر کے بعد پی جانے والی چائے کے برتن دھلے بغیر ہی سنک میں لڑھکتے پھر رہے تھے۔ ایک لمحے کو تو میں نے وہیں کھڑے کھڑے ہی فیصلہ لیا اور وہیں سے الٹے قدموں عشاء، دعاء کو اٹھانے چل دی۔ اب اسی کمرے میں تو بہو بیگم مصروفِ عبادت تھیں، لہٰذا میں لڑکیوں کو سخت سست بھی نہ سنا سکی اور زبردستی انہیں اٹھا کر مندی مندی آنکھوں سمیت چولہے کے آگے لے جا کر کھڑا کر دیا۔

بس جی۔۔ کچھ نہ پوچھیے، وہ ہی سحری جو ایک اکیلی بہو (کومل نازو کے ساتھ مل کر) پوری ذمہ داری، اطمینان، محبت اور خلوص سے تیار کرتی تھی (کہ اس کی تیار کی گئی ہر چیز سے اس کا خلوص اور محبت جھلکتی تھی)۔ وہ ہی سحری ہم سب سے مل کر بنانا محال ہو رہا تھا۔ اس پہلی سحری اور پھر افطاری میں وہ ہڑبونگ مچی کہ الاامان الاحفیظ۔۔ پھر تو یہ جیسے روز کا معمول ہی ہو گیا۔ عشاء تو اپنے کہے کے مطابق ایک دو دن ہی ہاتھ بٹانے آئی، پھر اس نے اپنی شادی کی تیاریوں کا بہانہ بنا کر خود کو مہمان ثابت کیا اور ہر کام سے ہاتھ جھاڑ کر فارغ ہو گئی۔ دعا البتہ ثواب لینے کے چکر میں پوری کوشش کر رہی تھی کہ نازو اور میرے ساتھ ساتھ کام میں ہاتھ بٹا سکے، مگر وہ بھی اپنی لاابالی طبیعت کے ہاتھوں مجبور تھی، دل کرتا تو کچن میں گھس آتی، نہ دل چاہتا تو بہانے ہزار تھے اس کے پاس بھی، اور آخر میں رہ گئی عائشہ، اس ساری ہلچل۔ اس ہنگامے کو برپا کرنے والی "بھابی دِن اور بہوؤں" کی سب سے بڑی ہمدرد۔ میری بہو کو پردہ نشین کروانے کے بعد اس طرح غائب ہوئی جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

اور آج انتیسواں روزہ تھا اور مطلع بالکل صاف۔ اندر کا بھی اور باہر کا بھی۔۔ گمان غالب تھا کہ چاند نظر آ

ہی جائے گا، اور صبح عید ہو جائے گی۔۔ اور اسی حساب سے ہماری تیاریاں بھی تقریباً مکمل ہی تھیں۔ اور اب انتظار تھا تو صرف ہلالِ عید کا۔ کومل کے اعتکاف میں بیٹھنے کی جو روحانی برکات اور فضیلتیں نازل ہو رہی تھیں۔۔ وہ سب تو اپنی جگہ، مگر ان گذرے نو دنوں نے ہماری آنکھیں پوری طرح کھول دی تھیں۔ کم از کم مجھے تو صحیح معنوں میں قدر ہو رہی تھی اپنی بہو کی۔ اور سب سے اچھی بات جو ہوئی تھی وہ یہ تھی کہ عشاء کو بھی اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہو گیا تھا۔۔۔ اور ہوتا کیسے ناں۔۔ آخر کل کو اس نے بھی تو بہو بن کر اگلے گھر جانا تھا۔ پھر سسرال میں جگہ بنانے کے لیے خلوص اور محبت کے ساتھ محنت بھی کرنی پڑتی ہے۔ اب یہ علیحدہ بات کہ "یہ محنت" بھی اس نے اپنی ساس کے احساس دلانے پر ہی شروع کی تھی۔

اس روز چھبیسواں 26 روزہ تھا۔ عشاء کی سسرال سے اس کی عیدی آ رہی تھی۔ ہم نے اسی سلسلے میں انہیں افطار پر انوائٹ کیا تھا۔ ہم سب کی بھاگ دوڑ کے باوجود ڈائننگ ٹیبل جانے کیوں سونا سونا سا لگ رہا تھا۔ میرے ساتھ ساتھ یقیناً مہمانوں نے بھی دعوت میں خاصی کمیاں محسوس کی تھیں۔ ہماری عمومی دعوتوں میں زیادہ تر چیزیں گھر میں تیار کی جاتی تھیں۔۔ مگر اس روز تو افطار سے لے کر ڈنر تک۔۔ سب کچھ ہی ریڈی میڈ منگوایا گیا تھا۔ رول، سموسے، کباب، فروٹ چاٹ، دہی بڑے، حتیٰ کہ پکوڑے بھی مشہور بیکرز کے منگوائے گئے۔ عشاء کی ساس نے حیرت سے سجا سجایا ٹیبل دیکھا اور پھر کچھ ایسی نگاہوں سے مجھے اور عشاء کو دیکھا کہ میں شرم سے گڑ سی گئی۔

خیر افطار کا وقت تو کسی نہ کسی طرح نکل گیا۔۔ ان لوگوں نے ہر چیز بہت احتیاط سے صرف چکھی تھی۔۔ ورنہ پہلے وہ لوگ گھر کی بنی ہر چیز سے پورا پورا انصاف کیا کرتے تھے۔ افطار اور نماز کے بعد جب ڈنر لگایا گیا تو ایک بار پھر عجیب سی صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا ہمیں۔ مُنیب اور خواجہ صاحب نے تو ہماری سہولت کو ہی دیکھتے ہوئے شہر کے سب سے بڑے اور مشہور ہوٹل سے کھانا آرڈر کیا تھا۔ مگر اس کا کیا کیا جاتا کہ اس مہنگے کھانے میں نہ وہ لذت تھی اور نہ ہی ذائقہ۔ عشاء کے سسرال والے تو مارے مروت کے کچھ کہہ نہ پائے مگر ہم ایک بار پھر شرمندہ ہو گئے اور پھر آخر میں رہتی کسر کومل کے ہاتھ کی بنی اسپیشل کھیر کی جگہ ڈزرٹ میں پیش کیے جانے والے قلفے نے پوری کر دی۔

عشاء کے سسرالی جتنی دیر بیٹھے رہے، کومل کی تعریفیں ہی کرتے رہے۔ وہ لوگ اس کے سگھڑاپے اور سلیقے کی بار بار تعریف کر رہے تھے۔ اور میں نے محسوس کیا کہ میرا خون خواہ مخواہ ہی بڑھتا جا رہا ہے۔ میرا سر جانے کیوں فخر سے بلند ہو رہا تھا اور اپنے اس احساس میں شاید میں عشاء کا بجھتا چہرہ بھی نہ دیکھ پائی۔ مگر اس کی ساس نے دیکھ لیا۔۔ اسی لیے تو انہوں نے اسے اپنے پاس بلایا اور بڑی محبت سے اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے اسے کچھ اس طرح سمجھایا کہ اس کے ساتھ ساتھ میری آنکھیں بھی کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

"دیکھو بیٹا۔۔!! بہو ہو تو ایسی کہ اس کی غیر موجودگی خود منہ سے بولے۔ جس کے بارے میں ہر آیا گیا ضرور پوچھے کہ وہ کہاں ہے۔۔؟؟ خیریت سے تو ہے۔۔؟؟ اس کے لمس کا احساس گھر کے گوشے گوشے میں رچا بسا ہو۔۔ وہ موجود نہ ہو کر بھی ہر جگہ موجود ہو۔۔ جیسے تمہاری بھابی کومل۔۔۔ تو بس بیٹا۔۔۔ تم بھی اپنے گھر میں ایسے ہی دل لگانا کہ ہر جگہ تمہاری موجودگی کا احساس منہ سے بولے کہ ہاں۔۔ اس گھر کی بہو بہت سلیقہ مند اور سگھڑ ہے۔۔!! "۔ اس کی ساس کی باتیں سن سن کر اس کے ساتھ ساتھ مجھے بھی اپنی کوتاہی کا احساس ہو رہا تھا کہ جو بات ایک ماں ہو کر مجھے اپنی بیٹی کو سمجھانی چاہئے تھی۔۔ وہ اسے اس کی ساس سمجھا رہی تھیں کہ

سسرال ایک ایسی جگہ ہے جہاں "چام نہیں کام پیارا ہوتا ہے"۔۔۔ اور یہ بات اب عشاء اچھی طرح سمجھ چکی تھی۔۔لہٰذا اس نے اپنے ساتھ ساتھ مجھ سے بھی وعدہ کیا تھا کہ وہ بھی کومل کی طرح ایک اچھی اور سگھڑ بہو بن کر دکھائے گی۔ جس طرح آج تک کومل نے کسی کو موقع نہیں دیا تھا کہ کوئی اس کی ماں کی تربیت پر انگلی اٹھا سکے۔۔اسی طرح وہ بھی اپنے سسرال والوں کو اپنی محبت۔۔ خلوص اور حسن سلوک سے اپنا گرویدہ بنالے گی۔

☆☆☆

جیسے ہی عید کا چاند نظر آنے کا اعلان ہوا۔۔۔ ہر طرف مبارک سلامت کا شور سا اٹھا تھا۔ میں بھی تیزی سے کومل کو اعتکاف سے اٹھانے کے لیے آگے بڑھی۔
کومل جیسے ہی پردے سے باہر آئی، ہم سب نے اس پر پھولوں کی بارش کر دی۔ آخر کو اس کی عبادت، ریاضت اور پھر اس ماہِ مقدس کی برکتوں کی وجہ سے ہی تو ہم پر اللہ کی رحمتوں کا نزول ہو رہا تھا۔

میں نے آج اپنی بہو کی اہمیت کو پوری طرح دل سے مان لیا تھا۔ میں اس کی قدر جان گئی تھی، نہ صرف جانی تھی بلکہ برملا اسے مان بھی رہی تھی۔ میں سب کے سامنے کھلے دل سے اعتراف کر رہی تھی کہ۔۔ہاں میری بہو ہیرا ہے ہیرا۔ مجھ پر اور میرے بیٹے پر اللہ کا خاص کرم ہوا کہ کومل جیسی نیک اور فرمانبردار لڑکی ہمیں ملی۔۔۔اور میرا منیب۔۔ میرا سعادت مند اور فرمانبردار بیٹا آج بھی سارا کریڈٹ مجھے ہی دے رہا ہے کہ آخر کو کومل دریافت تو میری ہی تھی۔

"منیب۔۔!! میری بہو کو عید کی زبردست سی شاپنگ کروا کر لاؤ۔۔اور ہاں اس کے ہاتھوں پر مہندی ضرور لگوانا کہ اس کی مہندی کے رنگوں اور خوشبو سے ہی میرے گھر کے در و بام مہکیں گے۔۔۔ جاؤ بیٹا۔۔۔اور خوب ڈھیر ساری چوڑیاں بھی دلوانا میری چاند سی بہو کو۔۔!!" کومل سے ملنے ایک بار پھر سب مہمان آئے تھے۔ خوب ہلہ گلہ رہا تھا اور ان سب کے جانے کے بعد جب میری سگھڑ بہو، نازو کے ساتھ مل کر سب سمیٹا سمیٹی میں لگی تھی تو میں نے محبت سے ساتھ لگاتے ہوئے منیب کو اسے باہر لے جانے کو کہا تو وہ دونوں مسکرا دیے۔

ہم بھی جائیں گے۔چوڑیاں، مہندی، جیولری تو ہمیں بھی لینی ہیں۔۔وہ بھی بھابی کی پسند سے۔۔ اور بھیا کے پیسوں سے۔۔۔ ہم بھی جائیں گے ان کے ساتھ شاپنگ کے لیے۔۔!! عشاء۔۔دعاء۔۔عائشہ اور نازو کے ساتھ ساتھ حسیب بھی ان دونوں کو گھیر کر کھڑے ہو گئے تو ہم سب بے ساختہ ہنس پڑے۔
ہاں بھئی۔۔۔ کیوں نہیں۔ سب چلیں گے۔ آخر کو چاند رات ہے۔خوشیوں کی رات، انعام کی رات۔۔اور انعام تو سب کو ہی ملنا چاہئے۔ کیوں امی۔۔ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں۔۔!!'۔کومل نے ایک بار پھر میرے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے پیار سے کہا تھا۔
"ہرا۔۔ بھابی زندہ باد!! کے نعروں سے لاؤنج گونج اٹھا تھا۔ ان سب کو اسی طرح ہنستے مسکراتے باہر جاتے دیکھ کر میں بھی مسکراتے ہوئے اندر کی طرف بڑھ گئی کہ مجھے ابھی شکرانے کے نوافل ادا کرنے تھے۔اپنے رب کے حضور شکرانہ ادا کرنا تھا اور اپنے بچوں کی دائمی خوشیوں کے لیے دعا بھی تو کرنی تھی ناں۔

ارے۔۔۔ آپ ابھی تک یہیں بیٹھے ہیں۔آپ بھی جا کر شکرانہ ادا کیجئے، اس رب کے حضور جس نے اس ماہِ مبارک کی برکتیں اور فضیلتیں سب پر یکساں نازل فرمائیں، بغیر کسی فرق کے، بغیر کسی تخصیص کے۔

اور ہاں۔۔۔ مہندی اور چوڑیوں کا اہتمام کرنا ہرگز نہ بھولیے گا۔۔۔ کیونکہ عید تو سجتی ہی پریوں جیسی بیٹیوں اور شہزادیوں جیسی بہوؤں کے سنگھار سے ہی کیوں۔ ٹھیک کہا ناں میں نے۔

☆☆☆

افسانہ

مہکتی عید تیرے سنگ

ریمانور رضوان

محبت دلوں میں چنگاری کی طرح جنم لیتی ہے اور
رگ رگ میں سرائیت کرتے ہوئے آتش فشاں کا روپ
دھار لیتی ہے، کیوں کہ ماہ و سال کی گردش اس پر بے اثر
رہتی ہے اور خواب اسے کبھی مرنے نہیں دیتے۔

عید کی خوشیوں کو دوبالا کر دینے والی تحریر

عید کے چاند کو دیکھے نہ کوئی میرے سوا
اس کے دیدار کو اک سال گزارا میں نے

موسموں کا دل کی دنیا سے کتنا گہرا رشتہ ہوتا ہے کہ یہ اتنی گہرائی سے جڑے ہوتے ہیں کہ دل ان موسموں کے مراسم کی لے پر دھڑکتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ جیسے ہی موسم تبدیل ہوا دل کی دنیا میں بھی تبدیلی رونما ہونے لگتی ہے۔ کبھی بہار، کبھی خزاں، کبھی پت جھڑ، کبھی ساون۔ محمد اظہر حیات خان میرے دل کی دنیا بھی تمہارے آنے سے تبدیل ہوگئی ہے۔

میں ثانیہ جنید خان خود کو تمہاری چاہت کے حصار میں مقید کرتی ہوں۔ ثانیہ کھڑکی میں کھڑی باہر لان میں بیٹھے اظہر کو بغور دیکھ رہی تھی۔

"ثانیہ! بڑی مما پوچھ رہی ہیں پنک دوپٹہ کہاں رکھا ہے۔" جویریہ دروازے کی چوکھٹ پر کھڑی پوچھ رہی تھی۔

"ثانیہ..........".

ثانیہ اپنے خیالات میں اس قدر مگن تھی کہ اسے جویریہ کی آواز ہی سنائی نہ دی تھی۔ جویریہ نے قریب آکر اسے شانے سے پکڑ کر ہلایا تھا۔ وہ چونکی۔

"کک...... کون۔"

"بھوت" جویریہ زور سے چلائی تھی۔

"جویریہ کی بچی......".

ثانیہ نے غصے سے دانت بھینچ لیے تھے۔

"نہ...... نہ...... جو دنیا میں نہیں اسے برا بھلا نہیں کہتے۔"

"تجھے بڑی مما بلا رہی ہیں۔" جویریہ کو ایک دم یاد آیا تھا۔

"اچھا"

فوراً ثانیہ نے قدم کمرے سے باہر بڑھائے تھے۔

"میں بھی تو دیکھوں یہ اتنے انہماک سے ثانیہ کیا دیکھ رہی تھی۔"

ثانیہ کھڑکی میں آکر کھڑی ہوگئی تھی۔ اظہر نے نظر اوپر اٹھا کر دیکھا تھا۔ کافی دیر سے وہ نوٹ کر رہا تھا کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔ جویریہ کو دیکھ کر مسکرایا تھا۔ جویریہ جھٹ وہاں سے ہٹی تھی۔

"ثانیہ...... اور اظہر...... اک...... دوسرے...... کو......".

"نن...... نہیں یہ میں کیا سوچ رہی ہوں۔" جویریہ نے اپنے خیالات کی نفی کی تھی۔

☆☆☆

"مائز! اک بہت ضروری بات بتانی ہے تجھے۔"

گھر میں مایوں کے فنکشن کا سیٹ اپ لگ رہا تھا۔ پورا لان بکھرا پڑا تھا۔ اظہر کے ہاتھ میں گیندے کے پھولوں کی لڑی تھی۔ وہ تذبذب کا شکار تھا کہ کس کو دل کی بات کہے۔

"ہاں یار کہہ......" مائز مصروف سے انداز میں بولا تھا۔

"مجھے اک لڑکی پسند آگئی ہے۔" اظہر شرماتے ہوئے بولا تھا۔

"ہیں...... تو تو لڑکیوں کی طرح کیوں شرما رہا ہے۔" مائز نے تمسخرانہ انداز اپنایا تھا۔

"یار مجھ میں پہلی بار یہ احساسات جاگے ہیں۔" اظہر آہستگی سے بولا تھا۔

"کون ہیں وہ محترمہ...... جو میرے یار کے دل کا قرار چرا لے گئی ہیں۔" مائز کا انداز تفتیشی و شریر سا تھا۔

"مائز! وہ بڑے ماموں کی ثانیہ......"...

اظہر نے طائرانہ نگاہ اپنے اطراف میں ڈالی تھی۔ رازدارانہ انداز میں کہا تھا۔

"واہ! کیا چوائس ہے۔ ماشاءاللہ تمہاری جوڑی خوب جچے گی۔ اللہ پاک نظر بد سے محفوظ رکھے۔" مائز خوشی خوشی بولا تھا۔

"اوئے ثانیہ کو پتہ نہ لگے۔" اظہر نے ٹوکا تھا۔

"وہ کیوں......؟" مائز نے اظہر کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تھا۔

"یار! میں چاہتا ہوں میری خوبصورت سی لو سٹوری ہو اور سٹوری کا اینڈ میری ثانیہ سے شادی......"

اظہر نے آنکھ مار کر شرارت سے کہا تھا۔

"واہ جی واہ کیا خیالات ہیں۔ میرے یار میں تیرے ساتھ ہوں۔"

مائز نے اظہر کا شانہ تھپتھپایا تھا۔ دونوں باتیں کرنے لگے تھے۔

☆☆☆

"عروج! تم اس ییلو اور گرین کنٹراسٹ فراک میں بہت اچھی لگ رہی ہو۔"

انٹرنس میں ساری لڑکیاں پھولوں کی پتیوں سے بھری پلیٹیں لیے دولہا والوں کے استقبال کے لیے کھڑی تھیں۔ اظہر کی نگاہیں کافی دیر سے ثانیہ پر جمی تھیں۔

"تھینک یو سو مچ اظہر......" عروج ادا سے اترا کے بولی تھی۔

"اظہر بھائی! ییلو اور گرین کنٹراسٹ تو ثانیہ آپی پہنے ہوئی ہیں۔" حنا مسکرا کر بولی تھی۔

"اوہ! سوری میں سمجھا عروج ہے۔" اظہر جھینپ کر بولا تھا۔

عروج، ثانیہ آپی کس کی تعریف کرنا چاہ رہے ہیں۔" حنا کا انداز تفتیشی تھا۔

"دونوں ہی پیاری لگ رہی ہیں۔" اظہر مبہم سا مسکرا کر ثانیہ کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"اظہر! سیلفی ہو جائے۔" عروج نے مسکرا کر اپنے سیٹ کیے ہوئے بالوں پر ہاتھ پھیرا تھا۔

پھر موبائل مرر آن کر کے خود کو دیکھنے لگی تھی۔ وہ خود میں بری طرح مگن تھی۔

"یہ ایکسپرٹ بیوٹیشن کے ہاتھوں کا کمال ہے۔"

اظہر نے اسے خود میں مگن دیکھ کر طنز کیا تھا۔ ثانیہ وہاں سے جا چکی تھی۔ اظہر جانے کی کر رہا تھا۔ لیکن عروج تو چھوڑ ہی نہیں رہی تھی۔

"مائز! یہ زینب پھپھو کی عروج ایک نمبر کی چیکو ٹائپ لڑکی ہے۔"

اظہر مائز کے پاس آ کر بے زاریت سے بولا تھا۔ بمشکل تمام وہ اس سے پیچھا چھڑا پایا تھا۔ اسی لیے کوفت زدہ سا کہہ رہا تھا۔

"چلو جی خیر ہو...... ہماری عروج کی نظروں میں کچھ دن کے لیے اظہر صاحب بس گئے ہیں۔" حماد چہکتے ہوئے بولا تھا۔

"ہیں.......... کک...... کیا مطلب؟" اظہر یکدم ہی چونکا تھا۔

"اظہر! عروج ایک دل پھینک قسم کی لڑکی ہے۔ ہر چار چھ دن بعد عروج کو جنونی قسم کی محبت ہو جاتی ہے۔ خاندان کا کوئی لڑکا بھی نہ بچا ہوا تھا اس کی محبت سے۔ تم تو دوسرے شہر سے آئے ہو۔ کافی عرصے بعد اسی لیے اب تمہیں دیکھ کر تم سے پہلی نظر میں جنونی محبت ہو جائے گی۔" مائز نے آہستگی سے کہا تھا۔

"عروج ایسی ہے مجھے پہلے کسی نے کیوں نہیں بتایا۔ میں تو ثانیہ کی تعریف کرنے لگا تھا انٹریس پر اور بس شرم آڑے آ گئی اور عروج کی تعریف کر دی۔"

اظہر کہہ ہی رہا تھا۔ حمزہ چلا اٹھا۔

"ابے تو گیا کام سے۔ وہ تو اب تجھے نہیں چھوڑنے والی، تو نے اس کی تعریف کر دی۔ وہ تو تجھ پر فدا ہو گئی ہو گی۔" مائز پریشان سا بولا تھا۔

"یار! پلیز مجھے بچا لو" اظہر نے پریشان ہو کر سر دونوں ہاتھوں سے تھاما تھا۔

"اظہر اللہ ہی مددگار ہے۔ اللہ سے مدد مانگ۔" حماد بے چارگی سے بولا تھا۔

☆☆☆

مسٹر اظہر حیات خان! تم اتنے اچھے اور سچے ہو کہ تمہیں جھوٹ تک بولنا نہیں آتا۔ جناب کا من ثانیہ پر فدا ہے اور مسٹر اظہر عروج کی جھوٹی تعریفیں کر رہے ہیں یہ میرے دل کی خاموش محبت ہے۔ جس کی آنچ اس دل تک پہنچ گئی ہے۔ جسے میں چاہنے لگی ہوں۔ اظہر میں نے تمہیں دس سال قبل دیکھا تھا۔ اس وقت بھی دل میں پسندیدگی کے جذبات ابھرے تھے لیکن پھر وہی بچپن کی بات بھول بھلیاں ہو گئی لیکن تم میری دعاؤں میں نہ جانے کیسے شامل ہو گئے۔ دس سال بعد تمہیں دیکھ کر دل نے گواہی دی کہ دل کی دھڑکنوں کو تم نے ہی دھڑکنا سکھایا ہے۔"

ثانیہ بستر پر لیٹی کروٹیں بدل رہی تھی اور اظہر کو سوچے جا رہی تھی۔

☆☆☆

مسٹر کزن۔ تم تو بہت ہی ہینڈسم ہو گڈ لکنگ اور چارمنگ ہو۔

عروج کے ہاتھوں میں بیش قیمتی موبائل فون تھا وہ اس سیلفی کو بخودی دیکھے جا رہی تھی۔ اظہر کا مسکراتا چہرہ، دلنشین سی آنکھوں میں وہ تکتی اور سوچے جا رہی تھی۔ نیند آنکھوں سے کوسوں دور چلی گئی تھی عروج مسلسل اظہر کو ہی سوچے جا رہی تھی موبائل میں گانا لگا کر کے کروٹ بدل کر

لیٹ گئی تھی۔

ہوا یہ کیا حشر میرا
جدا ہوا صبر میرا
بن تیرے اک پل بھی
کبھی میں نہ جیا
رات بھر اشکوں نے تجھ
کو پکارا ہے
تیرا جانا جیسے کوئی بددعا
دور جاؤ گے جو تم
مر جائیں گے ہم
صنم تیری قسم

عروج خود بھی گانا گنگنا رہی تھی۔ رات گہری ہوتی جا رہی تھی۔

☆☆☆

"میں ثانیہ سے محبت کرتا ہوں۔ کب سے اور کیسے یہ مجھے نہیں یاد۔ بڑے ماموں کافی سال پہلے اپنی فیملی کے ہمراہ جب ہمارے گھر حیدرآباد آئے تھے۔ تو جب سے ہی مجھے ثانیہ اچھی لگنے لگی تھی۔ پھر تعلیمی معروفیات میں ایسا الجھا کہ دوبارہ اسلام آباد نانی کے گھر جانا ہی نہ ہوا۔ اب بارہ سال بعد اسلام آباد آیا ہوں۔ جویریہ آپی کی شادی میں تو دل ثانیہ کو دیکھتے ہی مچل اٹھا۔"

اظہر ٹیرس پر کھڑا مارگلہ کی پہاڑیاں دیکھ رہا تھا۔ نانی کا گھر بلیو ایریا میں تھا سامنے ہی پہاڑیاں نظر آتی تھیں۔ ٹھنڈ کم تھی۔

"اظہر! کیا کر رہے ہو اتنی ٹھنڈ میں؟"

مائز اسے ڈھونڈتا ہوا ٹیرس پر آ گیا تھا۔

"یار کچھ نہیں، بس ثانیہ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔" اظہر آہستگی سے بولا تھا۔

"اوئے ہوئے کیا بات ہے۔ محبت کی دیوی سر پر چڑھ بیٹھی ہے۔" مائز نے اسے چھیڑا تھا۔

"تجھے محبت ہوگی نہ پھر پوچھوں گا۔"

اظہر نے بھی دوبدو جواب دیا تھا۔ دونوں باتوں میں مشغول تھے۔

☆☆☆

"اظہر! گھر چلو ناں......"

شام کو لان میں بیٹھے سب ٹی ٹائم انجوائے کر رہے تھے۔ عروج ابھی آئی تھی کہ فوراً سے اظہر کے پہلو میں آ کر بیٹھ گئی تھی اور ادائے دلربائی سے مسکرا کر آنکھیں مٹکاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ مائز کو چائے پیتے میں ہنسی روکنے کی وجہ سے پھندا لگ گیا تھا۔ اظہر کے چہرے سے مسکینیت ہویدا تھی۔

"عروج! ابھی نہیں کچھ دن بعد آؤں گا۔"

اظہر نے مصنوعی مسکان چہرے پر سجا کر اسے ٹالنا چاہا تھا۔

"اظہر! پلیز یوں نہ کرو......" وہ اس کا گریز بھانپ گئی تھی۔

"اف......"

اظہر نے من ہی من میں خود کو کوسا تھا کہ یہ کس مصیبت کو گلے لگا لیا ہے۔ وہ تو اب ہر لمحہ، ہر پل، اظہر کے ساتھ سائے کی مانند رہتی تھی۔ ہمہ وقت موبائل فون پر ریگولر میسج اور سوشل میڈیا پر ہی میسجز کرتی رہتی۔ وہ اس کی بے باکی پر بوکھلا جاتا تھا۔ ثانیہ مسکراتی رہتی۔ مائز پرشوخ جملے کستا رہتا۔ اظہر کو اسلام آباد آئے ہوئے مہینہ بھر ہو چکا تھا۔ اس نے تو امی کو اپنی پسندیدہ لڑکی کا نام بھی بطور ہمسفر دے دیا تھا۔ نگہت بیگم کو اظہر کی پسند پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ ثانیہ تو انہیں ہمیشہ سے ہی پسند تھی۔ تمیز و تہذیب والی خوبصورت عادات و کردار کی حامل ہر اک سے محبت کرنے والی ہر ایک کا خیال رکھنے والی اور پھر نگہت بیگم نے موقع مناسبت پا کر کیونکہ اتوار کا دن تھا سبھی گھر میں موجود تھے انہیں بات کرنا مناسب لگا۔ زینب پھپھو بھی آئی ہوئی تھی۔ نگہت بیگم نے آج بڑے بھائی کے آگے اپنے دل کی بات کہہ دی تھی۔ بچے بڑے سبھی لان میں بیٹھے ہوئے

تھے۔ لڑکیاں رمضان المبارک کے حوالے سے باتیں کررہی تھی جویریہ کے ہاتھ میں سیل فون تھا۔
احمر نے منہ دکھائی میں جویریہ کو مہنگا ترین موبائل فون دیا تھا۔ جسے حنا اور ثانیہ حسرت بھری نگاہوں سے تکتی تھی۔ گھر میں بڑے پاپا کو لڑکیوں کے ہاتھ میں موبائل فون پسند نہ تھا پہلے عروج کے پاس تھا اب جویریہ کے بھی پاس تھا۔ وہ چکن نگٹس، کٹلس، مکس فروٹ کریم چارٹ، چائنیز پکوڑے، وغیرہ کی ریسپی دیکھ رہیں تھی۔ حنا اور ثانیہ بھی اس کے اطراف بیٹھی ہوئی اسکرین پر نظریں جمائے ہوئے تھیں۔ جویریہ کہہ رہی تھی کہ یہ ریسپیز بنائیں گے۔
"مائز، اظہر ملکی حالات پر تبصرہ کررہے تھے۔" نگہت بیگم کے کہنے پر خاموشی چھاگئی تھی ثانیہ کا دل یکدم ہی دھڑکا تھا۔ چہرے پر حیا کی سرخی چھاگئی تھی۔ نظریں جھک گئیں تھیں۔
گھر میں سبھی موجود تھے۔ وہ کسی کی جانب نہیں دیکھ پارہی تھی۔ زینب پھپھو حیرت سے اپنی سگی بہن کو دیکھ رہی تھیں۔ ثانیہ فوراً ہی اپنا دھانی کلر کا آنچل سنبھالتی وہاں سے چلی گئی تھی۔ سب کی نگاہیں خود پر جمی دیکھ کر اس کا چہرہ شرم کی لالی سے سرخ ہوگیا تھا۔ اظہر نے بھی پرشوخ نگاہیں سامنے کاوچ پر نیلے اور دھانی امتزاج کے رنگوں کے سوٹ میں ملبوس ثانیہ کو بغور دیکھا تھا۔ یہ لان کا سوٹ اس پر بہت جچ رہا تھا۔ کسی بھی قسم کے میک اپ سے عاری چہرہ لمبے گھنے بالوں بل دار چوٹی باندھے ثانیہ اسے بے حد حسین لگ رہی تھی۔
"مما! خالہ جانی یہ کیا کہہ رہی ہیں......؟"
عروج تو تھی ہی سدا کی بولڈ سب کے سامنے ہی غصے سے چلائی تھی۔ زینب پھپھو نے فوراً ہی اس کی حمایت کی تھی۔
"نگہت! اظہر اور عروج ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور تو رشتے کی بات مجھ سے کرنے کی بجائے جنید بھائی سے کررہی ہے۔"
"زینب! تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ اظہر تو ہمیشہ سے ہی ثانیہ کو پسند کرتا ہے۔" نگہت بیگم مسکرا کر بولی تھیں۔
"نگہت! تمہیں یہاں آئے ایک ماہ ہوچکا ہے، اظہر ہمیشہ عروج کی سنگت میں ہوتا ہے۔ اس بات کے گواہ یہاں موجود سبھی ہیں۔" زینب پھپھو نے تفخر سے کہا تھا۔
"خالہ جانی! کسی کے ساتھ ہنسنے بولنے، مذاق کرنے، بیٹھنے اٹھنے کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اسے ہمسفر بنانا چاہتے ہوں۔ عروج میری خالہ زاد ہے اسی لیے بات چیت کرلیتا ہوں مجھے شوق نہیں لڑکیوں سے بات کرنے کا عروج خود بات کرتی ہے تو یوں نظرانداز کرنا اچھا نہیں لگتا۔ میں تو ہمیشہ سے ہی ثانیہ کو اپنی ہمسفر بنانا چاہتا ہوں۔"
اظہر یکدم ہی بولا تھا۔ عروج پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔
"اظہر! میں تمہیں چاہتی ہوں۔"
عروج ازلی شرم وحیا سے مبرا لب ولہجہ میں سب کے سامنے بولی تھی۔ اسکین فٹنگ بلیک ٹائیز پر پنک کلر کی جرسی کی چست سی شرٹ پہنے ہوئے تھی۔ اظہر تو اس پر اک نگاہ ڈال کر اپنی ہی نظروں میں شرمندہ ہوگیا تھا۔
اسموکی آئیز میک اپ ڈارک پنچ کلر کی لپ اسٹک لگائے۔ اسٹریپ کٹنگ سلکی بالوں کو رول کیے۔ وہ پیاری لگ رہی تھی۔
"عروج! تم کسی ایک کی ہوکر نہیں رہ سکتی۔ تم دل پھینک قسم کی لڑکی ہو۔ ہر چار دن بعد تمہیں کسی نئے لڑکے سے محبت ہوجاتی ہے۔" اظہر نے تمسخرانہ انداز میں کہا تھا۔
"اظہر! میں تم سے محبت کرنے لگی ہوں۔ میں فلرٹی نہیں ہوں۔" عروج نے یقین دلانا چاہا تھا۔
"محبت اور تم، تم محبت نہیں کرسکتیں۔ محبت کا مذاق ضرور اڑا سکتی ہو۔ محبت کا مطلب ہے احساسات وجذبات، بنا کسی رشتے کے اک دوسرے سے جڑ جانا۔ ضروری نہیں ہے رشتہ ہو تو ہی محبت ہو۔ بنا رشتے کے محبت بے غرض وخالص ہوتی ہے۔ تم کیا جانو محبت کتنی معتبر ہوتی ہے۔"

"اظہر! یہ تم کس لہجے میں بات کر رہے ہو؟"

زینب بیگم اپنی اکلوتی بیٹی کی سرعام تذلیل مزید نہ دیکھ سکی تھیں۔ آگ بگولہ سی بولی تھیں۔ عروج کی خوبصورت سی کاجل بھی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"خالہ جانی! میں کچھ غلط نہیں کہہ رہا یہاں موجود سب لوگ اس بات کے گواہ ہیں۔"

اظہر نے مسکراتے ہوئے ان کی بات دہرائی تھی۔

"مما! گھر چلئے"

عروج چلائی تھی اور لمبے لمبے ڈگ بھرتی وہاں سے چلی گئی تھی زینب بیگم غصیلی نظر سب پر ڈال کر چلی گئی تھیں۔

☆☆☆

"ثانیہ! چاند میں اور عید تم ہو۔"

اظہر نے اسے میسج کیا تھا۔ رشتہ طے ہونے کے بعد فطری شرم و حیا کی وجہ سے وہ اظہر کے سامنے نہیں آ رہی تھی۔ چھ دن گزر چکے تھے ان کی نسبت طے ہوئے اظہر تاک میں رہتا کہ ثانیہ سے دو بدو بات ہو جائے لیکن ثانیہ تو اس سے چھپتی پھرتی تھی۔ وہ ابھی بھی نماز عشاء ادا کرنے کے بعد قرآن مجید کی تلاوت کر رہی تھی۔

"ثانیہ! اظہر کا میسج آیا ہے۔"

حنا نے اس کے موبائل پر وائبریشن ہوتے دیکھی تھی۔ تو کہا تھا۔ جویریہ کے موبائل پر ہی میسجز کا سلسلہ جاری تھا۔

"حنا! میرا دل گھبرا رہا ہے۔" وہ پریشان سی بولی تھی۔

"ہیں...... تیرا رشتہ ہو گیا ہے۔ اس سے جو تجھے چاہتا ہے۔ جسے تو چاہتی ہے۔ پھر کیوں دل گھبرا رہا ہے۔" حنا حیرت سے بولی تھی۔

"یار عروج......"

"اوہو...... عروج کو تو رہنے دو۔"

"یار میں نہیں چاہتی میری طرف سے کسی کا دل دکھے" ثانیہ فکرمندسی تھی۔

"ثانیہ! عروج تو ہمیشہ سے یہی کرتی آئی ہے۔ اظہر نے تو اسے آئینہ دکھایا ہے اور صحیح کیا۔ ایسے لوگوں کے ساتھ ایسا ہی کرنا چاہیے۔"

حنا نے لاپروائی سے کندھے اچکاتے ہوئے کہا تھا۔

"حنا! اس بار عروج سیریس لگ رہی ہے۔"

"ثانیہ! وہ ہر بار ہی سیریس ہوتی ہے۔"

حنا نے اس کے معصومانہ انداز پر تمسخرانہ کہا تھا۔

"حنا! میرا دل مضطرب ہے، میری وجہ سے عروج دکھی ہے۔"

"ثانیہ! تو نے کیا کیا ہے، ایسا کیوں بول رہی ہے۔ عروج تو ہے ہی ایسی، اس بار وہ اظہر کے لیے زیادہ ہی سیریس ہوگئی ہے۔ چار دن کی بات ہے پھر کسی اور کے پیچھے لگ جائے گی۔ مجھے تو زینب پھپھو پر حیرت ہوتی ہے کہ کیسی ماں ہیں ہر بات میں حمایت کرنا۔ بے جا حمایت بھی بچوں کو بگاڑ دیتی ہے۔ ماں ہو کر اپنی بیٹی کی خیر خواہ نہیں۔ ماں باپ ہمہ وقت بچوں کے ساتھ رہتے ہیں بچوں کو تمیز تہذیب سکھانا ان کا فرض ہے۔ زینب پھپھو کو تو کبھی انہیں کسی بھی غلط بات پر روکتے ٹوکتے ڈانٹتے نہیں دیکھا۔"

حنا غصے اور حیرت کے ملے جلے تاثرات لیے بولی تھی۔

"یار! بس اللہ پاک ہم سب کو نیک ہدایت نصیب فرمائے۔" ثانیہ اپنی نرم طبیعت کے باعث بولی تھی۔

☆☆☆

"مما! میں اظہر کو سچے دل سے چاہنے لگی ہوں۔ اس کی جدائی سوہان روح ہے پلیز کچھ کیجیے۔"

عروج جلے پیر کی بلی کی مانند یہاں سے وہاں چکر کاٹتے ہوئے ملتجائی تھی۔

"عروج! دفعہ کرو۔ وہ لڑکا تمہیں کبھی عزت نہیں دے گا۔ اس کا لب و لہجہ دیکھا تھا۔ کیسی کاٹ و حقارت تھی۔ چھوڑو بیٹا۔" زینب بیگم کے متانت بھرے انداز پر وہ بلبلا اٹھی تھی۔

"مما! مجھے اس سے محبت ہے۔ میں نے اس کے ساتھ وقت گزاری نہیں کی ہے۔ ٹرائی ٹو انڈرسٹینڈ می۔"

"عروج! چلو ریسٹ کرو میں بھی اپنے روم میں جارہی ہوں۔" زینب بیگم کا لہجہ تھکا تھکا سا تھا۔

"مما! محبت تپتے صحرا میں ننگے پیر ریت پر کھڑے ہونے کا نام ہے۔ میں صحرا میں کھڑی ہوں۔

وہ لان میں پڑے کاوچ پر ڈھیلے سے انداز میں بیٹھی تھی۔ زینب بیگم محبت سے اس کے گال تھپتھپا کر آرام کرنے کا کہہ کر چلی گئی تھیں عروج مضطرب من کے ہمراہ مختلف سوچوں میں ڈوبی تھی۔

زینب بیگم نے اپنی اکلوتی بیٹی کو بہت نازوں سے پالا تھا۔ اس کی ہر جائز ناجائز بات کو فوراً مان کر اسے انہوں نے ضدی خودسرا اور بدتمیز بنادیا تھا۔

ماں باپ بچوں کی جائز ناجائز ہر فرمائش پوری کرنے لگ جائیں تو بچے ضدی و بدتمیز ہوتے چلے جاتے ہیں۔ زینب بیگم کو عروج کی دل پھینک طبیعت کا علم تھا۔ ماں ہونے کے ناطے کبھی اسے صحیح غلط کا فرق نہ سمجھایا تھا۔ خاور احمد اپنی اکلوتی بیٹی کی حرکتوں پر نالاں رہتے۔ زینب بیگم یہی کہتیں کہ بچی ہے میچورڈ ہوگی تو خود ہی یہ سب چھوڑ دے گی۔ زینب بیگم نے ہمیشہ ہی عروج کے ہر معاملے میں لاپروائی برتی تھی۔ زینب بیگم اک سماجی تنظیم کی رہنما تھیں۔ اس لیے وہ صرف خود پر دھیان دیتی تھیں صحت و صفائی، پہننا، اوڑھنا، فٹنس ہمہ وقت اپنی ہی فکروں میں رہتی تھیں۔ کچھ عروج کے بارے میں نہ سوچا کہ اسے کس طرح گائیڈ کرنا ہے۔ خاور احمد کا لیدر کا کاروبار تھا جس کی وجہ سے اکثر و بیشتر شہر یا ملک سے مہینوں باہر رہتے۔ عروج تنہائی کا شکار ہوکر سب کی توجہ پانے کے لیے، خود کو سب کے آگے پیش کرنے لگی تھی۔ اچھے برے کی تمیز بھلائے اپنی ہی من مانی کرتی چلی گئی۔

☆☆☆

رمضان المبارک کے مقدس، پرنور ماہ کا آغاز ہوچکا تھا آج چوتھا روزہ تھا۔ حنا، ثانیہ تین بجے ہی کچن میں آ جاتی تھیں۔ حنا آٹا گوندھ کر رکھتی تو ثانیہ سالن گرم کرتی۔ حنا کھجلہ بنانے کے بعد سحری میں استعمال ہونے والے برتن شیلف پر رکھتی۔ حنا آٹا گوندھ کر ٹھہرانے کے بعد پیڑے بنانا شروع کردیتی۔

"حنا! زینب پھپھو نہیں آئیں اس دن کے بعد۔"

ثانیہ پراٹھا بیلتے ہوئے فکرمندی سے بولی تھی۔ زینب پھپھو ہر سٹرڈے یا سنڈے کو سرشام ہی آجاتی تھیں۔ ٹی ٹائم کے بعد ڈنر کرکے جاتی تھیں۔

"ثانیہ! تو بھی ناں، یار زینب پھپھو یا عروج کو کسی نے اس گھر میں آنے سے منع تو نہیں کیا ناں، ان کی اپنی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ آئے یا نہ آئے۔"

حنا نے برنر سے آنچ درمیانی کرکے پراٹھے کو سینکتے ہوئے سرسری انداز میں کہا تھا۔

"ثانیہ، حنا! ہاتھ جلدی چلاؤ، وقت بہت کم ہے۔"

صائمہ بیگم نے کچن میں داخل ہوتے ہی انہیں باتوں میں مصروف پایا تو ٹوکے بنا نہ رہ سکی تھیں۔

"بڑی مما! ہم جلدی جلدی تو سارا کام کر رہے ہیں۔ یہ سحری کا ٹائم ہی اسپیڈ میں گزار جاتا ہے۔"

حنا فوراً ہی برا مانتے ہوئے بولی تھی۔

"دسترخوان لگاؤ تم دونوں، اور آج تو کسی کو جگایا بھی نہیں۔ صرف پچیس منٹ بچے ہیں۔ میں پراٹھے بناتی ہوں تم دونوں دسترخوان سجا کر سب کو بلا کر لاؤ جلدی جاؤ۔"

صائمہ بیگم نے ثانیہ کے ہاتھ سے بیلن لیتے ہوئے کہا تھا۔

"بھابھی مجھے تو آواز لگالیتی۔"

شائزہ بیگم نے بالوں کو جوڑے کی شکل میں باندھا تھا۔ جمائی روکتے ہوئے بولی تھیں۔

"شانو! یار آج تو میں بھی نہیں اٹھی۔ ماشاءاللہ سے حنا، ثانیہ نے سب کام کرلیا ہے۔ یہ دیکھو آٹھ پراٹھے بنا رکھے ہیں۔" صائمہ بیگم مسکرا کر بولی تھیں۔

سبھی دسترخوان پر بیٹھ کر سحری کر رہے تھے۔ اظہر کی پرشوخ نگاہیں ثانیہ کے صبیح چہرے کا طواف کر رہی تھی۔

شرم و حیا سے ثانیہ کے رخسار سرخ ہو رہے تھے۔ عارض جھکے ہوئے تھے۔

☆☆☆

عروج اظہر کی محبت میں سرتا پیر بدل چکی تھی۔ اظہر کی کڑوی تلخ حقیقی باتوں نے اسے احتسابی عمل سے گزارا تھا۔ وہ گھنٹوں بیٹھی اپنا محاسبہ کرتی رہی۔ کبھی کانوں میں اظہر کی گرجدار آواز گونجتی۔

"عروج! شکر کرو کہ میں تمہارا خالہ زاد ہوں۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو کب کا تمہاری عزت کا آنچل تار تار کر چکا ہوتا۔ وہ آنچل جو تم زبردستی ہر اک پر ڈال کر محبت کی چھاؤں کر کے اس میں بیٹھ کر سہانے پل بیتانے کی خواہش کرتی ہو۔ لڑکیوں کے اطراف اس قدر کانٹے ہوتے ہیں کہ وہ اپنے آنچل کو کہیں بھی اٹکنے نہیں دیتیں۔ تم جیسی لڑکیوں کے ساتھ ٹائم پاس مطلب وقت رنگین کیا جا سکتا ہے۔ گھر بسانا گھر میں بسنا تم جیسی لڑکیاں ڈیزرو نہیں کرتیں۔ میں تمہارا خالہ زاد نہ ہوتا تو ضرور تم سنگ بہک چکا ہوتا۔ ظاہری بات ہے جب لڑکی واری واری رہے گی تو لڑکا کب تک انکار کرے گا۔"

"یا اللہ! مجھے معاف کر دے۔ تیری بنائی ہوئی حدود کو ہمیشہ پھلانگتی رہی۔ اچھے برے کی تمیز کیے بغیر اپنی من مانیاں کرتی رہی۔ مجھے کسی نے روکا بھی نہیں۔ اظہر مجھ سے محبت نہیں کرتا۔ لیکن میرا خیر خواہ ہے۔ تبھی اس نے سخت لہجے میں تلخ باتیں کیں۔"

رات دھیرے دھیرے سے بیت رہی تھی۔ سحری کا وقت بھی ختم ہو چکا تھا۔ عروج نے ہمیشہ سے ہی نہ روزہ رکھا اور اسے رکھوایا گیا۔ دل و دماغ سکھ چین میں ہوں تو ہی پر سکون نیند آتی ہے۔

بے سکون لوگ ساری رات جاگ جاگ کر کاٹتے ہیں۔ سیاہ آسمان کو تکتے ہوئے۔ تارے گنتے ہوئے۔ ہواؤں کے جھونکوں کو محسوس کرتے ہوئے شب سے سحر کرتے ہیں۔

آج بھی وہ اپنے ٹیرس کی چھت پر کھڑی سیاہ آسمان پر چمکتے چودھویں کے چاند کو دیکھ رہی تھی۔ چاند کی روشنی و ٹھنڈک اس کی آنکھوں کو بھا رہی تھی۔ وہ مسلسل سوچوں میں گم تھی۔ اذان فجر کے بعد دور افق پر سورج کی نارنجی شعاعیں بکھر رہی تھیں۔

☆☆☆

"عروج! جنید بھائی نے آج افطار پر انوائیٹ کیا ہے، تیار رہنا۔"

زینب بیگم کسی سے فون پر بات کرتی ہوئی اپنے روم سے نکلی تھیں اور مصروف سے انداز میں کہتی ہوئی چلی گئیں تھیں۔ عروج نے نہا کر شلوار سوٹ نکالا تھا۔ یہ وہ سوٹ تھا جو وہ صرف مذہبی تہواروں پر زیب تن کیا کرتی تھی وگرنہ کچوئیل میں تو ٹائٹز، شرٹس اور جینز ہی یوز کیا کرتی تھی۔ سیاہ شیفون کے دوپٹہ کے ساتھ سیاہ اور گرے فینسی بوتیک سوٹ پہنے گھنگریالے بالوں کو سمیٹ کر کیچر لگائے میک اپ سے مبرا چہرے کے گرد دوپٹہ کو لپیٹے چہرے پر چھایا حزن و ملال، زینب بیگم بغور اپنی اکلوتی لاڈلی بیٹی کا جائزہ لے رہی تھی۔

"عروج! کیا رونی صورت بنا رکھی ہے اور یہ کپڑے کیسے پہنے ہیں۔"

"مما! آپ کو میری رونی صورت آج نظر آئی ہے؟" عروج طنزیہ مسکرائی تھی۔

"عروج! یہ کس لہجے میں بات کر رہی ہو۔" وہ متعجب تھیں۔

"مما! اظہر کی محبت نے مجھے بدل دیا ہے۔" اس کی آنکھوں میں نمی لہجے میں تفخر تھا۔

"عروج! گزری باتوں کو نظر انداز کرو۔ خوشگوار زندگی تمہاری منتظر ہے۔"

زینب بیگم نے ساڑھی کا فاول سیٹ کرتے ہوئے کہا تھا۔

"مما! کاش آپ نے سنجیدگی سے مجھ پر توجہ دی ہوتی تو میری شخصیت اتنی ارزاں کبھی نہیں ہوتی" اس کی لبوں پر بے ساختہ شکوہ ابھرا تھا۔

"عروج! تم پر کب توجہ نہیں دی۔" ان کی آنکھیں حیرت سے پھٹی تھیں۔

"چلئے افطار میں بہت کم وقت ہے۔ ماموں انتظار کر رہے ہوں گے۔"

عروج اپنا آنچل سنبھالتی خارجی دروازے کی جانب بڑھی تھی وہ ششدر سی کھڑی تھیں۔

☆☆☆

افطار کے وقت دسترخوان انواع اقسام اشیاء سے سجا ہوا تھا۔ زینب بیگم مزے سے دہی بڑے کھا رہی تھیں۔ عروج گم سم سی بیٹھی تھی۔ سبھی عروج میں تبدیلی نوٹ کر رہے تھے۔ نماز کی طرح چہرے کے گرد دوپٹہ لپیٹے مسلسل زیرلب درود شریف پڑھ رہی تھی۔ افطار کے بعد سب کے ساتھ نماز پڑھنے پر حنا نے اسے حیرت سے دیکھا تھا۔ عروج کی سنجیدگی نے سبھی کو ٹھٹکنے پر مجبور کر دیا تھا۔ عروج نظریں جھکائے چپ چاپ بیٹھی تھی۔

"محبت کی ناکامی میں کچھ بکھر جاتے ہیں کچھ نکھر جاتے ہیں۔" اظہر اسے دیکھ کر سوچ رہا تھا۔

☆☆☆

زینب پھپھو! آپ آج رک جائیں کل ہم سب نے پکنک کا پروگرام بنایا ہے۔

مائز پھپھو کو روک رہا تھا زینب پھپھو خفا خفا سی لگ رہی تھی۔ بیٹا! اتنی شدید گرمی اور روزے میں پکنک پر میں نہیں جا سکتی پھر کبھی صحیح۔ انہوں نے مسکرا کر ٹالا تھا۔

ارے پھپھو کوئی گرمی نہیں ہم شکر پڑیاں چلیں گے روزے سے پہلے ہم لاک ورثہ میں رہیں گے وہاں تو ہر وقت فل اسپیڈ اسپیلیٹ آن رہتے ہیں۔ افطار کے وقت ہم باہر آجائیں گے شکر پڑیاں کے یخ بستہ فرش پر روزہ افطار کرلیں گے۔ احمر مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ احمر پھر کبھی۔ انہوں نے انکار کیا تھا۔

زینب! کیا بات ہے ناراض ہو کیا؟

جنید بھائی جو کافی دیر سے چپ تھے یکدم ہی کہہ اٹھے تھے۔

ن.....نہیں بھائی.....وہ گڑبڑا گئیں تھیں۔

بس تو پھر رک جاؤ۔

وہ تحکم آمیز لہجے میں بولے تھے۔ اور پھر وہ رک گئیں تھیں۔

عروج نے چپ سادھ لی تھی سبھی اس میں یہ تبدیلی محسوس کر چکے تھے بس کوئی کچھ کہہ نہیں پا رہا تھا۔ ثانیہ اسے یوں سنجیدہ دیکھ کر مضطرب تھی۔

☆☆☆

واہ یار زبردست یہ لاک ورثہ میوزیم تو اسلام آباد کی بہترین جگہوں میں شمار ہوتا ہوگا اتنا خوبصورت ہے کہ ایسا لگتا ہے یہ موی مجسمے نہیں حقیقی انسان ہیں یہ قائداعظمؒ کی کانفرنس دیکھو لیاقت علی خان، سرسید احمد خاں، علامہ اقبالؒ، فاطمہ جناح سبھی ایسا لگ رہا ہے سچ مچ ہیں۔

اظہر تو خوشی سے کھل اٹھا تھا میوزیم دیکھ کر مسلسل تعریفیں ہی کیے جا رہا تھا۔ عروج نے اک سرسری نگاہ اس پر ڈالی تھی اور رخ پھیر لیا تھا۔

ثانیہ سے اس کی اداسی برداشت نہیں ہو رہی تھی وہ تھی ہی نرم دل اسی لیے عروج کو تنہا پا کر اس کے پاس چلی آئی تھی۔

عروج! کیا بات ہے اتنی اداس کیوں ہو؟

ثانیہ نے آہستگی سے استفسار کیا تھا۔

کچھ نہیں ثانیہ۔ وہ مسکرا کر ٹال گئی تھی۔

تم خوش قسمت ہو کہ اظہر تمہیں چاہتا ہے۔

عروج کے دل کی بات لب پر آگئی تھی۔ ثانیہ مسکرا دی تھی۔

مائز! حنا تیرے ساتھ ہے یار جویریہ احمر وہ کھڑے یہ میری والی کہاں گئی۔

اظہر جو ثانیہ کو ڈھونڈ رہا تھا مزاحیہ انداز میں بولا تھا حنا کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

اظہر بھائی! خیال رکھا کریں اپنی والی کا میری جان سے عزیز سہیلی ہے۔

حنا بھی اسی کے انداز میں بولی تھی۔

اظہر جو ثانیہ کو اپنے اطراف ڈھونڈ رہا تھا عروج کے ساتھ دیکھ کر ان کے پاس چلا آیا تھا۔

گرلز! کیا ہو رہا ہے۔ اپنی شوخ طبیعت کی باعث چہک رہا تھا۔ کچھ نہیں۔ عروج دھیرے سے بولی تھی۔

عروج! اک بات کہنی ہے۔ اظہر سنجیدگی سے بولا تھا۔ ثانیہ نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

میں اپنے کیے کی معافی چاہتا ہوں کہ میری کڑوی تلخ باتوں سے تمہاری دل آزادی ہوئی لیکن یقین کرو میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔

اظہر! ایسے نہ کہو میں تو لمحہ لمحہ تمہیں دعاؤں میں یاد رکھتی ہوں کہ تم نے مجھے غفلت بھری زندگی سے نکالا ہے۔ میں تم سے ناراض نہیں بلکہ تمہاری شکر گزار ہوں۔

عروج مسکرا کر بولی تھی۔ ثانیہ بھی مسکرا کر دی تھی۔ وہ خود عروج سے اظہر کے رویہ کی معافی مانگنے والی تھی اظہر نے خود معافی مانگ کر اسے خوش کر دیا تھا۔ تینوں باتیں کرتے ہوئے لاک ورشہ سے شکر پڑیاں تک آرہے تھے۔ ثانیہ کا دل مطمئن و شاد تھا۔

☆☆☆

عید کی صبح بہت سہانی تھی مرد حضرات نماز عید ادا کر کے آچکے تھے۔ شریں خورمہ کھانے سے قبل عیدی بانٹی جارہی تھی۔ اظہر کی نگاہیں ثانیہ کی متلاشی تھی۔ ثانیہ نے اظہر کا گفٹ کیا ہو ریڈ اور بلیک امتزاج کا فینسی بوتیک سوٹ زیب تن کیا ہوا تھا لمبے گھنے بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔ لائٹ نیچرل میک اپ میں وہ حسین و دلکش لگ رہی تھی۔

اظہر ثانیہ کو ڈھونڈ تا ہوا اس کے کمرے میں آپہنچا تھا۔ ثانیہ باڈی اسپرے کر رہی تھی شیشے میں اظہر کو دیکھ کر وہ حیران رہ گئی تھی۔ وائٹ کرتے پر نیوی بلو پائپن سے گلے اور کف پر دیدہ زیب ڈیزائنگ ہوئی تھی۔ نک سک سے بنے بال کلین سیو میں وہ بہت پیارا لگ رہا تھا۔ وہ بے ساختہ بولی تھی۔ اور یکدم ہی اپنا ریشمی سا آنچل سنبھالا تھا۔

تم یہاں۔

جی ہاں......

لیکن کسی نے دیکھ لیا تو......

تو......تو کیا......

تم میری ہونے والی ہو......

ہونے والی ہوں ہو تو نہیں گئی ناں دو بدو سوال و جواب دیے جارہے تھے۔ اظہر نے ڈریسنگ ٹیبل سے پرفیوم اٹھا کر اک ہاتھ سے ثانیہ کو اپنے قریب کھینچ کر اس کی کمر میں بازوں حمائل کر کے اس پر اور خود پر اسپرے کرنے کے بعد شہد آگیں و محبت بھرے لہجے میں بولا تھا۔

مہکتی عید تیرے سنگ میری بھی عید مبارک ہو۔

ثانیہ دھیمے سے شرگیں سا مسکرا دی تھی۔

ہیں مبارکباد لے لی مبارکباد دے گا کون۔

وہ ادھر ادھر دیکھتا ہوا اجنبیت سے بھرپور لہجے میں بولا تھا۔ عید مبارک

ثانیہ! اس طرح نہیں الگ سے انداز میں دو مبارکباد تاکہ یہ عید یادگار ہو۔

مجھے یہی انداز پسند ہے۔

وہ جھینپتے ہوئے بولی تھی اور اس کے بازوں کے حصار کو توڑنے کی کوشش کر رہی تھی۔

اوہ زبردست یہاں تو عید منائی جارہی ہے۔

مائز اظہر کو لان میں نہ پا کر ثانیہ کے روم میں چلا آیا تھا آکر دہلیز پر کھڑا باآواز بلند بولا تھا۔ ثانیہ شرم و حیا سے گلابی ہو گئی تھی۔

دوسروں کی تانکا جھانکی چھوڑو اپنی والی کو ڈھونڈو عید کے پرکیف لمحات بیتے جارہے ہیں۔ اظہر نے سیلفی لیتے ہوئے کہا تھا۔ تینوں مسکرا دیے تھے۔

ثانیہ کا دل رب کی بارگاہ میں سجدہ ریز تھا کہ اس کی عید و زندگی مہکانے کے لیے رب تعالیٰ نے ایک بہترین چاہنے والے، خیال رکھنے والے انسان کو بھیج دیا تھا۔

☆☆☆

گیان

بشریٰ رحمن

سراب کو پانی اور پانی کو سراب سمجھ لینا راہِ حق پر سفر کرنے والوں کے لئے کسی بڑے امتحان سے کم نہیں ہوتا۔۔۔۔۔
کیونکہ بعض اوقات لمحہ بھر کی بھول بھی عمر بھر کی ریاضت پر پانی پھیر دیتی ہے

گوشہ ادب سے قارئین ریشم کے لئے خصوصی انتخاب
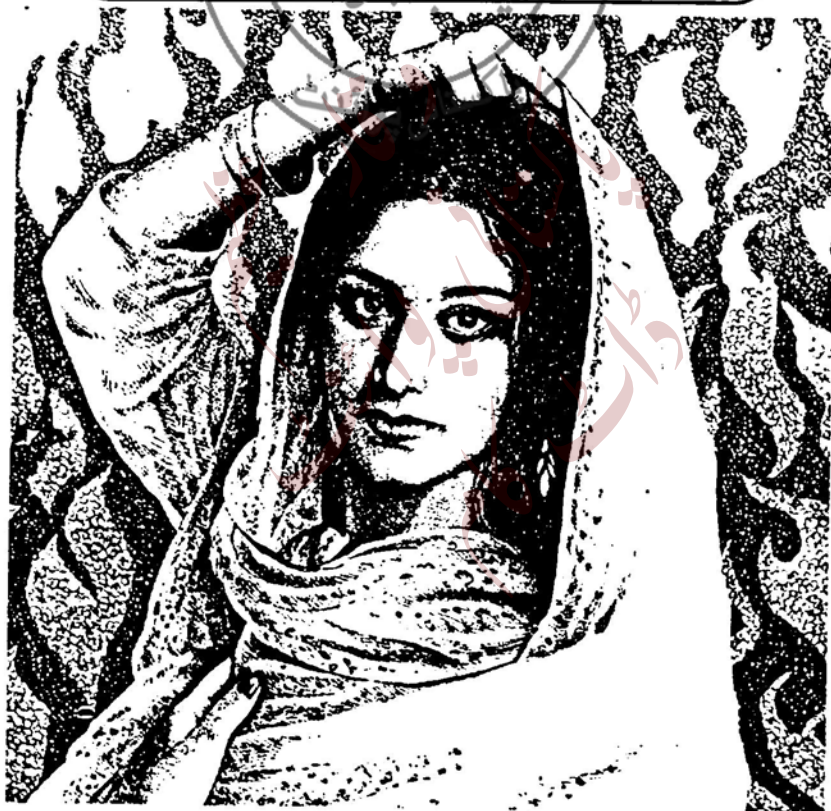
اک اور برس بت گیا اشک رواں کے ساتھ
اب کے برس خدا کرے کوئی خوش ملے

بی بی ہاجرہ کو سارے لوگ ہاجرہ اس لیے نہیں کہتے تھے کہ وہ نمازی، متقی، پرہیز گار اور انسان دوست تھیں بلکہ بی بی ہاجرہ کو خود راجہ نصر اللہ خاں نے ہی پہلی رات بے اختیار بی بی ہاجرہ کہہ دیا تھا۔

راجہ نصر اللہ نے پہلی رات دوسرا بڑا کام یہ کیا تھا کہ بلی ماردی تھی، کیسے ماری تھی.....؟

یہ بتانے سے پہلے بی بی ہاجرہ ہمیشہ لال پیلی ہو جاتی۔

"بی بی ہاجرہ تم راجہ جی سے اتنا ڈرتی کیوں ہو، دبتی کیوں ہو؟"

تو وہ میٹھی میٹھی شرم طاری کر کے معصومیت سے کہہ دیتی۔

"بھئی انہوں نے پہلی رات گربہ کشتن والی بات جو کردی تھی۔"

"کیسے.....؟ کیسے.....؟

سب سر ہو جاتے ہیں۔ مگر توبہ بی بی ہاجرہ کبھی بتا دے۔ شرم سے دوہری ہوئی جاتی، شب عروسی کی اولین منزل کا اجلاس اس کے چہرے پر پھیل جاتا۔ سر جھکاتی تو کتنی دیر تک اٹھانہ سکتی اور اٹھاتی تو آنکھوں میں قندیلیں سی روشن نظر آتیں۔ کوئی گدگدانے والے انداز میں تجسس کی انگلیاں اس کے احساس کے گداز حصوں میں کھونے لگتیں تو بی بی ہاجرہ کو ہمیشہ نماز یاد آتی۔

سیدھی سادی، معصوم اور بے وقوف سی بی بی ہاجرہ کی یادوں کا سرا آج تک کوئی نہیں پکڑ سکا تھا۔ ویسے اس کی صورت دیکھتے ہی یوں لگتا، جیسے یہ عورت گائے ہوتی تو زیادہ خوش رہتی۔

بی بی ہاجرہ کو بچپن سے نمازیں پڑھنے کی عادت پڑ گئی۔ سنا ہے کثرت اولاد کی وجہ سے ان کی والدہ نے انہیں بچپن میں اپنی ایک بزرگ رشتے دار کے پاس بھیج دیا تھا۔ وہ بیوہ تھیں اور مسلسل چالیس سال سے روزے رکھ رہی تھیں۔ دس بارہ سال بی بی ہاجرہ ان کے پاس رہی وہیں پر بی بی ہاجرہ کو باقاعدہ نمازیں پڑھنے کی عادت پڑ گئی۔

پہلی رات جب راجہ جی نے اندر آ کر بی بی ہاجرہ کا گھونگھٹ اٹھایا اور صحت مند چمکدار ہاتھوں کی گلابیوں سے جام الفت پینا چاہا تو بی بی ہاجرہ نے شرماتے ہوئے کہا۔

"پہلے میں نماز پڑھ لوں۔"

راجہ جی کا ہاتھ جہاں تھا وہیں رک گیا۔ جہاں نیم دراز تھے، وہیں پتھر ہو گئے۔ بی بی ہاجرہ اپنے کپڑے سمیٹتی ہوئی اٹھی، ایک ایک زیور اتارا، زرتار دوپٹہ ایک طرف رکھ دیا اور اپنے تھیلے میں سے ململ کا سفید دوپٹہ نکال کر اوڑھا حجلہ عروسی میں مصلیٰ بچھایا اور عشاء کی نماز پڑھنے لگی۔ نماز پڑھ کر سیدھی راجہ جی کے پاس آئی۔ سفید دوپٹہ کے ہالے میں اس کا پاکیزہ چہرہ سچے موتی کی طرح روشنی بکھیر رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے لیے راجہ جی کا گنہگار دل کانپ گیا۔ آخر مرد تھے اور تاریک راستوں سے گزرے تھے مگر سمجھدار تھے حوصلہ کر کے اس روشنی کو سمیٹ لیا کہ نیک عورت اللہ کی طرف سے بڑا انعام ہوتی ہے مگر بے اختیار کہہ اٹھے۔

بی بی ہاجرہ تو بڑی بی بی عورت ہے۔

پھر اس کے بعد محبت کے انتہائی لمحے ہوں یا کرختگی کی پل صراط۔ راجہ جی اسے ہمیشہ بی بی ہاجرہ کہہ کر بلاتے۔ اگر رات کا دولہا صبح اٹھ کر دلہن کو بی بی کہنے لگے تو پھر پورا خاندان ہی کیا، محلے والے بھی بی بی کہنے لگتے ہیں۔ یوں بی بی ہاجرہ جگ بی بی بن گئی تھی۔

کسی نے بی بی ہاجرہ کو نمازیں چھوڑتے نہیں دیکھا تھا۔ جس عالم میں ہو، جہاں ہو، بی بی ہاجرہ نماز ضرور پڑھتی تھی اور راجہ جی کو عادت تھی کہ نماز پڑھنے کے دوران اسے ایک بار پکارتے ضرور تھے۔ اسی لیے تو وہ سلام پھیرتے ہی گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھتی۔

"راجہ جی۔ آپ نے بلایا.....؟"

"بی بی ہاجرہ۔" محلے کی کئی عورتیں اس کے پیچھے پڑ جاتیں "منع کر اپنے راجہ کو۔ کم از کم تجھے نماز میں نہ بلایا کرے۔ کیا اسے دکھتا نہیں کہ تو کتنے بڑے دربار میں کھڑی ہے۔"

"نہیں۔" وہ انگلی ہونٹوں پر رکھ دیتی۔ "اس کا حق اللہ نے شوہر کو دیا ہے۔"

"تو کیا شوہر اندھا ہوتا ہے دیکھ نہیں سکتا۔"

"نہیں نہیں۔" بی بی ہاجرہ کا رنگ اڑ جاتا۔ "شوہر جب بھی پکارے، اسے جواب دینا چاہیے اور نماز چھوڑ کر جواب دینا چاہیے۔"

"اے جا" کوئی عورت اسے دو ہتھڑ مارتی "تیرے جیسی احمق عورتوں نے ان مردوں کو سر چڑھا رکھا ہے۔"

"نہیں میرے راجہ جی ایسے نہیں۔"

"جا ری جا۔ راجہ جی کہہ کے ان کا دماغ خراب کر دیا ہے، اب وہ بے حوصلہ مرد نماز پڑھنے کا انتظار بھی نہیں کر سکتا۔ عین نماز کے دوران اسے کوئی بات یاد آ جاتی ہے۔ یا کسی چیز کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔"

"بولتا بھی ایسے ہے جیسے راجے مہاراجے بولتے ہیں۔"

بی بی ہاجرہ نظریں جھکا لیتی۔

راجہ نصر اللہ خان کو شادی سے پہلے کوئی بھی راجہ جی نہیں کہتا تھا۔ نہر کے محکمے میں ایس ڈی او تھے لال گلال تھے، زبردست تھے اور من مانیوں کے عادی تھے ویسے طبعاً سخت تھے۔ شادی کے چوتھے دن جب بی بی ہاجرہ عشاء کی نماز پڑھ رہی تھی تو اسے یوں لگا جیسے اس کے شوہر نے اسے بلایا ہے۔ مصلےٰ سے اٹھ کر آئی تو وہ خراٹے لے رہے تھے۔ سرہانے کی طرف ننگے پاؤں فرش پر کھڑی تھی۔ پاؤں سے سردی سر کو چڑھ رہی تھی مگر وہ سرہانے کھڑی رہی۔ کافی دیر کے بعد جب راجہ نصر اللہ نے کروٹ بدلی تو ان کے چہرے پر جھک کر بولی۔

"راجہ جی آپ نے مجھے بلایا تھا۔"

پہلی بار بی بی ہاجرہ کے منہ سے بے اختیار راجہ جی نکل گیا۔ راجہ نصر اللہ خاں نے پوری آنکھیں کھول کر سرہانے کی طرف دیکھا۔ سفید ململ کے دوپٹے کے ہالے میں ایک بھرا بھرا چہرہ تھا آنکھوں میں گہرا کاجل اور ہونٹوں پر عروس نو کی لالی بھی تھی۔ صاف آنکھیں جس طرح مسجد کا صحن، اپنے تمام تر خلوص اور سادگی کے ساتھ ان پر جھکی پوچھ رہی تھیں۔

"راجہ جی آپ نے مجھے بلایا تھا۔"

راجہ جی مسکرائے اور ہاتھ بڑھا کے اسے بازو سے پکڑ لیا۔

بی بی ہاجرہ کے یکے بعد دیگرے سات بیٹے ہوئے۔ محلے کی بڑی بوڑھیاں جب بھی اس کی سعادت مندی سے خوش ہوتیں تو کہتیں۔

"اللہ تجھے سات پتر دے۔"

جب سال کے سال امان اللہ خان، ظفر اللہ خان، فتح اللہ خان پیدا ہونے لگے تو محلے کی بیاہتا عورتیں سر جوڑ کے مشورے دینے آئیں۔

"مرد کو کیا پروا۔ اس کا تو بس ایک ہی کام ہے دیکھ کیسے اس پر روز بروز جوبن آ رہا ہے۔"

"اری اپنا خیال کر۔ تجھے بچوں کی لائن میں لگا کر خود گلچھرے اڑانا چاہتا ہے۔ دیکھتی نہیں دورے کا بہانہ کر کے کئی کئی دن باہر رہتا ہے۔"

بی بی ہاجرہ چپ رہتی۔

"ایک ڈاکٹرنی میری سہیلی ہے، لے چلوں گی تجھے۔"

"اے اب کیا فکر ہے ہر محلے میں خاندانی منصوبہ بندی کے دفتر ہیں۔ اس میں واقفیت کی کیا ضرورت ہے۔" دوسری کہتی "ڈاکٹرنیاں تو لوگوں کی منتیں کرتی پھر رہی ہیں۔"

"چھوڑو پرے ڈاکٹرنیوں کو ایسے ہی چیر پھاڑ کر

دیتی ہیں۔ ہمارے محلے کی دائی خیر النساء بہت سیانی ہے۔ جب چاہو بند کر دے، جب چاہو کھول دے۔"

"ہائے چوتھا ابھی نو مہینے کا اور پانچواں پیٹ میں ہے۔"

"بی بی ہاجرہ ہوش کر۔"

بی بی ہاجرہ اس طرح ان عورتوں کی باتیں سنتی، جیسے سننا بھی اس کا فرض ہو اور پھر آرام سے کہتی۔

"ہمت کی بات ہے بہنو! اللہ نے مجھے ہمت دی ہے۔"

"ذرا اپنی رنگت دیکھ۔ جب تیری شادی ہوئی تھی تو محلے والے تجھے ہیر سیال کہا کرتے تھے۔ کیسی خوبرو اور تگڑی تھی تو۔"

"اولاد میٹھا میوہ ہے۔ یہ میوہ پانے کے لیے عورت کو سب کچھ قربان کرنا پڑتا ہے۔"

"کب تک پیدا کرے گی۔"

"جب تک اللہ ہمت دے گا۔ میرے اندر کفران نعمت کا حوصلہ نہیں ہے۔"

"اور اگر اس طرح تو مر گئی تو؟"

"بچے پیدا کرنے سے کوئی نہیں مرتا اور اگر مر بھی گئی تو بچوں کا پالنے والا اللہ ہے۔"

اس پر بھی عورتوں نے متفقہ طور پر سوچ لیا تھا کہ یہ بھی اس کے رلجہ جی کا حکم ہے۔ رلجہ جی کا جبر ہے اس پر۔ ان کے خوف کے مارے بچے پیدا کیے جا رہی ہے۔

فتح اللہ کے بعد علی الترتیب، سمیع اللہ، ثناء اللہ اور ضیاء اللہ پیدا ہوئے۔ بچوں نے تو ایک منٹ بیٹھنے کی فرصت نہ دی۔ کسی کو نہلا رہی ہے، کسی کو سلا رہی ہے۔ کسی کو دودھ پلا رہی ہے، کسی کا لنگوٹ بدل رہی ہے اور ایسے میں رلجہ جی دہائی مچائے کھڑے ہیں کہ انہیں گھر میں داخل ہوتے ہی شور مچانے کی عادت ہے۔

"اے بی بی ہاجرہ میری عینک کہاں ہے؟"

بی بی ہاجرہ دوڑی آتی "رلجہ جی آپ گھٹنا تو اٹھائیں۔" گھٹنے کے نیچے سے عینک نکل آتی۔

"بی بی ہاجرہ۔ میری شیروانی کہاں ہے؟"

"رلجہ جی سامنے تو لٹک رہی ہے۔"

"اٹھا دے نہ پھر۔"

"اے بی بی ہاجرہ میری فائل کہاں ہے؟"

"رلجہ جی کل تکیے کے نیچے تو رکھی تھی آپ نے"

جھٹ بی بی ہاجرہ فائل نکال کر ان کے ہاتھ میں پکڑاتی۔

گھر میں تو رلجہ جی کے حلق سے بی بی ہاجرہ کے بغیر نوالہ نہیں اترتا تھا اور بی بی ہاجرہ کو دیکھو تو ہر وقت بوتل کے جن کی طرح حاضر اور پھر مزے کی بات یہ ہے کہ سارے گھر کا کام بھی خود کرتی۔ روٹی توے پر ڈالتی اور گرم گرم اتار کر رلجہ جی کی خدمت میں پیش کرتی۔ رلجہ جی کو ہمیشہ اپنے بستر پر بیٹھ کر کھانا کھانے کی عادت تھی۔ اتنے بچے ہو جانے کے باوجود رلجہ جی کی عادتوں میں ذرا بھی فرق نہیں آیا۔ بلکہ ایک بری عادت اور بھی تھی ان میں۔ رات کو سونے سے پہلے ٹانگیں دبواتے تھے۔ جب چھوٹے چھوٹے شہروں اور قصبوں کے دوروں پر ہوتے تو ایسے دبانے والے ہر ریسٹ ہاؤس میں مل جاتے۔ مگر گھر میں بی بی ہاجرہ کے سوا کوئی نہ تھا۔

بی بی ہاجرہ کچھ بھی کر رہی ہو، نماز کا وقت ہو جائے تو فوراً وضو کر کے نماز پڑھ لیتی تھی نماز قضا نہیں کرتی تھی۔

"ایسی ٹکریں مارنے کا کیا فائدہ؟" بعض اوقات محلے کی عورتیں اس کا مذاق اڑاتیں۔

"اللہ سب جانتا ہے۔" وہ آہستہ سے کہتی "چھوٹے بچوں والی ماؤں کی نمازیں ایسی ہی ہوتی ہیں اور مقصد تو حاضری لگوانا ہے نا؟"

"اے تو بس حاضری رلجہ جی کے دربار میں ہی لگایا کر۔" اس پر محلے کی منچلی عورتیں خوب ٹھٹھے لگایا

کرتیں۔

پر وہ بھی کیا کرتی؟ رابعہ جی کو ہمیشہ اسی وقت اس کی ضرورت پیش آ جاتی۔ جب وہ نماز کی نیت سے مصلے پر کھڑی ہوتی۔

سارے دن کی تھکی ہاری رات کو بچوں کو کھلا پلا کر الگ کمرے میں سلا دیتی۔ گھر پر سکون سایہ فگن ہو جاتا۔ تاروں کا قافلہ آگے بڑھ آتا۔ تب وہ تھوڑی دیر بیٹھی رابعہ جی کے پاؤں دباتی۔ جب رابعہ جی کی سانسیں مدہوشی کا اعلان کرنے لگتیں تو وہ جھٹکے سے اٹھتی اور وضو کر کے مصلے پر بیٹھتی کبھی کبھی تو اتنی تھکی ہوتی کہ مصلے پر ہی اونگھ آنے لگتی مگر وہ اسی عالم میں نماز پڑھتی رہتی۔ اس کو حاضری لگوانے کی دھن تھی وہ اللہ کو بتانا چاہتی تھی کہ زندگی کی تمام تر مصروفیات کے باوجود وہ اللہ کو یاد کرتی ہے۔ اس کے پاس اللہ کو یاد کرنے کا وقت ہے وہ اس کے آگے سر جھکائے بغیر سو نہیں سکتی۔ ایسے میں جب وہ مدہوشی اور بیداری کے درمیان کسی جذبے کی لذت سے آشنا ہونے کو ہوتی، اسے یوں محسوس ہوتا کہ رابعہ جی نے آواز دی ہے۔ وہ چونک جاتی۔ آواز اسے صاف سنائی دیتی۔

''بی بی ہاجرہ'' کتنی دیر تک اس آواز کی گونج اس کے کانوں میں رہتی مگر وہ جلدی جلدی نماز کے الفاظ ادا کرنے لگتی۔ سلام پھیر کے پہلا کام وہ یہ کرتی کہ رابعہ جی کے سرہانے کھڑی ہو کر پوچھتی۔

رابعہ جی۔ آپ نے مجھے بلایا؟''

کبھی تو رابعہ جی سوتے رہ جاتے، ٹس سے مس نہ ہوتے اور کبھی ذرا سا پرے کھسک کے بازو کا تکیہ بنا دیتے۔

''پگلی ایسے میں اٹھ کر ان سے پوچھنے مت آیا کر'' کئی بڑی بوڑھیوں نے اسے سمجھایا تھا'' جس وقت تو مصلے پر بیٹھی ہو تو صرف اللہ کی طرف دھیان رکھا کر اس وقت شوہر بھی بلائے تو مت جایا کر۔''

''مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے اماں جی'' وہ ہمیشہ اداسی سے کہتی'' اللہ تو کہتا ہے کہ میرے احکام پورے کرو اور پھر شوہر کو اس نے مجازی خدا کا درجہ دیا ہے۔ میں مجازی خدا کی آواز پر نہ اٹھوں تو اپنے خدا کو کیسے خوش رکھ سکتی ہوں۔''

''ہائے ہائے کرموں جلی۔'' بڑی بوڑھیاں اس کی عقل کا ماتم کرتیں۔'' عبادت عبادت ہوتی ہے اور عبادت سے بڑی شے کوئی نہیں ہوتی۔''

'' عبادت کیا ہوتی ہے اماں جی؟'' وہ حیران ہو کر پوچھتی'' اگر اللہ کے بندوں کا خیال نہ رکھا جائے اور صرف عبادت کی جائے تو کیا اس سے اللہ خوش ہوتا ہے؟''

''ہاں خوش ہوتا ہے۔'' کوئی جواب دیتی'' اسی نے تو حکم دیا ہے کہ میری عبادت کرو۔''

مگر اماں جی۔ عبادت کے لئے تو اس نے کروڑہا فرشتے بھی بنائے ہیں۔ میرا خیال ہے انسانوں کو عبادت کے ساتھ ساتھ کچھ اور بھی کرنا چاہیے۔''

'' دن کو بچے پیدا کرنے چاہئیں اور رات کو خصم کی خدمت کرنی چاہیے۔''

کوئی دل جلی طنز کا بڑا پتھر کھینچ کر مارتی۔ اس پر ساری عورتیں بی بی ہاجرہ کی ہنسی اڑانے لگتیں اور بی بی ہاجرہ سر پر دوپٹا اوڑھ کر اپنے کٹے پھٹے ناخن دیکھنے لگتی۔ کیا کرتی عجیب بے کلی اس کے کلیجے کو لگی تھی۔

جی اس کا چاہا کرتا کہ ساری دنیا چھوڑ دے اور بس دن رات مصلے پر بیٹھی رہے۔ مگر رابعہ جی نے اسے بچے پیدا کرنے کی مشین بنا دیا تھا۔ سات لعل گود میں آئے تو اس کے احساس تشکر کی کمر جھک گئی۔ اب تو اسے صرف اللہ کا شکر ادا کرنے کے لئے پانچ وقت سجدہ کرنا ہوتا۔

عشاء کے وقت اسے لمبی نماز پڑھنے کا چسکا تھا مگر جب سے بچے ہونے لگے تھے، اسے معلوم نہیں تھا وہ کتنی نماز کس عالم میں پڑھ جاتی ہے۔ دعا بھی مانگتی ہے

یا نہیں...... اگر راجہ جی نہیں پکارتے تھے تو کسی بچے کے رونے کی آواز آ جاتی تھی۔

"یا اللہ، وہ دل ہی دل میں معافی مانگتی۔" ماں کا دل ایسا کیوں بنایا ہے؟ بچے کے رونے کی آواز آتی ہے تو ماں کا دل نماز میں بھی نہیں لگتا۔ جی چاہتا ہے۔ نماز کا حلقہ توڑ کے اپنے جگر گوشے کے پاس پہنچ جاؤں۔ اتنا زبردست ہے یہ ماما کا جذبہ کیا کروں؟ میرا تو سارا دن اس جذبے سے لڑتے گزر جاتا ہے۔"

ایک رات جب گرما کی چاندنی گھر گھر نشہ اور خوشبو تقسیم کرتی پھر رہی تھی بی بی ہاجرہ کاموں سے جلدی فارغ ہو کر راجہ جی کے پاؤں دبا کر انہیں اچھی طرح سلا کر مصلے پر جا بیٹھی۔ آج تو دوپہر کو بھی سونے کی فرصت مل گئی تھی۔ اس لیے اعصاب تھکے ہوئے نہیں تھے بی بی ہاجرہ نے عشاء کی نماز ختم کر کے نوافل شروع کر دیئے۔ اسے بچپن سے عادت تھی کہ عشاء کی نماز کے بعد نفل پڑھا کرتی تھی آج عرصہ دراز کے بعد نوافل پڑھنے کی مہلت مل گئی تو جیسے دل کے بند دریچوں سے معطر جھونکے اندر آنے لگے۔ وہ اپنی ترنگ میں سجدے پہ سجدہ کئے جا رہی تھی کہ ایک آواز نے چونکا دیا۔

"بی بی ہاجرہ۔" اس نے سلام پھیر کر ادھر ادھر دیکھا۔ آواز کا جھونکا اس کی سماعت کی کھڑکی سے ٹکرا کر جا چکا تھا۔ بازگشت کی طرح اس کا اپنا نام اس کے کانوں میں بج رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ آواز کی طرف دھیان نہ دے۔ آج یونہی پڑھتی رہے۔ جس نے بلایا ہے وہ دوسری مرتبہ بھی آواز دے گا اور وہی ہوا۔ غنودگی تھی یا مدہوشی۔ قیام اور قعود کے درمیان کوئی گھڑی تھی جب پلک لگ گئی تھی۔ پھر آواز آئی۔

"بی بی ہاجرہ۔"

بی بی ہاجرہ نے سلام پھیرا۔ ادھر ادھر دیکھا۔ مصلے سے اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا مگر وہ اپنا نام نافرمان بندوں میں نہیں لکھانا چاہتی تھی۔ اس لیے ننگے پاؤں چلتی ہوئی راجہ جی کے سرہانے کھڑی ہو گئی اور آہستہ سے بولی۔

"راجہ جی آپ نے مجھے بلایا۔"

راجہ جی تو ہلے بھی نہیں۔ پھر دوبارہ پوچھا۔ کوئی جنبش نہیں ہوئی۔ تیسری مرتبہ پوچھ کر مڑنے کو تھی کہ راجہ جی کی آنکھ کھل گئی۔ سرہانے وہی چاند روشن تھا۔ جس نے ہمیشہ بن کہے راجہ جی کی راتیں روشن کی تھیں۔

"آپ نے مجھے بلایا راجہ جی؟"

بی بی ہاجرہ کی آنکھوں میں ایک التجا تھی ایک احتجاج تھا کہ آج نہیں۔ راجہ جی آج نہیں آج میرا جی مصلے سے اٹھنے کو نہیں چاہ رہا۔ آج کچھ اور ہی صورت ہے۔

پچھلی رات کی ٹھنڈی چاندنی راجہ کے پہلو میں گدگدی کر رہی تھی اور نرم ہوا میں نامعلوم پھولوں کی باس رچی تھی۔ یہ پچھلے شب کی ہوا بھی بڑی ظالم ہوتی ہے تھپک تھپک کے مدہوش کر دیتی ہے۔ یا پھر نشہ پلا کر جذبات بھڑکا دیتی ہے۔

راجہ جی نے سر اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا پھر کھسک کر پرے ہو گئے۔ پہلی بار بی بی ہاجرہ کے پہلو میں ایک برچھی سی لگی۔ عجیب ہے یہ زندگی دو انسان ایک ساتھ دوڑتے رہتے ہیں۔ مہ و سال گزرتے رہتے ہیں مگر وہ ایک دوسرے کی گرد کو بھی نہیں پا سکتے مانا کہ بی بی ہاجرہ ایک اطاعت شعار بیوی ہے۔ پر راجہ جی کے بھی تو کچھ فرائض ہیں۔ ایک دم آسمان سے زمین پر چھلانگ لگانا کس قدر مشکل ہے۔

اس نے نظر اٹھا کر زمین پر بچھے ہوئے مصلے کو دیکھا ہوا سے اس کا ایک کونا بار بار اٹھ رہا تھا۔ جیسے گردن اٹھا کر اسے دیکھ رہا ہو۔ اس کے فیصلے کا منتظر ہو۔

"مصلے اور سیج کے درمیان پوری کھائی ہے۔" اس

نے حسرت سے سوچا اور پھر رابعہ جی کی طرف دیکھا جو بستر کے ایک طرف کھسک گئے تھے۔ پتہ نہیں خدا کس طرف ملے گا؟ رات کا اسرار بڑا زوردار تھا وہ انکار کے لیے جرات اکٹھی کرنے لگی اس وقت اس کا تن نفسانی آرزوؤں سے خالی ہو چکا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے تمنا کا ہر پھڑکتا ہوا پرندہ اس نے اپنے ہاتھوں فضا میں اڑا دیا تھا۔ ستارے اسے رات کو راستہ دکھانے والی مشعلیں لگ رہے تھے۔ کہکشاں کا راستہ۔ نئی منزل کی طرف روشنی گرا رہا تھا۔ آج پھر بہت دنوں بعد اس نے اپنے رب سے ایک رات مانگی تھی۔ اتنی عمر گزر گئی۔ پیار سے پکار ہی نہ سکی تھی۔ آج پیارا منڈ گھمنڈ کر آیا تو پیا تھ ہی پیا نے پکار لیا۔ اس نے کبھی انکار نہیں کیا تھا۔ رابعہ جی کے آگے انکار کرنے کو وہ گناہ سمجھتی تھی۔ پر آج جی چاہ رہا تھا کہ یہ گناہ کر بیٹھے۔ اس زاہد کی طرح جو سماع کا مزا لوٹنے کو تھوڑی سی پی لیتا ہے۔ آج اپنے جی کو منوانے کو جی چاہ رہا تھا۔ آج ٹھنڈی ہوا کے دوش پر بہت دور جانے کی تمنا تھی۔

''کوئی بات نہیں۔ کبھی تو مجھے اپنی بات منوانی چاہیے اور پھر یہ کون سی بری بات ہے؟''

''اپنی بات منوانا، اپنی خواہش پوری کرنا، اپنی ذات کو سامنے رکھنا کمینے انسانوں کا کام ہے ہاجرہ۔''

اماں درویش اس کے سامنے آ گئی۔

اماں درویش کا اس نے جھوٹا پیا تھا۔ ان کی میل دھوئی تھی۔ ان کے پاؤں دابے تھے۔ ان کا قرب حاصل کیا تھا۔ اماں درویش جس رات بیاہی گئیں اسی رات بیوہ ہو گئیں گھونگھٹ اٹھا کر جو کفن دیکھا تو پھر دنیا سے جی بیزار ہو گیا۔ ہمیشہ سفید کپڑے پہنے۔ زیورات سے متنفر ہو گئیں جب بڑے بوڑھوں نے دوسری شادی کے حق میں دلیلیں پیش کیں تو اماں درویش نے روزے رکھنے کی قسم کھا لی۔ پورے چالیس سال اماں درویش نے روزے رکھے یہ تو صرف بی بی ہاجرہ جانتی تھی......

کہ وہ سحری کے وقت جو کی ایک روٹی اور دودھ کا ایک گلاس پیتی تھیں اور افطاری میں برائے نام سا کھانا۔ ان کی مقدس جوانی یوں کملا گئی جیسے کوئی تر و تازہ گلاب توڑ کے کلام پاک کے اوراق میں رکھ دے پھر کسی نے اماں درویش کو شادی کرنے کے لئے نہیں کہا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں بیوہ ہوئیں اور اٹھائیس سال کی عمر میں وہ ایک برگزیدہ ہستی تھیں جنہیں احتراماً سب اماں اماں کہتے نہ تھکتے تھے۔

''بی بیو! اپنی بات منوانا، اپنی خواہش پوری کرنا، یا اپنی ذات کو سامنے رکھنا کمینے انسانوں کا کام ہے۔ جب تک تم اپنی ذات کی نفی نہیں کرتے، دنیا کو کچھ دے نہیں سکتے۔ دنیا میں اسی لیے دکھ زیادہ ہیں کہ ہر کوئی لینا چاہتا ہے دینا نہیں، خداوند تعالیٰ بے حساب دیتا ہے۔ تم اس کو خوش رکھنا چاہتے ہو تو دو۔ لال پیارا ہے تو لال دو۔ مال عزیز ہے تو مال قربان کر دو۔ حسن پر عزیز، سب سے پیاری شے، جان سے اچھی تمنا اور نہیں تو عزیز ترین لمحہ ہی کسی کو دے دو۔ یہی اپنی ذات کی نفی ہے اپنی ذات کی نفی کرنے والے اور اللہ کی ذات کو برحق ماننے والے اللہ کو بہت پسند ہیں۔''

کبھی کبھی بارہ سالہ ہاجرہ رات کو اٹھ کر کوٹھڑی میں بیٹھی حیرت سے ان کا چہرہ تکا کرتی تو وہ ہنس کر اس کی طرف دیکھتیں، پھر ہنستے ہنستے رو پڑتیں اور کہتیں۔

''ہاجرہ دعا کیا کر اللہ مجھے بخش دے، میں نے دنیا میں کوئی نیک کام نہیں کیا۔ اٹھارہ سال میں بیوہ ہو گئی تو مصلے کو پکڑ لیا۔ پہلے تو اللہ کے ساتھ ناراضگی تھی پھر اللہ سے دل لگا لیا۔ دیکھ تو لوگ خواہ مخواہ میری عزت کرتے ہیں میرے آگے پیچھے پھرتے ہیں۔ طرح طرح کے کھانے پکا کر میرے لیے لاتے ہیں۔ میں نے بس اللہ ہی سے تو لو لگائی تھی اس نے میرے اردگرد چاندنیاں اور محبتیں بچھا دیں۔ ایک بات کا قلق رہتا ہے مجھے، میں نے اللہ کے بندوں کی خدمت نہیں کی۔ ہاجرہ یاد رکھنا

اللہ ان بندوں کو بہت پسند کرتا ہے جو اللہ کے بندوں کی خدمت کرتے ہیں۔ عبادت تو چاند سورج بھی کر رہے ہیں شجر حجر کر رہے ہیں، پرند چرند بھی کر رہے ہیں فرشتے بھی مقرر ہیں۔ ہاجرہ وہاں رہنا چاہیے جہاں اپنی ذات کی نفی ہو، ہمیشہ دو راستے نکلتے ہوں اور تمہارا ضمیر فلاح کا راستہ اختیار کر لے۔ فرار کا راستہ کوئی راستہ نہیں ہاجرہ تم یاد رکھنا میں نے فرار کا راستہ چنا تھا۔ مجھے اس کا ہمیشہ قلق رہے گا۔"

"آئی راجہ جی۔ مصلیٰ لپیٹ دوں۔"

یہ کہہ کر بی بی ہاجرہ جلدی سے ہوا کے اشاروں پر اڑتے ہوئے مصلے کی طرف دوڑی اور اسے جلدی جلدی گول گول لپیٹنے لگی کہ کہیں نیت میں فرق نہ آجائے، سوچ اور وقت کی اس قلت میں جانے دو چار آنسو کیسے آنکھوں سے لڑھک آئے جو صاف کرنے یاد بھی نہ رہے۔ راجہ نے آنسو محسوس کر کے کہا۔

"رو رہی ہو؟"

"نہیں تو راجہ جی۔" بی بی ہاجرہ نے شگفتگی کا ایک بڑا سا گھونٹ بھر کر کہا۔

"ذرا منہ پر پانی کے چھینٹے مارے تھے۔ نیند سی آرہی تھی۔"

"بی بی ہاجرہ" راجہ جی نیند میں ڈوبی آواز میں بولے" تو جنتی عورت ہے۔ کیوں اتنی عبادت کرتی ہے۔" پھر اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر بولے۔

"جانتی ہو، جنتی عورت کون ہوتی ہے۔؟"

بی بی ہاجرہ نے اپنی سانس روک لی۔

"جس سے اس کا خاوند بہت خوش ہو۔"

اس پر پھر بی بی کو چھاجوں رونا آیا، مگر اس نے اپنے آنسو پلکوں کی باڑھ میں روک لیے راجہ جی بولتے گئے۔

"ارے پگلی۔ کیوں راتوں کو اپنے آپ کو ہلکان کرتی ہے۔ اگر کہے تو لکھ کر دے دوں۔ پرچہ رکھ لے اپنے پاس، اللہ میاں کو دکھا دینا۔ میں تجھ سے بڑا خوش ہوں۔"

"بی بی۔" ایک دن امان اللہ مسجد سے جلدی لوٹ آیا۔

"کیا بات ہے امان اللہ؟" بی بی ہاجرہ برتن دھوتے دھوتے رک گئی۔

"بی بی ہمارے مولوی جی بیمار ہیں۔ ان کی بیوی میکے گئی ہے۔ آج انہوں نے چھٹی کر دی۔ کہتے ہیں کوئی کھانا پکا کر دینے والا نہیں۔"

"پتر تو نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔"

"پہلے تو مجھے بھی پتہ نہیں تھا۔"

"اچھا ٹھہر جا! میں کھانا پکا کر دیتی ہوں۔ بلکہ تیرے ساتھ چلتی ہوں۔ اگر مولوی جی کو زیادہ بخار ہوا تو ڈاکٹر صاحب کے پاس لے چلیں گے، ٹھیک ہے نا؟"

رات کو جب بی بی ہاجرہ راجہ جی کے پاؤں دبا رہی تھی تو وہ یوں ہنکارہ بھر رہے تھے جیسے پوری توجہ سے اس کی بات سن رہے ہیں۔

"اچھا ملیریا ہو گیا تھا۔ مولوی صاحب کو۔"

"جی راجہ جی" بی بی ہاجرہ نے کہا" میں نے جا کر دیکھا ان کی کوٹھڑی بہت گندی تھی۔ گلی کے باہر جو جوہڑ تھا اس میں سے سارے مچھر اندر آرہے تھے۔ اندر مولوی صاحب پڑے سڑ رہے تھے۔"

"جی راجہ جی۔" بی بی ہاجرہ نے سعادت مندی سے کہا۔

"پھر تو مولوی صاحب کو محلے کے ڈاکٹر کے پاس لے گئی۔"

"جی راجہ جی۔"

"ہاں تو" انہوں نے اخبار ایک طرف رکھ دیا" اور کیا کیا تو نے نیک بخت؟"

"راجہ جی میں نے مولوی جی کا کمرہ جھٹ پٹ صاف کر دیا۔ گلی کے لوگوں کو پکارا سب جھاڑو لے کر

نکل آئے جو بڑ کا پانی نکال دیا۔ گلی چم چم کرنے لگی اور......"

"بس......بس......" راجہ جی نے عینک اتار کر تکیے کے نیچے رکھ دی "تو ایسا کر میونسپل کمیٹی میں ملازمت کر لے۔"

"اچھا راجہ جی۔"

"ہاں تجھے جمعداروں پر داروغہ مقرر کر دیا جائے گا۔ کم از کم پورا شہر تو صاف ہو جائے گا۔" راجہ جی نے ایک بھرپور قہقہہ لگایا اور تکیہ دہرا کر کے آنکھیں موند لیں۔ ہکا بکا ہاجرہ بی بی بس ان کے خراٹے سننے تک بیٹھی رہی۔

بڑی بے سکون نیند ہوتی ہے اگر کسی گھر سے رات کو مسلسل بچے کے رونے کی آواز آئے۔ یہ تو بچوں والی مائیں ہی جان سکتی ہیں۔ ایک گھر ہی نہیں کئی گھر پار کر جاتی یہ آواز۔ تھکی ہاری بی بی ہاجرہ بے سکونی سے کروٹیں بدلنے لگی۔ محلے کے کسی گھر سے کسی بچے کے رونے کی دلخراش آواز آ رہی تھی۔ بچے عام طور پر دودھ کے لیے رویا کرتے ہیں۔ دو تین بار چیختے ہیں۔ مائیں تھپک کر سلا دیتی ہیں یا جلدی سے منہ میں دودھ ڈال دیتی ہیں لیکن کوئی بچہ مسلسل چیختا رہے، لمحہ بھر کو اس کا منہ بند نہ ہو تو اسے کوئی تکلیف ہوتی ہے۔

بی بی ہاجرہ اٹھ بیٹھی۔ گھڑی دیکھی۔ ڈھائی بجے تھے۔ وضو کر کے مصلے پر آ گئی۔ تہجد کے نفل ہی پڑھ لے۔ اسی وقت بچہ اس طرح تڑپا جیسے اسے کسی نے خنجر گھونپ دیا ہو۔ بی بی ہاجرہ کا کلیجہ ہل گیا۔ اسی طرح چادر لپیٹ کر دروازے کی طرف بڑھی۔ آہستہ سے کنڈی کھول کر باہر نکل گئی۔ آواز کی سمت مقرر کر کے اس طرف چل پڑی۔ اس کا خیال تھا۔ نزدیکی گلی میں کوئی بچہ ہے شاید۔ مگر یہ آواز تو بہت دور سے آ رہی تھی۔ شاید رات کے سناٹے کو چیر کر اتنی دور کا سفر کر رہی تھی اپنے محلے سے باہر نکل کر جھگیاں تھیں جہاں جمعدار رہتے تھے۔ مٹی کے تیل کا چراغ جلائے ایک پریشان حال عورت گندے غلیظ بچے کو کبھی تھپکتی کبھی لٹاتی، کبھی چھاتیوں سے لگا لیتی ایک غصیلا اور میلا کچیلا آدمی دور بیٹھا حقہ پی رہا تھا اور اپنی سرخ آنکھوں سے بچے اور ماں کو یوں دیکھ رہا تھا، جیسے ان کا خون پی جائے گا۔

بادِ سحری کے بدمست جھونکے چل رہے تھے اور سارے جھگیوں والے جھلنگی چار پائیوں اور بدبودار بستروں پر بے سدھ، بے ہوش سو رہے تھے اور ایک انسان کا بچہ چیخ چیخ کر ادھ موا ہو گیا تھا۔ بی بی ہاجرہ خوف کھائے بغیر آگے بڑھی اور بولی۔

"کیا ہوا ہے ری تیرے بچے کو۔"

"پتہ نہیں بیگم صاحبہ" وہ بے اختیار رو دی۔" دو گھنٹے ہوئے چلائے جاتا ہے۔ اس کے ابا کو جگایا مگر وہ کہتے ہیں اس وقت میں کہاں لے کے جاؤں؟"

"لا مجھے دے۔" بی بی ہاجرہ نے ہاتھ پھیلا دیئے۔ بے خیالی میں تسبیح ساتھ لے آئی تھی۔ اس کو جلدی سے گریبان میں ڈالا اور بچہ پکڑ لیا۔ کالا سیاہ بچہ درد کی شدت سے رو رو کر سیاہ تختہ بن گیا تھا۔ چہرے کی رگیں بھی دکھ رہی تھیں اور منہ بالکل خشک ہو چکا تھا۔ وہ تو بی بی ہاجرہ کے ہاتھوں سے بھی پھسلا جا رہا تھا۔

بی بی ہاجرہ گندی چار پائی پر بیٹھ گئی۔ بڑی مشکل سے پھسلے بچے کو اپنے ہاتھوں میں سنبھالا۔ لالٹین قریب منگائی اور غور سے بچے کو آگے پیچھے سے دیکھا پھر اس کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر فضا میں لٹکا دیا۔ ایک چیخ مار کر بچے نے اپنی ٹانگیں سکیڑ لیں۔

"تیرے بچے کے پیٹ میں درد ہے ری۔" انہوں نے آہستہ سے کہا۔

"ہائے میں نے تو اسے کچھ بھی نہیں کھلایا۔ دودھ پیتا بچہ ہے کیا کروں؟ جب کام پہ جاتی ہوں تو اسے چھوڑ کر جانا پڑتا ہے۔ جانے کیا شے اٹھا کر منہ میں ڈال

بی بی کی۔" ماں روتی جاتی اور معذرت کرتی جارہی تھی۔

"تیرے پاس گرائپ واٹر ہے۔"

"جی نہیں۔"

"میں پیسے دے دوں گی صبح لے آنا۔ میٹھا تیل تو ہو گا۔"

"جی ہے۔"

"تھوڑی سے سونٹ ایک الائچی اور پودینے کے پتے ابال کر لے آ۔"

وہ بھاگ کے سونف اٹھا لائی۔ گندی پڑیا۔ بی بی ہاجرہ کے ہاتھ میں پکڑا کے وہ جلدی سے تیل گرم کرنے بھاگی۔

بی بی ہاجرہ نے مٹی اور چونٹیوں سے لدی سونف کو پھونکیں مار کر صاف کیا اور تھوڑی سی سونف ہتھیلی پر رکھ کر منہ میں انڈیل لی دھیرے دھیرے اسے چباتی رہی اور ساتھ ہی درود شریف بھی پڑھتی رہی۔ جب منہ میں لعاب سا بن گیا تو پھر جمعدارنی سے چمچہ منگایا لعاب اس میں انڈیلا اور بچے کا منہ کھول کے زبردستی اس میں انڈیل دیا۔ اتنے میں جمعدارنی تیل گرم کر کے لے آئی۔ بی بی ہاجرہ نے بچے کو تکیے پر الٹا دیا اور دھیرے دھیرے پسلیوں کے اردگرد نیم گرم تیل سے مالش کرنے لگی۔ چلاتا ہوا بچہ آپ ہی آپ چپ ہو جانے لگا۔ آواز مدھم ہوتے ہوتے ڈوب گئی۔ پھر اسے سیدھا کر کے مالش کی۔ بچہ اس قدر نڈھال ہو چکا تھا کہ آنکھیں کھول کر بی بی ہاجرہ کا جائزہ بھی نہیں لے سکتا تھا۔ اتنے میں جمعدارنی قہوہ بنا کر لے آئی۔

"اس میں تھوڑی سی شکر ملاؤ اور بوتل میں ڈال کے لے آؤ۔"

بی بی ہاجرہ نے کمزور بچے کو لنگوٹ باندھا اس کے پیٹ کو ایک میلی چادر میں لپیٹا اور پھر گود میں لٹا کے آہستہ آہستہ قہوہ پلا دیا قہوہ پیتے ہی اسے ڈکار آ گئی۔ جونہی بچے کا درد کم ہوا بچہ سو گیا۔

جس وقت بچہ بی بی ہاجرہ کی گود میں سو رہا تھا، اور اس کی ماں زمین پر بیٹھی رو رہی تھی اور اس کا باپ حقہ ایک طرف رکھ کے بی بی ہاجرہ کے سفید چادر کے ہالے میں چمکدار چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ اس وقت فجر کی اذان ہو رہی تھی۔

"آج بھی تہجد نہ پڑھی جا سکی۔" بی بی ہاجرہ نے سوچا۔

جب سے اس کے بچے ہونے لگے تھے، وہ باقاعدہ تہجد نہیں پڑھ سکتی تھی۔ اگر کبھی دو چار دن موقع ملا بھی تو پھر کوئی نئی مصروفیت بڑھ گئی۔

جب بچہ گہری نیند سو گیا تو بی بی ہاجرہ نے اس کی ماں کی گود میں بڑھا دیا اور بولی۔

"جب بھی بچہ راتوں کو اس طرح روئے، سوچا کرو اسے کوئی تکلیف ہے بڑا آدمی تو اپنی تکلیف بتا سکتا ہے بچہ نہیں بتا سکتا۔ بچے کے پیٹ کو چھو کر دیکھو تو پتہ چلتا ہے۔ غور کیا کرو اسے جسم کے کسی حصے میں درد تو نہیں ہو رہا۔ اب تم بستر اندر لے جاؤ اور جا کر اس بچے کے ساتھ سو جاؤ۔ ساری رات جاگی ہو۔

دن چڑھے میرے پاس آنا بچے کو ڈاکٹر کو دکھا دوں گی اور دوائیاں بھی لے دوں گی۔" بی بی ہاجرہ جب گھر میں داخل ہوئی تو راجہ جی اپنے بستر پر قمیص کے بغیر عینک لگائے بیٹھے تھے اور صبح کا اخبار پڑھ رہے تھے۔

"آ گیا۔ اللہ کا فرشتہ۔" انہوں نے عینک میں سے اسے دیکھا اور طنزیہ ہنسے۔ "اب تو تیرے پاس خفیہ پیغام آنے لگے ہیں۔"

بی بی ہاجرہ نے کچھ نہیں کہا۔ ہوا کے اشاروں پر اس کا مصلے اڑ کر دور چلا گیا تھا۔ جدھر جدھر وہ گول گول گھومتا ادھر ادھر وہ دیکھتی۔

"ہاں تو خدمت خلق کر آئی ہو۔ کہاں گئی تھیں؟ کہیں تم نے بھی راتوں کو بھیس بدل کے رعایا کا حال تو معلوم نہیں کرنا شروع کر دیا۔ ایسا کرو۔ ایک ادارہ کھول

لو۔" شاید ابھی وہ کچھ اور بھی کہتے بی بی ہاجرہ نے لپک کر دائروں میں گھومتا ہوا مصلیٰ پکڑ لیا اور جلدی سے بولی۔

"پہلے میں نماز پڑھ لوں۔ قضا ہو جائے گی۔"

بی بی ہاجرہ ایک شادی سے واپس آ رہی تھی خوب اچھے کپڑے پہن رکھے تھے۔ ہار سنگھار کی شوقین تھی اس وقت بھی ہاتھوں میں موتیا کے گجرے تھے گلی میں داخل ہوئی تو رونے کی آوازوں نے اس کے قدم پکڑ لیے۔

"کیا ہوا؟ کون مر گیا ہے؟"

"جی دائی شرماں کا شوہر مر گیا ہے۔"

دائی شرماں بڑی مظلوم عورت تھی گرمیوں میں تنور پر روٹیاں پکاتی اور سردیوں میں لحاف گدے سی کر گزارا کرتی تھی۔ اس کا شوہر کرم دین نشے کا عادی تھا۔ وہی فلمی کہانی، جو کچھ کماتی چھین کر لے جاتا اور جوئے میں ہار آتا۔ ایک بیٹی تھی دائی شرماں کی جسے اس نے محلے والوں کی مدد سے بیاہ دیا تھا روز ان کے گھر سے مار کٹائی کی آواز آتی تھی۔ باقاعدہ وہ شرماں کو پیٹا کرتا تھا اور مرنے سے تھوڑی دیر پہلے بھی اس نے شرماں کو مارا تھا اس کے مرنے پر شرماں نے میلی کچیلی چوڑیاں توڑ دی تھیں اور اب بین کر کر کے کہہ رہی تھی "میرا سہاگ لٹ گیا۔ میرا تخت لٹ گیا۔"

محلے والے پرسہ دینے کی بجائے ایک آدھ ڈانٹ پلا کے چلے جاتے۔

"اچھا ہوا پاپی مر گیا۔ کیا سکھ دیا تھا اس نے تجھے؟"

مگر بی بی ہاجرہ نے ہاتھوں کے گجرے اتار کر کچی دیوار کی منڈیر پر رکھ دیئے۔ اور اندر جا کر شرماں کو سینے سے لگا لیا۔

"بی بی ہاجرہ میں لٹ گئی میں برباد ہو گئی۔" ایک ہمدرد کو دیکھا تو شرماں دائی کا لاوا پھوٹ بہا۔

"صبر کر شرماں، صبر کر۔ ایک دن سب کو جانا ہے۔"

"ہائے بی بی میرا سائیں، میں تو ننگے سر ہو گئی۔"

بی بی ہاجرہ نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"سب کا سائیں اللہ ہے۔ اب کچھ ایسا کر جس کا اسے فائدہ پہنچے۔ رونے چیخنے سے مردوں کو فائدہ نہیں پہنچتا۔ کچھ کفن دفن کا بندوبست کیا ہے؟"

شرماں نے سر جھکا لیا۔

"میں ابھی آتی ہوں۔" کہہ کر بی بی ہاجرہ وہاں سے چل دی۔

پہلے محلے کے مولوی صاحب کے گھر گئی۔ مولوی صاحب اسے دیکھتے ہی احتراماً کھڑے ہو گئے۔ کچھ دن پہلے بی بی ہاجرہ نے بے تحاشا پیسہ خرچ کر کے ان کا علاج کیا تھا۔

"مولوی صاحب! ہمارا فرض یہ ہے کہ جب اللہ کا کوئی بندہ اس دنیا سے گزر جائے تو بڑی عزت اور محبت سے اسے خاک کے حوالے کر دیں۔ دو چار شاگرد ساتھ لے جائیں جو وہاں بیٹھ کر کلام پاک پڑھیں اور اس کی مغفرت کی دعا کریں۔"

شام کو بی بی ہاجرہ خود کھانا پکا کے دائی شرماں کو کھلانے لگی۔

دیکھتے دیکھتے بی بی ہاجرہ کے گرد ضرورت مندوں کا ایک خاموش ہجوم ہو گیا۔ جسے صرف بی بی ہاجرہ ہی دیکھ سکتی تھی۔ شاید ضرورت مندوں نے سلیمانی ٹوپی پہن رکھی تھی وہ دوسرے لوگوں کو نظر نہیں آتے تھے۔ کسی کا داخلہ جاتا ہے۔ کسی کی فیس کی تاریخ گزر گئی ہے، کسی کی بیٹی کی شادی کی تاریخ سر پر آ گئی ہے۔

بی بی ہاجرہ نے محدود آمدنی میں قرض حسنہ کی سبیل لگا رکھی تھی۔ جب کسی کو سہولت ہوتی قرضہ لوٹا دیتا اور کبھی نہ بھی لوٹاتا۔ گھر میں کس قدر کام بڑھتے جا رہے تھے۔

امان اللہ خیر سے ایم ایس سی میں پہنچ گیا مگر کیسا

فرماں بردار اور شرمیلا سا تھا۔ بچے سارے صحت مند، تابعدار اور پڑھائی کے شوقین تھے۔ باپ سے بہت ڈرتے تھے۔ مگر بی بی ہاجرہ سے دل کی ہر بات کہہ جاتے تھے۔

ایک رات بی بی ہاجرہ۔ رلجہ جی کے پاؤں دباتی دباتی ذرا اور قریب آ کے بیٹھ گئی اور بولی۔

''رلجہ جی...... زبیدہ کی ماں بھی مرگئی ہے۔''

''وہ کون ہے بھئی زبیدہ......؟'' انہوں نے سر اٹھا کر بی بی ہاجرہ کی طرف دیکھا۔

''ایک آپ کی چچا زاد بہن تھی نہ سعیدہ۔ کبھی کبھی آیا کرتی تھی۔ بیوہ تھی۔''

''ہاں...... ہاں۔''

''اسی کی بات...... کر رہی ہوں۔ چار چھوٹے بھائی ہیں اور ایک بڑی بہن ہے۔''

''ہاں'' انہوں نے تکیے پر سر نکالیا۔ ''مدد کر دیا کرو ان کی۔''

''یہ بات نہیں رلجہ جی۔''

رلجہ جی نے پھر آنکھیں کھولیں۔

''لڑکی جوان ہے۔ بچے چھوٹے ہیں۔''

''تو میں کیا کروں؟ اس کا کوئی رشتے دار آ کے اسے لے جائے گا۔''

''نہیں رلجہ جی۔ اس زمانے میں ایک جوان لڑکی اور چار چھوٹے بچوں کو کوئی اپنے گھر میں نہیں رکھ سکتا۔''

''تم تو رکھ سکتی ہو؟'' رلجہ جی نے وہی دھیمے طنز کی برچھی ماری۔

''میں اور طرح رکھ سکتی ہوں۔''

''کس طرح؟''

''اگر آپ اجازت دیں تو اپنے امان اللہ کی شادی زبیدہ سے کر دیں۔''

''کیا امان اللہ نے تم سے کہا ہے؟''

''نہیں جی۔ اس بے چارے کو تو خبر ہی نہیں۔''

''اس سال تعلیم تو ختم ہو جائے گی۔ ملازمت بھی کر ہی لے گا۔ میں چاہتی ہوں اس کی زبیدہ سے شادی کر دوں اور وہ جا کر زبیدہ کے گھر میں رہنا شروع کر دے ان ننھے منے یتیم بچوں کو امان اللہ کے سوا کوئی نہیں پالے گا باہر سے کوئی آدمی مل گیا تو ان کے ساتھ ظلم کرے گا۔''

''ویسے لڑکے سے پوچھ بھی لو۔ اپنی مرضی اس پر نہ ٹھونسو۔'' رلجہ جی نے ناگواری سے کہا۔

''میں اپنے بچوں کو جانتی ہوں۔''

''پتر۔'' انہوں نے امان اللہ کے سیاہ گھونگریالے چمکدار خوبصورت بالوں پر ہاتھ رکھا۔ ''پتر! صحیح کام وہ ہوتا ہے جو صحیح وقت پر کیا جائے۔ کب کس وقت تم کسی کے کام آ سکتے ہو پھر ساری زندگی پچھتاوا رہ جاتا ہے جو کچھ جوانی میں بویا جاتا ہے وہی بڑھاپے میں کاٹتے ہیں۔''

امان اللہ نے سر نہیں اٹھایا۔

شادی کے روز رلجہ جی نے مسکرا کر صرف اتنا کہا تھا۔

''بی بی ہاجرہ اپنی رضا سے اپنا بچہ دینا چاہتی ہے تو دے دے۔ پھر نہ کہنا میرا بیٹا پرایا ہوا۔''

بی بی ہاجرہ ہنس پڑی ''اللہ نے مجھے چھ اور دیئے ہیں ایک میں نے یتیموں کو دے دیا۔''

باقی کے چھ لڑکے بھی ماشاء اللہ ستونوں کی طرح اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک ڈاکٹر بنا ایک انجینئر، ایک پروفیسر ایک جیالوجسٹ۔ ایک نے کیمسٹ کی دکان کھول لی اور سب سے چھوٹا عبداللہ ریسرچ کرنے کے لئے لندن چلا گیا۔

زندگی کی بس یہی کہانی ہے ہر عورت ہر مرد کو باری تعالیٰ ایک ہی سبق پڑھا کے بھیجتا ہے۔ بچپن کھلونے کی طرح ٹوٹ جاتا ہے۔ جوانی آتی ہے پر بے وفا محبوب کی طرح جانے کا پتا نہیں لگنے دیتی۔ بچپن میں لڑنا

جھگڑنا جوانی میں خواب دیکھنا۔ اس کے علاوہ ہر انسان
اس دنیا میں سے اپنا اپنا حصہ چن لیتا ہے۔ اس دنیا میں
ہر شے کی بہتات ہے شر چننا چاہو تو دامن انگاروں سے
بھر جاتا ہے خیر کی طرف ہاتھ بڑھاؤ تو چاروں کھونٹ
گلزار کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بے شک ہر انسان اپنی
نیت اور اپنے حوصلے کے مطابق طلب کرتا ہے۔

مگر کہانی تو وہیں پر ختم ہوتی ہے۔

ساری زندگی دوسروں کو آزار پہنچاتے رہو یا مسیحا
بن کے انسانیت کے جسم سے کانٹا کانٹا چنتے رہو۔ شام
ہو ہی جاتی ہے۔

بی بی ہاجرہ مصلے پر بیٹھی تسبیح کر رہی تھی ساری
زندگی اپنے رب سے گلہ رہا۔ فرصت نہیں ہے، فرصت
نہیں ہے جتنے سانس اتنے کام۔ اب سانس کم رہ گئے
تھے تو کام بھی گھٹ گئے تھے مگر اعضاء اور قویٰ ساتھ
چھوڑتے جا رہے تھے۔ جوانی میں عبادت کا مزہ ہی اور
ہوتا ہے بڑھاپے میں عبادت کرنا یوں ہے جیسے کوئی بے
موسم کا آم کھانے بیٹھ جائے اب لمبی نمازیں پڑھنے کی
فرصت تھی مگر تھک جاتی کبھی سر میں چکر اور کبھی گھٹنے
میں درد۔ کبھی پیٹ کا اپھارہ تو کبھی دانت کا درد۔ اور نیند
بھی تو وہ پہلے جیسی نہیں تھی۔ نیند پہلے جیسی نہ رہی تو
آوازوں کا بھرم کھلنے لگا بی بی ہاجرہ بہت حیران تھی
پریشان تھی اور بے جان سی بیٹھی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے
جب نماز پڑھتے پڑھتے اونگھ آ گئی تھی تو جیسے اسے کسی
نے پکارا تھا۔

''بی بی ہاجرہ''

وہ چونک کر جاگ گئی پھر گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا اس
وقت گھر میں کوئی نہیں تھا۔ رلجہ جی گو ریٹائر ہو چکے
تھے۔ مگر اب زیادہ گھر میں نہیں نکلتے تھے۔ ایک حافظ
صاحب سے یارانہ ہو گیا تھا۔ روز رات کو درس سننے ان
کے ہاں چلے جاتے۔ شادی شدہ بیٹے اوپر کی منزل پر
رہتے تھے اور کنوارے سر شام ہی باہر نکل جاتے تھے بی
بی ہاجرہ ابھی تک سب کام اپنے ہاتھ سے کرتی تھی اور
اللہ نے ہمت دے رکھی تھی۔

ایک روز فجر کی نماز کے وقت پڑی سوتی تھی، کسی
نے اتنی زور سے آواز دی۔ جیسے جھنجوڑ کر جگا دیا ہو گھبرا
کر اٹھ بیٹھی رلجہ جی ساتھ والے پلنگ پر نہیں تھے گھر
میں سناٹا تھا اس روز پہلی مرتبہ بی بی ہاجرہ خوف زدہ ہو
گئی۔ یہ آواز رلجہ جی کی نہیں تھی۔ یہ آواز رلجہ جی کی
آواز سے بالکل مختلف تھی۔ پتہ نہیں کیسی آواز تھی؟ اور
اس آواز کو وہ ہمیشہ رلجہ جی کی آواز سمجھتی رہی۔

وہ جلدی سے اٹھ بیٹھی۔ نماز ادا کی۔ مگر یوں
چاروں کونوں میں دیکھتی رہی جیسے کوئی آنے والا ہے۔
آ جائے گا یا پھر پکارے گا۔ پہلے اس کا دل چاہا رلجہ جی
سے بات کرے مگر رلجہ جی سے کیا بات کرے۔ وہ تو کئی
دنوں سے پہلے ہی کہہ رہے تھے۔

''بی بی ہاجرہ تیرے کان بجتے ہیں۔ میں نے کہا
نا؟ تیرے کان بجتے ہیں۔ تو نیک بی بی ہے۔ ساری
زندگی تیرے کان بجتے رہے۔''

یہ کہتے وقت رلجہ جی کے چہرے پر جوانی کا چاند
سایہ ذرا کی ذرا دم لیتا۔ وہ جیسے اس سائے میں ستا
کے مسکراتے اور پھر کہتے۔

''پر تیرے کانوں کی وجہ سے ہمارا وقت تو اچھا
گزر گیا۔ اسی لئے تو کہتا ہوں تو جنتی عورت ہے۔''

آج مصلے پر بیٹھی بیٹھی بی بی ہاجرہ لرز گئی۔ کیا واقعی
میرے کان بجتے ہیں۔ مگر ہر وقت کیوں نہیں بجتے؟
عین اس وقت جب وہ بیداری اور مدہوشی کے درمیان
ایک نازک سی لکیر پر کھڑی ہوتی ہے تو کوئی اسے پکار
لیتا ہے اور اس کے بعد یقین اور بے یقینی کی پرچھائیاں
اس کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلنے لگتیں۔ پتہ نہیں کسی نے
پکارا تھا یا اس کا وہم تھا؟ پتہ نہیں انسانی آواز تھی یا نہیں
اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ اس کے کان بجتے ہوں جوانی
میں وہ رلجہ جی سے بہت ڈرا کرتی تھی۔ اٹھتے بیٹھتے ان

کی آواز اس کے کانوں میں گونجتی رہتی خفا نہ ہو جائیں، ڈانٹ نہ دیں، ملامت نہ کر بیٹھیں مگر اب تو وہ اونچی آواز میں بولتے بھی نہیں تھے گھر میں یوں رہتے جیسے سات ستونوں کے نیچے مطمئن اور خاموش زمین۔

اس رات شب معراج تھی۔ محلے میں کسی نے میلادالنبیؐ کی محفل سجائی تھی اور بی بی ہاجرہ کو بطور خاص بلایا تھا بی بی ہاجرہ اب محفلوں میں جانے سے کترانے لگی تھی وہ چاہتی تھی جلدی رات کے کاموں سے فارغ ہو کر اللہ اللہ کرے اور پھر سو جائے تاکہ نور کے تڑکے پھر اٹھ کر جت جائے مگر ایسی حسین محفل کا سن کر وہ اپنے دل کو نہ روک سکی اور چلی گئی۔ پڑھنے والی بیبیاں بڑی اچھی تھیں۔ نعتیں سنتے سنتے بی بی ہاجرہ کی بیقراری بڑھ گئی۔ تو بیتاب ہو کر اٹھ آئی۔

آج تمام رات نفل پڑھنے کا ارادہ تھا۔ اوپر کوٹھے کی چھت پر مصلیٰ بچھا کر بیٹھ گئی۔ بی بی ہاجرہ ہمیشہ کھلے آسمان تلے نوافل پڑھتی تھی۔ وہ کہتی تھی عبادت کا مزہ وہاں آتا ہے۔ جہاں چاروں طرف اللہ کی قدرت نظر آرہی ہو۔

مصلے پر بیٹھی تو ابھی تک ہمسائی کے گھر سے درود صلوٰۃ کی آواز آرہی تھی۔

شب معراج کہا حق نے کہ پیارے آجا
چھوڑ کر فرش کو اے عرش کے تارے آجا

بی بی ہاجرہ نے نوافل کی نیت باندھ لی۔ صحن میں اگربتیوں اور موتیا کے پھولوں کی خوشبو پھیلی تھی اور رات آہستہ آہستہ سونے والوں کے سروں پر سے چپ چاپ گزرنے کا تہیہ کر رہی تھی کہ ایک دم ثناء اللہ گھبرایا ہوا باہر نکلا۔

''بی بی۔ بی بی۔''

پھر وہ آکر بی بی ہاجرہ کے قریب کھڑا ہو گیا بی بی ہاجرہ نے سلام پھیر کے اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

''کیا بات ہے پتر؟''

''بی بی......'' وہ رکتے رکتے بولا۔'' رانی کو بڑی تکلیف ہے۔''

رانی پورے دنوں سے تھی میکے نہیں گئی تھی۔ یہیں پر تھی اور ابھی تو وہ اسے محفل میلاد میں چھوڑ کر آئی تھی بی بی نے مصلیٰ وہیں چھوڑا اور اٹھ کے ثناء اللہ کے ساتھ اندر آگئی رانی کے گلے میں ابھی تک موتیا کے ہار تھے۔ مگر بستر پر پڑی کراہ رہی تھی۔

''کیا ہوا بیٹی؟'' بی بی نے اس کے ٹھنڈے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

''بی بی......'' وہ کراہتی ہوئی رو دی۔'' بڑا درد ہے۔''

''کب شروع ہوا؟''

''شام سے ہو رہا تھا۔ میں نے سمجھا، رات تو گزر ہی جائے گی۔''

''چندا ایسے موقعوں پر بات چھپاتے نہیں، فوراً بڑوں کو بتاتے ہیں۔''

''میں کیا جانتی تھی کہ'' رانی پھر رونے لگی۔

''ثناء اللہ'' بی بی نے پلٹ کر پریشان بیٹے کا چہرہ دیکھا۔'' جاؤ دائی خیر النساء کو بلا لاؤ۔''

''گیا تھا بی بی''

''اچھا! وہ آئی کیوں نہیں؟''

''اس نے مجھے جھڑک دیا۔'' ثناء اللہ نے سر جھکا کر کہا۔'' کہہ رہی تھی۔ ایک ہی رات تو ملتی ہے اللہ کی عبادت کرنے کے لئے ہمارا بھی دل چاہتا ہے ساری رات نفل پڑھیں۔ اللہ کے پسندیدہ بندوں میں شامل ہوں۔ آج کی رات تو ہمیں بخش دیا کرو۔''

''پھر'' بی بی کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

''میں بہت ہی منت سماجت کر کے اسے ذرا سی دیر کے لئے لایا تھا۔ اس نے جلدی سے رانی کو دیکھا اور بولی۔ بچہ کہیں صبح نو بجے پیدا ہو گا۔ میں ساری رات یہاں ضائع نہیں کر سکتی۔ رات کو مجھے نہ بلانا صبح خود

آ جاؤں گی۔ میں اسے اس کے گھر چھوڑ آیا۔ اب واپس آیا ہوں تو یہ درد سے تڑپ رہی تھی۔"

"بچے کی پیدائش کا وقت مقرر ہوتا ہے۔ میرے بچے اور وہ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ تم جاؤ اس وقت کوشش کرو کہیں سے کوئی لیڈی ڈاکٹر یا نرس مل جائے۔"

ثناء اللہ فوراً نکل گیا۔

بی بی نے آ کر رانی کے پیٹ کو دونوں ہاتھوں سے چھو کر دیکھا۔ اس کے چہرے کا پسینہ صاف کیا اور پھر بولی۔

ہمت کرو چندا۔ گھبراؤ نہیں۔ یہ وقت ہر عورت پر آتا ہے اور ایسے میں قدرت خود مدد کرتی ہے چیخنا چلانا نہیں۔ جس قدر ممکن ہو سکے ضبط کرنا۔ اگر پہلے بچے کی دفعہ عورت کے منہ سے چیخیں نکل جائیں تو ہر بچے کی دفعہ وہ چلاتی ہے۔ میں ابھی آتی ہوں۔" یہ کہہ کر بی بی باہر نکل آئی جا کر اپنی پرانی الماری کھولی۔ عرصہ دراز سے مریم بوٹی سنبھال کر رکھی ہوئی تھی۔ وہ اٹھا لائی۔ ایک کھلے منہ والا برتن پانی سے بھرا اور اس میں بوٹی بھگو دی۔ پھر باورچی خانے میں جا کر دودھ کا ایک پیالہ گرم کیا۔ اس میں ایک چھٹانک دیسی گھی، ایک چھوٹی الائچی اور چٹکی بھر ہلدی ڈالی اور دودھ اٹھا کر رانی کے پاس لے آئی اور بولی۔

"اٹھ میری جان یہ گرم گرم دودھ پی لے اس سے درد میں تیزی آ جائے گی۔"

"نہیں بی بی نہیں۔ ابھی تو ڈاکٹر بھی نہیں آئی۔"

"اٹھ تو سہی۔" بی بی نے سہارا دے کر اسے بٹھا دیا۔ وہ گھونٹ گھونٹ دودھ پینے لگی۔ پھر بی بی گھی گرم کر کے لے آئی۔ آہستہ آہستہ اس کا پیٹ سہلانے لگی۔

"اوئی بی بی۔ مجھے نہ چھوئیں میں مر جاؤں گی۔"

"بچی، چندا۔ سب ایسے ہوتا ہے۔ ذرا چپ رہو۔ میں پڑھی لکھی نہیں ہوں۔ مجھے تو یہی ٹوٹکے آتے ہیں۔ دیکھنا، صبح ہونے سے پہلے تو فارغ بھی ہو جائے گی۔ اللہ کا بڑا فضل ہوگا۔

صبح چھ بجے جب تھکا ہارا ثناء اللہ ایک لیڈی ڈاکٹر کو لے کر اندر داخل ہوا۔ بی بی اس کے ننھے کو تولیے میں لپیٹ کر پلنگ پر لٹا رہی تھی۔

"لے بھئی پتر" محمد معراج" تو آ گیا۔" بی بی نے ہنس کر بہو کی طرف دیکھا۔

"ارے بچہ ہو گیا۔" لیڈی ڈاکٹر دوڑ کر آگے آئی۔

"کیا کرتی؟" بی بی نے بے بسی سے کہا۔ "یہ قدرت کے کام ہیں۔ آپ بچے کو دیکھ لیں۔"

زچہ اور بچہ کا اچھی طرح معائنہ کرنے کے بعد لیڈی ڈاکٹر کچھ شرمندہ کچھ خجل سی بی بی کے پاس آئی اور بولی۔

"آپ نے کورس کیا ہے؟"

"نہیں جی" وہ ہنس کر بولی۔ "بس بچے پیدا کئے ہیں اور جوانی میں لوگوں کی خدمت کی ہے۔"

"ویری گڈ۔" لیڈی ڈاکٹر مسکرائی۔ بچے کو انگلی سے چھوا۔ چند ضروری ہدایات دے کر اس نے نظریں جھکا کر پوری کی پوری فیس پکڑ لی اور باہر نکل گئی۔

بی بی ہاجرہ فارغ ہو کر تھکی ہاری جب باہر نکلی تو آج بھی اس کا مصلیٰ ہوا کے اشاروں پر قلابازیاں کھاتا ہوا دور کونے سے لگ گیا تھا۔ بی بی نے آگے بڑھ کر مصلیٰ اٹھایا۔ تسبیح دور جا گری تھی، اسے اٹھایا، چاروں طرف دیکھا، دھوپ آسمانوں سے دیواروں پر اتر آئی تھی۔ آج فجر کی نماز بھی گئی۔

بی بی یوں سیڑھیاں اترنے لگی جیسے اس کا وجود ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہو۔

نگوڑا بڑھاپا۔ نیچے اتر کر اس نے اپنی کمر پر ہاتھ رکھا اور سیدھا ہونے کی کوشش کی۔ "درد جوانی تو بہ گردن شیوہ پیغمبر۔" اسے ماں درویش کا گنگناتا ہوا

مصرع یاد آ گیا۔ عبادت بھی بس جوانی کی ہے۔ جا کر پلنگ پر سیدھی لیٹ گئی۔ ساری رات بہو کے سرہانے جاگنے سے قضا نماز پڑھنے کی بھی سکت نہیں تھی۔ ایسے میں کوئی لاڈلی بیٹی ہوتی تو چائے کا ایک پیالہ ہی بنا کر لے آئی ہوتی۔ کھردری بان کی چار پائی پر بی بی ہاجرہ چت لیٹ گئی ٹانگیں لمبی کیں تو سارے بدن میں آسائش کی لہر سی اٹھی اور پھر آپ ہی آپ تھکی ہاری بوڑھی پلکیں بند ہو گئیں۔ بوسیدہ دروازے پوری طرح بند نہیں ہوتے۔ کوئی نہ کوئی درز کھلی رہ جاتی ہے جس سے آر پار کچھ نہ کچھ نظر آتا رہتا ہے۔

"بی بی ہاجرہ" کسی نے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا تھا۔

بی بی ہاجرہ ہڑ بڑا کر اٹھ بیٹھی۔ برآمدہ خالی تھا۔ دھوپ سارے صحن پر قبضہ کر چکی تھی۔ باہر کا دروازہ کھلا تھا۔ رات کے جھوٹے برتنوں پر مکھیاں بھن بھن ملہار راگ گا رہی تھیں۔ "کس نے بلایا تھا۔ کس نے جگایا تھا" بی بی ہاجرہ۔ تن کی کھڑکیاں کھولے، من کا فانوس پکڑے ہر لمحے اور ہر سانس کو روشنی دکھا رہی تھی۔

کوئی بھی نہیں تھا۔ بڑی ذلیل شے ہے بڑھاپا۔ کان واقعی بجتے ہیں۔ ڈاکٹر کو دکھا دینے میں، کیا ہرج ہے۔ اس نے سوچا مگر ڈاکٹر بڈھوں کی بات کب غور سے سنتے ہیں بوڑھے مریض کو دیکھتے ہی مصلحت کی چادر اوڑھ لیتے ہیں۔ خواہ لاکھ ٹوٹیاں لگا کر دیکھیں، جانتے ہیں عمارت بوسیدہ ہو گئی ہے۔ دیواروں کا پلستر اکھڑ رہا ہے، فرش جگہ جگہ سے ادھڑ رہا ہے، نکاس کی نالیاں زندگی بھر کے کوڑے کرکٹ سے اٹی پڑی ہیں، روشن دانوں کے شیشے میلے ہو گئے ہیں۔ کڑیاں اور شہتیر اپنی معیاد سے زیادہ بوجھ اٹھا چکے ہیں، اب تو بس کسی دھواں دھار برسات کی ضرورت ہے اور عمارت دھڑام سے نیچے آ رہے گی۔ ویسے بھی بعض بوسیدہ اور بیمار عمارتیں برسات کا انتظار بھی نہیں کرتیں۔ کسی دن چپ چاپ زمین بوس ہو جاتی ہیں۔ پھر یہ ڈاکٹر لوگ اب بوسیدہ عمارتوں کو کہاں تک سہارے دے کر کھڑا کر سکتے ہیں بس ہر بیماری کا علاج نیند تجویز کرتے ہیں۔

"رات کو نیند آتی ہے آپ کو؟"

"نہیں، نہیں آتی۔"

"بس رات کو نیند بھر سونا چاہیے۔ یہ گولیاں ہیں کھانے کے فوراً بعد ایک گولی۔"

"نہیں بابا۔" بی بی ہاجرہ کو مسکن دوائیوں اور نیند آور گولیوں سے بڑی چڑ تھی۔ سونا تو قیامت تک ہے۔ مٹی کے نیچے یہ موئے بڈھوں کو سلا دیتے ہیں تاکہ چڑ چڑ نہ کریں اور سوتے سوتے رخصت ہو جائیں اور ڈاکٹر صاحب کہیں گے۔ بی بی بڑھاپے میں تو ہمیشہ کان ہی بجا کرتے ہیں۔ شکر کریں آپ کے کان بجتے ہیں ورنہ اکثر بڈھے تو اس عمر میں بہرے ہو جاتے ہیں۔

پھر وہ کیا کرے؟

کوئی مرشد رہنما پکڑا ہوتا تو اس کے پاس جا کر پوچھتی کہ نیند میں آوازیں کیوں آتی ہیں۔ عرصہ دراز ہو گیا تھا وہ تو اماں درویش کی قبر پر فاتحہ کے لئے بھی نہ جا سکی تھیں ویسے بھی رابعہ جی پیروں فقیروں کے قائل نہ تھے اور عورتوں کو مزارات پر جانے سے روک دیا کرتے تھے۔

"کیسے بیت گیا سارا جیون" بی بی ہاجرہ نے ماتھا پکڑ لیا۔ اپنی ذات تو کہیں رہ نہیں گئی تبھی تو آج کوئی راستہ واضح طور پر نظر نہیں آ رہا تھا۔

سمیع اللہ ساری رات تڑپ تڑپ کر ابھی سویا تھا۔ تھکی ہاری مردہ مردہ سی۔ بی بی ہاجرہ اس کے تلوے سہلاتی سہلاتی اس کی پائنتی ہی میں ڈھیر ہو گئی اور اجالوں بھری شب بارات دیئے سے دیا جلاتی دھیرے دھیرے آسمان کی طرف بڑھنے لگی۔ آج بھی بی بی ہاجرہ نے سر شام تمام کام ختم کر لیے تھے۔ حلوہ پوری بنا کے مسجد میں بھیج دیا تھا۔ وہ خود رات کو کچھ کھائی نہیں

تھی۔ کھانے سے پیٹ میں اپھارہ ہو جاتا تھا ویسے بھی آج اس نے سوچا تھا کہ تمام شب نفل پڑھے گی۔ اب تو جو بھی برگزیدہ شب آتی، اسے زندگی کی آخری شب لگتی۔ کیا خبر اگلے سال نصیب میں ہو یا نہ ہو۔ یوں بھی مومن کو ہر نماز یوں پڑھنی چاہیے جیسے وہ اس کی زندگی کی آخری نماز ہے پر بڑھاپا تو خود اس عقیدے کا اعلان ہوتا ہے۔

وہی ہوا۔ ابھی پچاس نفل ہی پڑھے تھے کہ سمیع اللہ کے کمرے سے چلانے کی آوازیں آنے لگیں۔ بی بی دوڑی آئی۔ نئی نئی شادی ہوئی تھی اور بچہ ہائے ہائے کر رہا تھا۔

''کیا ہوا میرے بچے؟''

''بس بی بی۔ یہاں درد ہو رہا ہے۔'' اس نے پیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

سب بچوں کو جگایا گیا ڈاکٹر آ گیا۔ اس نے قولنج کا درد تجویز کیا۔ دوائیں دیں ٹیکہ لگایا۔ ذرا سکون ہوتے ہی سب ادھر ادھر ہو گئے۔ رابعہ جی کو بھی رات مسجد کے جلسے میں جانا تھا مگر بی بی بیٹھی رہ گئی۔

''بی بی آپ جائیں۔ جا کر نفل پڑھیں۔'' سمیع اللہ کی دلہن نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

بی بی نے نظریں اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھا۔ ایک دم سے مرجھا گئی تھی۔ آنکھیں ویسے ہی الٹیاں کر کے اندر دھنس گئی تھیں۔ ذرا اور تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔ یوں بھی نازک اور کومل سی تھی۔

''دلہن۔ تم جا کر سو جاؤ۔ آج کل تمہارا جی اچھا نہیں رہتا۔''

''بی بی آپ کو تو عبادت کرنی ہے۔''

''بس یہی میری عبادت ہے۔ جاؤ تم آرام کر لو دو تین گھنٹے بعد تمہیں جگا دوں گی اور میں تہجد کے لئے اٹھ جاؤں گی۔''

دلہن جا کر سو گئی۔

بی بی اپنے بوڑھے ہاتھوں سے سمیع اللہ کو سہلاتی رہی۔ جونہی اس کی آنکھ لگی وہیں اس کی پائتی میں گٹھڑی سی بن کے لیٹ گئی۔

''بی بی ہاجرہ'' کسی نے اتنی زور سے پکارا کہ وہ خوف زدہ شکل بنائے اٹھ بیٹھی۔ پہلے اپنے لال کی طرف دیکھا وہ ٹھیک ٹھاک سو رہا تھا۔ پھر بہو کی طرف دیکھا۔ وہ بھی دوسرے پلنگ پر خراٹے لے رہی تھی۔ دل میں جیسے آگ سی لگ رہی تھی۔ اور سارے جسم میں سیمابی سی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ آنکھوں میں بے تحاشا نیند بھری تھی۔ بوڑھی آنکھوں کی ساعت نیند سے دھندلا جائے تو آدھی رات کو کیا نظر آ سکتا ہے؟ جونہی پاؤں فرش پر لٹکائے عین پاؤں کے نیچے ایک سبزی مائل مصلیٰ بچھا تھا۔ یہ کس نے بچھا دیا؟ وہ تو اپنا مصلیٰ باہر چھوڑ کر آئی تھی۔ یہاں کون لایا؟ کس نے بچھایا؟ کس کا ہے؟ بہت سے سوال سوچتے ہوئے بی بی ہاجرہ نے کھڑے ہونے کی کوشش کی۔ ہر صورت میں اس کے پاؤں مصلے پر ہی آتے تھے۔ ناچار دونوں پاؤں رکھ دیئے اور کھڑی ہو گئی۔ فرش تو ٹھنڈا برف تھا چونک کر دوبارہ دیکھا۔ پاؤں کے نیچے مصلیٰ نہیں، فرش تھا۔ وہ خوبصورت شبیہہ کہاں گئی۔ کیا وہ اس کا وہم تھا؟ خواب تھا؟ سٹھیا گئی ہے۔ بینائی بالکل ختم ہو گئی ہے۔

پر کچھ نظر تو آیا تھا۔

بی بی ہاجرہ وہیں مصلے کی جگہ پر بیٹھ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ بڑھاپے میں کوئی یوں بھی پاس نہیں بیٹھتا۔ وہ اپنے دل کی بات کسے بتائے؟ کچھ غلطی ہو گئی اس سے یا زندگی بھر وہ اندھیری کوٹھڑی میں بند رہی؟

صبح ہونے تک بی بی ہاجرہ بیمار ہو چکی تھی۔ اس نے چولہا نہیں جلایا کچھ نہیں پکایا۔ اپنے کمرے میں جا کر ایک کونے میں فرش پر بیٹھ گئی، دل چاہ رہا تھا۔ دیوار پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائے۔ کبھی کبھی دنیا سے چھپ جانے کو دل چاہتا ہے۔ زندگی سے کوئی بھی خراج لینے کو

جی نہیں چاہتا۔ خود زندگی سب سے بڑی دشمن لگتی ہے۔ جی روٹھ جاتا ہے۔ حوصلہ ٹوٹ جاتا ہے۔ وقت لوٹ جاتا ہے اور اس کے پاس تو کچھ تھا بھی نہیں۔ بس جانا تھا۔ پابہ رکاب بیٹھی تھی جانے کا دکھ بھی نہیں تھا اس کے حکم پر دن دن گھڑی گھڑی شمار کرتا تھی۔ بس سینے پر ہاتھ رکھے دیوار سے ٹیک لگائے۔ دل ہارے لٹی پٹی بیٹھی تھی۔ قنوطیت کی گھٹائیں آج اس پر امنڈ گھمنڈ کے برس رہی تھیں۔ بچپن بے تحاشا یاد آرہا تھا۔ جب ضعیف لوگوں کو بچپن یاد آنے لگے تو سمجھ لو چل چلاؤ ہے۔ بی بی ہاجرہ نے سارے کمرے کو اس طرح دیکھا جیسے لمبے سفر پر جانے والا مسافر دیکھتا ہے۔ صندوقوں میں کچھ کپڑے تھے کچھ اثاثہ تھا۔ ویسے تو یہ گھر ہمیشہ سے ہلکا پھلکا گھر تھا۔ اس نے ایسا گھر نہیں بنایا تھا کہ جاتے وقت جس میں جان اٹکی ہوئی ہو یوں بھی جس گھر میں حلال کی کمائی آتی ہو اس گھر میں صرف زندہ رہنے کا سامان ہوتا ہے۔

سامان کیسا بے جان لگ رہا تھا۔ ایسے لگتا تھا ٹین کے صندوقوں کے تن بھی آج روح سے خالی ہیں۔

ساری نظر کی بات ہے۔ دنیا بھی نظر کی بات ہے۔ زاہد اور عابد کو اس دنیا میں کچھ بھی نظر نہیں آتا نہ زروجواہر کے ڈھیر نہ فلک بوس عمارات، نہ جائیدادیں، نہ دکانیں اور مربع جات۔

اور جوگی کو جنگل میں سب کچھ مل جاتا ہے جہاں صرف خودرو پودے، سفاک درخت، ان کچلی راہیں اور کنوارے پتوں کے ڈھیر ہوتے ہیں۔

اور ایک سود خور بنیے کی تجوری میں رائج الوقت نوٹوں کی گڈیاں پڑی ہوں تو اس کے لئے دنیا انتہائی خوبصورت اور ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے۔

کلیجے کے درد کا کوئی علاج نہیں۔ بڑھاپے کی بے چینی کو کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ شام تو اداس ہی ہوتی ہے۔

''چندرا دل ڈوب جائے تو کتنا اچھا ہو۔'' بی بی ہاجرہ نے روتے ہوئے سوچا۔

اسی وقت ایک گرجدار آواز آئی۔

''بی بی ہاجرہ'' آج بی بی ہاجرہ نہیں چونکی کیونکہ عالم بیداری میں تھی۔ ہوش اور مدہوشی کے درمیان نہیں تھی۔

''بی بی ہاجرہ'' دوسری آواز آئی۔ وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

''بی بی ہاجرہ'' تیسری آواز آئی۔

اور اس کے ساتھ ہی رلجہ جی کے قدموں کی چاپ بھی قریب آ گئی۔ پہلی آواز پر ہی اسے پتہ چل گیا تھا کہ یہ رلجہ جی ہیں اور گم صم اس لیے ہوگئی تھی کہ آج آواز کا فرق بھی معلوم ہو گیا تھا یہ وہ آواز ہرگز نہیں تھی۔ وہ آواز تو تھی مگر آواز کی طرح ٹھہر نہیں جاتی تھی۔ ساعت کی دیواروں کے پاس۔ وہ تو بس احساس کو جگانے آتی تھی۔

اور وہ زندگی بھر اس آواز کو رلجہ جی کی آواز سمجھ کر ''آئی رلجہ جی'' کہتی رہی۔

رلجہ جی اسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے کمرے میں آگئے۔ انہوں نے ہاتھوں میں کاغذ پکڑے ہوئے تھے۔

''نیک بخت تو یہاں بیٹھی ہے۔ کیا ہوا؟'' پھر اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر اس کے پاس ننگے فرش پر ہی چوکڑی مار کے بیٹھ گئے۔ اپنی سوٹی دور رکھ دی مسکرائے اور بی بی ہاجرہ کی طرف دیکھا۔ بی بی ہاجرہ کے چہرے کا چراغ بجھا ہوا تھا۔ اور آنکھوں میں اب بھی گیلے موتی اٹکے تھے۔ انہوں نے کسی طرف دھیان نہیں دیا بس اس کے دکھتے ہوئے گھٹنے پر اپنا گرم ہاتھ رکھ دیا اور مسکراہٹیں لٹاتے ہوئے بولے۔

''ہر سال میں اپنی حج کی درخواست بھیج دیا کرتا تھا کبھی نام نہیں نکلا تھا اس بار میں نے چپکے سے صرف اپنا اور تیرا فارم بھیج دیا تھا۔ دیکھ، دیکھ بلاوا آ گیا ہے۔ تیری وجہ سے مجھے بھی بلاوا آ گیا ہے۔''

☆ ☆ ☆ ☆

ہنسی نگوڑی

تسنیم کوثر

دعا ڈائننگ ہال سے نکلی تو دور تک گاڑیوں کی بے ہنگم پارکنگ دیکھ کر گھبرا گئی۔

او مائی گاڈ! لگتا ہے آج پورا لاہور یہاں ڈنر کے لیے آ گیا ہے۔ دعا کو اپنی گاڑی نکالنا مشکل ہو گیا تھا۔ کوئی عجلت میں اپنی گاڑی جو غلط پارک کر گیا تھا۔ اب دعا کو اس کا انتظار کرنا تھا۔

اونہہ! گاڑیاں لاکھوں کی خرید لیتے ہیں مگر...... پارکنگ کا سلیقہ نہیں سیکھ سکتے۔ سچ مچ ہم بے ترتیب قوم ہیں۔ وہ باقاعدہ بڑبڑانے لگی۔ جانے اب کب تک یونہی...... کھڑا رہنا پڑے گا۔

اسے تو یہاں آ کر ڈنر کرنے کا کوئی شوق نہ تھا۔ وہ تو سارے کولیگ بضد تھے کیونکہ صلہ نے اس نئے ریسٹورنٹ کی کچھ زیادہ ہی تعریف کر دی تھی۔ دعا کو ڈبل پرموشن ملی تھی اور آج کا ڈنر اسی خوشی میں تھا۔

میزبان ہونے کے ناطے وہ پہلے آئی اور اب...... سب کو وداع کر کے جانے کو تھی کہ...... پچھلی گاڑی اس کے لیے کوفت کا سبب بن گئی۔ دسمبر کی یخ بستہ رات...... اور کسی بے ہودہ اجنبی گاڑی والے کا انتظار...... دعا کا موڈ آف ہو گیا تھا۔ ڈنر کے دوران جتنی گپ شپ رہی تھی وہ سب اس انتظار کی نذر ہو گئی تھی۔ تیمور نے اتنے Jocks سنائے تھے کہ سب ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔ پورے ڈائننگ ہال میں ان کی ٹیبل سب کی توجہ کا مرکز بنی ہوئی تھی۔ بے فکرے، کھلنڈرے ساتھی جا چکے تھے اور وہ...... من ہی من میں جل رہی تھی۔

جانے لاٹ صاحب کب آئیں؟ اسی ادھیڑ بن میں تھی کہ سیل نے توجہ اپنی جانب کھینچ لی۔ فون سکندر کا تھا۔ ہر ویک اینڈ پر اسی وقت سکندر کا فون آتا تھا۔ دیر تلک گفتگو رہتی تھی۔ پورے خاندان میں ایک سکندر ہی تو تھا جس سے اس کا مزاج ملتا تھا۔ وہ گاڑی سے ٹیک لگائے فون سننے لگی۔

سکندر اسے اپنے پورے ہفتے کی ڈائری سناتا رہا۔

کسی نئے عشق کا ذکر بھی آیا اور اس کے ایک Jock پر تو دعا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ہنستے ہنستے...... اچانک اس کی نظر ایک معقول سے نوجوان پر جا کی جو گاڑی کی چابی گھماتے ہوئے...... اس کے قریب کھڑا اسے تک رہا تھا......

دعا کو یقیناً اسی کا انتظار تھا...... اس نے سکندر سے ایکسکیوز کرتے ہوئے فون بند کیا اور جلدی سے پیچھے ہٹی اس کا جی چاہا...... اسے صحیح پارکنگ کا سلیقہ سکھا دے مگر اس کے سوچتے سوچتے ہی وہ گاڑی میں جا بیٹھا...... گاڑی سٹارٹ کی...... اس نے شیشہ نیچے کیا اور اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

''آپ کی ہنسی بہت مترنم ہے مگر...... یوں رات گئے...... سرِعام ایک عورت کا قہقہے لگانا کچھ اچھا نہیں۔''

اجنبی جا چکا تھا مگر اس کے جملے کی بازگشت...... دعا کے کانوں میں گونج رہی تھی...... وہ جیسے سن ہو گئی تھی۔

اسے لگا جیسے...... وقت تیس برس پیچھے چلا گیا ہے۔ وہ آج بھی ایک ناسمجھ بچی ہے جسے زندگی گزارنے کا سلیقہ ہی نہیں آتا۔

وہ تو بچپن سے ہی قہقہے بکھیرا کرتی تھی۔ شوخ و چنچل شرارتی سی۔ جس کی ہنسی پورے گھر میں گونجا کرتی تھی...... دعا کو یاد آیا...... ہنسی پر پہلی نصیحت اسے امی نے کی تھی تب...... شاید وہ نو، دس برس کی تھی...... امی نے پیار سے پچکارتے ہوئے اسے سمجھایا تھا۔ دیکھو دعا...... لڑکیاں زور زور سے ہنستی اچھی نہیں لگتیں اور دعا نے ان کی بات...... ہنسی میں اڑا دی تھی...... یہ سوچنا بھی گوارا نہیں کیا تھا کہ امی...... نے ایسا کیوں کہا؟

ہنسی کی جلترنگ لیے جب وہ Blue Bird سے گرل گائیڈ میں آئی تو...... شرارتیں عروج پر پہنچ چکی تھیں۔ قد بھی خاصا نکل آیا تھا اور ہنسی...... وہ تو اور جاندار ہو گئی تھی۔ دعا...... جہاں سے گزرتی دھنک رنگ بکھیرتی جاتی۔

ایک روز چھٹی کے بعد سکول سے گھر آتے ہوئے سہیلیوں کے جھرمٹ میں باتیں کرتے کرتے...... اس نے زوردار قہقہہ اچھال دیا تھا تب...... گلی میں کھڑے لڑکوں کے ٹولے نے اپنی توجہ ان کی طرف کر لی تھی اور قہقہہ لگانے والی کی شناخت کرنا چاہی تھی مگر...... تب تک یہ سب آگے بڑھ گئی تھیں۔

اگلے روز سکول کی آپا جی نے اسے تنبیہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

''بیٹا! لڑکیوں کا سڑک پر یوں قہقہے لگا کر چلنا اچھی بات نہیں۔'' تب اس کی ساری شوخی جھاگ کی مانند بیٹھ گئی تھی۔ دل ہی دل میں بھنا گئی تھی...... غصے کی شدت نے دعا کے سانولے رنگ میں سرخی کی آمیزش کر دی تھی۔

واہ...... یہ کیا بات ہوئی؟ لڑکیاں کیوں نہیں قہقہے لگا سکتیں سڑک پر؟ ایسی کیا بات ہے ہنسنے میں؟

اتنا جل بھن کر بھی اس نے آپا جی کی بات کا خاص نوٹس نہیں لیا تھا۔

پھر اسے اپنے سکول کی وہ محفل میلاد یاد آئی...... جس کا انتظام گرلز گائیڈ کے سپرد تھا...... دعا منتظم ٹیم میں تھی اس لیے سب کام نمٹا کر ہی اسے جانا تھا...... فارغ ہوئی تو کافی لڑکیاں جا چکی تھیں...... سکول خالی خالی تھا...... اس ویرانی نے دعا کو کچھ خوفزدہ سا کر دیا تھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتے سکول سے گھر جا رہی تھی...... ٹھنڈی سڑک پار کر کے گلی تک آئی تھی کہ ایک بے ڈھنگے لڑکے نے اسے دیکھ کر فقرہ کسا۔

''ذرا ہس کے تے وخاؤ سوہنیو''

یہ جملہ سن کے...... دعا جیسے برف میں اتر گئی تھی۔ دسمبر کے مہینے میں...... میرون کوٹ پہننے کے باوجود...... وہ پسینے میں بھیگ گئی تھی تب...... اسے امی اور آپا جی کی نصیحت سمجھ میں آئی تھی۔ اس روز کے بعد...... بنا کسی تردد، بنا احتجاج دعا نے رستہ خاموشی سے طے کرنا اپنا

بادلوں سے باتیں

تو ساون رت کا بادل ہے
یا رنگ برنگا آنچل ہے
اک بات ہماری سنتا ہے
یہ بچے موتی چنتا ہے

کھلتے ہیں دلوں کے ہم سے کنول
شہروں کی فضا سے کہہ دینا
ہم سے ہی دلوں کی ٹھنڈک ہے
جنگل کی ہوا سے کہہ دینا

اک بات ہماری سنتا جا
یہ بچے موتی چنتا جا

ہم ہی تو گھروں کی زینت ہیں
بستی کے گھروں سے کہہ دینا
سب رنگ ہمارے دم سے ہیں
تتلی کے پروں سے کہہ دینا

اک پیار کی خوشبو ہم میں ہے
پھولوں کی مہک سے کہہ دینا
ہم علم کی شمعیں رکھتے ہیں
جگنو کی چمک سے کہہ دینا

(رئیس فروغ)

وطیرہ بنالیا تھا۔ اپنی ساری شوخیاں اور شرارتیں گھر اور سکول کی چار دیواری تک محدود کر دی تھیں۔ ہاں کلاس میں دھما چوکڑی مچانا، اب بھی اسی کی ذمہ داری تھی۔ کسی لڑکی کی چٹیا کرسی سے باندھ دینا، کسی کا دوپٹہ کسی دوسری لڑکی کی قمیص سے گرہ لگا دینا اور پھر...... ان کی بوکھلاہٹ پر کھلکھلا کر ہنس دینا۔ ان شرارتوں پر ٹیچر سے ڈانٹ کھانا اس کا معمول تھا۔

ہائے کیا شاندار زمانہ تھا...... دعا نے سوچا...... اور پھر گھر میں ہلا گلا کیے رکھنا بھی تو اسی کے ذمے تھا......

ہر شام لوڈو کی بازی لگ جاتی...... ہار جیت اپنے ساتھ ٹریٹ بھی لے کر آتی...... رات گئے تک یہ محفلیں سجتیں...... ہنسی کی جھنکار سنائی دیتی رہتی...... جب بھی ہنسی قہقہوں میں بدل جاتی تو نانی اماں کی غضب ناک چنگھاڑ سن کر سب تتر بتر ہو جاتے...... اور وہ دعا کو مورد الزام ٹھہراتے ہوئے کہتیں۔

''نامراد...... اونٹ کی اونٹ ہوگئی...... کالج تک جا پہنچی مگر...... بردباری نہ آئی...... کیا مجال جو چین سے بیٹھ جائے اور دروازے کے پیچھے دبکی ہوئی دعا...... یہ سوچتی رہتی کہ اب وہ کہاں سے لائے بڑا پن اور...... اگر منہ بسورنے اور چپ رہنے کو بڑا پن کہتے ہیں تو...... وہ باز آئی ایسی بڑائی سے۔

نانی اماں غصے کے ڈونگرے برسا کر واپس کمرے کی راہ لیتیں اور یہ سب اپنے اپنے بلوں سے نکل کر پھر کھیل میں مشغول ہو جاتے۔ کچھ دیر سرگوشیوں میں گیم چلتی مگر دعا...... جلد ہی اس خاموشی سے اکتا کر کھیل کا بائیکاٹ کر دیتی۔ اسے کب پسند تھی خاموشی...... اسے تو زندگی کی رنگینیاں، شوخ محفلیں اور ہلا گلا پسند تھا۔

ایک روز بڑی زبردست گیم جاری تھی۔ سکندر کی آخری گوٹ Home Boundry پر تھی کہ عدیلہ نے گوٹ پیٹ دی اور سکندر ہار گیا تب دعا نے ریمارکس دیا۔

ہائے...... کیسا سکندر ہے جو گھر کے پاس پٹ گیا۔

اس کی روہانسی شکل دیکھ کر وہ زور سے ہنس دی تھی۔ تب اس کے قریب بیٹھے منصور نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بڑی میٹھی سی سرگوشی میں اس کی ہنسی کی تعریف کی تھی۔ مگر دعا نے اسے رومانٹک ہونے سے روک دیا تھا۔ یوں ٹوکنے پر منصور کچھ بجھ سا گیا تھا۔

پھر اس نے سنا...... وہ نومی سے کہہ رہا تھا۔

''یار عجب سرپھری ہے یہ...... ہر وقت مجھ سے ہنس ہنس کر باتیں کرتی ہے اور اگر...... آج میں نے ذرا تعریف کر دی تو بگڑ گئی۔''

تب دعا...... ایک لمحے کو ٹھٹک سی گئی تھی اس کی ہنسی سڑک پر ہی نہیں گھر میں بھی پرابلم بن گئی تھی۔ اس نے سوچا مجھے کیا؟ ہنسنا میری عادت ہے اب اس ہنسی سے کوئی غلط انداز ے لگا لے تو میں کیا کروں؟ منصور اپنی انسلٹ پر کتنے ہی دن اکھڑا اکھڑا رہا تھا۔

دعا یونیورسٹی میں آئی تو اک نئی دنیا اس کی منتظر تھی۔ مختلف شہروں، مختلف علاقوں سے آئے ہوئے لوگ سوشل ورک ڈیپارٹمنٹ میں اس کے ساتھ تھے۔ کچھ الجھے الجھے اور کچھ سلجھے ہوئے۔ اس کی بے باک ہنسی نے یہاں بھی بہت سے دلوں میں آس کی جوت جلا دی تھی۔ کتنے ہی دل پھینک اسے اپنی محبتوں کا یقین دلانے میں ناکام رہے تھے۔ بہت تو بددل ہو گئے تھے اور کچھ...... انگشت نمائی میں مصروف ہو گئے تھے۔ اس کا اندازہ دعا کو اس دن ہوا جب...... وہ اور خدیجہ کیمپس کی کینٹین کے اندر والے کیبن میں چھپی سموسے کھا رہی تھیں۔ فریحہ کو ڈاج دے کر وہ یہاں آ بیٹھی تھیں کہ اپنا نام سن کر دعا کے کان کھڑے ہوئے۔ جمال، کامران، ولید وغیرہ گرما گرم مباحثے میں مشغول تھے۔ موضوع دعا تھی۔ اپنے بارے میں ڈھیر سارے کڑوے ریمارکس سن رہی تھی وہ...... دعا کی لہر نے

اسے بھگو دیا تھا۔ اس کے سامنے تعریفوں کے پل باندھنے والے...... اس کے بارے میں کتنی نیگیٹو سوچ رکھتے تھے تب خدیجہ کے منع کرنے کے باوجود وہ پھٹ پڑی تھی۔

پاگل ہیں سب...... کم بخت دل پھینک خود ہیں اور الزام میری ہنسی کو دیتے ہیں۔ خود ٹھٹھے لگاتے رہیں...... مگر ہماری ذرا سی ہنسی انہیں شک میں ڈال دیتی ہے۔

''مگر میری جان! مردوں کے اس معاشرے میں ایسا ہی ہوتا ہے۔'' خدیجہ بولی۔

''لوگ برے ریمارکس ہی دیتے ہیں۔''

لیکن دعا ہٹ دھرمی پر اڑی رہی۔

''میں ان اوچھے ہتھکنڈوں سے ڈرنے والی نہیں۔ جو جی میں آئے کہتے رہیں مجھے پروا نہیں۔''

پڑھائی مکمل ہوئی تو اس نے ایک فرانچائزڈ فرم میں جاب کر لی۔ انٹرویو دیتے ہوئے ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ باس بھی گھائل ہونے والوں میں ہیں یہ الگ بات کہ دعا کی ثابت قدمی کے سامنے وہ کچھ نہ کہہ سکے تھے کہ دعا نے پروبیشن پیریڈ مکمل ہونے سے پہلے ہی جاب چھوڑ دی تھی۔ اسی دوران اس کی شادی کا سلسلہ چل نکلا۔ بڑی ممانی کے میکے کی طرف سے رشتہ آیا تھا۔ وقار اچھی پوسٹ پر تھا۔ خاندان بھی اچھا تھا مگر دعا کی ایک ہی ضد تھی کہ وہ وقار سے ملاقات کے بعد کوئی فیصلہ کرے گی۔ اس کی بات مان لی گئی۔ بڑی ممانی کے گھر ہی اس نے وقار سے ملاقات کی۔ اپنی عادات اپنی طبیعت کے بارے میں بتایا بہت سے معاملات پر شیئرنگ کی تب کہیں جا کر یہ بیل منڈھے چڑھی۔

شادی کے بعد دونوں کی اچھی گزر رہی تھی۔ خود مختاری تھی، خود پسندی تھی۔ کبھی کبھی دونوں میں ٹھن بھی جاتی تھی مگر یہ سب کچھ تو روٹین میں شامل تھا اور دونوں مل کر اپنے معاملات ہینڈل کر رہے تھے۔ شادی کے کچھ ماہ بعد وقار ایک بہت اچھی آفر پر کینیڈا چلا گیا

اور دعا نے جاب کر کے خود کو مصروف کر لیا۔ پھر اسے پتہ ہی نہ چلا کہ کب وقت پر لگا کر اڑ گیا۔ دس برس بیت گئے مگر وقار نہ آیا۔ پہلے پہل تو اس سے رابطہ رہا۔ کبھی فون پر کبھی خط کے ذریعے مگر پھر رفتہ رفتہ خاموشی چھا گئی۔ دن کو قہقہے لگانے والی دعا...... رات کو جب اشکوں کی برسات سے تن من بھگوتی تو اسے امی یاد آتیں۔

کہاں چلی گئیں امی؟ میری ہنسی پر تو بہت روک ٹوک کرتی تھیں اب ان آنسوؤں پر بھی تو پابندی لگائیں ناں!

مگر کون تھا؟ جو اس کی سنتا...... ساری محفلیں اجڑ گئی تھیں۔ سارے کزنز بکھر گئے تھے۔ اپنی اپنی دنیا میں مست تھے کسے پروا تھی اس کی...... کون دعا کی فکر کرتا؟ فکر کرنے والے تو اب شہر خموشاں کے مکین ہو گئے تھے۔

دن نکلتا تو...... دعا نارمل ہو جاتی...... رات کی تاریکی میں آنسوؤں کو دفن کر کے وہ حسب عادت دفتر میں خوش باش نظر آتی۔ سب اس سے بہت خوش تھے۔ کام سے کمٹمنٹ نے دعا کو ہر دلعزیز بنا دیا تھا۔ تبھی تو ڈبل پروموشن دی گئی تھی اسے۔ وہ خوش تھی بہت خوش۔ مگر...... اس اجنبی کے ہدایتی جملے نے اسے الجھا دیا تھا۔ اسے لگا...... تھا وقت گزرا ہی نہیں۔ وہ چالیس برس کی ایک میچور ورکنگ ویمن نہیں بلکہ دس سال کی وہی معصوم بچی ہے جسے قدم قدم پر نصیحتوں کی ضرورت ہے۔

اس نے سوچا، دل کے زخم ہرے ہو کر رسنے لگے۔ روح میں درد کی لہریں انتشار پھیلائیں۔ کسی کو خبر نہیں ہوتی مگر...... ہنسی کی جلترنگ لوگوں کے دل برما جاتی ہے۔ نئے دور...... نئی صدی میں بھی یہ ہنسی نگوڑی، کھلتی ہے لوگوں کو...... نہیں بھاتی...... جانے کیوں؟

☆☆☆

سلسلے وار ناول

قسط نمبر 3

جب پیار کی رت بدل جائے

عابدہ سبین

رشتے انسان کی پہچان ہوتے ہیں اور ضرورت بھی
ایسے ہی رشتوں سے جڑے ایک ایسے شخص کی کہانی
جس نے اپنی ہر خواہش اور ہر خوشی رشتوں پر قربان کردی۔

معاشرتی ناہمواریوں کی ترجمان ایک پُر اثر تحریر

خلاصہ

آشیانہ صدیقی، آصف صدیقی اور شعیب صدیقی دو بھائیوں کا محبت بھرا آشیانہ ہے جہاں اکیسویں صدی کے اس دور جدید میں بھی جب محبت کا وجود ناپید ہو چکا ہے آشیانہ میں محبتوں کی اعلیٰ مثال قائم ہے۔ آصف صدیقی جنہوں نے ہمیشہ اپنے رشتوں کی اہمیت برقرار رکھی نا صرف بچوں کی تربیت میں محبت شامل تھی بلکہ خاندانی اقدار اور روایات کی پاسداری بھی بدرجہ اتم بچوں کی تربیت میں موجود تھی ان کے تین بچے ذیشان احمد، عمیر اور بیٹی افشین صدیقی جبکہ چھوٹے بھائی کی اکلوتی حریم صدیقی ہی آشیانہ صدیقی کی کل کائنات تھی۔ آصف صدیقی نے ہمیشہ خود سے وابستہ رشتوں کو خود سے جوڑے رکھا ان کی دونوں بہنیں دور ہوتے ہوئے بھی ان کی ہر خوشی ہر دکھ میں شامل ہوتیں اور اپنے رشتوں کی مضبوطی کے لیے انہوں نے بڑی بہن کے بیٹے کے ساتھ افشین کو منسوب کر رکھا تھا جبکہ چھوٹی بہن سائرہ رحمان کی اکلوتی اور تین بھائیوں کی لاڈلی زینب شیرازی کو اپنے بیٹے ذیشان سے منسوب کر رکھا تھا۔ ذیشان احمد صدیقی کہانی کا سب سے اہم کردار ہے جس کی فطرت میں خاندانی اقدار اور روایات کی پاسداری کوٹ کوٹ کر بھری تھی مگر مزاج اس کا بہت شوخ اور چلبلا تھا۔ اس کی پھوجی کے بیٹے محسن سے ان سب بہن بھائیوں کی اچھی دوستی تھی وہ اکثر اسے سمجھاتا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ شانی کے مستقبل سے ان کی بہن بھی وابستہ ہے...... زینب شیراز اس کی منگیتر تھی مگر اسے شانی قطعی پسند نہ تھا اس کی وجہ شانی کا مزاج اور عادت نہیں تھی مگر وہ سب پر ظاہر یہ ہی کرتی کہ اسے شانی کی عادات سے اختلاف ہے۔ بہت جلد ہی شانی کو علم ہو گیا تھا کہ ذیبی کے رویے کے پیچھے کیا راز ہے...... ذیبی اپنے کلاس فیلو کو چاہتی تھی مگر ماموں کی محبتوں اور احسانات کی وجہ سے وہ منع نہ کر سکی مگر وہ شانی کی خامی کو ایشو بنا کر سب کے سامنے اسے برا ثابت کرنے کی کوشش میں تھی۔ کہانی کا دوسرا اہم کردار حریم صدیقی جس نے آشیانہ میں شہزادیوں کی طرح زندگی بسر کی تھی گھر بھر کی لاڈلی تھی...... کسی تقریب میں اسے دیکھ کر ابشار حسن اس کا دیوانہ ہو گیا اور یوں چٹ منگنی اور پٹ بیاہ کر وہ ابشار حسن کی دنیا میں آ گئی۔ افشین صدیقی کی منگنی بڑی پھوپھو کے بیٹے سے طے تھی جو آسٹریلیا میں مقیم تھا اور خوشحال زندگی بسر کر رہا تھا اسے افشین قطعی ناپسند تھی مگر وہ چاہتا تھا کہ خود افشین اس رشتے سے انکار کرے وہ اکثر اسے کال اور میسجز پر دھمکایا کرتا تھا۔ شعیب صدیقی اور نازیہ صدیقی کو افشین کی ذہنی تکلیف کا علم ہو گیا تھا اور وہ افعان کی حقیقت سب کے سامنے لانا چاہتے تھے......

آگے پڑھیے

شعیب صدیقی شریک حیات کا ہاتھ تھامے پارکنگ ایریا سے نکلے ہی تھے سکیورٹی گارڈ کے قریب رش موجود دیکھ کر وہ بھی وہیں رکے تھے کہ یک دم ہی زوردار دھماکہ ساعتوں سے ایسا ٹکرایا اور انہیں پھر کچھ خبر نہ رہی......

چیخوں کی آوازیں اور آہ و بکا کے علاوہ وہاں اور کچھ بھی نہ رہا تھا......

☆☆☆

''حد ہو گئی ہے بھئی ساڑھے گیارہ بج چکے ہیں نازیہ اور شعیب کا کوئی پتہ نہیں ہے۔''

شازیہ صدیقی بے چینی سے بولیں۔

''شانی بچے! آپ چھوٹے ابا کو فون کرو...... بہت لیٹ ہو گئے ہیں شعیب نے تو کبھی اتنی غیر ذمہ داری کا ثبوت نہیں دیا۔'' آصف صدیقی نے بیٹے کو مخاطب کیا۔

''بچے کب سے منتظر بیٹھے ہیں سیلیبریٹ کرنے کے لیے......اور وہ اب تک نہیں آئے۔''

''اماں جانی بنی کی طرف دیر ہوگئی ہوگی۔''

''ارے بھئی وہاں سے آٹھ بجے وہ چلے آئے تھے۔''

''ہاں ڈنر بھی تو کروانا تھا چھوٹی اماں کو......''

''جو کچھ بھی ہو شانی اتنی دیر تو نہیں ہونی چاہیے تھی ناں......''

''شعیب کا نمبر سوئچڈ آف ہے......''

''چھوٹی اماں کا بھی......''

شانی نے انفارم کیا......شازیہ صدیقی کو گھبراہٹ ہونے لگی۔

''آصف میرا دل بہت گھبرا رہا ہے......''

''شازیہ بیگم حد کرتی ہیں آپ بھی......ارے بھئی آتے ہوں گے......''

''پھوپھی کی طرف نہ چلے گئے ہوں محسن سے پتہ کروں......''

شانی نے خیال ظاہر کیا اور ابا جانی نے اثبات میں سر ہلایا تو اس نے محسن کو کال ملائی......اور سلام دعا کے بعد اماں ابا کا پوچھا۔

''نہیں تو......کیوں خیریت......؟''

''بھول گئے آج ان کی شادی کی سالگرہ ہے...... ڈنر کے لیے گئے تھے اور......بائی دے وے تم اب تک سوئے نہیں......'' اس نے ایویں ہی محسن کو تنگ کیا۔

''نہیں یار نیوز سن رہا تھا......'' اس کے لہجے میں دکھ کا تاثر تھا۔

''کوئی خاص خبر تھی کیا......؟''

''ہاں......ایک اور خودکش دھماکہ اپنے شہر میں''

''واٹ......؟ کب......''

''قریباً تین گھنٹے پہلے......''

محسن نے اسے ہوٹل کا نام بتایا جہاں پر دھماکہ ہوا تھا شانی نے فوراً ہی ٹی وی آن کیا تھا......اور سب کی نگاہیں جیسے خبروں پر مرکوز ہوگئیں۔

''بیس سے زیادہ لوگ جاں بحق اور پچاس سے زائد زخمی ہوچکے ہیں......''

دھماکہ کے مقام پر بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔

''اللہ خیر''

شازیہ صدیقی نے دل تھاما......

''شانی بچے پھر سے نمبر ٹرائی کرو یار بارہ بجنے والے ہیں اب تو......''

اب آصف صدیقی کو بھی عجیب سی بے چینی نے گھیر لیا تھا۔

☆☆☆

''پتہ نہیں کیوں اشبار آج جب میں اماں ابا سے مل رہی تھی تو دل چاہ رہا تھا کہ یوں ہی ان کے سینے سے لگی رہوں اور

خوب روؤں......"

"یہ خوشی کے اظہار کا کون سا طریقہ ہے ڈیئر وائف......" اشبار نے تکیہ درست کرتے ہوئے کہا۔

"بس جانے کیوں دل چاہا...... مگر پھر میں نے سوچا اماں پریشان ہوں گی کہ جانے کیا بات ہے...... حالانکہ سچ میں بات تو کچھ بھی نہیں تھی بس میرا من چاہ رہا تھا......"

وہ اپنے بالوں میں برش کر کے اب لیٹنے کی تیاری میں تھی۔

"ویسے آج تمہاری خوشی چہرے سے جیسے پھوٹ رہی تھی۔ مجھے بہت اچھا لگا...... تمہیں دیکھ کر......"

"اشبار شکر ہے اللہ کی ذات کا کہ زندگی کا اور ایک امتحان اچھے سے پاس ہوا...... ورنہ بہت اپ سیٹ تھی میں کہ بھلا کیسے ہوگا یہ سب امی ارم کرن سب کے رویے...... آخر کب تک میں خود کو وہاں فیملی ممبر ایڈجسٹ کر پاؤں گی...... بٹ تھینکس گاڈ اب سب بہت اچھا ہے۔"

اس کے چہرے پر پھیلا اطمینان اشبار کے من میں طمانیت اتار گیا...... اس نے زہنی سے کوئی بات شیئر نہیں کی تھی کہ اس نے امی اور ارم کی باتیں سن لیں تھیں۔

جو کچھ کیا اس نے اکیلے ہی ہینڈل کیا تھا...... کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ زہنی کے دل میں امی یا ارم وغیرہ کے لیے کوئی برا تاثر ابھرے...... یہ ہی بدگمانیاں ہی تو ختم کرنا مقصود تھیں اسے......

وہ خیالوں سے چونکا اپنے موبائل کی بجتی بیل پر...... اس وقت شانی کا نمبر دیکھ کر وہ قدرے حیران ہوا تھا۔

"خیریت ہے شانی......"

سلام دعا کے بعد اس نے پوچھا اور شانی کا نام سن کر زہنی بھی اٹھ بیٹھی۔

"اچھا...... مگر یہاں سے وہ تقریباً ساڑھے آٹھ بجے چلے گئے تھے۔ کہہ رہے تھے کہ آج انہوں نے نازیہ آنٹی کو ان کے فیورٹ ریسورنٹ میں ڈنر کرانا ہے......"

فیورٹ ہوٹل کا سن کر لمحے بھر کو شانی کا وجود لرزتا محسوس ہوا تھا مگر اگلے پل اس نے خیال جھٹک دیا۔

"مجھے انفارم کر دینا شانی......"

اشبار نے کہا دوسری طرف شاید جلدی تھی فوراً لائن کٹ گئی۔

"کیا ہوا اشبار......"

"شانی تھا۔ آنٹی انکل اب تک گھر نہیں پہنچے تھے......"

"کیا اب تک...... بارہ بجے سے زیادہ ٹائم ہو گیا ہے۔"

"ہو سکتا ہے ٹریفک وغیرہ میں پھنس گئے ہوں۔ مت بھولو تم جس شہر کی باسی ہو وہاں یہ پرابلم کس قدر عام ہے۔"

"ہوں......؟"

اشبار کی تسلی پر وہ چپ ہو گئی۔

ذہنی طور پر خود اشبار بھی کچھ اپ سیٹ سا ہو گیا تھا مگر اس نے زہنی کے سامنے قطعی ظاہر نہیں کیا وہ پہلے ہی پریشان تھی۔

"سونے کا ارادہ نہیں ہے......"

"نیند نہیں آ رہی ہے...... آپ پھر سے فون کریں ناں......"

"میں نے شانی سے کہا تھا وہ خود کال کر لے گا۔"

اثبار نے اسے حوصلہ دیا تھا وہ خاموشی سے لیٹ گئی......

☆☆☆

وہ اور محسن پاگلوں کی طرح گھوم رہے تھے سب سے پوچھ رہے تھے۔ کتنے ہی لوگوں سے معلوم کیا...... کہ شاید کسی نے دیکھا ہو مگر وہاں تو جیسے کسی کو بھی ہوش ہی نہ تھا اپنا...... نہ کسی اور کا...... سب بے حال تھے...... جو زخمی تھے ان کے ورثاء اور جو جان کی بازی ہار بیٹھے تھے ان کے ورثاء تمام لوگوں کی تکالیف ناقابل بیان تھی۔ شانی اور محسن کا بھی تو دیوانوں جیسا حال تھا۔

وہ جب سب سے پوچھ کر مایوس ہو چکے تو پارکنگ کی طرف آئے تھے...... وہاں پولیس کی کافی تعداد موجود تھی۔ محسن ان سے بات کرنے لگا اس نے موبائل میں ماموں کی پکچر بھی دکھائی۔

''دیکھیں ابھی ہمیں کسی بھی بات کا کچھ اندازہ نہیں ہے......''

''سر تقریباً چار گھنٹے ہو چکے ہیں......''

محسن ان سے جرح کر رہا تھا جب اسے شانی کی چنگھاڑ سنائی دی تھی۔ محسن لپکا تھا مگر شانی جب تک زمین بوس ہو چکا تھا...... اس کے صدمے کا احساس شاید یہاں موجود ہر شخص کو تھا۔

''شانی......''

''محسن...... ابا کی گاڑی......''

حالانکہ یہاں موجود گاڑیوں کی حالت بھی بہت بوسیدہ ہو چکی تھی...... مگر بھلا وہ کیسے نہ پہچانتا......

''نہیں شانی ہمت کرو...... یار''

خود محسن بھی جیسے بے یقین تھا...... ''ہم ہسپتال چلتے ہیں۔'' محسن کو جیسے اب بھی یقین تھا۔

''اٹھ ناں شانی......''

اس نے بہت کوشش کر کے شانی کو اٹھایا تھا شانی کو بھی امید جاگی تھی...... اس نے خود کو سنبھالا چہرہ پونچھا...... اور محسن کے ساتھ ہاسپٹل آیا تھا...... یہاں بھی بہت زیادہ رش تھا ہر طرف آہ و بکا تھی۔ چیخیں تھیں، دل دہلانے والی...... دو گھنٹے وہ پاگلوں کی طرح ہاسپٹل میں ادھر سے ادھر بھاگتے رہے...... تب انہیں خبر ملی اور خبر بھی کیا ملی...... کاش کہ وہ بے خبر ہی رہتے......

وہ دونوں ہی دیوار کے سہارے نیچے بیٹھتے چلے گئے......

☆☆☆

''نہ محسن کال پک کر رہا ہے اور نہ شانی...... شازیہ بیگم میرا دل ڈوب رہا ہے......''

آصف صدیقی بلڈ پریشر کے مریض تھے وہ تو ذرا سی پریشانی بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے...... شازیہ صدیقی جن کے اپنے حواس گم تھے مجازی خدا کی ہمت بڑھا رہی تھیں۔

''ہو سکتا ہے سائیلنٹ ہوں فون......''

''عمر تم پھر سے ملاؤ......''

انہوں نے چھوٹے بیٹے سے کہا تھا۔ عمیر نے کال ملائی تو انہیں بیل کی آواز قریب ہی سنائی دی تھی...... شانی اور محسن کے اجڑے چہرے اور بے جان ہوتے قدم وجود جیسے ان پر قیامت ڈھا گئے تھے۔

''کیا ہوا بچے شعیب اور نازیہ کہاں ہیں......؟''
شازیہ لپکیں جبکہ آصف صدیقی ان کے چہروں پر لکھی تحریر جیسے پڑھ چکے تھے تبھی صوفے پر ڈھے سے گئے۔
''ابا جانی......''
عمیر اور افشین لپکے......
''آصف......کیا ہوا......؟''
شازیہ صدیقی بھی مڑ کر لپکیں۔
جبکہ آصف صدیقی محسن اور شانی کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔
''محسن بچے......''
''جی ماموں جانی......ہم پر قیامت گزر گئی ہے......چھوٹے ماموں اور ممانی اب......نہیں رہے۔''
''کیا......؟''
دلخراش چیخ برآمد ہوئی تھی شازیہ صدیقی اور پھر سے ہوش سے بے گانہ ہو گئیں......

☆☆☆

جو کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے ایسا تلخ اور روح تک لرزا دینے والا سچ ان کے سامنے تھا گھر میں صف ماتم بچھ چکا تھا۔ ہر چہرہ کرب ناقابل بیان تھا......اور ناقابل بیان تو وہ حوصلہ بھی تھا وہ صبر کا مادہ بھی تھا جو جانے اللہ رب العزت اسے دے دیا تھا......وہ قدم قدم پر محسن کے ساتھ رہا اور جب صبح چھوٹے ابا اور اماں کی ڈیڈ باڈیز انہیں دی گئیں وہ خود گھر تک لے کر کیسے آیا......اسے خود یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ زندہ تھا یا اماں ابا کے ساتھ اس کے سانس بھی ختم ہو چکے تھے......تدفین کے تمام مراحلہ میں اس کا ضبط اس کا حوصلہ قابل دید تھا......مگر جب انہیں سپرد خاک کیا گیا اور خود اس نے اپنے ہاتھوں چھوٹے ابا اور اماں کو سپرد خاک کیا تو جیسے وہ وہیں ڈھے گیا......مٹی ڈالنے کے بعد اٹھنے کی سکت نہ رہی۔
''ابا جانی......'' یکدم اس کے من میں جیسے کوئی چیخا......ابا جانی کی ہمت ٹوٹی ہے حوصلہ ٹوٹا ہے......ہمارا آشیانہ بکھرا ہے۔
''شانی بچے......''
یہ ٹوٹی بکھری آواز ابا جانی کی ہی تو تھی......وہ جواب تک گھٹنوں کے بل وہیں بیٹھا تھا......سرخ آنکھیں لیے انہیں دیکھنے لگا......ابا جانی نے بیٹھ کر اسے خود سے بھینچ لیا......اور یہاں آ کر وہ جیسے سارا ضبط ساری ہمتیں توڑ بیٹھا اور بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو دیا......ابا جانی نے بھی اسے چپ کرانے کی کوشش نہیں کی تھی......وہ کل رات سے اس کی ہمت دیکھ رہے تھے......
''بس شانی......ماموں ممانی کو اب ہمارے آنسوؤں کی نہیں دعاؤں کی ضرورت ہے۔ ہمیں ان کی مغفرت کے لیے دعا کرنی ہے......یوں رو کر ان کے لیے مشکلات نہیں کھڑی کرنی......'' احسن بھیا نے اسے ابا جانی سے الگ کیا اور خود سے لگاتے ہوئے سمجھایا تھا۔
''ابھی تو ایک کڑا امتحان اور باقی ہے شانی......جب ہم گھر لوٹیں گے تو ہنی افشین اور ممانی جانی کی بے قرار نگاہوں میں جو تڑپ ہو گی وہ بھی سہنی ہے انہیں سمجھانا ہو گا......اور بے قرار من کو حوصلہ بھی ہمیں دینا ہے۔ ہماری ہمت، ہمارا حوصلہ دیکھ کر ہی تو وہ بھی صبر کر پائیں گی۔ ورنہ ان کا بکھرنا کیسے دیکھ پاؤ گے......''

کتنا تلخ تھا یہ سچ گھر کے اندر قدم رکھتے ہی ہنی تڑپ کر بڑھی تھی۔ ''شانی کہاں چھوڑ آئے اماں ابا کو......''
اسے سنبھالنا کس قدر مشکل ہو رہا تھا پھوپی نے دونوں بازوؤں میں بمشکل اسے تھاما تھا...... افشین ابا جانی سے لپٹی الگ تڑپ رہی تھی۔ اور اماں جانی......! انہیں جیسے کچھ ہوش ہی نہ رہا تھا۔ ذرا دیر کو ہوش میں آئیں اور پھر رو رو کر بے حال ہو جاتیں اور بے ہوش ہو جاتیں...... اور فاخرہ آنی...... وہ تو بے چاری پہلے ہی بیمار رہتیں تھیں اور اب بہن بہنوئی کی ناگہانی موت نے انہیں جیسے توڑ دیا تھا۔ کس کس کو حوصلہ دیں...... کیسے سنبھالیں...... کوئی جھوٹی تسلی بھی نہ تھی۔ کوئی بہلا وہ بھی نہ تھا...... یہ کیسا امتحان تھا زندگی کا...... یا میرے اللہ بے شک تو ہی صبر عطا کرنے والا رب ہے...... ہمیں صبر عطا کر...... صبر عطا کر...... آمین

خالی سرخ نگاہیں وہ سب پر جمائے یوں بیٹھا تھا جیسے کوئی بے جان بت...... جب اسامہ کی بانہوں نے اسے تھام لیا۔

☆☆☆

تین دن مکمل ہوئے تو سب نے دھیرے دھیرے اجازت چاہی...... وہ حیران نگاہوں سے تمام لوگوں کو تکتا رہا...... بس تین دن......!

یہ ہی زندگی ہے بچے...... یہ دکھ ہمارا ہے...... یہ کمی یہ خلا ہمارا ہے ہم سے جو چھین چکا اس کی کمی کوئی پوری نہیں کر سکتا...... اور کوئی ہمارے دکھ کو تھام کر کب تک ہمارے ساتھ چلے گا۔ بہر حال یہ دنیا ہے اس کے اپنے جھمیلے ہیں۔ رکتا تو کچھ نہیں ہے شانی...... دیکھو ہر چیز اسی طرح چل رہی ہے۔ کہیں کچھ کمی ہوئی...... دن رات کی روٹین وہ ہی ہے...... ہر چیز وہ ہی ہے......'' شاید آصف صدیقی بیٹے کے چہرے کو پڑھ چکے تھے۔

''ہمارے گھر، ہمارے آشیانہ میں تو زندگی رک گئی ہے ابا جانی سانس تو ہر فرد لے رہا ہے مگر جان جیسے جسم میں باقی نہیں رہی ہے۔''

''ہمارا آشیانہ تو بکھر گیا ہے بچے...... چالیس سال مل کر ہم دونوں بھائیوں نے تنکا تنکا اکٹھا کر کے یہ آشیانہ بنایا تھا اور اب کیسے شعیب خاموشی سے سارا بوجھ میرے کندھوں پر ڈال کر چلا گیا......''

''آصف......!''

بی بی جان کی آواز پر یکدم دونوں ہی چپ ہو گئے۔

''آپ بھی جا رہی ہیں ایک دو دن تو رکیں......''

بڑی بہن کو دیکھ کر وہ بولے۔

''دو دن بعد بھی تو جانا ہے بھیا......''

''پھر بھی بی بی جان......''

''جی بی بی جان آپ پلیز کچھ دن رک جائیں آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے......''

ہنی نے لب کشائی کی ان تین دنوں میں شاید وہ پہلی بار بولی تھی۔ ورنہ اس کے آنسو اسے بولنے ہی نہ دیتے تھے۔ لیکن اب اسے پتہ تھا کہ اماں ابا جو کام ادھورا چھوڑ گئے...... جو بات کرنے کی انہیں مہلت ہی نہ ملی اب وہ ان کا یہ فرض پورا کرے گی۔''

''کیا بات ہے بچے......''

بی بی جان نے دست شفقت اس کے سر پر دھرا تو اس کی آنکھیں پھر جھلملانے لگیں۔

''اماں ابا آپ سے بات کرنا چاہتے تھے انہوں نے اسلام آباد ہی جانا تھا آپ سے ملنے اور جس دن...... وہ گئے تھے مجھ سے ملنے واپسی پر انہوں نے ابا جانی سے بات کرنی تھی مگر زندگی نے انہیں مہلت ہی نہ دی...... اور وہ یہ ادھورا کام چھوڑ کر اپنی آخری آرام گاہ جا بسے...... مگر مجھے لگتا ہے اب مجھے ان کا یہ ادھورا کام مکمل کرنا ہے...... مجھے وہ سچائی سب کے سامنے لانی ہے جو وہ لانا چاہتے تھے...... میں جانتی ہوں کہ ابھی شاید یہ وقت مناسب نہیں...... مگر بی بی جان...... میرے من پر بوجھ ہے۔ میں جلد از جلد اپنے اماں ابا کا وہ ادھورا کام مکمل کرنا چاہتی ہوں......''

''اتنی لمبی تمہید کیوں بچے...... ایسی کیا بات ہے؟''

ابا جانی نے محبت پاش نگاہوں سے اسے دیکھا تھا......

''بات شاید بہت بڑی ہے۔'' اس نے لب ہلائے۔

گھر کے تقریباً تمام افراد ہی وہاں موجود تھے۔ ہنی نے نگاہیں اٹھا کر سب کو دیکھا...... پھر جیسے خود کو ہمت دی...... اور گہری سانس خارج کی۔

''افعان شادی شدہ ہے اور اس کا ایک بیٹا ہے...... یہ سچ اماں ابا کو پتہ چلا تو وہ......''

''یہ کیا کہہ رہی ہو ہنی......؟ اس طرح کا مذاق......!''

''آپ کو لگتا ہے بی بی جان کہ میں یہ مذاق کر سکتی ہوں بی بی جان مذاق تو افعان نے ہمارے خاندان کے ساتھ کیا ہے...... دو سال سے وہ ہمیں پل پل اذیت دے رہا تھا اور ہم دونوں بہنوں نے یہ بات کسی سے اس لیے نہیں کی کہ وہ صرف ہمیں ٹینشن دے رہا ہوگا...... مگر......! جب اس نے اپنی وائف اور بیٹے کی پکس ہمیں سینڈ کیں......''

''یہ بھی ہو سکتا ہے وہ تمہیں تنگ کر رہا ہو تصویریں تو جھوٹی بھی ہو سکتی ہیں......''

بی بی جان حسب توقع ماننے کو تیار نہ تھیں جبکہ شازیہ اور آصف صدیقی پر گویا ایک اور قیامت گزر گئی تھی۔

''نہیں بی بی جان جھوٹ کچھ بھی نہیں ہے افعان خود شعیب ماموں کے سامنے ہر سچائی کا اعتراف کر چکا تھا۔ ماموں جان نے خود افعان کو فون کیا تھا۔ وہ بھی بے بنیاد بات نہیں کرنا چاہتے تھے۔ تبھی انہوں نے پہلے آسٹریلیا افعان سے تمام معاملات پر بات کی تھی۔''

محسن نے بھی گفتگو میں حصہ لیا تھا۔

''میرا دل نہیں مانتا''

''دل کسی کا بھی نہیں مانتا تھا بی بی جان!...... مگر یہ سچ ہے......''

''اور جس دن اماں ابا مجھ سے ملنے گئے تھے وہ کہہ رہے تھے کہ وہ آج جا کر ابا جانی سے بات کریں گے اور پھر آپ سے کیونکہ ان کے خیال سے یہ صدمہ آپ کے لیے بھی اتنا ہی بڑا ہوگا جتنا ہمارے لیے تھا...... افعان تو پورے خاندان کے اعتماد کا خون کیا ہے اگر وہ افشین سے رشتہ جوڑنے پر خوش نہیں تھا تو صاف منع کر دیتا...... اتنے سال تک اپنے رویے سے سب سے زیادہ تکلیف افشین کو ہی دی ہے۔ اسے کوئی حق نہیں تھا کسی معصوم لڑکی کے احساسات کو روندنے کا......''

وہ جیسے تلخ ہوگئی۔

''اور معاف کیجئے گا بی بی جان اس میں قصوروار آپ بھی ہیں افعان نے ابا جانی کے سامنے یہ اعتراف کیا ہے کہ اس نے آپ کو کئی بار منع کیا مگر آپ نے کبھی اس کے فیصلے کو اہمیت نہ دی اور زبردستی اتنے سال یہ رشتہ بنائے رکھا حالانکہ آپ

جانتیں تھیں کہ آپ کا بیٹا ناخوش ہے۔"
"منی بچے......"
شازیہ صدیقی نے سرزنش کرنی چاہی۔
"ایم سوری اماں جانی مگر یہ حقیقت ہے......اور بڑوں کو بھی فیصلے لینے سے پہلے بچوں کی خوشی کو مدنظر رکھنا چاہیے......
اب نقصان کس کا ہوا۔ ہمارا ناں......افعان نے تو اپنی پسند سے شادی کرلی وہ اپنی زندگی میں خوش ہے...... ہماری افشین کے ساتھ تو زیادتی ہوئی ناں......اس کا کیا قصور تھا......اماں جانی پہلے شاید مجھے بھی احساس نہ تھا مگر سات آٹھ ماہ سسرال میں گزار کر مجھے اندازہ ہو چکا ہے کہ ہم کتنا بھی آنکھیں بند کرلیں زندگی کی تلخیاں کم نہیں ہوتیں اور برسوں پرانی منگنی ختم ہونے سے افعان کو کوئی فرق نہیں پڑے گا سب کے سوالوں کے جوابدہ ہم ہوں گے۔ اس لیے کہ ہم لڑکی والے تھے......"
ہنی ضرورت سے زیادہ کڑوی ہوگئی تھی۔ افعان نے جو اتنے عرصے سے ان کے اندر تلخی بھر دی تھی وہ جیسے ابل ابل کر آرہی تھی۔
"منی......!"
"منی غلط نہیں کہہ رہی ہے شازیہ بیگم!" ہم نے آج تک رشتوں میں فرق نہیں رکھا......اس کا ہمیں یہ صلہ ملا ہے۔ افعان ہم سے شیئر کرلیتا اگر بی بی جان نہیں مان رہی تھیں......مگر اس نے جو طریقہ اپنایا وہ سراسر غلط ہے۔ ہم اسے معاف نہیں کرسکتے۔ اس نے نہ صرف ہمارا مان توڑا ہے بلکہ ہماری بچی کو ذہنی اذیت دے کر جرم بھی کیا ہے۔ ابھی تو ہم نازیہ اور شیب کے جانے کے صدمے کو بھی قبول نہیں کر پارہے ہیں کہ ایک اور صدمہ......
کس کس کو آپ اپنی بیٹی کے بے قصور ہونے کا یقین دلا پائیں گی......جس معاشرے میں آپ سانس لیتی ہیں وہاں قصوروار صرف کمزور کو مانا جاتا ہے......افعان نے ہماری کمزوری کا غلط فائدہ اٹھایا ہے۔ بہت غلط...... بی بی جان یہ دکھ کبھی ہمارے دل سے نہیں جائے گا کبھی نہیں......آپ ہی ہم سے ذکر کردیتیں کہ افعان ناخوش ہے......ہمیں زبردستی اپنی بچی کا رشتہ کرنا قطعی منظور نہ ہوتا......مگر......!
وہ کہتے کہتے لب بھینچ کر اٹھ گئے......اور بی بی جان جیسے خود سے ہی شرمندہ سی ہوگئیں کسی سے بھی نظر ملانے کی ہمت نہیں کر پارہی تھیں۔
"ایم سوری بی بی جان! آپ پلیز آصف کی باتوں کو دل پر مت لیجیے گا اس وقت وہ صدمے سے دوچار ہیں......"
"مجھے اندازہ ہے شازیہ......!"
ان کا لہجہ بھیگ گیا۔

☆☆☆

"تو بھی جارہا ہے ہمیں اس حال میں چھوڑ کر......"
محسن کی سیٹ کنفرم ہوگئی تھی......اور یہ خبر سن کر شانی شاک میں تھا۔
"مجبوری ہے جانی......مگر کچھ عرصے کی ہی تو بات ہے......"
"اسی عرصے میں تو شاید تیرے ساتھ ہی کی اشد ضرورت تھی زندگی کی یہ تنہائیاں سہی نہیں جارہی ہیں محسن......"
انیس سال زندگی میں صرف خوشیاں دیکھیں مگر اس ایک سال میں جیسے زندگی کا اتنا بھیانک روپ سامنے آیا......ہنی کی شادی کے بعد اس کے بنا رہنے کی عادت بھی نہ ہو پائی تھی کہ چھوٹے اماں ابا چلے گئے اور اب رشتوں کی یہ بداعتمادی

انعان بھائی نے جو کیا...... !محسن بہت مشکل ہے یار بہت مشکل......

''تیرے لیے اتنا مشکل ہے تو سوچ ماموں جانی پر کیا گزر رہی ہوگی......شانی وہ بہت تنہا ہو گئے ہیں شعیب ماموں کے بعد خود کو بہت اکیلا محسوس کرنے لگے ہیں اور ایسے وقت میں صرف تو ان کی ہمت بن سکتا ہے۔ اب تک تو نے جیسے چاہا وہ ہی زندگی گزاری......مگر اب تیری زندگی کا مقصد ہے۔ اپنے ابا جانی کا مضبوط بازو بننا......انہیں یہ احساس دلانا کہ وہ اکیلے نہیں ہیں......جو خلا شعیب ماموں کے جانے سے پیدا ہوا ہے اسے کوئی ختم نہیں کر سکتا۔

مگر تو اگر ان کے ساتھ رہا......تو کم از کم انہیں اکیلے پن کا احساس نہیں ہوگا......وہ سنبھل جائیں گے......تجھے پتہ ہے ناں کہ ماموں ہائی بلڈ پریشر کے مریض ہیں وہ ذرا سی ٹینشن بھی نہیں برداشت کر سکتے۔

پلیز شانی میں نے آج تک تیرا ساتھ دیا مگر آج تجھ سے وعدہ مانگتا ہوں کہ تو زندگی کو صرف کھیل سمجھ کر ضائع نہیں کرے گا......اپنی ذمہ داریاں پوری ایمانداری اور سنجیدگی سے نبھائے گا اور ماموں جانی کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دے گا۔ وہ جیسا تجھے دیکھنا چاہتے تھے تو ویسا ہی بن جائے گا......بنا کسی گلے شکوے کے......''

اس نے شانی کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام کر بہت مان سے اور رسان سے سمجھایا تھا۔

''اگر شعیب ماموں یوں نہ چلے جاتے تو قسم سے میں تجھ سے یہ قربانی نہ مانگتا......مگر اب ماموں جانی کو صدیقی گروپ آف کمپنیز کو تیری ضرورت ہے۔ فریش بلڈ کی ہمت اور لگن سے کام کرنے والے انسان کی......''

''تجھے پتہ ہے ناں مجھے بزنس کی ذرا بھی نالج نہیں......'' اس نے بے بسی سے کہا۔

''مجھے صرف اتنا پتہ ہے کہ ذیشان احمد صدیقی وہ شخص ہے جو اگر چاہے تو ہر کام کر سکتا ہے۔ وہ کم ہمت نہیں ہے......جنون اور عزم رکھنے، الا باحوصلہ انسان ہے اور جس کی ضرورت آج اس کی فیملی کو بہت شدت سے ہے......''

''تو مجھ سے بہت زیادہ توقعات باندھ رہا ہے......پتہ نہیں میں کر بھی پاؤں گا یا نہیں......''

''مجھے یقین ہے تو ضرور کرے گا اور جب میں واپس لوٹوں گا تو مجھے ایک الگ ہی شانی سے متعارف ہونا پڑے گا......''

محسن نے کاندھوں سے تھام کر پورے یقین سے کہا تھا۔

''اتنا یقین ہے تجھے مجھ پر......؟''

''اس سے کہیں زیادہ یقین تجھے رکھنا ہے خود پر......''

شانی لب بھینچ کر سر ہلانے لگا۔

پہلے میوزک اور اب...... انجینئرنگ زندگی کے دو خواب......!جن کی شاید اب تعبیر معدوم ہو چکی تھی۔

محسن اسے اچھے سے سمجھا کر ماموں جانی سے ملنے آیا تھا۔

''بہت اچانک تیاری ہوئی تمہاری......''

''جی ماموں جانی......!''

''اللہ تمہیں تمہارے مقصد میں کامیاب کرے بچے......مگر تمہارے ہونے سے اک حوصلہ تھا......صحیح معنوں میں تنہائی کا احساس اب ہوگا ہمیں......''

''نہیں ماموں جانی......مجھے واثق یقین ہے کہ شانی اب آپ کا مضبوط بازو ہوگا۔''

''تم بھول رہے ہو بچے......ہمارا صاحبزادہ دو اور دو کی گنتی سے بھاگتا ہے......''

''مگر اب نہیں بھاگے گا بلیومی...... آپ کو آنے والے دنوں میں ایک مختلف شانی ملے گا جس پر آپ کو مان ہوگا...... انشاءاللہ محسن نے انہیں یقین دلایا تھا۔

''اللہ کرے......''

انہوں نے دل سے دعا کی تھی۔

☆☆☆

''تمہارے دکھ کا احساس تو شاید ہم کبھی بھی نہ کر سکیں بچے مگر تمہاری یہ حالت ہمیں بہت تکلیف دیتی ہے ماں باپ کا سایہ بہت بڑی نعمت ہے۔ یہ محرومی تو تاعمر بھی کم نہ ہو پائے گی لیکن بہو تم خود تخلیق کے مراحل طے کر رہی ہو اور ان دنوں میں تمہاری یہ کنڈیشن اچھی نہیں ہے...... یوں چپ نہ رہا کرو...... بولا کرو...... من میں جو ہو کہہ دیا کرو...... دل چاہے رو کر ہلکا کر لیا کرو خود کو...... مگر یہ اندر ہی اندر تم گھٹ رہی ہو یہ اچھی بات نہیں ہے......''

رابعہ بیگم دھیرے سے اس کا سر تھپک رہی تھیں اور سمجھا رہی تھیں۔

''زندگی کہیں نہیں رکتی منی...... بہت سفاک ہے کسی کے جانے پر بھی زندگی کو کوئی فرق نہیں پڑتا اور ہمیں جب تک سانسیں ہیں جینا بھی پڑتا ہے اور دنیا کی تمام رسمیں نبھانی بھی پڑتی ہیں...... ہمت اور حوصلے کے ساتھ رہا کرو......''

''امی میں بہت کوشش کرتی ہوں مگر جانے کیوں بار بار مجھے وہ دن یاد آ جاتا ہے اماں ابا مجھ سے ملنے آئے...... مجھے کیا علم تھا کہ میں آخری بار ان کے سینے لگ رہی ہوں آخری بار انہیں دیکھ رہی ہوں...... اگر پتہ ہوتا تو......''

''تب بھی بے بس انسان کچھ نہیں کر سکتا بچے...... اگر علم ہو بھی جاتا تو کون سا ہم انہیں روک سکتے تھے...... وہ قادر ہے منی ہر شے پر...... جس کی رضا سے ہر کام ہوتا ہے......''

انہوں نے اس کے چہرے پر پھیلے آنسو صاف کیے۔

''کچھ دیر کے لیے اپنے گھر ہو آؤ...... بہن بھائیوں سے مل کر من کو سکون ہوگا......''

''امی انہیں دیکھ کر تو اور زیادہ تکلیف میں مبتلا ہو جاتی ہوں۔ وہاں پھیلا سناٹا تو جیسے روح تک کو کاٹ دیتا ہے۔''

وہ بے بسی سے بولی تھی...... جہلم کے بعد وہ دوبارہ گئی ہی نہیں تھی حالانکہ اشبار اور رابعہ بیگم نے کئی بار کہا......

''چلو میں بھی چلتی ہوں......''

اسے حیرت ہوئی...... امی کتنا بدل گئی تھیں ناں...... وہ اشبار اور امی کے ساتھ آشیانہ آئی تو اماں اور افشین ہی تھیں گھر پر...... اماں جانی کتنے ہی وقت اسے خود سے لگائے آنسو بہاتی رہیں......

''ملنے تو آ جایا کر بچے...... آنکھیں ترس جاتی ہیں تجھے دیکھنے کو......''

''بس اماں...... دل ہی نہیں چاہتا...... کچھ جھجک محسوس ہوتی ہے ابا جانی اور شانی کے سامنے یوں آتے......''

اپنی جسمانی تبدیلیوں کے باعث بھی وہ جھجکتی تھی...... اماں نے اس کی پیشانی چوم لی۔

''اللہ پاک صحت و زندگی والی خوشی عطا کرے میری بچی کو......''

''آمین......''

رابعہ بیگم نے دل سے کہا۔

''اماں شانی اور عمیر کہاں ہیں......''

کافی دیر گزرنے کے بعد منی نے پوچھا تھا۔

''شانی تو ماشاء اللہ کالج کے بعد تمہارے ابا کے پاس چلا جاتا ہے آفس عمیر ابھی باہر نکلا ہے۔''
''سچ میں اماں جانی......''
ہنی کو جیسے یقین نہ ہوا تھا شانی اور آفس......
''جی بچے......خود اپنی مرضی سے اس نے تمہارے ابا جانی سے کہا ہے کہ وہ بس فائنل پیپرز کے بعد باقاعدہ آفس جوائن کرلے گا اور ان کا بازو بنے گا......تمہارے ابا جانی اکیلے رہ گئے ہیں شعیب تو ان کا مضبوط سہارا تھا۔ایک عمر کا ساتھ یوں اچانک......''اماں جانی کی آنکھیں پھر سے نم ہو گئیں۔
''شازیہ بہن بھلا موت نے کبھی کسی پر ترس کھایا ہے......وہ تو برحق ہے۔کوئی کتنا ہی پیارا ہو کسی کی کتنی ہی ضرورت ہو مگر جب قضا نے طے کرلیا کہ آنا ہے تو پھر......آکر ہی رہتی ہے۔''
یہ بھی اچھی بات ہے کہ شانی نے سمجھ داری کا ثبوت دیا ہے اور اس نے فوراً اس بات کا احساس کیا کہ اس کے ابا کو ضرورت ہے اب ایک بازو کی ماشاء اللہ اتنا بڑا کاروبار سنبھالنا اکیلے انسان کے بس میں کہاں ہے۔''
''رابعہ آپا آپ ٹھیک ہی کہتی ہیں......بھلا یہ سوچا بھی جا سکتا تھا میری چھوٹی بہن مجھے چھوڑ کر پہلے اس دنیا سے جائے گی۔نازیہ کے ساتھ گزرے اک اک پل کو فراموش کرنا ناممکن لگتا ہے......صرف آصف نہیں میں تو خود ادھوری ہو کر رہ گئی ہوں۔''اماں جانی بھلا اک لمحے کو بھی نہ بھول پاتیں تھیں بہن کو۔
''اللہ پاک ان کی مغفرت فرمائے درجات بلند فرمائے۔بس بہن اب تو ہم ان کے لیے دعا خیر ہی کر سکتے ہیں۔''
رابعہ بیگم کے من سے ہوک سی اٹھی ہنستا بستا آشیانہ کیسے سناٹوں میں اتر آیا تھا۔
''صدمات سہنا بھی دل گردے کا کام ہے ایک تو دو دو اموات اور پھر افشین کی منگنی کا ختم ہونا۔''
حالانکہ وہ تذکرہ نہیں کرنا چاہتی تھیں مگر بے ساختہ ہی ان کے لبوں سے نکل گیا۔شازیہ صدیقی جیسے لب کچل کر رہ گئیں اب انہیں خود میں اتنی ہمت اور حوصلہ تو پیدا کرنا ہی ہوگا یہ بات تو ابھی تمام برادری کے لبوں سے سنی ہے۔''
''ہاں آپا بس......''
وہ مزید جیسے کچھ بھی نہ کہہ پائیں۔
''شازیہ جو ہوا شاید اسی میں بہتری تھی بچی کی اب تو یہ بات کچھ دن بعد ختم ہو جائے گی مگر خدانخواستہ اگر شادی ہو جاتی اور پھر یہ حقیقت کھلتی تو......''
''آپا بے شک میرا رب جو کرتا ہے وہ ہی بہترین ہوتا ہے۔''شازیہ صدیقی بولیں۔
''برا مت ماننے گا مگر اب یہ بچپن کی منگیاں پائیدار نہیں ہوتیں شازیہ......اب وہ دور نہیں رہا......آج کل تو بچے صرف اپنی مرضی کرتے ہیں۔''
شازیہ صدیقی خاموش ہو کر سن رہی تھیں۔ہنی اور شانی بھی یہ ہی کہتے تھے کہ اماں جانی ہم کسی کی زبان نہیں روک سکتے......یہ سچ ہے کہ لوگوں کو ہمارے خاندان کے یہ فیصلے باتیں بنانے کا موقعہ دیتے ہیں۔''
''افشین آج کیا بنا رہی ہے میں دیکھ کر آتی ہوں۔''
شاید ہنی ٹاپک تبدیل کرنا چاہتی تھی۔
''ہاں دیکھ آؤ......مگر ذرا دھیرے دھیرے چلا کرو بچے''اماں جانی نے بھی ٹوکا......وہ مسکرا کر رہ گئی۔
''میں بھی یہ ہی سمجھاتی ہوں اسے کہ اب بھاگ بھاگ کر کام مت کیا کرو ذرا دھیرے دھیرے قدم رکھا کرو عمر پڑی

ہے کام کرنے کو یہ تین ماہ تو سکون سے گزار لو......''
امی کا پسندیدہ ٹاپک شروع ہو چکا تھا۔
''میں بہت مطمئن ہوں آپا کہ ہنی کی کیئر کے لیے آپ ہیں مجھے یقین ہے کہ آپ اس کے لیے بہترین سوچتی ہیں۔
اللہ پاک آپ کو صحت عطا فرمائے۔''
''اور صحت اور زندگی والا پوتا یا پوتی بھی......''
''آمین......''
شازیہ صدیقی نے مسکرانے میں ان کا ساتھ دیتے ہوئے دل کی گہرائیوں سے کہا تھا۔

☆☆☆

صدیقی گروپ آف کمپنیز کے ساتھ تو پرانے مراسم تھے مگر صرف کاروباری...... یوں تو اندازہ بھی نہ تھا کہ زندگی کی کتنی ہی کڑیاں اس خاندان سے جڑی ہوں گی...... روحہ کے رشتے کے معاملے میں جب علم ہوا تھا کہ احراز آصف صدیقی کا بھانجا ہے تو دل کتنا مطمئن ہوا تھا......
مگر اب شعیب انکل کی حادثاتی موت پر جب حریم صدیقی سے سامنا ہوا تو لگا دنیا تو بہت چھوٹی ہے۔ اسے تو اندازہ تک نہ تھا کہ حریم ان کی بیٹی ہوگی...... یا شاید اس کی نالج کی کمی تھی مگر اسے بہت بڑا شاک لگا تھا۔
وہ جو اس کی تو کبھی نہ ہو سکی تھی مگر اس کی خوشیوں کی دعا وہ ہمہ وقت کرتا تھا اب اس سانحے پر جیسے دل بہت مضطرب تھا حریم صدیقی کے پیرنٹس کی اچانک موت پر......
اسے شاید پتہ بھی نہ چلتا اگر وہ سوئم والے دن اسے وہاں نہ دیکھتا اور تعارف نہ ہوتا۔
''خیریت ہے ویرے آج کل بہت کھوئے کھوئے رہتے ہو پرانے عشق کی یادیں ہیں یا نئے عشق کی چنگاریاں ہیں کوئی......''
شادانہ نے اسے بہت زیادہ اداس اور چپ چپ بیٹھے دیکھا تو چھیڑنے لگی...... سعد ملک نے گہری سانس خارج کی تھی اور اپنی یادوں اور دکھوں کو سمیٹ کر دل کے نہاں خانوں میں بند کر لیا۔
وینی نے جو چائے کا مگ اس کے سامنے لا کر رکھا تھا اس نے خاموشی سے اٹھایا اور اڑتی بھاپ دیکھنے لگا۔
''کاش وینی انسان کے دکھ بھی اس بھاپ کی طرح ہوتے اور یوں ہی اڑ جاتے چند لمحوں میں۔''
''پھر بھی زندگی کا کڑوا پن تو باقی رہتا ناں...... جہاں چائے کی مٹھاس مزہ دیتی ہے وہاں ہلکا سا تلخ پن کا بھی اپنا ہی مزہ ہے سعد ملک......''
''ہوں شاید...... مگر جن لوگوں سے ربط محبت کا ہو...... ان کے دکھ نہیں دیکھے جاتے...... پھر چاہیں وہ ہم سے وابستہ ہوں یا کسی اور سے وابستہ ہو جائیں مگر یہ تو طے ہے ناں کہ محبت کا جو ربط دل نے باندھا ہے وہ ہمیشہ ہی بندھا رہے گا...... ہر خوشی اور غم میں دل اس کے ساتھ ہوگا۔''
''اوں ہوں خیریت ہے ویرے......''
وینی نے گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے پوچھا۔
''ہاں خیریت ہی ہے......'' اس نے سر جھکا۔
''امی سو گئیں کیا......!''

''نہیں روحہ کا فون آیا ہوا ہے سفیہ بھابی کے پاس بیٹھی ہوئی ہے۔''

''اچھا اور یہ گڈ نیوز تم مجھے اب بتا رہی ہو......''

''مجھے لگا میری کوئی بھی گڈ نیوز تمہارے وری بیڈ موڈ پر کچھ خاص اثرات مرتب نہیں کرے گی......''

''اوئیں تمیں...... بھلا چاچو بننا کوئی عام بات ہے......''

''بائی دے وے پھپھو بننا بھی بہت خاص ہے اور یہ خاص الخاص احساس بیان کر رہی ہے روحہ...... گھنٹے بھر سے بس گڑیا ایسی ہے اس کی آنکھیں ایسی ہیں...... ناک ایسی ہے''

''چلو ناں فہد اور بھابی کو مبارکباد دیتے ہیں۔'' سعد اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں دے چکی تم دے آؤ اگر روحانہ ملک کی باتیں ختم ہوں تو......''

''ایسی کی تیسی اس کی باتوں کی''

وہ جیسے بھتیجی کے پیدائش پر عارضی طور پر ہر دکھ بھول بیٹھا تھا...... یہ ہی ہے انسان زندگی کے جھمیلے میں گم...... کبھی انتہا کا اداس اور اگلے پل سرشار......

☆☆☆

اپنوں کی کمی کا احساس ان کے جانے کے بعد کس شدت سے ہوتا ہے یہ کوئی آشیانہ صدیقی کے رہنے والوں سے پوچھتا...... اتنا بڑا جیسے سناٹوں میں آ گیا...... افشین اور شازیہ صدیقی سے دن کاٹنا جیسے دوبھر ہو جاتا...... عمیر کالج کے بعد فرینڈز کے ساتھ نکل جاتا اور اگر گھر میں ہوتا تب بھی بھلا وہ پہلے والے دن کہاں رہے تھے...... شانی ابا جانی کے ساتھ مغرب کے بعد کہیں جا کر آتا...... اور پھر جیسے اسے صرف بستر اچھا لگتا تھا۔

شازیہ صدیقی کبھی کبھی لاڈلے خوبرو بیٹے کو دیکھتیں تو ہوک سی من سے اٹھتی۔ چھوٹے ابا ہوتے تو وہ کبھی بھی اسے یوں من مار کر آفس جوائن کرنے نہ دیتے بلکہ جو وہ خوشی سے دل کی رضا سے کر رہا تھا وہ ہی مکمل کراتے مگر اب......! نہ چھوٹے ابا رہے تھے نہ وہ دن رات...... جب وہ ذرا ذرا سی بات پر اڑ جاتا...... ضد کرتا تھا کہ کچھ بھی کر لیں بزنس نہیں کرنا سو نہیں کرنا...... اب کیسے روٹین سے بنا چوں چرا اس کے معمول کی مانند روز جا رہا تھا۔ مگر بس اب لب پر وہ شوخی نہ ناچتی تھی نہ انداز میں شرارت...... جو اس کی شخصیت کا خاصا تھا...... دونوں بیٹوں کو ایسی چپ لگی کہ گھر ویران ہو کر رہ گیا...... بھلا اب کہاں وہ دن رہے تھے...... خواب ہی ہو گئے تھے...... جب افشین کو ان تینوں کی دھما چوکڑی زہر لگا کرتی تھی وہ منہ بسورتی رہتی اور وہ شور مچا کر رکھتے اب اپنی کو دیکھو تو ان سات آٹھ ماہ میں دادی اماں بن گئی تھی ایسی سگھڑ ذمہ دار کہ گمان تک نہ ہو یہ وہ ہی اپنی ہے...... جیسے اپنے بال تک سمیٹنے نہیں آتے تھے اب کیسے بھرا سسرال سنبھال رہی تھی۔ کتنا مذاق اڑایا کرتے تھے وہ اس کا...... کہ اپنی تو اپنے بالوں کی چوٹی نہیں بنا سکتی تھی سسرال جا کر روٹی کیا بنائے گی اب وہ ہی اپنی تھی کیسے بھاگ بھاگ ہر ڈش بنا لیتی تھی۔

اور اس کے دونوں بھائی...... اب اسی سٹنگ روم میں موجود ہوتے تھے دیوار پر وہ ہی فل سائز ایل ای ڈی ٹی وی نصب تھا جس کے پیچھے کیسے وہ خونخواروں کی طرح لڑا کرتے تھے اب وہ بے چارہ بھی اپنی قسمت کو روتا تھا...... شانی آ کر اماں جانی کی گود میں رکھ کر سر وہیں لیٹ جاتا کبھی باتیں کرتا کرتا وہیں سو جاتا کبھی موبائل میں لگا رہتا یہ اور بات تھی اب وہ زیادہ تر موبائل پر بس گیمز ہی کھیلتا تھا...... باقی سب کچھ چھوڑ چکا تھا۔

رہا عمیر تو کالج پھر اکیڈمی اور شام میں دوستوں کے ساتھ نکل جاتا اماں جانی بھی بہت چپ رہنے لگی تھیں ایسے میں

افشین کو اپنا دم رکتا محسوس ہوتا تھا......
آج ابا جانی آفس کے بعد کہیں ڈنر پر انوائٹڈ تھے......شانی اپنا موبائل تھامے صوفے پر لیٹا ہوا تھا عمیر نے والیم بالکل مائنس کر کے ریسلنگ لگائی ہوئی تھی۔
اماں شاید کمرے میں تھیں وہ کب سے ڈائجسٹ کھولے بیٹھی تھی مگر اس کا ذہن گھر کی یہ ویرانی اس شدت سے محسوس کر رہا تھا کہ وہ تادیر ڈائجسٹ بھی نہ پڑھ پائی اور یکدم ٹیبل پر پٹخ کر رونے لگی تو دونوں بھائی چونکے۔
''کیا ہوا ہے افشین......''
وہ دونوں یکدم گھبرا کے اس کے پاس آئے اماں جانی بھی تب ہی روم سے نکل کر آئیں تھیں۔
''کیا کہا ہے تم نے بہن کو......''
''قسم لے لیں اماں جانی ہم تو خود پریشان ہیں......''
''کیا ہوا ہے کوئی سیڈ سٹوری تھی کیا......؟''
''ہیرو مر گیا......!''
''ہیروئن کی شادی کہیں اور ہوگئی کیا......؟''
ان دونوں نے تابڑتوڑ سوالات شروع کر دیے تھے۔
''افشین بچے کیوں ہراساں کر رہی ہو کیا ہوا ہے......''
''اماں پچھلے ایک گھنٹے سے ہم تینوں یہاں موجود ہیں مگر صرف ٹی وی کی آواز ہے اور بس......اماں میرا دم گھٹتا ہے اپنے گھر کی ویرانی پر......یہ دونوں اب پہلے کی طرح کیوں نہیں لڑتے اب......!اتنا جان لیوا سناٹا تو میری روح کھینچ لیتا ہے......عمیر کب سے ریسلنگ دیکھ رہا ہے اور شانی نے ایک بار بھی اسے منع نہیں کیا......اماں مجھے عادت نہیں ان کے اس رویے کی......پلیز اماں انہیں کہیں ناں کہ پہلے کی طرح لڑ لیا کریں......''
''اف......''
ان دونوں نے سر تھاما اماں جانی نے افشین کو ساتھ لگا لیا جبکہ وہ دونوں واپس جا بیٹھے تھے۔
''تم لڑکیاں بھی ناں......پہلے ہر وقت یہ رونا تھا کہ اماں یہ اتنا تنگ کرتے ہیں ادھم مچاتے ہیں۔گھر کی صفائی کا بیڑا غرق کرتے ہیں اور اب جب سب اپنی مرضی کے مطابق ہے تو پھر سے رونا......او گاڈ اماں جانی یہ کیا بات ہوئی بھلا......''
''بچے بہنوں کے دل ایسے ہی ہوتے ہیں......بھائیوں کے چہروں کی خاموشی اور سنجیدگی بھی انہیں کھلتی ہے اور تم دونوں تھے بھی تو شرارتی......بھلا یکدم اتنا چینج کیسے قبول ہو بھلا''
''اماں جانی حالات بھی بدل گئے ہیں......انہیں قبول کرنا بھی بہت کٹھن ہے......ہمیں بھی وقت چاہیے کہ ہم ان بدلے ہوئے حالات میں خود کو ڈھال سکیں......''
''دیکھیں اماں اس شانی کو کیسی بڑی بڑی باتیں بنانے لگا ہے......''
اس نے آنکھیں رگڑتے ہوئے گھورا۔
''مجھے لگتا ہے اماں یہ رونا تو منگنی کے ختم ہونے پر ہے......ہم پر تو صرف الزام ہے۔''
شانی نے جان بوجھ کر چھیڑا اور وہ چڑ گئی۔
''جی نہیں......اماں سن رہی ہیں آپ اس کی بکواس......''

''بری بات شانی......''
اور شانی صرف مسکرا دیا۔
''پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے آپی جانی......''
عمیر جو کافی دیر سے خاموش بیٹھا تھا باادب انداز میں بولا تھا۔
''ارے یار تو انجوائے کر اپنی مار پیٹ......اسامہ نے بڑے فنی ایس ایم ایس کیے ہیں......'' شانی نے عمیر کو کہا۔
اور خود افشین کے ساتھ آ بیٹھا......اور اسے ایس ایم ایس سنانے لگا تھا......شازیہ صدیقی بھی مطمئن سی ہو بیٹھی تھیں۔
''تمہارے ابا جانی تو ڈنر پر انوائیٹڈ ہیں ہمیں کب تک ویٹ کرنا ہوگا۔''
''اماں جانی ڈنر تو ریڈی ہے خادماں سے کہہ دیتی ہوں وہ سرو کر دے گی۔'' افشین فوراً اٹھ گئی۔
''بھلا آج مینو کیا ہے ڈنر کا......''
''بریانی اور......''
''بریانی کس نے بنائی ہے......''
عمیر نے فوراً ہی سوال اٹھایا۔
''اف کورس میں نے بنائی ہے......'' افشین نے کہا۔
''نہیں......''
اس نے کانوں پر ہاتھ دھر کر دہائی دی تھی انہیں افشین کے ہاتھ کی بنی بریانی ہضم نہیں ہوتی تھی۔
''کیا مطلب......؟'' اس نے آنکھیں نکالیں۔
''کوئی نہیں اب تو مجبوری ہے میری بہن پلیز تم ڈنر لگاؤ ہم بہت صابر لوگ ہیں......''
شانی نے بھی عمیر کو آنکھ ماری افشین نے ان دونوں کو گھورا پھر صوفے سے کشن اٹھا کر مارے تھے......مگر یہ بات تو دل کو مطمئن کر گئی تھی کہ آج اس کے بھائی ہنسے بولے تو تھے......

☆☆☆

محسن نہیں تھا تو پھوجی کے گھر جانے کو بھی دل نہ چاہتا تھا مگر آج پھوجی نے ان سب کو گھر بلایا تھا ابا جانی کا آڈر بھی تھا سو وہ آ تو گیا تھا مگر من نہیں لگ رہا تھا۔ یوں تو سب سے ہی اچھی بنتی تھی مگر جو بات محسن کی تھی وہ تو نہ تھی۔ حسان کے موڈ کا تو اکثر ہی پتہ نہ چلتا تھا اکثر ہی وہ نالاں رہتا تھا شانی سے......اور جب سے فہیم واپس آیا تھا تب سے تو کچھ زیادہ ہی اسے شانی کی بات کھٹکنے لگی تھی۔
''بھیا بی بی جان بہت شرمندہ ہیں میری ان سے بات ہوئی ہے......وہ بہت رنجیدہ تھیں افعان سے انہوں نے صاف کہہ دیا ہے کہ وہ اب پاکستان نہ آئے......''
''سائرہ! یہ مسئلے کا حل نہیں ہے......ہمیں دکھ صرف اتنا ہے کہ بی بی جان افعان کی مرضی جانتی تھیں پھر انہوں نے کیوں فورس کیا اسے اور اب پھر وہ غلط فیصلہ کر رہی ہیں۔ اب جو ہو چکا......اسے قبول کریں اور بچے کو یوں مزید اذیت سے دوچار نہ کریں......الحمدللہ ہمیں تو سکون و اطمینان ہے کہ ہماری بچی کی زندگی برباد ہونے سے رہ گئی۔ وقت پر ہی سچائی ہمارے سامنے آ گئی......اور رہی بات افعان سے قطع تعلق کی تو سائرہ انہیں سمجھاؤ یہ دانش مندی نہیں ہے......اولاد ماں باپ کے بڑھاپے کا سہارا ہوتی ہے اور وہ خود اس عمر میں بچے کو خود سے الگ کر کے کیا ثابت کرنا چاہتی ہیں......''

''افعان اپنی زندگی سے مطمئن ہے خوش ہے ماشاء اللہ بیوی ہے بچہ ہے..... آپا بی بی جان کو اتنا غلط فیصلہ نہیں لینا چاہیے۔شازیہ صدیقی نے بھی شوہر کے ساتھ حامی بھرے انداز میں کہا۔

''بی بی جان تو یہ دکھ کاٹ رہا ہے بھیا جانی کہ ان کی وجہ سے آپ ہرٹ ہوئے ہیں..... کتنے دل ٹوٹے اور پھر افشین نے کتنے عرصے ذہنی اذیت سہی.....''

''یہ سب نصیبوں کے کھیل ہیں سائرہ آپا!..... ہمیں بی بی جان سے کوئی گلا نہیں ہے.....''

''بات یہ ہے سائرہ وہ ہماری بڑی بہن ہیں ہمارے لیے ہمیشہ قابل احترام رہیں گی..... مجھے اندازہ ہے کہ اس دن میں دکھ اور تکلیف کے احساس میں شاید زیادہ بول کر انہیں ہرٹ کر گیا تھا..... مگر ہماری کیفیات بھی نیچرل تھیں بات تو حقیقتاً قابل مذمت تھی ناں.....''

بی بی جان تو جانتی تھیں کہ ان کا بیٹا قطعی راضی نہیں تھا پھر بھی.....!

''بس یہ ہی تو قلق ہے انہیں کہ آپ ناراض ہیں.....''

سائرہ رحمان کے لیے بہن اور بھائی دونوں ہی اہم تھے۔

''ہم ناراض نہیں ہیں سائرہ..... آشیانہ پر ان کا حق ہمیشہ رہے گا..... ہمیشہ دروازے کھلے ہیں..... وہ جب چاہیں آئیں ہم انشاء اللہ پہلے کی طرح ہی ان کا استقبال کریں گے.....'' آصف صدیقی نے ٹھوس انداز میں کہا۔

''وہ ہماری بہن ہیں بڑی بہن ہیں..... ہمارے لیے ہمیشہ قابل احترام رہیں گی.....''

انہوں نے صاف الفاظ میں موقف دیا سائرہ بھی مطمئن ہی ہوگئی۔اچھے ماحول میں کھانا کھایا گیا کھانے کے بعد لبنی بھابی سب کے لیے کافی بنا لائیں.....''

''بہت خاموش بیٹھے ہو شانی.....'' اس کی چپ سب نوٹ کر رہے تھے۔

''نہیں بس ایسے ہی''

''تم اتنے چپ بیٹھے ہوئے اچھے نہیں لگتے.....''

''احسن بھائی محسن کے بنا یہاں جیسے دل ہی نہیں لگ رہا ہے..... بہت محسوس ہو رہی ہے اس کی کمی.....''

''ہاں بھئی محسن کی کمی کا احساس تو ہمیں بھی بہت ہوتا ہے.....'' آصف صدیقی نے بھی کہا۔

سب کافی انجوائے کر رہے تھے وہ اپنا مگ لے کر باہر آ گیا..... اسے ہرگز اندازہ نہ تھا کہ زینی شاید اسی گھڑی کی منتظر تھی وہ اس کے پیچھے ہی آ گئی تھی۔

''شانی.....!''

اس کی آواز پر وہ چونک کر مڑا تھا یقیناً یہ بات اس کے لیے قطعی ناقابل یقین تھی تبھی اس کے چہرے کے تاثرات بھی بہت عجیب تھے۔

''ہوں.....''

''مجھے تم سے بات کرنی ہے.....''

وہ اس کے برابر آ کھڑی ہوئی تھی..... شانی نے تعجب سے اس کا چہرہ دیکھا جہاں کچھ بھی درج نہ تھا قطعی سپاٹ۔

''کہو.....''

شانی کے تاثرات بھی سپاٹ اور سرد ہو گئے۔

''میں جانتی ہوں کہ تم زیادہ برداشت نہیں رکھتے اور چونکہ تم سچ جانتے ہو تو مجھے امید ہے کہ تم یہ بات......!''
اس نے رک کر شانی کو دیکھا جس کے چہرے پر کچھ نظر نہ آ رہا تھا۔
''میں نہیں چاہتی کہ میری یا تمہاری وجہ سے ماموں یا امی کو کوئی دکھ ہو...... تم ٹھیک کہتے ہو...... ہم اچھے کزنز کی طرح
کمپرومائز کر سکتے ہیں......''
اس نے اپنی بات مکمل کی۔
''مطلب کہ تم اب بھی صرف عمر بھر سمجھوتہ کرنے کو تیار ہو...... صرف کمپرومائز...... اس رشتے میں تمہاری رضا تمہاری
خوشی اب بھی شامل نہیں ہے...... یہی کہنا چاہتی ہو ناں تم......''
''تم کون سا دل سے یہ نبھاؤ گے...... تم نے بھی تو یہی کہا تھا اس دن کہ کمپرومائز کرو گے......''
زینی نے فوراً کہا۔
''تو کیا چاہتی ہو تم...... مجھے کیا کہنا چاہیے تھا کہ زینب شیراز مجھے تم پورے دل و جان سے قبول ہو مجھے کوئی فرق نہیں
پڑتا کہ تمہارے من میں ہمیشہ فہیم عباسی زندہ رہے تم رہو میرے ساتھ مگر تمہارے خیالوں، تمہارے دل میں اس کی اجار
داری ہو...... مجھے تم ہر حال میں قبول ہو...... میں تمہیں تمام تر سچ جاننے کے بعد بھی ہمیشہ خوش رکھوں گا...... کبھی نہیں کہوں گ
کہ تم مجھ سے محبت کرو...... تم چاہو تو زندگی بھر فہیم عباسی کی محبت کے چراغ جلاتی رہو......''
''بس تم مردوں کی یہی کم ظرفی ہے اور تم سے تو ویسے ہی کوئی اچھی امید نہیں ہے...... آئی نو کہ تم یہ سب کے سامنے
کہنے میں زیادہ دیر نہیں لگاؤ گے...... کیونکہ آفٹر آل تم ایک لڑکی کے ساتھ بندھ کر رہ بھی کیسے سکتے ہو...... تم آزاد رہنا پسند
کرتے ہو۔''
زینی کے ذریں خیالات پر وہ لب بھینچ گیا۔
''مجھے تمہیں قطعی ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ میں کم ظرف ہوں یا اعلیٰ ظرف...... یہ وقت ثابت کر دے
گا...... مگر...... بہرحال تم نے یہ ضرور بتا دیا کہ تمہارا ظرف کتنا اونچا ہے......''
شانی کی کشادہ پیشانی پر کتنی سلوٹیں نمودار ہوئی تھیں۔
''میں سچا ہوں سب کے سامنے ہوں میں نے کبھی خود کو چھپانے کی کوشش نہیں کی...... ہاں میں فلرٹ کرتا تھا...... ک
کئی لڑکیوں سے میری دوستی تھی اور بہت گہری دوستی تھی...... ہاں مجھے اعتراف ہے کہ میں ان سے دن رات چیٹنگ بھی کر
تھا اور ڈیٹنگ بھی کرتا تھا...... یہ بات تم بھی جانتی ہو۔ تمہارے بھائی بھی جانتے ہیں میرے بہن بھائی بھی جانتے ہیں کب
میں نے خود کو چھپایا ہے زینب شیراز...... کب کہا کہ میں ایسا نہیں کرتا...... کب منکر ہوا...... جو کیا سب کے سامنے کیا بلکہ
وہ سب جسٹ ٹائم پاسنگ تھا...... اس کا میری آنے والی زندگی سے کوئی تعلق نہیں تھا...... صرف کالج لائف کی انجوائ
منٹ تھی یہ سب جانتے ہیں...... سب مانتے تھے...... کیا تم یہ اعتراف کر سکتی ہو جیسے میں نے کیا...... نیور...... بی کو
تمہارے دل میں چور ہے...... تبھی تم نے اس رشتے کو میری طرح کھلے دل سے قبول نہیں کیا تھا...... تم تو مجھے ہتھیار بنا ک
استعمال کرنا چاہتی تھیں ناں''
زینی کے پاس جواباً کہنے کو کچھ نہ تھا...... اسے شانی کی خاموشی ہی بھلی تھی اس کی باتیں وہ سہ نہیں پاتی تھی اس نے
محض یہ سوچا تھا کہ شانی کو قائل کر لے گی کہ وہ کسی سے کچھ نہ کہے...... مگر ہر بار ہی شانی اسے لاجواب کر دیتا اور وہ اپ
اور شانی کے بیچ تلخی بڑھا لیتی......

''اف او بھئی کیا باتیں ہو رہی تھیں......'' افشین نے انہیں جوائن کیا تھا۔
''تم اپنی لاڈلی کزن سے خود ہی پوچھ لو......''
کافی کے ذائقے سے کہیں زیادہ ذیشان کا لہجہ کڑوا تھا وہ کہہ کر رکا نہیں تھا افشین حیران رہ گئی۔

☆☆☆

''امی غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے پلیز اگر ابرار بھائی واپس آنا چاہتے ہیں تو آپ انہیں کچھ مت کہیے گا......پلیز......''
اشباراحسن امی کے پاؤں دباتے ہوئے گزارش کر رہے تھے۔
''آج پھر تمہارے پاس بھائی کا فون آیا ہوگا۔'' وہ بولیں تو سر جھکا گیا۔
''جی امی......وہ شرمندہ ہیں......گھر واپس آنا چاہتے ہیں۔''
''اکیلے ہی آنا چاہتا ہے یا......!''
رابعہ بیگم نے بات ادھوری چھوڑ دی۔
''ظاہر ہے امی بھلا وہ اریشہ بھابی کو کہاں چھوڑ کر آئیں گے وہ بھی ساتھ ہوں گی۔''
اشبار نے دھیمے انداز میں کہا۔
''آپ کی گرین ٹی......''
ہنی نے دو کپ لا کر ان کے سامنے رکھے اور وہیں بیٹھ گئی۔
''ماں باپ اولاد کے دشمن نہیں ہوتے اشبار......اگر اسے نزہت سے شادی نہیں کرنی تھی تو مجھے بتا دیتا انکار کر دیتا۔ مگر اس نے بہت غلط طریقہ اپنایا......عمر بھر کے لیے میری بہن بھی مجھ سے کٹ گئی اور بیٹے نے یہ صلا دیا کہ گھر چھوڑ کر چلا گیا اور بنا ماں باپ کے بیاہ رچا لیا......''
تم نے بھی تو پسند کی شادی کی ہے اشبار......ہم مانتے ہیں کہ ہم راضی نہیں تھے مگر پھر بھی ہم نے تمہاری رضا اور خوشی کو مقدم سمجھا کہ دوسرے بیٹے کو دور کرنے کی سکت نہیں تھی......اور تم نے بھی ہمارا مان رکھا......بہر حال ہنی کو رخصت کر کے تو ہم ہی لائے ہیں ناں......اور پھر اس بچی نے ثابت کیا کہ ہماری سوچ غلط تھی......اللہ نے ہمیں ہدایت دی اور اب ہمارے گھر کا سکھ اللہ کا شکر لوگ رشک کرتے ہیں......اشبار بچے ابرار بھی ہمیں پسند سے آگاہ کر سکتا تھا......ہم وہیں اس کی شادی کر دیتے۔''
''امی وہ بہت شرمندہ ہیں......''
''اب اس کی شرمندگی کا کیا فائدہ......خاندان برادری میں تو والدین کی عزت خاک میں ملا دی ناں......'' وہ ناراض تھیں۔
''پلیز امی معاف کر دیں ناں......''
''یہ گھر ہے اس کا جب چاہے آ جائے مگر یاد رکھنا بہو کا درجہ یہاں جو ہنی کا ہے وہ اسے نہیں ملے گا......''
''امی......''
اشبار اور ہنی دونوں ہی بولے تھے۔
''وہ بڑے ہیں پہلے تو وہ ہی بہو ہیں ناں......''

"جو مرضی کہو...... میرے نزدیک تو بس تم بہو ہو میرے گھر کی۔ جسے میں اپنے ہاتھوں سے بیاہ کر لائی ہوں......"

وہ جیسے اڑی ہوئی تھیں اپنی ضد پر......

اشہار نے بے بسی سے پہلے انہیں پھر نبی کو دیکھا۔

"امی......"

وہ لب کچل کر چپ ہو گیا۔

"تمہارے بابا کا دل بھی دکھایا تھا اس نالائق نے...... انہیں بھی پوچھ لینا...... میری طرف سے کوئی پابندی نہیں ہے جب چاہیں آ جائیں...... کون سی ماں ہو گی جو اولاد سے دور رہ کر خوش رہے...... یہ بچوں کے دل پر ہی برف جم گئی ہے۔"

وہ کروٹ لے کر لیٹ گئیں۔ انداز میں ناراضگی تھی مگر وہ رضامندی بھی دے رہی تھیں......

☆☆☆

"مجھے خوشی ہے بچے کہ تم نے بہت ذمہ داری سے اپنا کہا نبھایا ہے اور میرا بھرپور ساتھ بھی دے رہے ہو۔ مگر ہم چاہتے ہیں کہ تم اب صرف اپنے فائنل ایگزام کی تیاری کرو جن میں بہت کم وقت رہ گیا ہے۔ پیپرز کے بعد تم چاہو تو فل ٹائم آفس جوائن کر لینا۔"

ابا جانی نے آفس سے واپسی پر اسے کہا تو کتنی ہی دیر انہیں دیکھتا...... ابا جانی بھی اوپر سے سخت تھے اندر سے بہت نرم ہیں۔

"اسامہ تم بھی بچے یہیں شانی کے ساتھ آ کر تیاری کرو......" چونکہ اسامہ بھی انہیں اکثر جوائن کر لیتا تھا اور آج بھی وہ ہمراہ تھا...... سو آصف صدیقی نے اسے بھی کہا یہ تو سب ہی جانتے تھے کہ ان کی تیاری کمبائن ہی ہوتی ہے۔

"ہاں اسامہ تم فاخرہ کو بتا دو اب تو بہت کم دن رہ گئے ہیں بچے......"

"جی خالہ جانی......" اس نے مودب انداز میں کہا تھا۔

"دو تین گھنٹے کے لیے ہم آفس آ جایا کریں گے ابا جانی......" شانی نے کہا۔

"نہیں آپ تسلی سے پیپرز دیں اتنے کمزور نہیں ہیں ہم...... کہ تنہا کاروبار نہ سنبھال سکیں...... اکیلے ہی تو آغاز کیا تھا......"

"جی ابا جانی......"

وہ مزید بحث نہ کر سکا...... اور اسامہ کو لیے کمرے میں آ گیا......

"انجوائے کر رہا ہے کام کو......"

"انجوائے کیا کرنا یار...... جو کام کرنا ہے سو کرنا ہے...... تجھے تو پتہ ہے ناں کہ ذیشان احمد صدیقی جو ٹھان لے پھر بس اس سے پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔ اب بزنس سنبھالنا ہے تو سنبھالنا ہے۔"

وہ بیڈ پر گرتے ہوئے بولا۔ اور خود کو جیسے یکدم ڈھیلا چھوڑ دیا۔

ذہن کو سکون دینے کی غرض سے...... اسامہ نے بغور دیکھا...... یہ تو سچ تھا کہ اس نے ارادہ کر لیا تو پھر وہ انچ بھر بھی پیچھے نہیں ہٹنے والا تھا لیکن پھر کیا وجہ تھی! پھر کس بات پر اس کے اندر اضطراب تھا کچھ تو تھا ناں جو شانی کے ذہن میں چل رہا تھا۔

"گویا یہ طے تو ہو گیا کہ تم اپنا فیوچر بزنس کو بنانے والے ہو...... اور تم اس پر مطمئن بھی ہو۔"

''آف کورس آئی ایم......'' اس نے پورے وثوق سے کہا۔
''ہوں تو پھر مسٹر ذیشان احمد صدیقی وہ کیا وجہ ہے جس نے اندر ہی اندر تمہیں بے چین کیا ہوا ہے......؟''
پکا کھوجی تھا اسامہ وہ قائل ہو گیا پھر دھیرے سے مسکرا دیا۔
''یہی کہ میں شانزے فلک شیر کو ایک منٹ بھی برداشت نہیں کر سکتا اور تیزی بزدلی کہیں میرا بیڑا غرق نہ کر دے پہلے تو محسن تھا اس نے سنبھال لیا تھا مگر اب......! یار ابا جانی تو میرا یقین بھی نہیں کرنے والے اور اوپر سے حسان...... وہ تو ویسے ہی پنجے تیز کیے بیٹھا رہتا ہے میرے خلاف ذرا سی بات اٹھی وہ فوراً تصدیقی مہر لگانے پہنچ جائے گا ساتھ گواہ ہو گا''
اینڈ میں اس کا منہ جیسے کڑوا ہو گیا تھا۔
''یہ کہانیاں بہت اچھی ہیں دوسروں کو بہلانے کے لیے مائی ڈیئر ذیشان احمد صدیقی مگر مجھے احمق مت سمجھنا او کے شرافت سے بتاؤ کیا پرابلم ہے......''
اسامہ اس کی اسٹوری سے ذرا بھی متاثر نہ ہوا تھا۔ ذیشان لب بھینچ گیا۔
''کچھ بھی نہیں ہے یار بس زندگی کی سمجھ نہیں آرہی ہے...... ان چند ماہ میں اتنی بدل گئی ہے کہ ذہن قبول ہی نہیں کر پا رہا...... کاش پھر سے سب کچھ بدل سکتا پہلے جیسا ہو سکتا۔''
''پہلے جیسا تو کچھ بھی نہیں ہونے والا...... حتیٰ کہ تو بھی پہلے جیسا نہیں رہا...... کتنا بدلتا جا رہا ہے ناں تو...... ہم کلوز فرینڈز ہیں زندگی میں آج تک کبھی کچھ ایسا نہ رہا جو ایک دوسرے سے شیئر نہ کیا ہو...... مگر اب تو مجھ سے چھپانے لگا ہے ناں...... اپنی پرابلم......''
''او گاڈ......''
شانی نے سر تھاما۔
''خدا کی قسم اسامہ تو بھی تو بدل گیا ہے جب سے شانزے فلک شیر تیری لائف میں آئی ہے تو بھی اس کے مزاج میں ڈھل گیا ذرا ذرا سی بات پر ایموشنل بلیک میلنگ شروع کر دیتا ہے۔ جیسے وہ تیرے ساتھ کرتی ہے...... تو آ کر مجھ سے بدلہ اتار لیتا ہے۔''
شانی نے ایک بار پھر بات کو مزاح کا رنگ دے کر موڈ ہلکا پھلکا کرنا چاہا۔
''محبت نام ہی تبدیلی کا ہے......''
''ہائیں......''
حیرت سے آنکھیں پھاڑتا شانی اٹھ بیٹھا۔
''مطلب عمران خان کو بھی محبت ہو گئی ہے جو ہمہ وقت تبدیلی تبدیلی کے گیت گاتا رہتا ہے......''
''رہنے دے...... محبت اور عمران خان......''
اسامہ نے یوں کہا گویا کہہ رہا ہو میرا منہ بند ہی رہنے دے۔ شانی ہنس دیا۔
''آئی بلیو...... جس دن تجھے بھی ذیبی سے محبت ہو گئی ناں پھر تجھ میں تبدیلیاں آ جائیں گی'' اسامہ نے دعویٰ کیا۔
''اور تیری قسم ایسا کبھی ہو گا نہیں......''
وہ یکدم سنجیدہ ہو گیا اسامہ ششدر رہ گیا...... ذیبی کے اور اس کے مزاج کا فرق تو سب کو پتہ ہی تھا مگر وہ کبھی بھی اس طرح نہیں کہتا تھا...... ہاں اسے ذیبی سے اس طرح محبت نہیں تھی جیسا ان میں رشتہ جڑ چکا تھا لیکن اس نے ایسے نفی بھی کبھی

نہیں کی تھی۔
''شانی تم دونوں نے زندگی ساتھ گزارنی ہے اور یہ تو بندھن ہی ایسا ہے کہ محبت خود بخود جنم لے لیتی ہے۔''
''مگر مجھے زینب شیراز سے کبھی محبت نہیں ہو سکتی...... وہ میرے نام سے جڑ سکتی ہے میرے دل سے نہیں۔''
''یہ سراسر زیادتی ہوئی...... اگر تجھے اعتراض ہے تو منع کر دے...... کوئی اور پسند ہے......! تو......''
اسامہ کہتے کہتے رک گیا...... کیونکہ اگر اسے کوئی پسند ہوتی کسی سے محبت ہوتی تو وہ ضرور اسے بتاتا...... اور کہیں ایسا تو نہیں کہ شانی کا اضطراب......!
''کیا تجھے کسی سے محبت ہوگئی ہے......''
اسامہ نے گہری براؤن آنکھوں میں دیکھا تو جواباً وہاں صرف گلے شکوے نظر آئے تھے۔
''اگر ایسا نہیں ہے تو پھر کیا وجہ ہے......؟ زینی اچھی تو ہے۔''
''انکار کسے ہے۔ آف کورس...... زینی بہت اچھی ہے تبھی تو میرے لیے اماں ابا نے اس کا انتخاب کیا ہے ناں...... کوئی عام لڑکی تھوڑا ہی میرے لیے پسند کریں گے وہ......''
''بس اتنا خود پسند بھی نہ بن......'' اسامہ نے ٹوکا پھر سنجیدہ ہوگیا۔
''شانی میں شاکڈ ہوں تیری بات پر......''
''کیوں جبکہ تجھے پتہ ہے یہ سچ ہے مجھے زینی سے محبت نہیں ہے۔''
''آئی نو مگر مت بھول کہ......''
''آئی ہیو نو چوائس...... میرے پاس کہیں اور محبت کرنے کی گنجائش بھی نہیں ہے...... مجھے پتہ ہے اسامہ...... اور تو کیوں ٹینشن لے رہا ہے اب تک تو وہ لڑکی ملی ہی نہیں جو اپنے دل کو چھو سکے......''
''اور اگر مل گئی تو......؟''
اسامہ نے تذبذب سے دیکھا۔
''دوست کبھی بھی دوستوں کے حق میں بددعا نہیں کرتے اسامہ مجھے یقین ہے تو دوبارہ ایسا نہیں بولے گا......'' اس کی بات پر اسامہ شرمندہ ہوگیا۔
شانی نے یہ رشتہ دل سے قبول کیا تھا کیونکہ اس کی زندگی میں کوئی ایسی لڑکی نہیں تھی جس نے اس کے دل کو چھوا ہو...... وہ شاید اس معاملے میں بہت الگ سوچ رکھتا تھا اور فی زمانہ اس کی سوچ کے مطابق لڑکی ملنا انتہائی مشکل امر تھا کیونکہ اس جدید دور میں کسی کو بھی اپنے مزاج میں ڈھالنا تقریباً ناممکن تھا اور شانی کا خیال تھا کہ لڑکی وہ ہی اچھی ہوتی ہے جو خود کو بدل کر اس کے مزاج میں ڈھل جائے...... اسامہ کے معاملے میں ایسا ہرگز نہیں تھا شانزے تو صرف اپنی منوانے والی تھی...... اس کی ماننا تو جیسے......! اور یہ بات شانی کو بری لگتی تھی کہ وہ ایک لڑکی کا مزاج تک نہ بدل سکا......

☆☆☆

''تم اب کیوں بار بار میرے رستے میں آتے ہو...... جب میں کہہ چکی ہوں کہ مجھے اپنے بڑوں کا ہر فیصلہ منظور ہے اور ہم میں یہ طے پایا تھا کہ ہم اب کبھی ایک دوسرے کے سامنے نہیں آئیں گے زندگی کے اس سچ کو دل سے تسلیم کر لیں گے......''
وہ بری طرح زچ ہوگئی تھی جب آج پھر فہیم نے اسے یونیورسٹی سے واپسی پر روکا۔

''اور میں نے بھی تمہارا ہر فیصلہ مان لیا تھا کیونکہ تب میں اس قدر تنہا نہیں تھا میرے ساتھ ڈیڈ تھے۔ میں چلا بھی گیا تھا مگر قسمت کی خرابی......وہ مجھے چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے چلے گئے اور میں......! قطعی اکیلا رہ گیا......تم جانتی ہو کہ ڈیڈ کے علاوہ میرا کوئی نہیں تھا اور اب میں بہت تنہا ہوں زینی......مجھے تمہارا ساتھ چاہیے......وہ محبت چاہیے وہ سکون چاہیے جو میرے بکھرے ہوئے وجود کو پھر سے جوڑ دے......پلیز زینی......''

''انکل کا یوں جانا رضائے الٰہی ہے فہیم......اس معاملے میں تمام انسانیت بے بس ہے......یہ صرف اب کا فیصلہ ہے......اس پر ہم صرف صبر کر سکتے ہیں اور میں دعا کر سکتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں صبر عطا کرے۔ مگر پلیز تم بار بار میرے پیچھے مت آیا کرو......میں بہت بے بس ہوں......مجھے کمزور مت کرو میں نے بہت مشکل سے خود کو اس فیصلے کے لیے تیار کیا ہے۔''

''خوش تو تم بھی نہیں ہو......اور خوش میں بھی نہیں ہوں یہ تو طے ہوا ناں زینب کہ ہم ایک دوسرے بنا خوش نہیں رہ سکتے......اور شانی کے لیے لڑکیوں کی کمی کب ہے۔''

فہیم اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

''میری امی اور میرے ماموں خوش ہیں ناں......اور ہم نے ان کی خوشی کے لیے یہ رشتہ قبول کیا ہے......تم خدا کے واسطے آئندہ میرے سامنے مت آنا......میں تو پہلے ہی شانی کے دل سے یہ بات نکالنے میں کامیاب نہیں ہو رہی ہوں......''

''شانی جانتا ہے کہ تم......!''

فہیم نے استفہامیہ انداز میں اسے دیکھا تو وہ بوکھلا کر سر ہلا گئی۔

''وہ سچ جانتا ہے پھر بھی تم......تمہیں لگتا ہے کہ وہ تمہیں دل سے قبول کر پائے گا۔''

''مجھے کچھ نہیں پتہ مگر صرف اتنا جانتی ہوں کہ شانی امی اور ماموں جانی کی خوشی کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہے وہ ہر صورت یہ شادی کرے گا۔''

''لیکن وہ خوشی نہیں دے سکے گا عمر بھر تمہیں جو تمہارا حق ہو گی۔''

فہیم نے اسے قائل کرنا چاہا۔

''میں حسان سے خود بات کروں گا تم پر اک حرف بھی نہیں آنے دوں گا......شانی کو بھی قائل کر لوں گا......مگر پلیز تم تو یہ ضد چھوڑ دو......''

فہیم نے بے بسی سے اسے دیکھا جو لب بھینچ گئی تھی۔

''مجھے یہ خواب نہیں دیکھنے جن کی تعبیر ہی نہیں ہے تم شانی کو نہیں جانتے وہ سب کو بتا دے گا میری امی کی عزت میرے بھائیوں کا مان سب خاک میں مل جائے گا......جب سے افشین کا رشتہ ختم ہوا ہے امی پہلے ہی بہت حساس ہو گئی ہیں ماموں جانی کے معاملے میں......وہ اپنی ذات سے کبھی بھی ماموں کو ہرٹ نہیں کریں گی اور پھر ماموں جانی نے بابا کے بعد ہمیشہ ہمارا خیال رکھا اتنا ساتھ دیا احسن بھیا محسن بھیا کو سیٹل کیا......اتنا کچھ کیا ہمارے لیے......میں کیسے اپنی ذرا سی خوشی کے لیے ان کے اتنے احسانات فراموش کر دوں......اتنی خود غرض نہیں ہوں میں......''

''گویا تم شادی نہیں نبھاؤ گی ان کا وہ قرض چکاؤ گی جو احسانات کی صورت میں انہوں نے تم سب پر کیا پھر تو تمہارے ماموں کی سوچ......!''

''ایسا ماموں جانی نے نہیں کہا......''

ذیبی نے ٹوکا۔

''کہا نہیں عمل سے ثابت تو کر رہے ہیں کیا ان کا یہ حق نہیں تھا کہ وہ تم سے تمہاری رضامندی معلوم کرتے مگر انہیں علم تھا تم میں سے کوئی بھی ان کے سامنے نہیں انکار کر سکتا تبھی انہوں نے اپنے عیاش فطرت بیٹے جو روز لڑکیاں بدلتا ہے اس کے لیے تمہارا انتخاب کیا تاکہ تم تمام عمران کے احسانات کے بدلے خاموشی سے زندگی گزار دو اور ان کا بیٹا باہر بھی اپنی من مانیاں کرتا رہے...... یہی سچ ہے تمہارے ماموں جانی کا......!''

فہیم نے جیسے اس کے منہ پر کھینچ کر طمانچہ مار دیا تھا خود تو چلا گیا مگر ذیبی کا ذہن منتشر کر گیا۔

☆☆☆

''اف بھیا کتنی پیاری ہے یہ گڑیا سی......''

دینی بھتیجی کو دیکھ کر پاگل ہو رہی تھی وہ رات پہنچے تھے اور رات سے سینکڑوں بار وہ یہ جملہ دہرا چکی تھی۔

''تہمید بھیا اس کو نظر ہی لگے گی''

روحہ نے چھیڑا تو سفیہ بھابی نے فوراً ٹوک دیا۔

''جو پیار کرتے ہوں ان کی نظر کبھی نہیں لگتی۔''

''اوہو......''

دینی نے فوراً انگری کیا۔ شام میں احراز بھی ان سے ملنے چلا آیا تھا امی نے بہت پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا سعد نے گلے لگایا......

''مجھے لگا شاید چھٹی پر ہو......''

''نہیں چھوٹی خالہ اور انکل کی ڈیتھ کے بعد نہیں گیا...... امی بھی کہہ رہی ہیں کہ چکر لگا لو......'' وہ سنجیدہ سا تھا۔

''ہاں یار شعیب انکل کی اچانک ڈیتھ نے تو ذہن کو بری طرح جیسے جکڑ لیا ہے...... اب تک یقین نہیں ہوتا...... ان سے اتنے اچھے تعلقات رہتے تھے کہ وہ ہمیشہ نگاہوں کے سامنے ہی رہیں گے...... اللہ پاک ان کے درجات بلند کرے۔''

''آمین......'' احراز نے کہا۔

رشتہ بے شک یہ فہد ملک کے توسط سے ہوا تھا مگر اب تعلقات تو سعد ملک کی وجہ سے استوار تھے...... کیونکہ صدیقی انکل سے ان کے بہت پرانے تعلقات تھے اور بہت اچھی سلام دعا تھی۔

''اسامہ وغیرہ کا سناؤ...... بات چیت تو ہو جاتی ہے۔''

''جی سعد بھائی...... اسامہ اور شانی کے فائنل ایگزام سر پر ہیں اسی لیے آصف انکل نے ان پر مکمل سختی کی ہوئی ہے اسامہ بھی آج کل وہیں ہے اور پیپرز کی تیاری کر رہا ہے۔''

''اچھا...... صدیقی انکل ان معاملات میں بہت سخت ہیں......'' سعد نے پوچھا۔

''بہت زیادہ پھر شانی طبیعتاً لاپروا بھی ہے...... سو انہیں سختی کرنی پڑتی ہے...... امی بتا رہی تھیں کہ اب تو شانی ہی آصف انکل کے ساتھ بزنس کو لک آفٹر کر رہا ہے اور اپنی مرضی اور خوشی سے کر رہا ہے۔''

''آف کورس اب اپنے والد کے ہمراہ اس نے تو سب سنبھالنا ہے۔'' سعد بولا۔

"مگر وہ انجینئر بننا چاہتا تھا۔ شعیب انکل نے اسے بخوشی اجازت دی تھی لیکن اب شاید حالات کے پیش نظر...... یوں بھی انکل بہت اکیلے رہ گئے ہیں......"

"برسوں کا ساتھ ہوا احراز اور وہ بھی ایسے بھائی جو ایک دوسرے پر جان دیتے ہوں ظاہر کمی کا احساس تو تا عمر رہے گا......"

"پلیز بھئی اتنا سیریس ٹاپک لے کر بیٹھ گئے ہیں آپ لوگ احراز بھائی ہمارے ساتھ بھی کچھ گپ شپ لگائیں آفٹر آل ہم مہمان ہیں...... اتنی دور سے آپ سے ملنے آئے ہیں......"

وینی کب سے ماحول کی سنجیدگی نوٹس کر رہی تھی۔

"سفید جھوٹ مجھ سے ملنے نہیں آئی ہو تم اپنی بھتیجی سے ملنے آئی ہو...... تو گپ شپ بھی اسی سے لگاؤ......"

احراز نے بھی اسی کے انداز میں جواب دیا۔

"اف اللہ آپ جیلس ہو رہے ہیں میری بھتیجی سے وہ بے چاری اتنی سی تو ہے اور......!"

"میں کیوں جیلس ہوتا میں تمہاری بات کا جواب دے رہا ہوں......"

"ارے یار تم اسے کہو ناں کہ اپنے ہاتھ کی کافی پلائے تاکہ پھر تازہ دم ہو کر گپ شپ لگائی جائے۔"

فہد بھیا نے کہا وہ بھی وینی کے ہاتھ کی کافی کو مس کرتے تھے اور جب بھی آتی روز اس سے کافی بنواتے تھے۔

"لو دسو......"

وہ بدکی مگر اسے پتہ تھا کہ جان نہیں بچنی سو وہ خود اٹھ کر سب کے لیے کافی اور امی کی چائے بنا لائی تھی۔

"ہوں سچ مزہ آ گیا...... یوں تو میری بیگم کے ہاتھ میں بہت ذائقہ ہے مگر کافی کا مزہ وینی کے ہاتھ کی کافی میں ہے وہ الگ ہے......"

"بھابی بھیا آپ کو چھیڑ رہے ہیں مائنڈ مت کیجئے گا۔"

"نہیں وہ سچ کہہ رہے ہیں تم واقعی مزیدار کافی بناتی ہو......"

انہوں نے کھلے دل سے تعریف کی...... وہ مسکرا کر احراز کے ساتھ باتوں میں لگ گئی احراز اسے اپنے موبائل میں سیو پکچرز دکھانے لگا۔

"واؤ آپ کی فیملی تو بہت بڑی ہے ماشاء اللہ......"

"یہ تو پاپا کی طرف کی فیملی ہے اور امی کی طرف ابھی باقی ہے۔"

"تو وہ بھی دکھائیں......"

"فی الوقت ہیں نہیں نیکسٹ ٹائم جاؤں گا تو ضرور لاؤں گا پھر دیکھ لینا......"

"رہنے دیں تب تک انشاء اللہ ہم خود ان سے جا کر مل چکے ہوں گے......"

"اچھا جی......"

"جناب...... عابدولت کا کراچی جانے کا ارادہ بن رہا ہے۔ بس سعد ملک کی رضامندی چاہیے۔"

"دیکھتے ہیں......"

سعد نے ٹالا...... امی نے کل ہی اسے بتایا تھا کہ احراز کے گھر والے آنا چاہ رہے ہیں رسم کرنے مختصر اور سادہ سی تقریب سہی مگر پھر بھی تیاری تو لازم تھی ناں......

"تم بہانہ تلاش کرنا چاہ رہے ہو ناں......"
"ہرگز نہیں...... جب کراچی جاتا ہوا تمہیں لے جاؤں گا اب میں اسپیشل تمہارے لیے بزنس تو نہیں چھوڑ سکتا۔"
"دیکھ لیں احراز بھائی......میرے بھائی کیسا سلوک کرتے ہیں مجھ مظلوم کے ساتھ......"
اس نے معصوم سی صورت بنائی تھی احراز مسکرا دیا۔

☆☆☆

کتابیں پڑھ پڑھ کر طبیعت گھبرانے لگی تھی اس کی مگر مہربانی ہو افشین کی جو اس کی اتنی کیئر کر رہی تھی اب بھی بنا مانگے ہی وہ انہیں چائے بنا کر دے گئی تھی۔
آج تو ویسے ہی سنڈے تھا روز تو کچھ دیر کے لیے وہ بکس بند کر کے نیچے چلے جاتے تھے مگر آج ابا جانی گھر پر تھے۔
اسامہ تو چائے پی کر بیڈ پر ایسا گرا کہ پل بھر میں غافل ہو گیا گویا چائے میں نشہ شامل ہو......جبکہ وہ کرسی چھوڑ کر کمرے کی کھڑکی کھول کر کھڑا ہو گیا۔
"واؤ کیا زبردست موسم ہو رہا ہے اور ہم یہاں......"
باہر بادل جھوم جھوم کر تیزی سے آ رہے تھے اور بس برسنے کو تیار تھے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا نے بوجھل طبیعت بحال کر دی تھی۔
"ابا جانی تمہیں نیچے بلا رہے ہیں......"
عمیر کی یکدم آمد اور پیغام پر وہ چونکا جبکہ عمیر کے چہرے پر دبی دبی مسکراہٹ دیکھ کر وہ الجھا۔
"کیا ہوا......؟"
"تھنگ......"
وہ جانے کو مڑا مگر پھر پلٹ آیا۔
"چینج کر کے آنا گیسٹ آئے ہیں......"
اس کے حلیے پر نگاہ ڈالتا ہوا وہ پھر سے بولا اور باہر نکل گیا۔
شانی نے خود پر نگاہ ڈالی......مگر چونکہ گیسٹ آئے تھے سو اس نے خاموشی سے واش روم کا رخ کیا اور دس منٹ بعد وہ نیچے اترا تو سٹنگ روم میں پہنچ کر لمحہ بھر کو قدم ڈگمگائے تھے......پھر سنبھل کر آگے بڑھا اور بآواز بلند سلام کیا۔
عمیر کی دبی دبی ہنسی کا مطلب کھل کر سمجھ آ گیا تھا۔
"وعلیکم السلام جیتے رہیے صاحبزادے......"
فلک شیر نے بہت جوش سے اس کا استقبال کیا گرم جوشی سے ملے تھے......شانی کو اتنے اچھے موسم میں بھی پسینے آنے لگے کیونکہ ان کے عین برابر میں شانزے موجود تھی۔
"ہائے شانی ہاؤ آر یو......"
"فائن......"
خشک ہوتے لبوں سے بس اتنا ہی نکل پایا بس چلتا تو اوپر بھاگتا اور یہاں اسامہ کو گھسیٹ کر لاتا......مگر......! وہ کمینہ کیسے خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہا تھا اور اس کی جان عذاب میں آ گئی تھی۔
"کیسے ہیں بچے آپ!......اور پیپرز کی تیاری سنائیں کیسی جا رہی ہے؟"

گویا ابا جانی نے انہیں یہ بھی بتا دیا تھا کہ وہ پیپرز کی تیاری کر رہے ہیں۔
''بہت اچھی ہو رہی ہے انکل جی......''
''بھئی شانزے نے اتنی تعریفیں بیان کیں آپ کی کہ ہم مجبور ہو گئے آپ سے ملنے کے لیے......''
وہ مسکرائے تو شانی زمین میں گڑنے والا ہو گیا۔ ابا جانی کی طرف دیکھنے کی تو سکت ہی نہ تھی۔
''دراصل آصف صاحب آپ تو جانتے ہیں کہ ہم آؤٹ آف کنٹری تھے جب شعیب کی ڈیتھ ہوئی ہم کل ہی آئیں ہیں...... بلیو می اتنا دکھ ہوا ہمیں ان کی اچانک موت سے...... ہمارے ملک میں ایسے حادثات کی شرح دن بدن بڑھتی جا رہی ہے...... لوگ خوفزدہ ہو کر رہ گئے ہیں صبح گھر سے نکلتے ہیں تو علم بھی نہیں ہوتا کہ شام کو گھر لوٹ پائیں گے یا نہیں...... اتنی بے یقینی کی کیفیت ہے کہ بس......''
''درست کہہ رہے ہیں آپ ہاشمی صاحب...... اور ہمیں بھی یقین کب تھا کہ ہمارے شعیب کے ساتھ......!''
مگر جو رب تعالیٰ کی رضا......
آصف صدیقی نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ دکھ اور تکلیف ان کے چہرے سے عیاں ہو رہی تھی۔
''یقیناً ان کی کمی تو کوئی پوری نہیں کر سکتا مگر یہ بھی اچھا ہوا کہ آپ نے بچے کو بھی اسی فیلڈ میں انوالو کر لیا ورنہ تنہا اتنا بڑا بزنس سنبھالنا بہت دشوار ہے...... ہونہار بچہ ہے آپ کا انشاء اللہ بہت جلد شعیب صدیقی کی طرح آپ کا رائٹ ہینڈ ثابت ہوگا۔''
''انشاء اللہ...... لیکن شعیب کی بات اور تھی...... اس جیسا تو کوئی بھی نہیں ہو سکتا۔''
''یہ تو ہے......''
انہوں نے ایگری کیا ادھر ادھر کی باتوں کے دوران ہی لنچ کیا گیا تھا...... اور لنچ کے بعد جب فلک شیر صاحب اجازت لینے لگے تو......
''ہمیں آپ کی فیملی سے مل کر بہت اچھا لگا صدیقی صاحب خاص کر ذیشان بیٹے سے مل کر...... جلد ہی انشاء اللہ آپ سے پھر ملاقات ہوگی''
شانی نے حواس باختہ ہو کر شانزے کو دیکھا جو خود بھی خاصی کنفیوژڈ ہو چکی تھی۔
وہ تو چلے گئے تھے مگر عمیر کی ہنسی اب کھانسی میں بدل چکی تھی...... جبکہ ابا جانی کا پرسوچ انداز اسے مزید بوکھلا رہا تھا۔
''ارے بھئی اسامہ کو کھانے پر کیوں نہیں بلایا وہ بچہ بھی بھوکا ہے صبح سے...... افشین اس کا لنچ شانی کو دیدو...... اوپر لے جائے گا۔''
ان کے خیال سے تو اسامہ پڑھ رہا تھا ناں...... شانی نے من ہی من میں دانت کچکچاتے یہ اسامہ منحوس کی ہی بدولت ہے...... اگر واقعی فلک شیر صاحب نے ابا جانی سے بات کر لی...... اور وہ شانزے منحوس کیسے دو سو گز پر لب پھیلائے بیٹھی تھی بھدی ناک والی۔ اس نے شانزے کو دل ہی دل میں بہت سنائیں اس بار تو میرا قصور بھی نہیں ہے اور میں بے وجہ مارا جاؤں گا۔
وہ اسامہ کا لنچ لے کر اوپر آیا ٹرے ٹیبل پر دھری اور اسے جھنجھوڑا تو وہ بے چارہ بوکھلا کر اٹھا۔
''یا وحشت کیا عذاب آ گیا اگر دو گھڑی میں نے آنکھ لگا لی......''
''ہاں آنکھ تو نے دو گھڑی کے لیے لگا لی اور زندگی میری اجیرن کر دی کمینے ذلیل انسان تجھے پتہ ہے جب تو مرا پڑا تھا

تو نیچے کون آیا تھا۔"
شانی نے اس کی نیند خراب ہونے کا ذرا بھی خیال نہ کیا اس کا سکون جو غارت ہو رہا تھا۔
"کون......؟"
اب شاید اسامہ کی آنکھیں پوری طرح کھل گئیں تھیں شانی نے اسے کھا جانے والے انداز میں گھورا۔
"شانزے اور اس کا باپ فلک شیر صاحب میرے سر پر آسمان گرانے...... اسامہ ذلیل انسان اس کی لڑکی کے ساتھ افیئر تیرا چل رہا ہے اور وہ دیکھنے مجھے آیا تھا۔"
"واٹ......؟"
اس کے حواس تو اب جاگے تھے۔
"اور شانزے......!"
"وہ مزے لے رہی تھی میری حالت سے...... اسے ابھی فون کر اور کہو کہ اپنے ڈیڈ کو سچ بتائے خدا کی قسم اسامہ اگر ابا جانی کے سامنے ذرا بھی بات ہوئی ناں تو میری خیر نہیں......"
"نہیں یار ایسا کچھ نہیں ہوگا......"
"ایویں...... وہ تیرے ہونے والے سسر صاحب فرما رہے تھے ابا جانی سے کہ جلد ہی پھر ملیں گے مجھے ان کے لہجے سے شک کی بو آ رہی تھی اسامہ...... اور مجھے تو وہ یوں دیکھ رہے تھے گویا آج ہی دولہا بنا دیں گے...... میرے پیارے بھائی میری حالت پر رحم کر...... محسن بھی نہیں ہے اور میں ڈائریکٹ ابا جانی کی پھنکار نہیں سہہ سکتا......"
"میں کرتا ہوں شانزے سے بات پہلے کچھ کھا لوں خود تو ان کے ساتھ ٹھونس کر آ گیا ہوگا......"
"کہاں یار تیری قسم حلق سے نوالے نشتر بن کر اتر رہے تھے۔ اب تیرے ساتھ لنچ کروں گا۔"
اس نے ٹرے اٹھا کر سامنے رکھی اسامہ واش روم سے منہ ہاتھ دھو کر آ گیا......

☆☆☆

"اتنا تیز بخار تب ہی تو آج وہ یونیورسٹی کے لیے بھی نہیں اٹھی...... میں سمجھی جا چکی ہوگی۔"
لبنیٰ نے سائرہ رحمان کو ذیبی کے بخار کا بتایا وہ ناشتے کے بعد پڑوس میں عیادت کے لیے گئی تھیں۔
"اب ہلکا پھلکا ناشتہ کرا کے میڈیسن دی ہے شام میں احسن آ جائیں گے تو ڈاکٹر کے پاس لے جائیں گے......"
"ہوں......"
وہ مطمئن تھیں اللہ پاک نے انہیں بہو بہت اچھی دی تھی بس تین سال گزرنے کے باوجود ان کی سونی گود سائرہ رحمان کو اداس کر دیتی تھی۔
"امی محسن کا فون آیا تھا آپ کا پوچھ رہے تھے......"
"اچھا کیسا ہے میرا بچہ......"
"ٹھیک تھا...... جلدی میں تھا کہہ رہا تھا شام میں پھر فون کرے گا۔ حسان سے بھی بات نہیں ہو پائی ناں......"
"چلو میں بھی بات کر لوں گی......"
وہ بولیں پھر گھٹنوں پر ہاتھ دھرتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔
"لبنیٰ میرا بڑا من چاہ رہا ہے آشیانہ ہو آؤں کئی دن سے بھیا جانی کو نہیں ملی بچے بھی نہیں دیکھے من اداس سا ہو رہا

ہے۔''
''امی پھر ڈرائیور کے ساتھ چلی جاتیں مگر ماموں تو آفس ہوں گے۔'' لبنیٰ بولیں۔
''ہاں...... پھر حسان آجائے اس کے ساتھ ہو آؤں گی میں ذرا کمرے میں جارہی ہوں......''
''جی آپ ریسٹ کرلیں......''
لبنیٰ اٹھ کر ذینی کے کمرے میں آگئیں دو تین دن سے انہیں ذینی کچھ اپ سیٹ لگ رہی تھی اور آج بخار...... یقیناً کسی ذہنی کشمکش کے نتیجے میں ہی وہ بیمار ہوئی ہے۔ ذینی اب قدرے بہتر تھی بھابی کو دیکھ کر اٹھ بیٹھی۔
''اب بہتر محسوس کررہی ہو......''
''جی بھابی......''
''کچھ کھاؤ گی......؟''
''نہیں من نہیں چاہ رہا......''
''تم کئی دن سے کچھ پریشان ہو...... کیا بات ہے۔'' لبنیٰ نے محبت سے پوچھا۔
فہیم نے اس کی سوچ پر نئے در وا کیے تھے وہ اپنی ذہنی رو سے لڑتے لڑتے تھک گئی تھی اور اب اسے کوئی ایسا راز داں درکار تھا جس سے وہ من کا بوجھ شیئر کرسکے۔ بھابی کا محبت بھرا لہجہ اسے کمزور کر گیا اور وہ رو پڑی۔
''کیا بات ہے چندا...... اتنا تو میں نوٹس کرچکی تھی کہ تم پریشان ہو مگر اتنا زیادہ غبار...... رونے سے بہتر ہے کہ تم من کا بوجھ ہلکا کرلو مجھ سے شیئر کرلو......''
''بھابی ماموں جانی نے شانی کے لیے صرف مجھے ہی کیوں منتخب کیا......؟''
اس کا سوال بے حد بے تکا تھا۔
''ان کی خواہش تھی کہ امی سے ان کی محبت ہمیشہ قائم رہے تم جانتی ہو کہ وہ محسن اور ہنی کا رشتہ کرنا چاہتے تھے مگر پھر ہنی کا اچانک سے رشتہ آگیا شادی ہوگئی۔ تو انہوں نے سوچا کہ شانی اور تمہارا......''
''بلکہ تمہارے لیے تو انہوں نے کئی سال پہلے سے امی سے کہہ رکھا تھا۔ مگر آج اچانک تمہیں یہ کیا ہوا......''
لبنیٰ نے اچنبھے سے پوچھا۔
''آپ جانتی ہیں کہ شانی کیسا ہے سب جانتے ہیں اسے اس کے باوجود آپ لوگوں نے ذرا بھی ماموں جانی سے نہ کہا۔ بس چپ چاپ ان کے فیصلے پر سر جھکا دیا...... نہ مجھ سے پوچھا میری مرضی اور خوشی...... صرف ماموں کے حکم کو تسلیم کیا کیونکہ ان کے احسانات ہیں ہم پر......''
''ذینی......''
لبنیٰ گنگ رہ گئیں۔
''نہیں ذینی ایسی بات نہیں ہے...... شانی بہت اچھا انسان ہے اس عمر میں لڑکے نان سیریس ہوتے ہیں مگر تم یہ تو دیکھو وہ کتنا ویل فیمڑ ڈ ہے پوزیٹو سوچتا ہے۔ ماموں جانی اور ممانی کی تربیت صاف چھلکتی ہے ذرا سی غیر سنجیدگی کو ایشو بنا کر ہم اتنا اہم رشتہ کیسے چھوڑ دیتے عمر کے ساتھ ذمہ داری بڑھے گی تو خود بخود سب کچھ چھوڑ دے گا پریکٹیکل لائف میں تو سب ہی سدھر جاتے ہیں......'' انہوں نے ذینی کے گال تھپکے۔
''اور بہت افسوس کی بات ہے ذینی تم نے ماموں جانی کے لیے ایسا سوچا...... انہوں نے تو کبھی بھی ذہن میں یہ خیال

نہ رکھا ہوگا کہ وہ ہم پر احسان کر رہے ہیں......

امی سے ان کی محبت مثالی ہے اور بہن بھائیوں کے لیے تو ماموں ہمیشہ ہی حساس مند رہے ہیں......انہوں نے جو کیا بھائی کا فرض سمجھ کر کیا......تم ان کی نیکی کو یوں تو احسانات کی تہمت نہ لگاؤ......اگر امی نے سنا تو انہیں بہت دکھ ہوگا۔

''امی کی وجہ سے تو سب خاموش ہو جاتے ہیں اور امی ماموں جانی کی وجہ سے چپ ہو جاتی ہیں......حقیقت میں بھابی ماموں جانی جانتے ہیں کہ ان کے لاڈلے اور آزاد فطرت بیٹے کو خاندان سے لڑکی نہیں ملنی......اور وہ جانتے تھے کہ امی انہیں انکار نہیں کرسکتیں۔ تبھی انہوں نے قربانی کا بکرا مجھے بنایا اور میری امی نے بھائی کے حکم پر مجھے قربان کر دیا......میری خوشی میری مرضی کی کوئی اہمیت نہیں ہے......اور ہو گی بھی کیسے بھلا......شانی میں لاکھ عیب ہوں مگر اس کی پشت پر آصف صدیقی کے وہ احسانات ہیں جو وہ بچپن سے ہم پر کرتے آئے ہیں بھلا وہ کیسے انہیں کیش نہ کرتے......بیٹا جو مرضی کرتا ہے......میں بھلا کیا کہہ سکوں گی......''

''شٹ اپ زینی......''

لبنیٰ بھابی پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔

زینی کے لفظ اتنے اجنبی لگے کہ......! ان کے گھر میں اتنی چھوٹی سوچ اور اتنے گرے ہوئے لفظ کسی کے ہو ہی نہیں سکتے تھے۔

''تمہیں شرم نہیں آتی ایسی زبان استعمال کرتے ہوئے وہ بھی ماموں جانی کے لیے......شکر کرو کہ میں ہوں تمہارے سامنے اگر امی یا تمہارے بھائی ہوتے ناں تو شاید ان کا ہاتھ اٹھ جاتا۔ مجھے تو اب تک یقین نہیں آ رہا کہ یہ الفاظ تمہارے ہیں......بہت دکھ ہوا مجھے تمہاری سوچ پر......''

انہوں نے تاسف سے اسے دیکھا اور تیزی سے نکل گئیں۔

☆☆☆

لاؤنج میں ہر فرد اپنی جگہ خاموش تھا سب ہی شاید ناقابل یقین صورت حال کا شکار تھے......خود رابعہ بیگم کے لیے یہ انتہائی حیران کن حقیقت تھی وہ بہت اچھی طرح اپنی بڑی بہن کی نیچر کو جانتی تھیں......مگر ان کی اچانک آمد نے جیسے ان سب کے لبوں پر قفل ڈال دیئے تھے۔

''یہ لڑائی جھگڑے زندگی کے ساتھ ہیں رابعہ اور انسان نے کب تک رہنا ہے دنیا میں......بھلا آج کل کوئی بھروسہ ہے ایک سانس آئی......کیا خبر دوسری سانس نصیب میں ہے بھی یا نہیں......بس میں نے سوچا جو بقایا زندگی بچی ہے کیوں ناں مل بیٹھ کر ہی گزار لوں کیا رکھا ہے ان ناراضگی میں......اور پھر بچے آج کے دور میں کب بڑوں کے فیصلوں کو اہمیت دیتے ہیں......ان بچوں کے باعث ہم دونوں بہنیں کیوں ایک دوسرے کی صورت کو بھی ترسیں......''

فریدہ آپا کے منہ سے یہ الفاظ سن کر لمحے بھر کو ان پر غشی طاری ہوئی تھی۔ بھلا آپا اتنا مثبت کب سے سوچنے لگیں......پھر سر جھٹک کر خود کو سرزنش کی......انسان کی سوچ کب بدل جائے......اللہ پاک جب ہدایت دے دے......وہ خود بھی تو کتنا بدل گئی تھیں......انہوں نے فوراً آپا کو گلے لگا لیا تمام گلے شکوے دل سے ختم کر کے......

''بہت اچھا فیصلہ کیا آپا آپ نے بھلا سانسوں کا کیا بھروسہ......اللہ کریم ہمیں معاف فرمائے۔ ہم کس قدر نافرمان ہیں......میرے اللہ اور میرے نبیؐ نے تین دن سے زیادہ کی ناراضگی کو ناپسند فرمایا ہے اور ہم گناہ گار برسوں بولنا در کنار ایک دوجے کی صورت بھی نہیں دیکھتے۔''

رابعہ بیگم نے کھلے دل سے بہن کا خیر مقدم کیا اور پھر بچوں نے بھی بڑی خالہ سے پیار لیا۔
''یہ میری بہو ہے اشبار کی بیوی......''
وہ ہنی کا تعارف کرانے لگی اس نے ادب سے سلام کیا۔
فریدہ خالہ نے جانچتی نظروں سے دیکھا پھر پیار سے سر پر ہاتھ رکھ کر سلام کا جواب دیا۔
''ماشاء اللہ بہو تو چاند کا ٹکڑا لائی ہو رابعہ......''
''جی آپا میری بہو واقعی لاکھوں میں ایک ہے صرف صورت ہی نہیں سیرت سگھڑاپے ہر چیز میں یکتا ہے۔''
امی کی تعریف پر ہنی شرمساری ہو گئی فریدہ خالہ نے بغور پھر سے ہنی کا جائزہ لیا......
''ہنی بچے خالہ کے لیے ناشتہ چائے کا انتظام کرو......''
''جی امی......''
وہ دھیرے سے اٹھتی کچن کی طرف چل دی۔
''سنا تھا میں نے کہ تمہاری بہو بہت بڑے گھر کی بیٹی ہے دولت کی ریل پیل ہے...... بہت پھیلا ہوا کاروبار ہے ان کے ابا کا...... پھر تو مزاج بھی تھوڑا اونچا ہوگا۔ نخرے وغیرے تو نہیں کرتی......''
اشبار بظاہر توٹی وی دیکھ رہا تھا مگر خالہ کی ہلکی آواز میں (جو خاصی تیز تھی) کی گئی سرگوشی پر سر جھٹک گیا۔ انسان کی فطرت بدلنا واقعی مشکل ہے اب امی کیا جواب دیتیں ہیں وہ یہ بھی سننا چاہتا تھا۔
''خدا کی قسم آپا میری ہنی میں ذرا بھی نخرہ نہیں ہے۔ ماشاء اللہ بہت اچھی تربیت ہے بچی کی...... سچ میں نظر آتا ہے کہ خاندانی اور سلجھے ہوئے اچھے گھر کی بیٹی ہے۔ میں تو عمر بھر بھی ڈھونڈتی تب بھی نہ ملتی...... وہ تو میرے رب نے مجھ پر کرم کر دیا ہے......''
''ماشاء اللہ ماشاء اللہ...... خوش رکھے آباد رکھے اور خوشیاں دکھائے تمہیں بھی...... امید سے ہے بہو اللہ پوتا دے صحت و زندگی والا......''
''پوتا ہو یا پوتی میرے گھر کی تو رونق ہو گی آپا برسوں بعد گھر میں بچے کی آوازیں گونجیں گی...... اللہ صحت اور زندگی والا بچہ دے......''
''آمین......''
''خیال رکھا کرو بہو کا...... آج کل کی بچیاں بہت لاپروائی برتتی ہیں۔ ان میں وہ ہمت بھی نہیں ہوتی بھلا دھان پان سی تو ہوتی ہیں۔ کام کاج کا احتیاط کیا کرو......''
''میں تو ہنی کو بہت سمجھاتی ہوں مگر اسے کام کرنے کا شوق ہی اتنا ہے...... مگر پھر بھی فرماں بردار ہے جیسے کہو مان لیتی ہے...... خود بھی بہت دھیان رکھتی ہے......''
''اللہ ہمت دے...... تمہیں بھی اور اسے بھی......''
وہ مسکرا کر بولیں ہنی چائے وغیرہ لے کر آئی تو وہ ادھر متوجہ ہو گئیں......

☆☆☆

''دس از ویری رانگ شانزے تمہیں پتہ ہے ناں کہ انکل کیسے ہیں تم نے تو شانی کے دم ہی نکال دیئے تھے......''
پیپر کے بعد وہ شانزے پر برس رہا تھا جو ہنسے جا رہی تھی۔

''او گاڈ...... لگ ہی نہیں رہا تھا کہ یہ وہ ہی ذیشان احمد صدیقی ہے جس کی اکڑ نہیں جاتی...... اتنے بھرم بھرنے والا...... قسم سے بہت انجوائے کیا......''

''بری بات ہے ناں تمہیں پتہ ہے ناں آج کل شانی کے گھر میں جو صورت حال ہے اس میں یہ قطعی افورڈ نہیں کر سکتا...... انکل پہلے ہی بہت زیادہ چپ رہنے لگے ہیں اور تمہارے ڈیڈ اگر ذرا بھی ذکر کر دیتے تو تمہیں پتہ ہے کتنی خطرناک کنڈیشن بن جاتی......''

''ایم سوری یار...... میں نے ڈیڈ کو واپسی پر بتا دیا تھا کہ شانی وہ لڑکا نہیں ہے انہیں قدرے مایوسی ہوئی۔ بی کوز...... شانی انہیں پسند ہی اتنا زیادہ آ گیا تھا قسم سے اگر میری کوئی اور بہن ہوتی ناں تو ڈیڈ نے لمحہ ضائع نہیں کرنا تھا ہر قیمت پر آصف انکل سے شانی کے لیے بات کرنی تھی۔''

''وہ ہے ہی اتنا اچھا...... بٹ تھینکس ایسا کچھ نہیں ہونے والا ورنہ شانی مشکل میں آ جاتا...... یو نو وری ویل کہ انکل نے برسوں پہلے ہی شانی کی منگنی ذینی سے کر دی تھی۔''

''جو اسے قطعی سوٹ نہیں کرتی......''

''شٹ اپ شانزے شانی کے سامنے مت کہنا یہ اسے برا لگے گا......'' اسامہ نے ٹوکا۔

''بائی دے وے اسامہ یہ زیادتی نہیں ہے اکیسویں صدی کے اس ماڈرن دور میں بھی تمہارے انکل نے اپنے اتنے ڈیشنگ بیٹے کی اپنی مرضی سے بچپن میں ہی بات طے کر دی یعنی اس بے چارے کے پاس کوئی آپشن ہی نہیں چھوڑا اور آئی کانٹ بلیو دس کہ شانی نے ذرا بھی کچھ نہ کہا اور خوشی خوشی مان گیا...... میں تو کبھی بھی ایسا نہ کرتی۔''

''یہ ہی فرق ہے تم میں اور مجھ سے......''

وہ جانے سے کہاں سے نازل ہوا تھا۔

''کیا مطلب؟''

شانزے نے ناگواری سے کہا۔

''میرا ایمان ہے کہ میرے پیرنٹس میرے لیے مجھ سے کہیں بہتر سوچتے ہیں ان کا ہر فیصلہ میرے لیے قابل احترام ہے۔''

''اب بھی وہ پرانے زمانے کی بچپن کی منگنی...... او گاڈ شانی خود سوچو...... بی تمہاری اور زینب کی سوچ اگر عمر بھر نہ میچ ہوئی ذہنی ہم آہنگی بہت امپورٹینڈ ہوتی ہے شادی میں...... آفٹر آل ساتھ تم نے رہنا ہے پھر کیوں نہ یہ حق بھی ہمارا ہو کہ ہم اپنی مرضی سے اپنا ساتھی چن سکیں۔''

''مگر جو خوشی والدین کی رضا اور ان کی دعاؤں سے ملتی ہے وہ......''

''میرے ڈیڈ میرے فیصلے سے خوش ہیں آف کورس ان کی دعائیں میرے ساتھ ہیں......''

شانی جانتا تھا شانزے کو قائل کرنا امپاسبل تھا یہ ہی توجہ تھی کہ اس کی نہیں بنتی تھی شانزے سے......''

☆☆☆

اب کیسی طبیعت ہے ذینی......''

وہ لاؤنج میں بیٹھی تھی حسان نے کئی دن بعد اسے یوں کمرے سے باہر دیکھا تھا۔

''ٹھیک ہوں بھائی......''

اس نے مسکرانے کی کوشش کی لبنیٰ نے ایک نگاہ اس پر ڈالی جانے ذیبی کے ذہن کا فتور اترا ہوگا کہ نہیں بہر حال اس نے دوبارہ ذیبی کو مخاطب نہیں کیا کیونکہ حقیقتاً اسے بہت دکھ ہوا تھا۔

"السلام علیکم......"

شانی کی غیر متوقعہ آمد نے سب کو سرپرائز کیا۔

"وعلیکم السلام...... آج تم کیسے رستہ بھول گئے بھئی......"

"رستہ بھولا نہیں ہوں پیپر کے بعد گھر نہیں گیا یہیں آ گیا اماں جانی نے کہا تھا کہ پھوجی کی طبیعت دریافت کرتے ہوئے آنا۔"

"شکر ہے اللہ کا...... تمہیں بھی احساس ہوا......" حسان نے مذاق کیا۔

"ارے یار ہم تو پھر احساس کر لیتے ہیں تم اپنا سناؤ......" اس نے جواباً کہا تھا۔

"پھوجی کہاں ہیں......"

"کمرے میں ہیں۔ تم بتاؤ پیپر کیسا ہوا......"

"کیسا ہو سکتا ہے...... جب پیپر ذیشان احمد صدیقی کے ہاتھ میں ہو تو......"

"مزاجاً جیسا بھی تھا ذہانت میں یکتا تھا ہمیشہ ہی بہت اچھے نمبرز لیتا تھا۔ ذیشان نے جواب کا انتظار نہیں کیا تھا بلکہ پھوجی کے کمرے میں چلا گیا تھا...... وہ بھی اسے دیکھ کر کھل سی گئیں...... پیشانی چوم کر پیار کیا۔

"طبیعت کیسی ہے آپ کی......؟"

"ٹھیک ہوں بچے شکر ہے رب کی ذات کا......"

انہوں نے تشکر بھرے انداز میں کہا تھا...... لبنیٰ اس کے لیے چائے وغیرہ وہیں لے آئیں۔

"ارے بھئی کھانا لے آؤ اس کے لیے بچہ پیپر کے بعد سیدھا یہیں آیا ہے...... بھوک لگی ہوگی۔"

"نہیں پھوجی اپنا اتنا حوصلہ نہیں ہے کہ اتنا وقت بھوک سہہ سکوں۔ میں نے اسامہ کے ساتھ لنچ کر لیا ہے اس کے بعد یہاں آیا ہوں...... ہاں البتہ لبنیٰ بھابی کے ہاتھ کی چائے ضرور پیوں گا۔"

اس نے مگ تھامتے ہوئے کہا وہ پھوجی کے پاس بیڈ پر ہی براجمان تھا۔ لبنیٰ مسکرا کر اسے دیکھنے لگیں...... کس قدر ناشکرا پن کر رہی ہے ذیبی...... اللہ پاک نے اتنا اچھا انسان بنا مانگے اس کے مقدر میں لکھ دیا اور وہ......"

انہیں شانی بہت پسند تھا نٹ کھٹ شرارتی مگر بے حد کھرا اور مخلص اس کی شخصیت میں آصف ماموں کی اسی فیصد خوبیاں جھلکتی تھیں۔ وجاہت میں بھی وہ ماموں جانی جیسا...... اونچا لمبا قد کاٹھ...... کشادہ پیشانی خوبصورت چہرہ، براؤن گہری آنکھیں، کھلتا گندمی رنگ اور براؤن ہی بال......

اس کی آنکھوں میں بلا کی کشش اور چمک تھی۔ اس عمر میں شاید ماموں جانی بھی ایسے ہی ہوں گے۔

شانی فطرتاً شوخ تھا مگر عمر بھی تو ایسی ہی تھی ناں...... سنجیدگی بھی ذمہ داری بڑھتے ہی آ جائے گی اس عمر میں تو ہر لڑکا ہی ایسا ہوتا ہے۔

"کیا بات ہے بھابی! آج میں زیادہ پیارا لگ رہا ہوں۔"

خود پر اٹھنے والی لمحہ بھر کی نگاہ جانچ لیتا تھا پھر وہ تو کافی دیر اسے دیکھ رہی تھیں اس کے ٹوکنے پر جیسے شرمندہ سی ہوئیں۔

"تم تو ہمیشہ ہی پیارے لگتے ہو......"

انہوں نے سچائی سے اعتراف کیا تھا۔ بلیو شرٹ اور جینز میں وہ بہت سمارٹ لگ رہا تھا۔
"تھینک یو...... سو مچ......" وہ شوخی سے ہنسا۔
"ذینی کو کئی دن سے بخار تھا آج کچھ بہتر ہے۔"
پھوجی نے اسے بتایا تھا شاید یکدم اس کے مسکراتے لب جیسے سکڑ گئے ہوں...... یا ہو سکتا ہے لبنیٰ کو لگا ہو۔ شانی بھی تو ذینی کا رویہ محسوس کرتا ہو گا ناں...... آخر کب تک وہ اسے مزاج کا فرق سمجھ کر اگنور کرے گا۔ وہ کافی دیر پھوجی کے پاس بیٹھا رہا...... پھر واپس جاتے ہوئے لحہ بھر وہ لاؤنج میں ٹھہرا تھا جہاں وہ اکیلی بیٹھی تھی۔
"کیسی ہو زینب شیراز...... پھوجی بتا رہی تھیں کہ تمہیں بخار ہے۔"
"الحمدللہ بہت بہتر ہوں......"
ذینی کے لہجے میں ذرا بھی نرمی نہ تھی شانی کا تو پتہ نہیں لبنیٰ کو بہت محسوس ہوا...... شانی نے فقط اک نگاہ اس پر ڈالی تھی اور اندر تک کڑواہٹ اتر گئی...... وہ لبنیٰ بھابی کو اللہ حافظ کہتا باہر نکل گیا۔
"بہت خوش نصیب ہو تم کہ شانی جیسا انسان تمہارا نصیب ہے...... بری سوچوں کو جھٹک کر مثبت انداز میں زندگی کو دیکھو...... تو تمہیں بہت اعلیٰ انسان ملا ہے۔"
"ہونہہ اعلیٰ...... جو ہر لڑکی کا آئیڈیل ہے۔ ہزاروں لڑکیاں اس کی آئیڈیل ہیں...... بھابی وہ مجھ جیسی لڑکی پر نگاہ تک نہیں ڈالے گا بی کوز......!" جانے وہ کیا کہنا چاہتی تھی کہ لب بھینچ گئی۔
"میں اتنا جانتی ہوں تم جیسا کہہ رہی ہو ویسا شانی ہرگز نہیں ہے......"
"یہ ہی کوالٹی تو بدرجہ اتم موجود ہے محترم میں کہ ہر کسی کو قائل کر لیتا ہے......"
حالانکہ چند دن پہلے تک اسے شانی کی خوبیاں خامیاں صاف اور واضح نظر آتی تھیں مگر اب جانے فہیم عباسی نے اس کی سوچ کو کیا رخ دکھایا تھا اسے شانی میں بس خامیاں ہی خامیاں نظر آ رہی تھیں۔
"اور آپ لوگ نظر انداز کر سکتے ہیں اس کی خامیاں میں نہیں......"
"تم سب کے ساتھ تو پتہ نہیں خود اپنے ساتھ بہت برا کر رہی ہو...... زندگی اپنے لیے خود مشکل بنا رہی ہو......"
"مشکل تو بن گئی ہے ظاہر ہے ماموں جانی کے اتنے احسانات ہیں ہم پر کہ میں چاہتے ہوئے بھی منع نہیں کر سکتی......"
"ایسا نہیں ہے میں خود احسن سے بات کروں گی کوئی دباؤ نہیں ہو گا تم پر مگر تم پچھتاؤ گی بہت ذینی......"
لبنیٰ بھابی نے فیصلہ کن انداز میں کہا ذینی دھواں دھواں چہرہ لیے انہیں دیکھتی رہ گئی۔

☆☆☆

رات کا جانے کون سا پہر تھا جب اچانک درد کی شدت سے اس کی آنکھ کھلی تھی...... کچھ دیر تو بیٹھی رہی مگر بیٹھنا جیسے دشوار ہونے لگا تھا وہ اٹھ کر ٹہلنے لگی۔ اس نے یہ نو ماہ بہت ہمت اور بہادری سے کاٹے تھے اور اس کی ہمت بڑھانے میں جہاں اماں جانی نے ساتھ دیا امی نے بھی بہت ساتھ دیا تھا۔
مگر رات کو اس وقت اسے انہیں ڈسٹرب کرنا بے حد عجیب سا لگا۔ وہ دھیرے دھیرے کمرے میں ہی ٹہلنے لگی تھی۔
کبھی بیٹھ جاتی مگر اٹھ کر چکر لگانے دیتی۔
لحہ بھر کو من چاہا کہ اثبار کو جگا دے مگر پھر خود ہی اس کی بے آرامی کا احساس ہوا......

تقریباً دو گھنٹے تک وہ برداشت کرتی رہی حتیٰ کہ فجر کی اذان گونجنے لگی تھی چار سو...... اس نے تمام ہمت مجتمع کر کے وضو کیا اور بہت مشکل سے فجر کی چار رکعتیں ادا کیں تھیں۔ مگر اب اس کی برداشت کی طنابیں بھی ٹوٹنے لگیں تھیں۔ وہ بری طرح سے تڑپ رہی تھی۔ بمشکل اس نے بیڈ تک آ کر اشبار کو ہلایا تھا۔

''اشبار......''

اشبار فوراً ہی اٹھ گیا۔

''کیا ہوا ہنی......''

اس کے درد سے سفید پڑتے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی اشبار کی نیند بھک سے اڑ گئی اور وہ اٹھ بیٹھا۔

''پتہ نہیں اشبار بہت شدید درد ہے...... پلیز آپ امی کو بلا لائیں۔''

اشبار بھی اسے دیکھ کر فکرمند ہو چکا تھا۔

''اوکے تم پلیز بیٹھو تو......''

اس نے اٹھ کر ہنی کو تھام کر بیڈ پر بٹھایا۔

''آپ بس امی کو جگا دیں ناں......''

اسے شاید اندازہ ہو چکا تھا کہ درد کی نوعیت کیا ہے...... اماں جانی نے اسے سمجھایا تو تھا...... اشبار سر ہلاتا تیزی سے کمرے سے نکلا تھا اور نیچے جا کر امی کو جگانا چاہا مگر وہ شاید پہلے ہی اٹھ چکی تھیں۔

''کیا بات ہے بیٹا......''

''امی ہنی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے وہ درد سے بے حال ہے آپ پلیز آ جائیں......''

''تم بہو کو نیچے لاؤ...... ہم ہاسپٹل چلتے ہیں میں ڈاکٹر فریحہ کو فون کرتی ہوں......''

وہ جہاندیدہ خاتون تھیں فوراً سمجھ گئیں اشبار ہنی کو لینے اوپر چڑھ گیا۔

☆☆☆

ٹہلتے ٹہلتے اس کی ٹانگیں شل ہو چکی تھیں شدید ٹھنڈ نہ تھی مگر رات کے اس دوسرے پہر میں خنک ہوا نے اس کی ٹانگوں میں درد کر دیا تھا۔ اوپر سے پریشانی نے جیسے اس کے سارے جسم میں کپکپی طاری کر دی تھی۔

دو بج چکے تھے مگر عمیر کا اب تک دور دور تک کوئی پتہ نہیں تھا۔ وہ اچھی خاصی خوفزدہ ہو کر اب رونے لگی تھی کسی کو بتانے کی ہمت بھی نہ تھی۔

گھر میں سب ہی ڈرے ہوئے تھے اگر وہ اماں یا ابا جانی کو جگائے گی تو ان کی تو طبیعت ہی خراب ہو جائے گی۔ ابا جانی کو غصہ بھی آ سکتا ہے۔

شانی کو دس سے گیارہ بجتے تھے تو ابا جانی اسے کتنا ڈانٹتے تھے اور عمیر نے تو حد ہی کر دی تھی دو بج گئے تھے۔ گیٹ کیپر کو تو اس نے گیارہ بجے ہی کہہ دیا تھا وہ بے چارہ کب تک ویٹ کرتا اور پھر اگر اس نے ابا جانی کو بتا دیا پھر......! افشین کی حالت بری ہونے لگی۔

اور آخر وہ اکیلی کب تک پریشان رہتی اس نے آخر کار شانی کے کمرے کے دروازے کو ناک کیا تھا۔

''او گاڈ...... یہ تو جلدی اٹھتا بھی نہیں ہے اور زور سے ڈور بجانے سے اگر اماں جانی تک آواز چلی گئی تو......'' اس نے پھر ذرا زور سے ناک کیا اور آواز لگائی۔

"شانی......"
شاید قسمت اچھی تھی کہ تیسری بار ناک کرنے پر وہ ادھ کھلی آنکھوں سے دروازہ اوپن کیے اسے دیکھ رہا تھا۔
"خیریت......"
شاید اس نے ٹائم نہیں دیکھا تھا ورنہ اس وقت افشین کو یہاں دیکھ کر اس کی ساری آنکھیں کھل جاتیں۔
"عمیر اب تک نہیں آیا شانی......" افشین نے پریشانی سے کہا۔
"تو......؟"
"شانی ڈھائی بج چکے ہیں اور عمیر گھر نہیں آیا......"
افشین کے جملے نے جیسے اسے جھنجھوڑ کر اٹھایا۔
"کیا......؟" وہ چیخ سا پڑا۔
"دھیرے بولو......"
افشین نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا۔
"کہاں گیا تھا......؟"
"فرینڈز کے ساتھ گیدرنگ تھی......"
"واٹ......؟" اماں ابا کو پتہ ہے۔
شانی کے پوچھنے پر اس نے نفی میں سر ہلایا۔
"کال کی"
"نمبر بند ہے......"
اب حقیقتاً شانی بھی پریشانی ہوا تھا۔
"کیا کریں مجھے اس کے کسی بھی فرینڈ کا نمبر نہیں پتہ......"
دس منٹ وہ بھی ٹہلتا رہا مگر کوئی حل بجھائی نہ دیا۔
"ابا جانی کو اٹھاؤں......"
"اس کے علاوہ اب کوئی حل ہے بھی تو نہیں......" شانی نے لب بھینچے۔
مگر اسی پل شانی کے موبائل کی اسکرین چمک اٹھی چونکہ سیل سائلنٹ تھا...... شانی نے لپک کر فون اٹھایا ایک قطعی انجان نمبر تھا...... مگر اس وقت اسے عمیر کی فکر تھی تبھی اس نے فوراً اٹینڈ کر لیا۔
"ہیلو......"
"کہاں ہے تو......؟"
عمیر کی آواز پر وہ بولا تھا مگر ادھر سے جانے جواباً کیا کہا گیا تھا...... کہ شانی کے چہرے کی رنگت سفید پڑنے لگی......
"کیا......؟"
وہ چیخا تھا اور فوراً باہر کی طرف بھاگا تھا افشین کو اپنی جان نکلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔
(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمایئے......)

☆☆☆

رنگ جہاں
اندرونی صفحات میں
دنیائے رنگ ونور، شوبز مصالحہ، ریشمی سندیسے، باورچی خانہ، خود کلامی، آپ کے اوراق
بیوٹی ٹپس، باتیں صحت کی، رنگ خیال، الف سے اچھے ب سے بچے اور انٹرویوز

پنجابی فلموں کی سپر سٹار اداکارہ ......انجمن

انجمن بہاولپور میں پیدا ہوئی اور اسے شباب کیرانوی نے پہلی فلم میں دو بڑے ہیروز کے ساتھ متعارف کرایا تھا۔ کیرانوی نے انجمن کو بطور ہیروئن متعارف کرایا تھا پہلی فلم "صورت" تھی جو کہ ناکام ہوئی مگر 1979ء میں "وعدے کی زنجیر" ہٹ ثابت ہوئی۔ ویسے تو انجمن نے علی اعجاز، جاوید شیخ، غلام محی الدین، ندیم اور اظہار قاضی کے ساتھ بھی بطور ہیروئن کام کیا ہے مگر جب سلطان راہی مرحوم کے ساتھ ہیروئن آئی تو اس جوڑی کا فلم بینوں نے فقید المثال استقبال کیا کیونکہ سلطان راہی کے ساتھ انجمن، البڑ مٹیار کے روپ میں بہت زیادہ بجتی تھی۔

1981ء میں انجمن کی بہت ساری فلمیں پردہ سکرین پر جلوہ گر ہوئیں اور پھر انجمن فلم سازوں کی کمزوری بن گئی۔ حالانکہ اس وقت دوسری کئی ایک قابل ذکر ہیروئنیں تھیں مگر فلم ساز صرف انجمن کو فلموں میں کاسٹ کرتے تھے بلکہ پنجابی فلموں کے لئے انجمن کا نام فلم کی کامیابی کی دلیل سمجھا جاتا تھا۔ انجمن نے پنجابی فلموں کے علاوہ پشتو فلموں میں بھی اپنے فن کا لوہا منوایا بلکہ کئی ایک فلموں میں انجمن نے ایکشن اداکاری کرتے ہوئے فلمی شائقین کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔

1990ء کا سال انجمن کے لئے بہت خوش نصیب تھا کیونکہ اس سال انجمن اور سلطان راہی مرحوم کی بیس فلمیں پردہ سکرین کی زینت بنیں ... آپ خود اندازہ لگائیں کہ صرف انجمن اور سلطان راہی مرحوم کی بدولت کتنے ہنرمندوں اور فلم انڈسٹری سے وابستہ لوگوں کو ذریعہ معاش ملتا تھا۔ فلمی مرکز رائل پارک میں لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر نظر آیا کرتا تھا۔ 1991ء میں انجمن کی تیرہ فلمیں ریلیز ہوئیں۔ اس کے بعد انجمن کا وزن بڑھنا شروع ہو گیا لیکن پھر بھی انجمن کے چاہنے والے انجمن کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے سلور سکرین پر دیکھنا چاہتے تھے۔ اسی دوران انجمن ...... اور انکم ٹیکس آفیسر مبین ملک کے درمیان انڈر سٹینڈنگ ہوئی پھر دونوں نے شادی کر لی...... انجمن نے اداکاری کے علاوہ گلوکاری میں بھی اپنے آپ کو منوایا ان کا ایک گیت بہت مقبول ہوا۔

"تیرے باجرے دی راکھی...... میں کیسے کر پاؤں گی
ساجن میں گھبراؤں گی رانجھن میں گھبراؤں گی...... تیرے باجرے دی راکھی"

شادی کے کچھ عرصہ بعد انجمن فلم انڈسٹری کو چھوڑ کر لندن چلی گئیں...... جب سلطان راہی کا قتل ہوا تو انجمن ڈیپریشن کا شکار تھی۔ اسی دوران گھریلو تنازعات میں بھی شدت آ گئی۔ 1999ء میں انجمن دوبارہ فلم انڈسٹری واپس آئیں تو فلم والوں نے پرتپاک استقبال کیا اور انجمن پر گلاب کے پھولوں کی پتیاں نچھاور کی گئیں۔ اتنا شاندار اور والہانہ استقبال دیکھ کر انجمن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

1999ء میں ہی فلم چوہدرانی میں انجمن نے ٹائٹل رول ادا کیا جس میں ہیرو شان تھا۔ مگر وہ بات نہ بن سکی کیونکہ سلطان راہی مرحوم کے ساتھ انجمن کی جوڑی کئی عشروں تک چلتی رہی تھی۔ لیکن سلطان راہی قتل ہو چکے تھے۔ اس لئے فلمی شائقین نے اس فلم پر کوئی خاص توجہ نہ دی لیکن انجمن نے ہمت نہ ہاری لیکن اس دوران فلم انڈسٹری کا فال ڈاؤن شروع ہو چکا تھا۔ ان حالات کے پیش نظر انجمن نے ریٹائرمنٹ کا اعلان کر دیا۔

☆......☆......☆

مچھلی نما تابوت

1994ء میں افریقی ملک گھانا کے دارالحکومت عکرہ میں ایک بڑا آدمی مر گیا۔ اس آدمی کے آخری دیدار کے لیے جو تابوت بنایا گیا۔ وہ تابوت نہیں بلکہ بہت بڑی مچھلی تھی۔ اس کی لمبائی 10 فٹ سے کچھ زیادہ اور اونچائی 5 فٹ کے لگ بھگ تھی۔ یہ لکڑی کی بنی ہوئی تھی۔ مچھلی کے ایک پہلو سے ڈھکنا اوپر اٹھایا گیا۔ مرنے والے کی لاش اس کے اندر تھی۔ مرنے والے کا نام ''ڈیدلے نونو'' تھا اور وہ ماہی گیری کی صنعت کے چند ایک بڑے سربراہوں میں سے تھا۔ اس شخص کی وصیت تھی کہ اس کی لاش لکڑی کی مچھلی میں بند کر کے دفن کی جائے۔

☆☆☆☆

دنیا کا پہلا ڈاک ٹکٹ

دنیا کا پہلا ڈاک ٹکٹ ''پینی بلیک'' 6 مئی 1840ء کو انگلستان میں شائع ہوا۔ یہ سر رولینڈ ہل نے ڈیزائن کیا تھا۔ پورے برصغیر کے لیے ہندوستانی حکومت نے پہلا ڈاک ٹکٹ 1854ء میں شائع کیا۔

☆☆☆

سونے کا خول

بخارا کا ایک وزیراعلیٰ فیروز الدین اپنے چہرے پر 84 سال تک سونے کا خول چڑھائے پھرتا رہا۔ یہ خول اس نے 17 سال کی عمر میں اپنے چہرے پر چڑھایا تھا اور مرتے دم تک نہ اتارا۔ اس کی اصل شکل وصورت کا کسی کو بھی پتہ نہیں تھا۔ یہاں تک کہ بادشاہ وقت بھی اس کی شکل سے واقف نہیں تھا۔ آج بھی پرانی کہانیوں میں اس شخص کا ذکر موجود ہے لیکن یہ وجہ کسی کو پتہ نہیں کہ اس شخصیت نے یہ خول کیوں چڑھایا تھا۔ مرتے وقت یہ شخص وصیت کر گیا کہ اس کی شکل وصورت دیکھنے کی کوشش نہ کی جائے بلکہ اسے اسی طرح دفنایا جائے۔ چنانچہ اس کی آخری خواہش پوری کی گئی اور آخری دیدار بھی سونے کے خول کا ہوا جس میں صرف اس کی آنکھیں اور ناک وہونٹ نظر آتے تھے۔

☆☆☆☆

طویل فاصلے والی ریل گاڑی

ستمبر 1984ء میں انڈین ریلوے نے طویل ترین فاصلہ طے کرنے والی ریل گاڑی کی سروس شروع کی۔ یہ ریل گاڑی کنیا کماری اور جموں کے درمیان چلائی گئی۔ اس کا نام ہندساگر ایکسپریس تھا اور یہ 68 گھنٹوں میں 3868 کلومیٹر کا فاصلہ طے کرتی تھی۔ یہ ریل گاڑی کنیا کماری سے تامل ناڈو (مدراس)، کیرالہ، آندھرا پردیش، مہاراشٹر، اترپردیش، دہلی، ہریانہ اور پنجاب سے ہوتی ہوئی جموں پہنچتی تھی۔

☆☆☆

نیلے رنگ کا سورج

26 ستمبر 1950ء کو سکاٹ لینڈ اور شمالی انگلینڈ اور 27 ستمبر کو بقیہ یورپ میں نیلے رنگ کا سورج دیکھا گیا۔ برطانوی صدگاہ کے مطابق یہ دھویں کی اس نیلی چادر کا نتیجہ تھا جو 30 سے 40 ہزار فٹ کی بلندی پر چھا

گئی تھی۔ دھویں کی یہ چادر الباما اور امریکہ کے جنگلوں میں لگی ہوئی آگ کا نتیجہ تھی۔ یہ دھواں بحر اوقیانوس پار کر کے یورپ پر چھا گیا تھا۔

☆☆☆

تین کا ہندسہ

شہزادہ بسمارک کو تین کے ہندسے سے عجیب و غریب رغبت تھی۔ اس نے 3 سکولوں میں تعلیم حاصل کی۔ 3 ملکوں میں سفیر متعین کیا گیا۔ 3 بادشاہوں کے ماتحت رہا۔ 3 جنگیں لڑیں۔ امن کے 3 معاہدوں پر دستخط کیے۔ شہزادے کے تین ہی نام تھے۔ اسے 3 خطابات سے نوازا گیا۔ اس نے 3 بار استعفا دیا۔ اس کی تین بیویاں اور تین بچے تھے۔ اس پر 3 بار قاتلانہ حملہ ہوا۔

☆☆☆

مسلمانوں کا پہلا بحری بیڑہ

مسلمانوں کا پہلا بحری بیڑہ حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں حضرت امیر معاویہؓ کی زیر نگرانی تیار ہوا۔ یہ اہل روم کے بحری حملوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تھا۔ راستوں کے اعتبار سے نہایت دشوار گزار جزیرہ قبرص (Cyprus) مسلمانوں نے بحری جنگ کے نتیجے میں فتح کیا۔

☆☆☆

ہلال استقلال

ہلال استقلال پاکستان کا واحد پرچم ہے جو کبھی سرنگوں نہیں ہوتا۔ یہ 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں بہادری و شجاعت کا مظاہرہ کرنے پر لاہور، سرگودھا اور سیالکوٹ کے شہریوں کو عطا کیا گیا۔ یہ پرچم تینوں شہروں کے جناح ہالوں پر ہر سال 6 ستمبر کو لہرایا جاتا ہے۔

☆☆☆

جاسوس کبوتر

پہلی جنگ عظیم میں امریکہ نے ایک ایسا جاسوس کبوتر چھوڑا تھا جس پر ایک چھوٹا سا کیمرہ نصب کیا گیا تھا۔ یہ کبوتر زخمی ہونے کے باوجود 25 منٹ میں 25 کلو میٹر کا سفر طے کر کے جنگ کے علاقے کی اہم تصاویر سمیت واپس پہنچا تھا۔ اس کبوتر کو بعدازاں حکومت نے ایوارڈ سے نوازا۔

☆☆☆

بچھوؤں کی ملکہ

دسمبر 2002ء میں تھائی لینڈ کی خاتون کچینا کیٹ کیو نے 3 ہزار زہریلے بچھوؤں کے ساتھ 32 دن گزار کر نیا عالمی ریکارڈ قائم کیا۔ اس سے قبل یہ ریکارڈ ملائشیا کی ایک خاتون 24 سالہ میلینا حسن نے 2001ء میں قائم کیا تھا جس نے بچھوؤں کے ساتھ 30 دن گزارے تھے۔ تھائی لینڈ کی اس بچھو ملکہ نے 12 مربع میٹر کے شیشے کے بنے ہوئے ایک مخصوص کمرے میں جس میں 3 ہزار خطرناک قسم کے بچھو موجود تھے 32 دن گزارے۔ اس کمرے میں بچھوؤں کو باقاعدہ غذا دی جاتی تھی اور وہ ملکہ کے جسم پر رینگتے رہتے تھے۔

☆☆☆

شمسی توانائی کا پہلا استعمال

شمسی توانائی کے استعمال کے سلسلے میں پہلا تجربہ امریکی ریاست ایریزونا (Arizona) کے لق و دق صحرا میں 1901ء میں کیا گیا۔ ایک دخانی مشین پانی پمپ کرنے میں کامیاب رہی۔ یہ پانی خشک زمین سیراب کرنے کے کام آیا۔

☆☆☆

ہمانواب خان

باورچی خانے کو ہم عید کے حوالے سے سجا رہے ہیں ہماری پیاری قارئین دلکش جنہوں نے ماہ صیام میں سے کچھ قیمتی وقت نکال کر باورچی خانے کو سجایا ہے۔

ہرے مصالحے کا روسٹ

اجزاء:

مرغ بڑے پیس	آٹھ عدد
دھنیا	ایک گٹھی
پودینہ	ایک گٹھی
ہری مرچیں	پانچ عدد
لیموں کا رس	آدھی پیالی
نمک	حسب ذائقہ
کارن فلور	ایک پیالی
دہی	آدھا کلو
لہسن کا پیسٹ	دو کھانے کے چمچ
ادرک کا پیسٹ	دو کھانے کے چمچ
گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچ
تیل	تلنے کے لیے

ترکیب:

پودینے، دھنیا اور ہری مرچوں کی چٹنی بنالیں اور اسے دہی میں شامل کرلیں۔ اب دہی میں نمک ادرک، لہسن پیسٹ، گرم مصالحہ، لیموں کا رس، شامل کرکے مرغی کے پیسوں کو لگا کر ایک گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ اب ایک ہانڈی میں مرغی کے ٹکڑوں کو ڈال کر چولہے پر رکھ دیں۔ جب دہی کا پانی خشک ہو جائے تو ٹکڑوں پر کارن فلور چھڑک دیں۔ ایک کڑاہی میں تیل گرم کرلیں اور مرغی کو گولڈن فرائی کرلیں۔ نان، رائتے، اور سلاد کے ساتھ پیش کریں......

(ریما نور رضوان، کراچی)

☆☆☆☆

سنگاپورین رائس

اجزاء:

چکن آدھا کلو، نمک ایک چائے کا چمچہ، کالی مرچ ایک چائے کا چمچہ، کٹی لال مرچ ایک چائے کا چمچہ، انڈا ایک عدد، میدہ دو کھانے کے چمچے، کارن فلور کھانے کے چمچ،

بیکنگ پاؤڈر آدھا چائے کا چمچ
ویجی ٹیبل مکسچر کے اجزاء:
شملہ مرچ کٹی ہوئی چھوٹے کیوبز دو عدد، بند گوبھی کٹی ہوئی چھوٹے کیوبز ایک عدد، پیاز کٹی ہوئی چھوٹے کیوبز دو عدد، کٹی اور ابلی گاجر دو عدد، نمک آدھا چائے کا چمچہ، کالی مرچ آدھا چائے کا چمچ، سرکہ ایک کھانے کا چمچ، سویا ساس ایک کھانے کا چمچ، چلی گارلک ساس ایک کھانے کا چمچ، کیچپ دو کھانے کے چمچ، چاول آدھا کلو

ساس کے اجزاء:
کیچپ چار کھانے کے چمچے، مایونیز چھ کھانے کے چمچے، سرکہ دو کھانے کے چمچے، نارنگی رنگ ایک چٹکی

ترکیب:

☆ آدھا کلو چکن کو ایک چائے کا چمچ نمک، ایک چائے کا چمچ کالی مرچ، ایک چائے کا چمچ کٹی لال مرچ، ایک عدد انڈا، دو کھانے کے چمچے میدہ، تین کھانے کے چمچ کارن فلور اور آدھا چائے کا چمچ بیکنگ پاؤڈر سے میری نیٹ کر کے تیس منٹ رکھیں اور پھر چکن کو ڈیپ فرائی کر کے ایک طرف رکھ دیں۔

☆ پہلے دو عدد شملہ مرچ، ایک عدد بند گوبھی، دو عدد پیاز اور دو عدد گاجر کو کیوبز میں کاٹ لیں۔

☆ اب انہیں دو کھانے کے چمچے تیل میں آدھا چائے کا چمچ نمک، آدھا چائے کا چمچ کالی مرچ، ایک کھانے کا چمچ سویا ساس، دو کھانے کے چمچ کیچپ، ایک کھانے کا چمچ سرکہ اور ایک کھانے کا چمچ چلی گارلک ساس کے ساتھ پکا کر ایک طرف رکھ دیں۔

☆ پھر آدھا کلو چاولوں کو دو کھانے کے چمچے نمک کے ساتھ ابالیں، یہاں تک کہ وہ تیار ہو جائیں۔

☆ ساس بنانے کے لیے چار کھانے کے چمچے کیچپ، چھ کھانے کے چمچے مایونیز، دو کھانے کے چمچے سرکہ اور ایک چٹکی نارنجی رنگ کو مکس کریں۔

☆ چار کھانے کے چمچے لہسن کاٹ کر فرائی کر لیں۔ دس عدد ہری مرچوں کو درمیان میں سے کاٹ کر فرائی کر لیں۔

☆ مکس کرنے کے لیے ایک بڑے پلیٹر میں چاول ڈالیں۔ اوپر تیار کیا ہوا ساس ڈالیں پھر سبزیوں کا مکسچر اور فرائی کیا ہوا چکن ڈال دیں۔ آخر میں اوپر فرائی کیا ہوا لہسن اور ہری مرچیں ڈال کر سرو کریں۔

(عریشہ سہیل، کراچی)

☆☆☆

چکن پکوڑے

اجزاء
بون لیس چکن آدھا کلو، بیسن دو کپ، کٹی ہوئی لال مرچ ایک چائے کا چمچہ، کٹا ہوا زیرہ ایک چائے کا چمچہ، کٹا ہوا دھنیا ایک چائے کا چمچہ، پسی ہوئی کھٹائی ایک چائے کا چمچ، انار دانہ دو چائے کے چمچ، نمک حسب ذائقہ، تیل فرائی کے لئے، ہرا دھنیا پودینہ آدھی گٹھی

ترکیب:
چکن ٹکڑوں میں کاٹ لیں۔ ایک پیالے میں چکن ہرا دھنیا پودینہ اور تمام مصالحے ڈال کر مکس کر لیں اور پانی ڈال کر گاڑھا آمیزہ بنا لیں۔ پھر گرم کوکنگ آئل میں پکوڑوں کی شکل میں ڈال کر تل لیں۔ سنہری ہو جانے پر چٹنی کے ساتھ پیش کریں۔

(فرح بھٹو، حیدر آباد)

☆☆☆

کسٹرڈ سویاں

اجزا:
دودھ آدھا لیٹر، شکر حسب ذائقہ، شیر خورمہ کی سویاں ایک ٹیبل اسپون، بادام پندرہ عدد ابلے ہوئے، کھویا آدھا پاؤ، ونیلا کسٹرڈ پاؤڈر، دو ٹیبل اسپون کو پانی میں

مکس کر لیں، ونیلا اسنس چند قطرے

ترکیب:

سب سے پہلے دودھ کو ابال لیں اب اس میں شکر ڈال کر پکائیں ایک ابال آجائے تو اس میں سویاں توڑ کر ڈالیں اور ایک منٹ کے لیے پکائیں اب دودھ میں ونیلا کسٹرڈ پاؤڈر شامل کریں اور ہلکی آنچ پر چند منٹ پکائیں لیکن زیادہ گاڑھا نہ کریں اب اس میں کھویا شامل کریں اور مستقل چمچہ گھمائیں سب سے آخری میں ابلے ہوئے بادام اور ونیلا ایسنس شامل کر لیں مزیدار کسٹرڈ سویاں تیار ہیں۔

(افشاں شاہد، کراچی)

☆☆☆

دوسحری پراٹھے

اجزاء:

سفید (فائن آٹا) آدھا کلو، انڈے دو عدد، دودھ آدھا کلو، نمک ایک چائے کا چمچہ، چینی دو چائے کے چمچے، آئل چار چائے کے چمچے، (فلنگ کے لیے کسی بھی قسم کا جام)

ترکیب:

ایک برتن میں ہلکا گرم دودھ کر کے اس میں چینی گھول لیں۔اب انڈے، نمک اور گھی ڈال کر اچھی طرح پھینٹیں اور پرات میں آٹا چھان لیں اور تمام مکسچر کو آٹے میں ڈال کر گوندھ لیں اور ایک گھنٹے کے لیے چھوڑ دیں۔اس کے بعد چھوٹے چھوٹے پیڑے بنائیں اور ایک روٹی بیل کر اس پر جام پھیلا دیں اور دوسری روٹی بیل کر اس کے اوپر رکھ دیں اور پھر اسے پلیٹ میں رکھ کر ایک پلاسٹک سے ڈھانپ دیں اسی طرح مزید روٹیاں بیل کر پلاسٹک اوپر رکھتے جائیں تاکہ روٹیاں ایک دوسرے سے نہ چپکیں پھر ان روٹیوں کو فریزر میں رکھ دیں۔سحری کے وقت گھی لگا کر پراٹھے بنا لیں اور اگر

روٹیاں بچ جائیں تو دوبارہ فریزر میں رکھ دیں۔

(تحریم اکرم چوہدری، ملتان)

☆☆☆

تندوری تکے

اجزاء:

گوشت کے پارچے آدھا کلو، پیاز آدھا پاؤ، دہی آدھا پاؤ، گھی تین کھانے کے چمچ، کچا پپیتا ایک کھانے کا چمچ، سفید زیرہ خشخاش دو کھانے کے چمچ، بھنے ہوئے چنے دو کھانے کے چمچ لہسن ایک پوتھی، ادرک ایک کھانے کا چمچ

ترکیب:

پیاز کو باریک لچھے دار کاٹ لیں پھر انہیں تھوڑے سے گھی میں تل کر نکال لیں۔اب زیرہ خشخاش اور چنے بھی اسی طرح گھی میں تل کر نکال لیں۔اب انہیں پیاز کے ساتھ باریک پیس لیں پہلے اس میں پپیتا ملائیں تاکہ یہ خوب یکجا ہو جائے۔اب پسی ہوئی ادرک، لہسن، نمک اور پھینٹا ہوا دہی اس میں شامل کر لیں اور یہ تمام مصالحہ گوشت پر اچھی طرح مل لیں پھر انہیں کم از کم تین سے چار گھنٹے کے لیے چھوڑ دیں اس کے بعد کسی تشتری میں پھیلا کر تندور میں دم پر اس طرح لگائیں کہ تشتری پر کوئی ڈھکن ڈھانپا جا سکے کچھ دیر بعد اس کو اٹھا کر دیکھیں تکے سرخ دکھائی دیں تو نکال لیں مزیدار تکے تیار ہیں۔

(عروشمہ خان عروش، بہاول پور)

☆☆☆

رنگ میں بھنگ

انجم انصار

برسات میں......!

برسات کے موسم میں، اگر گھر ذرا سا بھی گندا ہو، تو میرا دل اوبھ جاتا ہے، جیسے باہر کی کچ کچ گھر کے اندر اتر آئی ہو۔

ذرا سی بھی سیلن یا ذرا سی بھی نمی، میں برداشت نہیں کر سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ میرا گھر برسات کے دنوں میں عام دنوں سے زیادہ صاف ہوتا ہے اور میں کھڑکی میں بیٹھی، املی کی چٹنی کے ساتھ پکوڑے کھاتے ہوئے باہر کا نظارہ کرتی رہتی ہوں کہ بارش کی چھم چھم میں بھیگتا ہوا کون پھسلا، کون گرا، اور کون بچا۔ میرے قہقہوں کی گھن گرج سے گھر والے یہ اندازہ لگا لیتے ہیں کہ کس کی پھٹیک زیادہ لگی۔

''برسات میں ہی، مجھے گھومنے کا مراق بھی زیادہ رہتا ہے۔ برستی پھوار میں لوگ جب مہمانوں کے خوف سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ میں ان کے ہاں جا کر انہیں حیران کر دیتی ہوں۔

شاہدہ میری فرسٹ کزن، اپنا چھوٹا سا گھر ہمیشہ صاف ستھرا رکھتی ہے، مگر برسات میں، گیلے کپڑے اس کے ٹی وی لاؤنج میں پھیلے نظر آتے ہیں۔ بچے کے لنگوٹ جھنڈیوں کی شکل میں بیرونی دروازے پر جھالروں کی شکل میں لٹکے ہوتے ہیں۔ باورچی خانے کو گیلا کیے رکھتی اور وہ بدحواس سی پورے گھر میں گھومتی نظر آتی ہے اور مجھے دیکھ کر وہ یوں زرد پڑ جاتی ہے کہ خیر مقدمی کے کلمات زبان سے ادا بھی نہیں ہو پاتے۔ چند لمحے کے لیے اسے واقعی سکتہ سا ہو جاتا ہے۔

بلقیس آپا، میری نند کا گھر بہت بڑا سا ہے، جیسے کئی نوکر صاف ستھرا رکھتے ہیں، مگر وہ برسات میں اس قدر سونے کی عادی ہیں کہ ان کے چھوٹے بچے گھر میں تباہیاں مچا دیتے ہیں۔ جسے برسات کی وجہ سے نوکر بھی نظر انداز کر دیتے ہیں اور جب میں ان کے بڑے سے گھر میں کیچڑ اور نمی کی غلاظت دیکھتی ہوں تو میرے چہرے کے تاثرات تمسخرانہ زیورات سے مزین ہو جاتے ہیں۔

مسز ریاض، میرے میاں کے دوست کی بیگم ہیں۔ جو ہمیشہ اپنے مہمانوں کی مدارت اتنی زیادہ کرتی ہیں کہ تمام مہمان احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مارکیٹ کے قریب رہنے کے یہی فوائد ہیں کہ ان کے ہاں کسی وقت بھی چلے جاؤ، ٹرالی، کھانے پینے کی چیزوں سے لبالب ملتی ہے۔

مگر میں، ان کے ہاں بھری برسات میں ضرور جاتی ہوں۔ عموماً ایسے اوقات، جب بارش کی وجہ سے دکانیں تک نہیں کھل پاتیں اور وہ مجھے دیکھ کر چونٹی سی ہو جاتی ہیں۔ ارے، اس وقت کیا کھلاؤں، آج تو دودھ والا بھی نہیں آیا۔ ان کے چہرے کی ہر جنبش، نئی نئی کہانیاں مجھے سناتی ہے۔ اور میں پانی کا خالی گلاس پی کر شاداں و فرحاں سی اٹھ جاتی ہوں کہ اگر تم کبھی میرے گھر سے خالی ٹہل کر آ گئیں تو آج میں نے بھی حساب بے باق کر دیا۔

ریحانہ میرے میاں کی سابقہ منگیتر ہے۔ جس وقت بھی اس کے گھر چلے جاؤ، ہمیشہ میک اپ میں لت پت ملتی ہے۔ اس کو دیکھ کر آج بھی میرے میاں جانی کے لبوں سے آہ آزاد ہو جاتی ہے۔ خیر سے وہ بھی شادی شدہ ہے مگر اس کے رہنے کا الرٹ انداز میاں صاحب کو بے حد بھاتا ہے۔

''بیوی ہو تو ریحانہ جیسی، جیسے رہنے کا ڈھنگ آتا ہے۔'' مجھ کو جلانے کے لیے میرے میاں جانی ایسے فرمودات ادا کرتے رہتے ہیں۔ جن میں ان کی قلبی سچائی بھی رچی ہوتی ہے۔

ریحانہ کے ہاں، تیز بارش میں جاتے ہوئے میں

اپنے میاں کو بھی ساتھ لے جاتی ہوں۔ اس کے اوپر کے فلیٹ میں ساری بوچھاڑ عموماً اندر آتی ہے اور اس کے چہرے کا سارا میک اپ برسات کے دنوں میں بہہ چکا ہوتا ہے۔ اس کا بدرونق چہرہ مجھے دیکھ کر ہونق زدہ سا ہو جاتا ہے اور وہ گھر کے پھیلاوے سے آنکھیں چرا کر میک اپ کرنے لپکتی ہے۔

گھر میں بھی اس کے پیچھے پیچھے پھرتی ہوں۔ گو ذاتی طور پر مجھے ایسے مہمان بہت برے لگتے ہیں جو نچلا بیٹھنا نہیں جانتے اور میزبانوں کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں۔

مگر میں ریحانہ کو کوئی موقع نہیں دیتی کہ وہ اپنے بد رونق چہرے کو میک اپ کی تہوں میں چھپالے۔

ایسے میں میاں جانی کی نظریں میری بلائیں لینے لگتی ہیں۔ ''یہ ریحانہ کو کیا ہو گیا ہے۔ کتنی بری ہو گئی ہے۔'' وہ گھر آ کر تبصرہ کرتے ہیں۔

''بری کیا ہو گئی ہے، ہمیشہ سے ہی ایسی تھی۔'' میں نغمہ بار لہجے میں ان سے کہتی ہوں اور وہ میرے میک اپ زدہ چہرے کو رشک بھری نظروں سے دیکھنے لگتے ہیں۔

☆☆☆

مذاق

گھر سے قدم نکالنا کہاں آسان ہوتا ہے۔ گھر کے سودھندے ہمہ وقت جان کو چمٹے ہوتے ہیں۔ اس پر بھی تاجور بحالت مجبوری گھر سے نکل کر کسی کے گھر چلی جاتیں تو طبیعت خوامخواہ مکدر ہو جاتی۔

ان کے دل کی بھڑاس دل کے اندر ہی رہ جاتی اور دوسروں کی باتوں کا بار اپنے دل میں لیے چلی آتیں۔ اب انسان کسی کے گھر جائے اور منہ کی بساندھ بھی نہ نکالے تو اس کی طبیعت میں شگفتگی کا احساس کس طرح ہو سکتا ہے۔ میاں محبت کے ڈائیلاگز پورے خاندان میں نشر کرتا پھرتا ہے اور ان سے دو لفظ نہیں بولتا اور سوکھی ساس ناشتے میں دو پراٹھے کھاتی ہے جیسی باتیں اگر مارکیٹ میں نہ لائی جائیں تو سدا کس طرح آتا ہے۔

نئے جوڑے بنانے کا فائدہ اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک اسے پہن کر کسی دوسرے کا دل نہ جلایا جائے۔

تاجور کا بھی یہی وطیرہ ہے۔ اس کا شمار ان خواتین میں ہے جن کا اپنے گھر میں بھی دل نہیں لگتا۔ اگر وہ کسی کے گھر نہ جائیں تو ان کے سر میں درد ہو جاتا ہے۔ میاں کے دفتر جاتے ہی پہلے وہ ٹیلی فون پر سب سے خیریت حاصل کرتی ہیں اور پھر محلے یا اپنے احباب میں گھومنے نکل جاتی ہیں۔

گھر میں دو دن ملازمہ نہ آئے تو اس کی تنخواہ کاٹ لیتی ہیں۔ دودھ پھٹ جائے تو دودھ والے کو پورے پیسے نہیں دیتیں۔ مولوی صاحب ناغہ کریں تو ان کی تنخواہ منہا ہو جاتی ہے مگر روزانہ ٹیکسی یا رکشے پر پیسے برباد کرتے وقت انہیں کوئی احساس نہیں ہوتا۔ گو ان کے گھر میں ٹیلی فون کا بل دیکھ کر ان کا میاں خوب لڑتا ہے مگر میں نہ مانوں جیسے قول پر عمل کرنے والی تاجور جھوٹ پہ جھوٹ بولے چلی جاتی ہے۔ عقل مند کہتے ہیں کہ جھوٹ بولنے والوں کا حافظہ کمزور ہو جاتا ہے۔ ایسا تاجور کے ساتھ بھی ہوا ہے۔ بعض مرتبہ وہ اپنی بات کی خود نفی کر دیتی ہے۔ میری بہنوں کے اتنے رشتے آ رہے ہیں کہ امی گھبرا گئی ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ جاپان والا رشتہ قبول کریں یا کینیڈا والا۔ ڈیفنس والے کو ہاں کریں یا گلشن والے کو مگر چند ماہ بعد یہی تاجور اپنا سابقہ بیان بھول کر اپنے احباب سے یہ کہتی نظر آتی ہے ہمارے بہت دشمن ہیں۔ ان دشمنوں نے میری بہنوں کے رشتے باندھ دیئے ہیں۔ اب بہنیں خوبصورت ہیں، دینے دلانے کو جہیز بھی تیار رکھا ہے مگر کوئی رشتہ ہی نہیں ہے۔ پلیز کوئی اتار کروا دیں یا کوئی اچھا رشتہ بتا دیں تاکہ میری امی کو سکون کا سانس ملے۔ لوگ ان کی باتیں سنتے ہیں اور ہنس کر گزر جاتے ہیں کہ اب لوگوں کے پاس اتنا وقت بھی نہیں رہا ہے کہ منہ پر بیٹھ کر مذاق اڑائیں۔ اب اکثر لوگ اپنے گھروں میں بیٹھ کر دوسروں پر ہنستے ہیں۔

☆☆☆

رنگِ خیال

ترتیب: شاہ روم خان ولی

نامور شعراء کرام کی بہترین غزلیات کا گلدستہ

غزل

جاری رکھتے ہیں جو زباں پر دعا کے موتی
ملتے رہتے ہیں انھیں رب کی رضا کے موتی
دل کی کھیتی میں جو بوئے گا صداقت کے بیج
وہ ہی پائے گا مرے دوست وفا کے موتی
میری ماں نے جو بہائے مری خاطر آنسو
اپنی آنکھوں سے لگا لوں وہ اُٹھا کے موتی
میں سمجھتا ہوں کہ دنیا کا سکندر میں ہوں
اپنے دل میں تری چاہت کے بسا کے موتی
میں ضیاء ہوں میں تو نفرت کے اندھیروں میں بھی
بڑھتا جاتا ہوں محبت کے بسا کے موتی

﴿کلیم ضیاء، کھاریاں﴾

♥♥♥♥♥♥

نظم

وہ ننھا معصوم سا بچہ
روڈ کنارے کب سے بیٹھا
جانے کیا کچھ سوچ رہا تھا
جانے کیا کچھ کھوج رہا تھا
ننھے اور معصوم کی آنکھیں
کب سے میں یوں دیکھ رہی تھی
ہر دل میں وہ جھانک رہا تھا
رب کے نام سے مانگ رہا تھا
دیکھ رہا تھا اپنے جیسے
کتنے پیارے پیارے بچے
ہاتھ سے پیالہ چھوٹ گیا تھا
سُندر سپنا ٹوٹ گیا
شاید خود سے روٹھ گیا تھا
وہ ننھا معصوم سا بچہ
وہ ننھا معصوم سا بچہ

﴿مسز نگہت غفار، کراچی﴾

♥♥♥♥♥♥

غزل

بدلتے رنگ چہرے کی حقارت کیا پسند آئی
زمانے کو ستمگر کی روایت کیا پسند آئی
تمہارا حوصلہ دیکھا، مجھے رخصت کیا تم نے
تجھے وہ ہیر رانجھے کی حکایت کیا پسند آئی
کبھی تو فاصلوں پر قُرب کی محسوس ہو لذت
کبھی نزدیک ہونے پر غرابت کیا پسند آئی
سمٹنا اور شرمانا مجھے اچھا لگا تیرا
مری آغوش میں وہ استراحت کیا پسند آئی
ترے پُرنور رستے پر بچھی جاتی ہیں یہ آنکھیں
ترے دل کو مری چشمِ عنایت کیا پسند آئی
کرم کی بارشوں میں کیا عجب بھیگے بدن اپنے
ہمیں آوارہ بادل کی طراوت کیا پسند آئی
ترے قدموں میں لرزش اور آنکھوں میں نمی دیکھی
محبت میں دلوں کی یہ شراکت کیا پسند آئی
جو کہساروں سے آئیں اُن کے جذبے سرد ہوتے ہیں

لبھاتی نیلگوں آنکھوں کی رغبت کیا پسند آئی
کبھی آگاہ ہوجاتا وہ محسوسات سے میرے
ثنا کے نام سے اس کو عداوت کیا پسند آئی

ثنا ناز، رجانہ

♥♥♥♥♥♥

دل میں جو بات ہوا کرتی ہے
جب بھی آتا ہے خیالِ بستی
دل میں اک ٹیس اُٹھا کرتی ہے

ارشد شاد، کراچی

♥♥♥♥♥♥

غزل

اس قدر توہین خود داری نہ کر
چڑھتے سورج کی پرستاری نہ کر
خشک آنکھوں میں نہ بو سپنوں کے پیڑ
ریگ زاروں میں شجر کاری نہ کر
آئنے کے شہر میں رہتے ہوئے
جھونپڑوں پہ اتنی سنگ باری نہ کر
ڈھونڈھتا رہ جائے گا پھر کرچیاں
آئنوں پہ اتنی گلکاری نہ کر
ساتھ دینا ہے تو دے گرداب کا
ساحلوں سے تو مگر یاری نہ کر
پتھروں کو رام کرنا ہے ابھی
تو ابھی حکمِ وفا جاری نہ کر
لاکھ ٹھکرائے بھنور تجھ کو خلیل
تو مگر ترکِ وفا شعاری نہ کر

مشتاق خلیل، کھاریاں

♥♥♥♥♥♥

غزل

چوٹ جب دل پہ لگا کرتی ہے
خامشی چیخ اُٹھا کرتی ہے
نفرتیں پلتی ہیں جس وادی میں
موت واں رقص کیا کرتی ہے
روز آتی ہے تری یاد مجھے
بزمِ غم روز سجا کرتی ہے
میں زباں سے بھی وہی کہتا ہوں

غزل

یہ جو جلتے ہوئے شعلوں کو ہوا دی گئی ہے
آگ کیا خاک بجھائی ہے، بڑھا دی گئی ہے
میں ترا دور سے دیدار تو کرسکتا ہوں ناں؟
ملنے جلنے پہ تو پابندی لگا دی گئی ہے
اُس کی مرضی ہے پلٹ جائے، کہ چلتا جائے
جانے والے کو بس اک بار صدا دی گئی ہے
سوچتا ہوں کہ مرا دیوتا جاگا کہ نہیں
در پہ چھوٹی سی جو گھنٹی تھی، بجا دی گئی ہے
اک بھکارن نے اُٹھایا ہے حکومت پہ سوال
حاکمِ وقت کو اوقات بتا دی گئی ہے
اور کیا ہے ترے دیوان میں شاعر پیارے!
اک غزل؟ وہ جو کئی بار سنا دی گئی ہے
اتنی شدت سے بجھایا ہے کسی نے احرام
جیسے اُٹھتی ہوئی لپٹوں کو سزا دی گئی ہے

شبیر احرام، لانڈھی کراچی

♥♥♥♥♥♥

غزل

اپنے چہرے کی چمک دے، ہم سے اپنا نام کر
عام ہیں تو خاص کر دے، خام ہیں تو تام کر
خود خماری ہوچکی، گردش بھی جاری ہوچکی
دن کا شیشہ توڑ دے، اب اہتمامِ شام کر
آگ سے سنجوگ میں، کیا پا لیا اس روگ میں
خاک میں ہم کو ملا، خالص ہیں گر تو خام کر

دل کا تارہ سو گیا ، تو سب نظارہ سو گیا
اپنی آنکھیں بیچ دے ، اپنی نظر نیلام کر
چال بھاری ہوگئی ہے ، نیند طاری ہوگئی ہے
قید پیاری ہوگئی ہے ، اب ہم کو زیرِ دام کر
چاند تارے جا چکے ہیں ، سب سہارے جا چکے ہیں
وقت کی گاڑی سے باہر آ ، سفر دو گام کر
تار سارے کٹ گئے ، رستے خلا سے اٹ گئے
دور کچھ ابہام کر ، آواز سے پیغام کر

﴿میجر شہزاد نیر، کوئٹہ بلوچستان﴾

♥♥♥♥♥♥

غزل

ایسے ہوتے ہیں سرِ شام نمودار چراغ
جیسے ڈھلتے ہوئے سورج کے عزادار چراغ
ایک ہی آگ میں جلتے ہیں یہاں ہم دونوں
میرا کردار پتنگا ترا کردار چراغ
کربلا اور بھلا کس کو یہاں کہتے ہیں
نوکِ نیزہ پہ ہے سر اور سرِ دار چراغ
کب کہاں کیسے پرکھنا ہے کسی کو ہم نے
یوں بھی حالات سے رہتے ہیں خبردار چراغ
روشنی ڈھونڈنے سب لوگ وہاں جاتے ہیں
یعنی اس پار اندھیرا ہے تو اُس پار چراغ
خود ہی آندھی کی عنایت پہ انھیں چھوڑ دیا
اس پہ پھر یہ بھی تماشہ ہے کہ بے کار چراغ

﴿آرب ہاشمی، کھاریاں﴾

♥♥♥♥♥♥

غزل

عجیب رنگ عجب حال میں پڑے ہوئے ہیں
ہم اپنے عہد کے پاتال میں پڑے ہوئے ہیں
سخن سرائی کوئی سہل کام تھوڑی ہے
یہ لوگ کس لئے جنجال میں پڑے ہوئے ہیں
اُٹھا کے ہاتھ پہ دنیا کو دیکھ سکتا ہوں
سبھی نظارے بس اک تھال میں پڑے ہوئے ہیں
میں شام ہوتے ہی گرزوں پہ ڈال آتا ہوں
ستارے کٹی ہوئی شال میں پڑے ہوئے ہیں
وہ تو کہ اپنے تئیں کرچکا ہمیں تکمیل
یہ ہم کہ فکرِ خد و خال میں پڑے ہوئے ہیں
جہاں بھی چاہوں میں منظر اُٹھا کے لے جاؤں
کہ خواب دیدہء اموال میں پڑے ہوئے ہیں
تمام عکس مری دسترس میں ہیں آزر
یہ آئنے مری تمثال میں پڑے ہوئے ہیں

﴿دلاور علی آزر، گلشن اقبال کراچی﴾

♥♥♥♥♥♥

غزل

کب کہا آپ سے ، ہر حال میں ایفا کیجے
مجھ سے اک اور ملاقات کا وعدہ کیجے
شبنمی ہاتھ سے کچھ معجزہ ایسا کیجے
ایک قطرہ ہوں مجھے لمس سے دریا کیجے
آپ کے بعد مرا وقت کٹے گا کیسے
مجھ کو اس شہر میں اتنا بھی نہ تنہا کیجے
ڈال دیتے ہیں مرے پاؤں میں زنجیر سی آپ
وقتِ رخصت نہ کبھی شوق سے دیکھا کیجے
آپ کے واسطے دامن میں کوئی پھول تو ہو
صرف ایسے میں بہاروں کی تمنا کیجے
ان کہی بات کا جو لطف ہے رہنے دیجے
یعنی اظہار میں آنکھوں کو وسیلہ کیجے
دل کی جانب نہ اچھالیں یہ گماں کے کنکر
بے خیالی میں نہ اس جھیل میں گدلا کیجے
کوئی تاوان جو مانگا تو یہ مر جائے گی
بس محبت میں محبت کا تقاضا کیجے
بھیڑ پہ خانہء دل میں نہیں اچھی لگتی

یہ مکاں جس کا نہیں ہے، اسے چلتا کیجے
دھوپ میں چاند بھی تابندگی کھو دیتا ہے
آپ اب صرف اندھیروں میں اجالا کیجے
﴿محمد اکرم جاذب، منڈی بہاؤالدین﴾

بس محبت والہانہ چاہتی ہوں
اُس سے ملنا چاہتی ہوں روز نزہت
روز ہی خوابوں میں آنا چاہتی ہوں
﴿نزہت رشید قریشی، مظفر آباد کشمیر﴾

غزل

میں ترا انتظار کرتی ہوں
عشق جو بے شمار کرتی ہوں
آپ کی یاد مسکرائے جب
رات تارے شمار کرتی ہوں
میری باہوں میں آگیا ہے سورج
تیرگی کا شکار کرتی ہوں
میری آنکھوں میں آگیا پانی
منتیں جب ہزار کرتی ہوں
جھوٹی قسمیں نہ کھاؤ تم جاناں
میں ترا اعتبار کرتی ہوں
جان کے دشمنوں پہ معصومہ
اپنی جاں بھی نثار کرتی ہوں
﴿معصومہ ارشاد سولنگی، حیدر آباد﴾

غزل

خوابوں کی تعبیر کو پانا چاہوں گی
میں تیری تصویر کو پانا چاہوں گی
تیری یادیں بھی میری ملکیت ہیں
میں ایسی تعبیر کو پانا چاہوں گی
ساری عمر گزار دوں تیرے پہلو میں
پاؤں کی زنجیر کو پانا چاہوں گی
میرے جذبوں میں تم آتے رہتے ہو
جذبوں کی تحریر کو پانا چاہوں گی
میرے ہاتھوں کی تقدیریں سچی ہیں
میں سچی تقدیر کو پانا چاہوں گی
میر کے جیسی غزلیں کاش میں لکھ پاؤں
میں اس دور کے میر کو پانا چاہوں گی
﴿فریدہ جاوید فری، لاہور﴾

غزل

ظرف اُس کا آزمانا چاہتی ہوں
میں سمندر میں خزانہ چاہتی ہوں
ہجر کے دشوار رستوں سے گزر کر
پیار کی منزل کو پانا چاہتی ہوں
سر جھکا کر جی لیا تا دیر میں نے
اب زمانے کو جھکانا چاہتی ہوں
یہ زمیں ہے حضرتِ حوا کا مسکن
میں یہیں اپنا ٹھکانا چاہتی ہوں
اور تو کچھ بھی نہیں درکار تم سے

موسم آئے

موسم آئے
خوشیاں لائے
موسم گائے برسات لائے
محبت لائے دنیا بلائے
جو روٹھے ہیں ان کو بلائے
موسم آئے خوشیاں لائے
موسم آئے موسم گائے
﴿غزالہ جلیل راؤ، اوکاڑہ﴾

ریشمی سندیسے

پیارے ساتھیوں، بہن، بھائی اور بچوں کے نام

اسلام علیکم: جیتے رہو، سلامت رہو۔

میرا دل چاہتا ہے کہ ہر ماہ میں آپ لوگوں سے ڈھیروں باتیں کروں لیکن پھر بزرگوں کا قول یاد آجاتا ہے۔ ''قدر کھو دیتا ہے روز کا آنا جانا''

امید کرتی ہوں آپ سب بخیر ہوں گے پتہ نہیں آج ایسی باتیں دل میں کیوں آ رہی ہیں؟

دراصل کبھی، کبھی ماضی کی تلخ یادیں اور دکھ بہت یاد آتے ہیں ایسا اکثر آپ لوگوں کے ساتھ بھی ہوتا ہوگا۔ جب دل چاہتا ہے کہ جنہیں ہم اپنا سمجھتے ہیں ہمارا دل کہتا ہے کہ ان کو بھی کچھ اچھی نصیحت کریں..... میں اتنی عمر میں بہت سے تجربوں سے گزری ہوں۔ آپ لوگ کوشش یہ کیا کریں کہ اپنے دل و دماغ کو ٹھنڈا رکھیں کوئی آپ سے بدتمیزی کرتا ہے بے عزت کرتا ہے، آپ کی توہین کرتا ہے، آپ کی ذات سے غلط بیانی سے کام لیتا ہے۔ تو اس سے اس کی اصلیت کا پتہ چلتا ہے اور اگر آپ اعلیٰ ظرف ہیں۔ آپ کی پرورش میں کوئی کمی نہیں مصلحت سے کام لیتے ہیں..... تو ایسا کرنے سے اللہ رب العزت آپ کو دنیا میں سرخرو کرے گا۔ ہر ایک کی نظر میں آپ کا مقام بلند ہوگا..... گھٹیا لوگوں کے منہ لگنا شریف اور نیک لوگوں کا شیوا نہیں ہے..... ہر فیصلہ ہر بات، ہر انصاف اللہ پاک کی ذات واحد کے سپرد کر دیں..... پھر دیکھیں کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ کیسے بات کا مان ملتا ہے؟ کیسے انصاف ملتا ہے؟ اک روز دشمن بھی آپ کے آگے جھک جائے گا۔

(مسز نگہت غفار، کراچی)

بارڈر ملٹری پولیس کے جوانوں کے نام

مجھے فخر ہے ان جوانوں پر جو دن رات اس ملک اور قوم کی خدمت کے لیے کوشاں ہیں اور یہ بہادر جوان اس وطن عزیز کی سرحدوں کی حفاظت کے لیے ہر دم تیار رہتے ہیں لیکن مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ آج تک حکومت نے ان بہادر جوانوں کے بارے میں کچھ نہیں کیا۔ یہ تو وہ جفاکش جوان ہیں جس جگہ پر ڈیوٹی کرتے ہیں۔ وہاں پر نہ پانی نہ بجلی حتیٰ کوئی بھی سہولیات حکومت نے انہیں نہیں دی۔ لیکن اس کے باوجود بھی یہ جوان ہر وقت پیش پیش ہیں۔

آخر پر میں ان بہادر جوانوں کی جرات اور عظمت کو سلام پیش کرتا ہوں اور یہ امید پیش کرتا ہوں کہ یہ ہمیشہ کی طرح ہر میدان میں ثابت قدم رہیں گے۔

پاکستان زندہ باد بارڈر ملٹری پولیس پائندہ باد

اپنی جاں نظر کروں اپنی وفا پیش کروں
قوم کے مرد مجاہد تجھے کیا پیش کروں!

(مقصود احمد بلوچ، میاں چنوں)

آپ کے روبرو

ملاقات: روبینہ رضا

انٹرویو: پرنس افضل شاہین

میں نے پرنس افضل شاہین کو فون کیا کہ میں ریشم کے لیے آپ کا انٹرویو کرنا چاہتی ہوں۔

انہوں نے جواب دیا کہ میں اتنا اہم ہوگیا ہوں کہ آپ ریشم کے لیے میرا انٹرویو کریں گی۔ چلیں گھر میں تو عزت نہیں ہے باہر تو عزت بن جائے گی۔

ویسے تو مجھے یقین ہی نہیں آرہا ہے کہ کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں۔

میں نے انہیں کہا کہ ایسا کریں اپنی انگلی پر کٹی کر کے دیکھ لیں یقین آجائے گا۔ ایک دم مجھے چیخ کی آواز آئی۔ میں سمجھ گئی کہ پرنس بھائی نے انگلی پر کٹی کی ہے۔

پرنس صاحب نے مجھ سے پوچھا: انٹرویو فون پر کریں گی یا کہ میرے گھر پر۔

میں نے جواب دیا۔ جیسے ہی مجھے میرے میاں رضا کمال کی اجازت ملی میں فوراً چوآ سیدن شاہ سے بہاولنگر پہنچ جاؤں گی۔

انہوں نے کہا: میں آج ہی سے محو انتظار ہوں۔ میرا ایڈریس نوٹ کرلیں۔

میں نے ان کا ایڈریس نوٹ کرلیا۔ پھر چند روز بعد بروز جمعہ میرے میاں نے مجھے بہاولنگر کے لیے روانہ کردیا۔ بہاولنگر دس گھنٹوں کے سفر کر کے جا پہنچی۔ بتائے گئے ایڈریس پر دستک دی تو ایک خاتون نے دروازہ کھولا اور مجھ سے پوچھا:

آپ کون ہیں اور کس سے ملنا ہے۔ میں گھر میں داخل ہوگئی۔ اس خاتون نے کہا۔ ارے بھئی کہاں گھسے چلی جا رہی ہو نہ جان نہ پہچان ایویں ہی دھکے کی مہمان۔ پھر اس خاتون نے آواز دی۔ میاں جی! باہر صحن میں آئیں نہ جانے کون خاتون زبردستی گھر میں داخل ہوگئی ہے۔ پھر ان کے میاں جی باہر صحن میں آئے اور مجھے دیکھتے ہی بار بار آنکھیں ملنے لگے تو میں نے کہا:

آنکھیں نہ ملیں انگلی پر کٹی کریں تو انہوں نے کہا۔ اس انگلی کا زخم ابھی بھرا نہیں ہے پھر انہوں نے تعارف کروایا کہ روبینہ جی یہ ہیں میری اکلوتی بیگم پروین افضل شاہین اور بیگم یہ ہیں روبینہ رضا جو کہ بہت اچھی رائٹر ہیں اور چوآ سیدن شاہ سے ہمارا ہردلعزیز ماہنامہ ریشم ڈائجسٹ کے لیے میرا انٹرویو لینے آئی ہیں۔ پھر پروین بھابی نے مجھ سے معذرت کی تو میں نے کہا:

جائیں بھابی میں نے آپ کو معاف کیا آپ بھی کیا یاد رکھیں گی کہ کس رئیس سے پالا پڑا ہے۔ پھر وہ لوگ مجھے اندر ڈرائنگ روم میں لے گئے اور پروین بھابی نے مجھے کہا کہ آپ ان کا انٹرویو کریں میں کچن میں جاتی ہوں۔ پرنس بھائی نے کہا۔ پہلے چائے بسکٹ وغیرہ بھیج دینا پھر کھانا تیار کرنا۔

میں نے پوچھا: پرنس صاحب آپ تیار ہیں انٹرویو کے لیے۔ انہوں نے کہا تیار ہوں۔ میرا ان سے پہلا سوال تھا۔

س: آپ کا اصل نام کیا ہے؟

ج: محمد افضل، پرنس افضل شاہین میرا قلمی نام ہے۔

س: کس شہر میں پیدا ہوئے؟

ج: شہر وفا بہاولنگر میں۔

س: آپ کی عمر کتنی ہے؟

ج: نہ اتنی زیادہ کہ لاٹھی کے سہارے چلوں اور نہ ہی اتنی کم کہ روٹی کو چوچی کہوں۔ آپ کے سامنے ہوں اندازہ کرلیں کتنی عمر ہوگی اس انٹرویو کے ساتھ میری نئی اور ڈبہ پیک تین تصاویر بھی شائع ہوں گی رائٹرز خود ہی اندازہ کرلیں گے کہ میری عمر کتنی ہے۔

س: آپ کی تعلیم کتنی ہے؟

ج: نہ اتنی زیادہ کہ انگلش فرفر بول سکوں اور نہ اتنی کم کہ اپنا نام تک نہ لکھ سکوں۔

س: آپ کا تعلق کس فیملی سے ہے؟

ج: راجپوت فیملی سے۔

س: کتنے بہن بھائی ہیں اور آپ کا نمبر کتنا ہے؟

ج: ہم پانچ بھائی اور فریدہ جاوید فری سمیت میری چھ بہنیں ہیں اور میرا نمبر بھی چھٹا ہے۔

س: شادی ارینج میرج تھی یا لو میرج؟

ج: ارینج میرج۔ اپنے شہر اور اپنی فیملی میں شادی کی وجہ سے لوگ میری شادی کو لو میرج کا نام دیتے ہیں۔ اتنے میں پروین بھابی چائے، نمکو بسکٹ، پکوڑے، سموسے وغیرہ وغیرہ لے آئیں تو میں نے کہا، بھابی! اتنا کچھ لے آئی ہیں اب کھانا مت بھیجنا۔

پرنس صاحب نے کہا: آپ انٹرویو مکمل کریں بھوک بھی لگ ہی جائے گی۔ پھر ہم نے انٹرویو دوبارہ شروع کر دیا اور ساتھ میں چائے وغیرہ سے لطف اندوز بھی ہوتے رہے۔

س: دلہن کو منہ دکھائی میں کیا تحفہ دیا تھا؟

ج: اس کے لیے میں خود تحفے سے کم تھوڑی ہوں۔ ہاہاہا ہا......

ویسے سونے کی انگوٹھی تحفے میں دی تھی۔

س: بچے کتنے ہیں؟

ج: بچے نہیں ہیں اور ہم دونوں اللہ کی رضا پر راضی ہیں جب اللہ نے چاہا ہم بھی صاحب اولاد ہو جائیں گے۔

س: پسندیدہ شخصیت؟

ج: حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم۔

س: دعا میں اللہ تعالیٰ سے کیا مانگتے ہیں؟

ج: تمام مسلمانوں کی مغفرت، خانہ کعبہ اور روضہ رسولؐ پر حاضری وہ بھی اپنی امی اور بیگم کے ساتھ۔ گھر میں ننھے بچوں کی آوازیں اور ہم سب کی چہیتی آپی فریدہ جاوید فری کی مکمل صحت یابی کی دعا۔

س: ریشم سے تعلق کب اور کیسے جڑا؟

ج: یہ 2009ء کی بات ہے جب ہمارے مقصود احمد بلوچ کی طرح ایک فوجی بھائی شاہ روم خان ولی بہاولنگر کینٹ میں ڈیوٹی دیتے تھے اور بہاولنگر کے اکلوتے ایف ایم ریڈیو چینل سپر 90 بہاولنگر کے پروگراموں میں کالز کرتے تھے ناچیز بھی معمولی سا ریڈیو لسنر ہے شاہ روم خان ولی نے مجھ سے ملاقات کی خواہش کی اور ہماری ملاقات ایک اور ریڈیو لسنر سید نوید حیدر بخاری کے بخارا ہوٹل اینڈ ریسٹورنٹ میں ہوئی۔ شاہ روم نے پہلی ملاقات میں ہی میرے ہاتھوں میں ریشم تھما دیا اور اس میں لکھنے کی دعوت بھی دی۔ وہ میں نے پڑھا تو اس میں شاہ روم نے ایف ایم ریڈیو سپر 90 کے غزل ٹائم کے آر جے سید ناصر حسین کاظمی کا انٹرویو بھی کیا تھا۔ ریشم مجھے پسند آیا اور اس میں اگست 2009ء میں خط لکھ دیا وہ دن ہے میرا ریشم سے رشتہ قائم و دائم ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ آپی بشریٰ مسرور نے آج تک مجھے ریشم میں حاضری کے لیے آواز نہیں دی کیونکہ میں

نے آج تک ریشم پر تبصرہ ہر ماہ کیا ہے کبھی ناغہ نہیں کیا.....

س:ریشم میں پہلی کہانی کب اور کس نام سے شائع ہوئی؟

ج:شاعر بکرا کے نام سے پہلا افسانہ اکتوبر 2013ء میں شائع ہوا۔

س:ریشم سے کوئی ایوارڈ وغیرہ بھی ملا؟

ج:جی ہاں! ریشم سے پہلا ایوارڈ میرے پہلے افسانے شاعر بکرا پر 2014ء میں اور دوسرا ایوارڈ 2015ء میں میرے دوسرے افسانے ریشم کی ریشمی سالگرہ تقریب پر ملا۔

س:آپ افسانے اتنے کم کیوں لکھتے ہیں؟

ج:وقت کی کمی کے باعث۔ 2013ء سے ہر سال ایک افسانہ ریشم میں لکھتا ہوں اب تک چار افسانے شائع ہو چکے ہیں۔

س:ریشم کے کس ریشمی ساتھی سے دوستی ہے؟

ج:مقصود احمد بلوچ، ڈاکٹر طارق محمود، ایم اشفاق بٹ، ریاض حسین شاہد، شاہ روم خان ولی، ایم حسن نظامی، ایم ارشد وفا، عبدالعزیز جی آ، ممتاز احمد وغیرہ۔

س:گھر چلانے کے لیے ملازمت کرتے ہیں یا کاروبار؟

ج:پرنس آئرن سٹور کے نام سے ڈھاباں بازار میں اپنی ایک شاپ ہے یعنی کاروبار کرتا ہوں۔

س:آپ کی ہابیز کیا ہیں؟

ج:محترمہ اردو میں سوال کریں میں اتنا پڑھا لکھا نہیں ہوں۔

س:آپ کے مشاغل کیا ہیں؟

ج:اخباروں رسالوں، ریڈیو پروگرامز میں خطوط لکھتا ہوں۔ مثلاً روزنامہ جنگ، روزنامہ ایکسپریس، دنیا، خبریں، ماہنامہ ریشم، جواب عرض، نئے افق، سچی کہانیاں، ریڈیو پاکستان لاہور، کراچی، ملتان، بہاولنگر، وائس آف امریکہ، وائس آف جرمنی، بی بی سی لندن، دی

وائس ایشیا میں مختلف انعامی سکیموں میں حصہ بھی لیتا ہوں۔ اخبار جہاں میں بھی لکھتا ہوں۔

س:پھر آپ نے انعامات بھی جیتے ہوں گے؟

ج:جی ہاں! کیش پرائز، پرائز بانڈ، ٹی وی، فریج، موبائل فون، سونے کی جیولری، سعودی ریال، ٹیبلٹ کے علاوہ بے شمار انعامات جیت چکا ہوں۔

س:آپ لسنرز میں ہیں تو کسی ریڈیو لسنرز کلب سے تعلق بھی ہوگا؟

ج:جی ہاں! میرا تعلق پاکستان کے معروف ترین ریڈیو لسنرز کلب، آل پاکستان ستلج ریڈیو لسنرز اینڈ رائٹرز کلب بہاولنگر سے تعلق ہے جس کے صدر میرے استاد ایس عبدالغفور قیصر ہیں اور ناچیز اس کلب کا نائب صدر ہے۔ اس کلب کے فعال ممبرز میں نیاز احمد نیازی، رانا شمشاد علی، محمد حفیظ انجم، رانا جی، رانا عبد الوحید، ایم شہباز خان، رانا آصف، اللہ رکھا عاصی، اسلم خان وغیرہ ستلج لسنرز کلب پاکستان کا واحد لسنرز کلب ہے جس کی ہفتہ وار میٹنگ گزشتہ تیس سال سے مسلسل ہو رہی ہے۔

س: آٹوگراف بک پر اکثر کیا لکھتے ہیں؟
ج: درخت کی مانند زندگی بسر کریں جو اپنے کاٹنے والے پر بھی سایہ کرتا ہے۔
س: کھانے میں کیا چیز پسند ہے؟
ج: چکن کڑاہی پسند ہے خود بھی بنالیتا ہوں۔
س: اگر آپ کا دس لاکھ روپے کا پرائز بانڈ انعام لگ جائے تو آپ کیا کریں گے؟
ج: میں خوشی کے مارے پاگل ہو جاؤں گا اور وہ ساری رقم اپنے علاج پر خرچ کر دوں گا۔
س: پسندیدہ شاعر؟ پسندیدہ شعر؟
ج: فریدہ جاوید فری

اپنے جیون کے سبھی درد مجھے دے دو فری
اپنے جذبات کی ہر بات میرے نام کر دو

س: پسندیدہ فلم، اداکار
ج: دل والے دلہنیا لے جائیں گے، کنگ خان یعنی شاہ رخ خان۔
س: پسندیدہ گلوکار؟ گانے کے بول؟
ج: جواد احمد ...... اوہ کہندی اے سیاں میں تیری آں
س: پسندیدہ کالم نگار؟
ج: جاوید چوہدری، رؤف کلاسرہ
س: پسندیدہ ٹی وی سیریل؟ اداکار؟
ج: ڈرامہ گوہر نایاب، اداکارہ سجل علی
س: پسندیدہ پھل؟ ڈرنک؟
ج: پسندیدہ پھل آم، پیپسی کولا یہ دل مانگے مور۔
س: پسندیدہ کھیل؟ کھلاڑی؟
ج: کرکٹ ...... شاہد خان آفریدی
س: پسندیدہ پھول؟ خوشبو؟ کلر؟
ج: گلاب کا پھول، گلاب کی خوشبو اور کلر بھی گلابی
س: کس سے دوبارہ ملنے کو دل کرتا ہے؟
ج: اپنے بچپن کے دنوں سے۔
س: کون سا رشتہ سب سے مقدس ہوتا ہے؟
ج: صرف اور صرف ماں باپ کا رشتہ
س: آئینہ دیکھ کر کیا خیال آتا ہے؟
ج: یہ ٹوٹا کیوں نہیں ابھی تک
س: اگر چاند پر کسی کو ساتھ لے جانا پڑ جائے تو کس کو لے کر جائیں گے؟
ج: اپنی اکلوتی بیگم کو۔ کیوں کہ وہ کسی اور کو میرے ساتھ جانے ہی نہیں دے گی۔
س: اپنی بیگم کے ساتھ دلچسپ واقعات شیئر کریں گے؟
ج: اپنی بیگم کو ہنی مون پر کوہ مری لے گیا تو مال روڈ پر میری بیگم نے مجھے کہا: پاپ کارن کی خوشبو کتنی اچھی آرہی ہے میں نے کہا چلیں بیگم پاپ کارن کے ٹھیلے کے پاس چلتے ہیں۔ وہاں سے اور اچھی خوشبو آئے گی۔ پھر مری کے ہوٹل کی پانچویں منزل پر کمرہ رینٹ پر لیا وہاں سے میں نے ہوٹل کے منیجر کو فون کیا کہ میری بیگم کا مجھ سے جھگڑا ہو گیا ہے اور وہ خودکشی کرنا چاہتی ہے۔ منیجر نے کہا: یہ آپ لوگوں کا آپس کا معاملہ ہے میں کیا کر سکتا ہوں۔
میں نے کہا: مجھ اکیلے سے کھڑکی نہیں کھل رہی پلیز آ کر کھڑکی کھلوا دیں تا کہ یہ محترمہ آسانی سے کود جائیں۔
س: ریشم کے چاہنے والوں کے نام کوئی پیغام؟
ج: جو لوگ دل کے مہمان ہوتے ہیں ان کے لیے فاصلے کوئی اہمیت نہیں رکھتے وہ نظروں کے سامنے یا دل کے ساتھ دھڑکتے ہیں۔ ہمیشہ دعا مانگتے رہو کیونکہ ممکن اور ناممکن تو ہماری سوچ میں ہے اللہ کے لیے تو سب کچھ ممکن ہے۔
میرے مرنے پر میری طرف آؤ تو خالی پیٹ آنا کیوں کہ کھانا میری طرف سے آپ کے لیے آخری ٹریٹ ہو گی۔ مت قضا کرو نماز کہ پھر ادا نہ کر سکو گے۔
ریشم کے ریشمی ساتھیو! کیسا لگا پرنس افضل شاہین کا انٹرویو اپنے خطوط میں اس کا تبصرہ ضرور کیجئے گا۔

☆☆☆

روحانی معالج

نوٹ: کسی بھی آیت کو پڑھنے سے پہلے اول و آخر طاق میں درود شریف پڑھنا
نہ صرف اجر و ثواب کا موجب بنتا ہے بلکہ کام میں بھی یقینی کامیابی ہوتی ہے

تیز بخار کا علاج

جس کسی کو تیز بخار ہو اور دوا اور دارو اس پر اثر انداز نہ ہو رہا ہو تو اس کے لیے یہ کسی آبِ حیات سے کم نہیں ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے سب سے پہلے اچھی طرح سے وضو کریں اور صاف ستھرے اور پاک کپڑے پہنیں ساتھ اچھی سی خوشبو کا لگانا بہت زیادہ فائدہ مند ہے۔

ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد آپ کچے سوت کے سات تار لے کر ان کو ہاتھ میں پکڑیں اور کہیں۔

بسم دفعل کر دم تپ فلاں (یعنی اس مریض کا نام لیں) بحق لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

اس کے بعد چاروں قل شریف پڑھ کر ایک گرہ لگائے اس طرح چودہ مرتبہ پڑھ کر چودہ گرہیں لگائے اور مریض کے گلے میں ڈالے۔ انشاء اللہ اگر اللہ کو منظور ہوگا تو بہت جلد آفاقہ ہوگا اور شفائے کاملہ عطا ہوگی۔

☆☆☆☆☆

بچوں کی بدتمیزی ختم

اگر بچے بہت بدتمیزی اور والدین کیساتھ زبان درازی کرتے ہوں اور ناجائز خواہش کرتے ہوں تو سورۃ ناس کے نقش کو زعفران سے لکھ کر پانی میں ڈال دیں اور بچے کو دودھ دیتے وقت اس پانی کے چند قطرے اس دودھ میں ملا کر پلائیں اور رات کو اس بچے کے سوتے ہوئے اُس پانی کے قطرے اس کے سینے پر بھی ملیں، بچہ اپنے والدین کا کہنا مانے گا اس کے علاوہ اس نقش کو کسی بھی میٹھی چیز میں ملا کر استعمال کر سکتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

خریداری بہتر ہو

جب بازار کوئی چیز خریدنے کے لیے جائیں تو یہ آیت شریفہ پڑھیں۔ انشاء اللہ چیز اچھی ملے گی اور قرآن شریف کی آیت پڑھنے کا ثواب الگ حاصل ہوگا۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ ط اِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَ اِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ O

☆☆☆☆

الرجی

سات رنگ کے ریشمی کپڑوں کے چھوٹے ٹکڑے کسی جگہ پھیلا کر رکھ دیں۔ الرجی کا مریض کوئی ایک ٹکڑا ان رنگدار ٹکڑوں میں سے اٹھالیں۔ اس ٹکڑے پر سیاہ تار کشی سے

يَا مَهْلَائِيلُ
يَا شَمْنَائِيل
يَا مِيكَائِيلُ
يَا جِبْرَائِيلُ

کشیدہ کاری سے لکھ کر مریض کے گلے میں ڈال دیں۔ اگر گلے میں کسی مجبوری کے باعث نہ ڈال سکتے ہوں تو یہ نقش تکیہ کے اندر رکھیں۔

یہ تکیہ کوئی دوسرا شخص استعمال نہ کرے۔

خودکلامی

عیدمیرے سپنوں کی سعید نہ سہی
سنگ تیری یادوں کا سہارا تو ہے
(ایم حسن نظامی، قبولہ شریف)

♥≡♥≡♥≡♥≡♥

کل رات برستی رہی ساون کی گھٹا بھی
اور ہم بھی تری یاد میں دل کھول کے روئے
(ثمینہ خالد، اوکاڑہ)

♥≡♥≡♥≡♥≡♥

لوٹ آئی ہیں دیکھ لو بارشیں پھر سے یہاں وہاں
اک تم کو ہی لوٹ کے آنے کی فرصت نہیں ملی
(ماہین، کراچی)

♥≡♥≡♥≡♥≡♥

جو بارش کی تمنا ہے تو ان آنکھوں میں آ بیٹھو
وہ برسوں میں کہیں برسیں، یہ برسوں سے برستی ہیں
(صوفیہ اصغر، لاہور)

♥≡♥≡♥≡♥≡♥

سوگوار لمحوں کے راگ جیسی ہوتی ہے
سردیوں کی بارش تو آگ جیسی ہوتی ہے
(شائلہ کرن، خانیوال)

♥≡♥≡♥≡♥≡♥

اداس زندگی، اداس وقت، اداس موسم
کتنی چیزوں پر الزام ایک اس کے بات نہ کرنے سے
(مقصود احمد بلوچ، میاں چنوں)

♥≡♥≡♥≡♥≡♥

مجھے اپنی حیات کا محور کر دے
ادھورا ہوں خواہشوں کا ثمر کر دے
کبھی رو ہجر کی تاریک شب میں
کبھی میری محبتوں کو امر کر دے
(مسز نگہت غفار، کراچی)

♥≡♥≡♥≡♥≡♥

ان بارشوں سے دوستی اچھی نہیں فراز
کچا ترا مکان ہے کچھ تو خیال کر
(حماد، ملتان)

♥≡♥≡♥≡♥≡♥

بوندیں گریں تو آنکھ میں آنسو بھی آ گئے
بارش کا اس کی یاد سے رشتہ ضرور ہے
(غزالہ جلیل راؤ، اوکاڑہ)

♥≡♥≡♥≡♥≡♥

غم کی بارش نے بھی تیرے نقش کو دھویا نہیں
تو نے مجھے کھو دیا میں نے تجھے کھویا نہیں
(افسانہ آفتاب، کراچی)

♥≡♥≡♥≡♥≡♥

آپ اگر تخت نشیں ہیں تو بڑی بات نہیں
دھول بھی اڑ کے بلندی پہ پہنچ جاتی ہے
(حمیرا وحید، واہ کینٹ)

♥≡♥≡♥≡♥≡♥

ہزار دشت پڑے، لاکھ آفتاب ابھرے
جبیں پہ دھوپ پلک پر نمی نہیں آئی
کہاں کہاں نہ لٹا قافلہ فقیروں کا
متاعِ درد میں لیکن کمی نہیں آئی
(پرنس افضل شاہین، بہاولنگر)

♥≡♥≡♥≡♥≡♥

سفر میں بوجھ اٹھانا محال تھا سو ہم
تمام خواب تمہارے ہی پاس چھوڑ آئے
(مسز پرنس افضل شاہین، بہاولنگر)

♥ ♥ ♥ ♥ ♥

تمہاری یاد کی برسات جب برستی ہے
میں ٹوٹ جاتا ہوں کچے سے جھونپڑے کی طرح
(مہرین شاہ، پشاور)

♥ ♥ ♥ ♥ ♥

تم آؤ گے تو پھولوں کی برسات کریں گے
موسم کے فرشتوں سے میری بات ہوئی ہے
(ثمرا اقبال، وہاڑی)

♥ ♥ ♥ ♥ ♥

کاش دل کی آواز کا اتنا اثر ہو جائے
ہم انہیں یاد کریں اور ان کو خبر ہو جائے
(ساجدہ نور، اسلام آباد)

♥ ♥ ♥ ♥ ♥

غنیمت جانو مل کر بیٹھنے کو
جدائی کی گھڑی سر پہ کھڑی ہے
(مسز دکی)

♥ ♥ ♥ ♥ ♥

پیڑوں کی طرح حسن کی بارش میں نہا لوں
بادلوں کی طرح جھوم کے گھر آؤ کسی دن
گزریں جو مرے گھر سے تو رک جائیں ستارے
اس طرح مری رات کو چمکاؤ کسی دن
(رخسانہ، کراچی)

♥ ♥ ♥ ♥ ♥

کتنی مشکل سے فلک پر یہ نظر آتا ہے
عید کے چاند نے بھی انداز تمہارے سیکھے
(مریم شاہد، لاہور)

♥ ♥ ♥ ♥ ♥

وفا کا سندیس لے کر اترے تمہارے آنگن میں
گواہ رفاقتوں کا محبتوں کا بن کر ہلال عید
(حنا قندیل، بہاولنگر)

♥ ♥ ♥ ♥ ♥

آنکھوں پہ آنسوؤں کا دھواں بن کے چھائی ہے
شمع وفا جو عید پہ ہم نے جلائی ہے
(سونیا، لاہور)

♥ ♥ ♥ ♥ ♥

آدھی نہیں کھاتے کبھی پوری نہیں کھاتے
خود دار تو رشوت کی کمائی نہیں کھاتے
ہم رزق حلال اپنی مشقت سے کما کر
کھاتے ہیں مگر مانگ کے روٹی نہیں کھاتے
(ریاض ندیم نیازی، سبی)

♥ ♥ ♥ ♥ ♥

باتوں باتوں میں تری بات نکل آتی ہے
اک نئی صورت حال نکل آتی ہے
جب بھی میں اپنی کتابوں کے ورق کھولتا ہوں
تیری رکھی ہوئی سوغات نکل آتی ہے
(ثناء ناز، ٹوبہ ٹیک سنگھ)

♥ ♥ ♥ ♥ ♥

بارش کو دشمنی تھی فقط میری ذات سے
جونہی مرا مکان گرا، ابر چھٹ گیا
(نیناں فاروق، اسلام آباد)

♥ ♥ ♥ ♥ ♥

کل رات برستی رہی ساون کی گھٹا بھی
اور ہم بھی تری یاد میں دل کھول کے روئے
(رابعہ اعوان، جہلم)

♥ ♥ ♥ ♥ ♥

وہی نور عکس پھیلا وہی عید کی خوشی ہے
یہ چاند کا تصور تیری دید کی خوشی ہے
(حنا بلال، اسلام آباد)

ترتیب: عبداللہ مسرور

فرمان الٰہی

احسان کا شیوا اختیار کرو کیونکہ اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (البقرۃ آیت نمبر 195)

اللہ کی نافرمانی سے بچو اور خوب یاد رکھو کہ تم کو ایک روز اس کے حضور پیش ہونا ہے۔ (البقرۃ آیت نمبر 203)

اے ایمان والو! تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (البقرۃ)

******

مسلمان کی دعا

حضرت ابودردا رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے۔

"مسلمان کی دعا اپنے مسلمان بھائی کے لئے پیٹھ پیچھے قبول ہوتی ہے۔ دعا کرنے والے کے سر کی جانب ایک فرشتہ مقرر ہے، جب بھی یہ دعا کرنے والا اپنے بھائی کے لئے بھلائی کی دعا کرتا ہے تو اس پر وہ فرشتہ آمین کہتا ہے اور (دعا کرنے والے سے کہتا ہے) اللہ تعالیٰ تمہیں بھی اس جیسی بھلائی دے جو تم نے اپنے بھائی کے لئے مانگی ہے۔

(صحیح مسلم شریف)

******

آنسو اور مسکراہٹ

جی ہاں! آنسو ہوں یا مسکراہٹ مجھے تو دونوں ہی سے پیار ہے کیونکہ نمکین پانی کے قطرے آنکھوں کو تر کرتے ہیں جبکہ مسکراہٹ اپنے قوس وقزح کے ریشمی پردوں میں ان کو سمیٹ لیتی ہے۔ جب خوشی میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیرنے آتی ہے تو یہ آنسو غم کی شاخ پر ننھی کلیوں کی طرح پھوٹ پڑتے ہیں۔ مجھے کئی بار آنسوؤں نے سمندر کی گہرائیوں میں ڈبو دیا مگر ہر بار مسکراہٹ نے ساحل پر اچھال دیا، مسلسل مسکراہٹوں کا دریا مجھے کتنی ہی مرتبہ زندگی کے حقائق سے دور بہا کر لے گیا۔ مگر آنسوؤں نے پھر مجھے زندگی کی دہلیز پر لا کھڑا کیا۔ یہ دونوں ہی زندگی کے خوبصورت رنگ ہیں۔ دونوں لازم و ملزوم ہیں اک حسین زندگی کے لیے۔ جی ہاں......

(مسز پرنس افضل شاہین، بہاولنگر)

******

ماہِ صیام

آؤ خوشی منائیں ماہِ صیام آیا
سوتوں کو اب جگائیں ماہِ صیام آیا
لگ جائے گا کنارے اس شخص کا سفینہ
پایا جہاں میں جس نے رحمت کا یہ مہینہ
رکھے گا جو بھی روزہ وہ عالی شان ہو گا
جنت کی وادیوں میں اس کا مکان ہو گا
روزے کو رکھ کے جس نے کھانے سے منہ کو موڑا

اپنے خدا سے گویا رشتہ ہے اس نے جوڑا
سب رحمتیں اسی پر سات آسماں اسی کے
جس نے بھی روزہ رکھا دونوں جہاں اسی کے
لطف و کرم کے اس نے کیا کیا مزے نہ چکھے
ہر حال میں بھی جس نے روزے تمام رکھے

(انفصال عاجز، لاہور)

******

بارش

بارش برس رہی ہے کہ رحمت برس رہی ہے
دیکھو زمیں پہ رب کی محبت برس رہی ہے
سوکھی زمین میں کیسی یہ جان پڑ گئی ہے
صد شکر ہے، خدا کی عنایت برس رہی ہے

(سباس گل، رحیم یار خان)

******

ساون

ہمیں مدت ہوئی بچھڑے
تمہیں عرصہ ہوا بھولے
مگر بارش کے موسم میں
ہوا جب گنگناتی ہو
میں اپنے گھر کی چھت پر سے
چمکتے چاند کو چھپتے
گھٹا کی اوٹ میں دیکھوں
مجھے تم یاد آتی ہو......!!

(انتخاب: عائشہ سلیم، خانیوال)

******

اقوال زریں حضرت علیؓ

☆ جو شخص کسی کے احسان کا شکر گزار نہیں وہ آئندہ اس سے محروم ہو جاتا ہے۔
☆ خندہ روئی سے پیش آنا سب سے پہلی نیکی ہے۔
☆ خوشامد اور تعریف کی محبت شیطان کے نہایت مضبوط داؤ ہیں۔
☆ جس شخص نے بندوں کا حق ادا نہ کیا وہ خدا تعالیٰ کے شکر سے بھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔
☆ سب سے اچھا اور عملی شکر یہ یہ ہے کہ خدا کی نعمتوں میں سے دوسروں کو بھی دیں۔
☆ گناہوں پہ نادم ہونا ان کو مٹا دیتا ہے اور نیکیوں پر مغرور ہونا ان کو مٹا دیتا ہے۔
☆ معافی نہایت اچھا انتقام ہے۔
☆ حقیقی خوبصورتی کا چشمہ دل ہے اگر سیاہ ہو تو چمکتی آنکھیں کچھ کام نہیں دیتیں۔
☆ زندگی میں تین چیزیں نہایت سخت ہیں خوف مرگ، شدت مرض، ذلت مرض
☆ دنیا میں آرام کا خواہاں بے وقوف اور عقل سے دور ہے۔
☆ انجام کی خرابی ابتداء کی برائی سے ہوتی ہے لہٰذا ابتداء کو اچھا بنا۔
☆ توکل یہ ہے کہ زندگی کو ایک دن کے لیے جانے اور کل کے لیے فکر نہ کرے۔
☆ پاکیزگی دنیا کی خواہشات پر لات مارنے سے ہوتی ہے۔
☆ دنیا کی حالت دیکھتے ہوئے اس کی طرف جھکنا جہالت ہے اور حسن عمل کے ثواب کا یقین رکھتے ہوئے اس میں کوتاہی کرنا گھاٹا اٹھانا ہے اور پرکھے بغیر ہر ایک پر بھروسہ کر لینا عجز و کمزوری ہے۔

(مسز نگہت غفار، کراچی)

******

شرلاک ہومز

ادب سے دلچسپی رکھنے والوں میں سے کون نہیں جانتا

کہ سر آرتھر کانن ڈائل کا تراشا ہوا کردار شرلاک ہومز بھی دنیا کے مشہور اور افسانوی کرداروں میں سے ایک ہے۔ جسے ساری دنیا میں جانا جاتا ہے۔ جاسوس شرلاک کی ذہانت بھری کہانیاں پوری دنیا میں شوق سے پڑھی جاتی ہیں۔

اس حیرت انگیز کردار کے خالق کو برطانیہ کی حکومت نے ''سر'' کا خطاب دیا تھا۔ ڈائل کے یہ ناول اس قدر مقبول تھے کہ جب ڈائل نے ایک ناول میں شرلاک ہومز کو مار دیا تو یورپ میں ہنگامہ مچ گیا اور ڈائل کو مجبور ہو کر اسے دوبارہ زندہ کرنا پڑا۔

شرلاک ہومز کی مقبولیت کا اندازہ اس سے کریں کہ بعد میں اس کے اتباع میں سینکڑوں کردار تراشے گئے اور جاسوسی ناولوں کی ایک طرحِ نو پڑی جو آج بھی جاری و ساری ہے۔

(ایم حسن نظامی، قبولہ شریف)

******

بارش

سنا ہے بہت بارش ہے تمہارے شہر میں

سنو......!

زیادہ بھیگنا مت......

اگر دھل گئیں ساری

غلط فہمیاں

تو

بہت یاد آئیں گے ہم......

(ڈاکٹر طارق محمود آکاش، سیالکوٹ)

******

نفس کا شیطان

شیطان دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ شیطان ہے جو حضرت آدمؑ کے دور سے ہمیں بھٹکا رہا ہے اور قیامت تک ہمیں بھٹکاتا رہے گا۔ دوسرا شیطان نفس کا شیطان کہلاتا ہے، بظاہر تو اس کی کوئی ظاہری شکل و صورت نہیں ہوتی لیکن یہ انسان کو اصلی والے شیطان سے بھی زیادہ بھٹکاتا ہے۔

اس کی مثال آپ اس طرح سے لے سکتے ہیں کہ رمضان میں شیطان قید کر دیا جاتا ہے لیکن پھر بھی کچھ عاقبت نااندیش انسان ایسے ہوتے ہیں، جو برے کام کرتے رہتے ہیں ان پر نفس کا شیطان حاوی ہوتا ہے۔ شیطان کی چوٹ سے بچنا آسان ہے لیکن نفس کے شیطان سے بچنا بہت مشکل ہے۔ جس نے نفس کے شیطان پر قابو پالیا گویا اس نے شیطان پر قابو پالیا۔

(ایس۔ امتیاز احمد، کراچی)

******

خوش فہمی

ایک دلکش چہرے کی خاتون بہت تیز رفتاری سے کار چلانے کی عادی تھیں۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ انہیں جرمانہ ادا کرنا پڑا تھا۔ ایک مرتبہ پھر ایسا ہوا تو انہوں نے پولیس افسر سے کہا۔

'' ایسا کیوں ہوتا ہے کہ مجھ سے جرمانہ وصول کیا جاتا ہے، جبکہ اکثر لوگوں کو صرف وارننگ دے کر چھوڑ دیا جاتا ہے، کیا اس کی وجہ میرا چہرہ ہے؟''

''نہیں میڈم......!'' پولیس افسر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''اس کی وجہ آپ کا پاؤں ہے۔''

(ماہ نور، کراچی)

******

با صلاحیت

ایک نوجوان سپر اسٹور میں سیلز مین کی اسامی پر ملازمت کا خواہش مند تھا۔ مالک نے اس کی صلاحیتوں کا عملی

مظاہرہ دیکھنے کے لیے شیلف سے ایک ڈبا اتارا اور نوجوان کے ایک ہاتھ میں دیتے ہوئے بولا۔
"اسے شیلف سے اتارنے کے بعد تم کیا کرو گے؟"
نوجوان نے ڈبے کو غور سے دیکھا اور بولا۔ "میں سب سے پہلے اس پر سے گرد صاف کروں گا۔"
اسٹور مالک نے مسکراتے ہوئے اسے سیلز مین رکھ لیا۔
(ناہید، لاہور)

******

فضول خرچ

ایک صاحب نے اپنے دوست سے شکوہ کر رہے تھے۔
"میں اپنی بیوی سے تنگ آ چکا ہوں دو دن پہلے اُس نے مجھ سے دو ہزار روپے مانگے تھے اور آج چار ہزار روپے......!"
"وہ اتنے پیسوں کا کیا کرتی ہے؟" دوست نے حیرت سے پوچھا۔
"معلوم نہیں! یہ تو شاید تب پتا چلتا، جب میں نے اسے پیسے دیئے ہوتے۔" ان صاحب نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔
(پرنس افضل شاہین، بہاولنگر)

******

ہم سنائیں دل کی بات

☆ اخلاق کوئی وراثت نہیں، جو تمہیں ورثے میں مل جائے۔

☆ کچھ الفاظ ایسے ہوتے ہیں کہ زبان سے ادا نہیں ہو پاتے مگر قلم انہیں روانی سے لکھ دیتا ہے۔

☆ پاؤں کبھی غلط راہ پر نہیں اٹھتے، جب تک آپ خود نہ چلیں۔

☆ میں یہ دعا نہیں کرتا کہ دشمن مر جائے بلکہ یہ دعا کرتا ہوں کہ دوست زندہ رہیں۔
(صبا احمد، حیدر آباد)

******

ماں

ماں تمہارے وجود کی گود ہے
تم "ماں" کے وجود کا حاصل ہو۔
ماں! اس زمین کی طرح ہے جو اپنے باطن میں حرارت اور برودت ایک ساتھ چھپائے رکھتی ہے۔ جس سے تخلیق نمو پاتی ہے اس طرح ماں، تمہیں اس وقت تک اپنی کوکھ میں چھپائے رکھتی ہے۔ جب تک تمہارا وجود نمو نہیں پاتا۔
"ماں" سرد راتوں میں گرمی کی وہ لہر ہے جو رگوں میں دوڑتے لہو کو گرما کر فرحت بخش دیتی ہے۔
"ماں" جھلسا دینے والے گرم دن میں نرم ولطیف چھاؤں کی مانند ہے جو رگوں میں سیسہ لہو میں سکون و لطف انبساط بھر دیتی ہے۔
یاد رکھو "ماں" تم پر حق رکھتی ہے اور "کامل انسان" "ماں" کی دعاؤں کا وہ ثمر ہے جس کا قرب لوگوں کے دلی سکون کا باعث ہوتا ہے۔
(مقصود احمد بلوچ، میاں چنوں)

******

ترقی

آج ہم نے
ڈال تو لی ہے
کمند ستاروں پر
لیکن!
اپنے ہی بچے
دسترس میں نہیں!
(میاں جاوید جالندھری، فیصل آباد)

******

باتیں صحت کی

ڈاکٹر اظہر سعید

پاؤں امراض کی پیشگوئی کرتے ہیں!

مور اپنے پروں میں قوس قزح کے ساتوں رنگ رکھنے والا ایک نہایت ہی خوبصورت پرندہ ہے لیکن ایک تلخ حقیقت یہ ہے کہ جب مستی کے عالم میں مور ناچتا ہے اور ناچتے ناچتے اس کی نظر نیچے پڑتی ہے تو اپنے بدصورت پاؤں دیکھ کر اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگتے ہیں۔ اگرچہ ہم اشرف المخلوقات خصوصاً خواتین اپنے پیروں کی دلکشی کی جانب تو بہت توجہ دیتی ہیں لیکن افسوسناک حقیقت یہ ہے کہ اکثر وہ تلوؤں کی جلن، ایڑی میں درد اور انگلیوں کے کھنچاؤ کو معمولی قرار دے کر یکسر نظر انداز کر دیتی ہیں لیکن معالجین کا کہنا ہے کہ ''پاؤں میں تکلیف کی کسی بھی علامت کو نظر انداز کرنا کسی بڑے طبی مسئلے کا سبب بن سکتا ہے۔''

ہمارے پاؤں تقریباً 26 ہڈیوں، 33 جوڑ، 107 میگا منٹس، 19 عضلات اور بہت ساری نسوں کے ایک پیچیدہ نظام کا مجموعہ ہیں جو مل کر ہمیں پاؤں کے سہارے دوڑنے بھاگنے اور چلنے پھرنے کے قابل بناتے ہیں۔ معالجین کا کہنا ہے کہ پاؤں کی یہ چھوٹی چھوٹی ہڈیاں اور عضلات ہمارے جسم کے ایک چوتھائی کام کو سنبھالے ہوئے ہیں، اس لئے پاؤں کی تکلیف کو کبھی بھی ''معمولی'' نہیں سمجھا جائے۔ ذیل میں پیروں کی نہایت اہم اور عام تکالیف کا ذکر کیا جا رہا ہے جس سے جسم کے دیگر اعضا میں جنم لینے والی بیماریوں کا بروقت پتا چلایا جا سکتا ہے اور قبل اس کے کہ یہ مرض شدت اختیار کر کے آپ کی زندگی کے لئے خطرہ بن جائے، بروقت علاج کے ذریعے ان سے بچا بھی جا سکتا ہے۔

سوزش

آپ جب دن بھر کی بھاگ دوڑ کے بعد گھر واپس پہنچ کر جوتے اتاریں اور اس وقت پیروں پر سوجن نظر آئے تو گھبرانے کی بات نہیں، اس کا سبب دن بھر کا چلنا پھرنا بھی ہو سکتا ہے۔ اس طرح کی سوجن کچھ دیر تک آرام کرنے کے بعد ختم ہو جاتی ہے لیکن اگر یہ سوزش مستقل رہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ آپ کے گردوں میں خرابی پیدا ہو رہی ہے۔

درد

اگر پاؤں میں کھنچاؤ رہے اور چلتے ہوئے درد محسوس ہو لیکن کھڑا رہنے پر درد نہ ہو تو یہ علامت ہے کہ گردش خون کی شریانوں میں رکاوٹ ہو رہی ہے۔ عموماً بہت زیادہ سگریٹ نوشی کرنے والوں کو یہ تکلیف لاحق ہوتی ہے۔

تلوؤں کا جلنا اور سوئیاں چبھنا

تلوؤں کا جلنا اور ان میں سوئیاں چبھنا اعصابی نظام میں خلل پیدا ہونے کی علامت ہے۔ یہ ذیابیطس اور Raynaud,s مرض کے لاحق ہونے کی بھی ابتدائی علامت ہے۔ Raynaud,s مرض میں ہاتھوں اور پیروں میں خون کی گردش کی رکاوٹ ہونے لگتی ہے۔

مسئے نمودار ہونا

اگر پاؤں کے کسی حصے پر مسئے نمودار ہونے لگیں تو

یہ علامت ہے کہ پاؤں کی جلد کے خلیوں میں ٹوٹ پھوٹ ہو رہی ہے اور ان کی قدرتی بناوٹ میں جلد کے کسی مرض کے سبب یہ تبدیلی رونما ہو رہی ہے۔

کمزوری محسوس ہونا

پاؤں یا تلوؤں میں تھکن اور کمزوری کا زیادہ ہونا حرام مغز میں خرابی کی علامت ہے یہ Selerosis اور Parkinson مرض کے جسم میں رونما ہونے کی ابتدائی علامات بھی ہوسکتی ہیں۔

پنجوں پر سوزش اور گرمی

یہ علامت جسم میں تیزابیت کی زیادتی کے باعث خون کے بہت زیادہ متاثر ہونے کی نشاندہی کرتی ہے، لہٰذا ڈاکٹر سے فوری رجوع کرنا مناسب ہوگا۔

پنجوں اور ایڑیوں کی کھال کا پھٹنا

یہ ایک جلدی مرض ہے جو کہ موروثی بھی ہوسکتا ہے اور طب کی زبان میں اسے Hyperkeratosis کہا جاتا ہے، اگرچہ پہلے مرحلے میں یہ مرض لاحق ہونے کا خطرہ نہیں ہوتا ہے، تاہم اگر پھٹی ایڑیوں سے خون نکلے اور ان میں انفیکشن ہو جائے تو جلدی مرض لاحق ہونے کا خطرہ ہو جاتا ہے۔

پاؤں میں پسینہ اور بدبو

اگر آپ کے پاؤں سے بدبو اور پسینہ آتا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ آپ پاؤں کی جلد پر حملہ آور ہونے والے جراثیموں کے انفیکشن کا شکار ہو رہے ہیں۔

پاؤں اور تلوؤں پر دھبے

اگر آپ کے پاؤں یا تلوؤں پر سیاہ، بھورے یا کبھی کبھی سفید دھبے (یا داد) نظر آئیں تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی جلد پر Verrucas کا حملہ ہو چکا ہے۔

ناخنوں میں درد

اگر پاؤں کے ناخنوں میں درد محسوس ہو اور درد مستقل برقرار رہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ آپ کے ناخن فنجل انفیکشن سے متاثر ہو گئے ہیں۔ عموماً بہت دیر تک چمڑے کے جوتے پہنے رہنا، گندے موزے استعمال کرنا اور ناخنوں میں میل کچیل کے جمع رہنے کے باعث یہ تکلیف ہوتی ہے۔

ٹخنے اور پنجوں کے جوڑوں میں درد

یہ درد عموماً اونچی ایڑی کے جوتے پہننے، جوتے کی بکل کو ایک ہی جانب باندھے رکھنے یا چمڑے کے تنگ جوتوں کے پہننے کے باعث ہوتا ہے۔ اس کیفیت کو طب کی زبان میں Hammer Toes کہا جاتا ہے۔ ایسے درد کا شکار عموماً مرد حضرات ہوتے ہیں۔ اس درد کے شکار افراد نچلی ایڑی، نرم و ملائم چمڑے یا کینوس کے جوتے پہنیں تو اس درد سے نجات مل جاتی ہے۔

☆......☆......☆

اسپرین کے حیرت انگیز کمالات

ریما نور رضوان

اسپرین دنیا بھر میں مقبول ترین درد کش گولی ہے جو سستی ہونے کے باعث ہر طبقے کے استعمال میں رہتی ہے۔ کیا آپ کو معلوم ہے؟ کہ یہ دوا صرف درد پر ہی قابو نہیں پاتی بلکہ مختلف اقسام کے کینسر اور متعدد امراض کے خلاف بھی فائدہ مند ثابت ہوتی ہے۔

مگر بات یہی ختم نہیں ہوتی طبی لحاظ سے مفید یہ گولی صرف بیماریوں کے خلاف ہی مفید نہیں بلکہ اس سے ایسے روزمرہ کے کام بھی سرانجام دیئے جاسکتے ہیں جن کا آپ نے کبھی تصور بھی نہ کیا ہوگا۔

گاڑیوں کی مردہ بیٹریوں میں نئی جان ڈالنا

اگر تو گاڑی چلانے کے لیے اسٹارٹ کرتے ہوئے آپ کے سامنے یہ انکشاف ہوا کہ کار کی بیٹری نے تو کام کرنا چھوڑ دیا ہے اور ارگرد مدد کے لیے کوئی موجود نہیں تو آپ کیا کریں گے؟ ان حالات میں اسپرین کی دو گولیاں واقعی مددگار ثابت ہوں گی بس آپ انہیں بیٹری کے اندر ڈال دیں۔ اسپرین میں پائے جانے والا ایسی ٹائل سیلی سیلک ایسڈ بیٹری میں موجود سلفرک ایسڈ کے ساتھ مل کر اس مردہ بیٹری میں کرنٹ دوڑا دے گا اور آپ کچھ دور تک سفر کر کے قریبی سروس اسٹیشن تک پہنچ سکیں گے۔

پسینے کے داغوں کو مٹانا

موسم گرما میں جسم سے پسینہ پانی کی طرح بہتا ہے اور اس دوران ہلکے رنگ کے کپڑوں پر اس کے داغ بھی نمایاں ہوجاتے ہیں جن کو صاف کرنا ناممکن تو نہیں تاہم مشکل ضرور ہے، آپ مایوس مت ہوں بس اپنے سفید یا ہلکے رنگ کی قمیص پر سے پسینے کے داغ مٹانے کے لیے اسپرین کی دو گولیوں کو پیس کر کپڑے دھونے والے پاؤڈر میں مکس کر کے ایک یا دو کپ گرم پانی میں ڈال دیں۔ پھر اس محلول یا سلوشن میں اپنی قمیص کو دو سے تین گھنٹے تک بھگو کر رکھیں آپ اس کا اثر دیکھ کر واقعی حیران ہوجائیں گے۔

بالوں کی رنگت کی بحالی اور سر کی خشکی سے نجات:

اگر تو آپ کے بال ہلکے رنگ کے ہیں تو کلورین ملے پانی سے نہانے سے اس کے اثرات بالوں کے رنگ پر بہت نمایاں اور ناخوشگوار محسوس ہوتے ہیں تاہم آپ اپنے بالوں کو اصل شکل میں واپس بہت آسانی سے لاسکتے ہیں، بس چھ سے آٹھ اسپرین گرم پانی کے ایک گلاس میں ڈال دیں، پھر اس پانی کو اپنے بالوں پر چھڑک کر مساج یا مالش کریں اور دس پندرہ منٹ تک یہ عمل دوہرائیں بالوں کی اصل رنگت بحال ہوجائے گی۔ اسی طرح اسپرین ایسے اجزاء (سیلی کائی لیک ایسڈ) سے بھرپور دوا ہے جو بیشتر خشکی سے نجات دلانے والے شیمپوز کا حصہ ہوتے ہیں۔ اسپرین کی 2 گولیوں کو پیس کر سفوف کی شکل دیں اور سر پر لگانے کے لیے جتنا شیمپو لیتے ہیں اس میں شامل کرلیں، اس مکسچر کو اپنے بالوں پر ایک سے دو منٹ تک لگا رہنے دیں اور پھر اچھی طرح دھولیں، اس کے بعد پھر سادہ شیمپو سے سر کو دھوئیں آپ اس کا اثر دیکھ حیران رہ جائیں گے۔

چہرے کے دانوں کو خشک کرنا

نوجوانی میں دانوں کا چہرے پر ابھرنا عام ہوتا ہے جو سرخ ہونے کے ساتھ ساتھ تکلیف کا بھی باعث بنتے ہیں۔ اکثر پچیس سے تیس سال کی عمر تک بھی اس کا تجربہ ہوتا رہتا ہے جو اکثر افراد خاص طور پر خواتین کے لیے فکرمند کا باعث ہوتا ہے۔ تو ایسا ہونے کی صورت میں دانوں سے نجات کے لیے اسپرین کی ایک گولی کو پیسے اور اس میں تھوڑا سا پانی ڈال کر پیسٹ سا بنالیں۔

اس پیسٹ کو دانوں پر لگائیں اور کچھ منٹوں تک آرام سے بیٹھے رہیں جس کے بعد چہرے کو صابن اور پانی سے دھولیں۔ اس عمل سے سرخی کم ہوجائے گی اور دانے خشک ہونے لگیں گے، اگر آرام نہ آئے تو اس عمل کو اس وقت تک دوہرائیں جب تک دانے خشک نہ ہوجائے۔

سخت جلد کا علاج

اپنے پیروں کی سخت ہوجانے والی جلد کو نرم کرنے کے لیے پانچ سے چھ اسپرین کو پیس کر سفوف کی شکل دے دیں۔ اس میں ایک سے دو چائے کے چمچ پانی اور لیموں کا عرق شامل کر کے پیسٹ بنالیں۔ اس مکسچر کو متاثرہ حصوں میں لگائیں اور پھر اپنے پیروں پر گرم تولیہ لپیٹ کر انہیں کسی پلاسٹک بیگ سے کور کرلے۔ کم از کم دس منٹ تک اسی حالت میں رہیں پھر پلاسٹک بیگ اور تولیے کو ہٹا دیں اور اپنے پیروں کی نرمی کو محسوس کر کے حیران ہوجانے کے لیے تیار ہوجائیں۔

بالوں کی خشکی کو کنٹرول کرنا

بالوں کی خشکی کا مسئلہ کس کو درپیش نہیں ہوتا جس کے لیے مہنگے سے مہنگے شیمپوز اور کریمیں وغیرہ استعمال کی جاتی ہیں۔ تاہم اس پر قابو پانے کا آسان ترین نسخہ اسپرین کی شکل میں موجود ہے بس دو گولیوں کو پیس کر سفوف بنادیں اور اس میں شیمپوں کی نارمل مقدار شامل کر کے اپنے سر پر لگالیں۔ اس مکسچر کو ایک سے دو منٹ تک لگا رہنے دیں اور پھر دھولیں۔ اس کے بعد اپنے سر کو صرف شیمپو سے ایک بار دھونا نہ بھولیں۔

کیڑوں کے کاٹنے اور ڈنک کی تکلیف سے نجات

مچھر کے کاٹنے یا شہد کی مکھی کے ڈنک سے ہونے والی سوجن کو کنٹرول کرنے کے لیے اسپرین کی ایک گولی کو متاثرہ حصے پر آہستہ آہستہ مالش کی طرح رگڑے۔ آپ تکلیف میں فوری طور پر نمایاں کمی محسوس کریں گے جبکہ سوجن بھی کنٹرول میں آجائیں گی۔

پھولوں کو دیر تک زندہ رکھیں

گلاب یا کسی بھی پھول کو جب ٹہنی سے کاٹ لیا جاتا ہے تو وہ کچھ دیر بعد مرجھانا شروع ہوجاتے ہیں تاہم اگر آپ اسے کافی دیر تک تازہ رکھنا چاہتے ہیں تو اسپرین کی ایک گولی پیس کر پانی میں ڈالے اور وہ پانی کسی گلدان یا ایسے برتن میں ڈال دیں جس میں آپ پھول رکھ سکیں، وہ پھول عام دورانیے سے زیادہ عرصے تک مرجھانے سے بچے رہیں گے۔

باغبانی میں مددگار

اسپرین نہ صرف آپ کے درد پر قابو پانے کے لیے بہترین ہے بلکہ آپ کے باغ کو بھی اس سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ کچھ افراد اسپریم کو پیس کر خراب جڑوں کے اوپر ڈال دیتے ہیں یا پانی میں مکس کر کے زمین پر فنگس کا علاج کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں، تاہم یہ احتیاط رکھیں کہ اپنے پودوں کے ارگرد اسپرین کا استعمال بہت زیادہ نہ کریں، بس ایک گولی اور ایک لیٹر پانی کافی ثابت ہوگا۔

کپڑوں پر سے انڈے کے داغ ہٹانا

کیا پکانے یا کھانے کے دوران انڈے کی زردی نے آپ کے لباس کو داغ دار کردیا ہے؟ تو ان کو ہٹانے کے لیے پہلے آپ اسفنج نیم گرم پانی کے ساتھ اس جگہ پر رگڑیں، گرم پانی استعمال نہ کریں کیونکہ اس سے داغ پختہ ہوجائے گا، اگر پھر بھی داغ نہ ہٹے تو پھر ٹارٹریٹ کی کریم اور پانی کو مکس کر کے ایک پیسٹ کی شکل دیں اور اس میں اسپرین کی ایک گولی کو پیس کر شامل کرلیں۔ اس پیسٹ کو داغ پر پھیلائیں اور تیس منٹ تک کے لیے چھوڑ دیں اس کے بعد اسے گرم پانی سے دھولیں۔ داغ صاف ہوجائے گا۔

☆☆☆

چہرے کی حفاظت

چہرے پر میک اپ کا استعمال اس تناسب سے کریں کہ قدرتی خوبصورتی برقرار رہے اور چہرہ مصنوعی محسوس نہ ہو۔ میک اپ کا یہ منفرد انداز آپ کیسے حاصل کرسکتی ہیں آیئے جانتے ہیں۔

(۱) سب سے پہلے چہرے کی جلد کو یکساں کرنے کے لئے جلد کی رنگت کی مناسبت سے فاؤنڈیشن کی تہہ لگائیں۔

(۲) آنکھوں کے گرد سیاہ حلقوں کو چھپانے کے لئے ان پر کنسیلر لگائیں تاکہ رنگت میں مماثلت نظر آئے۔

(۳) بھنوؤں کی قدرتی شیپ کو اجاگر کرنے کے لئے گہری براؤن پینسل کا استعمال کریں۔ یہ چہرے کا تاثر کئی گنا بڑھادے گی۔

(۴) رخساروں پر گولائی کی سمت میں بلش آن کی کنٹورنگ کریں۔

(۵) کنٹورنگ کے بعد پلکوں کی آرائش کے لئے مسکارے کا صرف ایک کوٹ لگائیں۔ اس طرح پلکیں مصنوعی محسوس نہیں ہوں گی۔

(۶) سفید آئی پینسل کو بطور آئی لائنر آنکھوں کے سروں تک لگائیں۔ آنکھوں کی خوبصورتی میں اضافے کے لئے پینسل کو سروں سے باہر نہ نکالیں بلکہ بھنوؤں کے نیچے ابھار پر پینسل سے ہلکی لکیر لگائیں۔

(۷) چہرہ مزید پرکشش بنانے کے لئے ہونٹوں پر بیری لپ لائنر کا اضافہ کریں۔ ہلکے میک اپ کے ساتھ گہرے لپ اسٹک کا شیڈ لک کی انفرادیت بڑھادے گا۔

(۸) میک اپ کی مناسبت سے ہیئر اسٹائل شخصیت کو دلکش بنادیتا ہے۔ لک کو مزید پرکشش انداز دینے کے لئے درمیان سے اپنے بالوں کی پنوں کی مدد سے Back Combing کرلیں اور ہیئر سٹائل کو سیٹ رکھنے کیلئے ہیئر اسپرے کا استعمال کریں۔

☆......☆......☆

آنکھیں

آنکھیں قدرت کی عطا کردہ نعمت اور چہرے پر نمایاں عضو کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کی خوبصورتی شخصیت کے حسن و جمال میں اضافہ کرتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ آرائش حسن میں آنکھوں کو بے پناہ اہمیت حاصل ہے۔ آئی شیڈ' مسکارا' کاجل' آئی لائنر اور دیگر لوازمات کے ذریعے بناؤ سنگھار کے نت نئے انداز سے ان کی دلکشی کو کئی گنا بڑھایا جاتا ہے مگر ہم میں کتنی خواتین ایسی ہیں جو آنکھوں کی صحت کا خیال رکھتی ہیں؟ ذرا سوچئے یہی تو وہ قدرتی عطیہ ہے جس کی بدولت ہم قدرت کے باکمال نظاروں کو دیکھ پاتے ہیں۔ اگر آنکھوں میں کسی قسم کا انفیکشن یا خرابی پیدا ہو جائے تو اس صورت میں ناقابل تلافی نقصان بھی اٹھانا پڑ سکتا ہے کیونکہ آنکھوں کے معاملے میں کسی قسم کی لاپروائی بصارت میں کمی یا اس سے محرومی کا باعث ہوسکتی ہے جس کے نتیجے میں معذوری کے سبب پوری شخصیت متاثر ہوتی

ہے۔ آنکھیں حسن کا دروازہ ہیں لہٰذا ان کی صحت و صفائی پر خصوصی توجہ دیں۔

☆......☆......☆

صحت و تندرستی کے لئے

ان کی صفائی اور تروتازگی برقرار رکھنے کے لئے آسان سا طریقہ یہ ہے کہ صبح بیدار ہونے کے بعد منہ دھوتے وقت ان پر ٹھنڈے پانی کے چھپکے ماریں۔ اس عمل سے دوران خون تیز ہوگا اور آنکھیں چمکدار اور شفاف ہو جائیں البتہ ان کی تندرستی کے لئے قد آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے عکس کو پانچ منٹ تک مسلسل بغیر پلکیں جھپکائے دیکھنے کی کوشش کریں۔ اس عمل سے نظر کو بے حد تقویت ملے گی۔

☆......☆......☆

سیاہ حلقے

سیاہ حلقے آنکھوں کی خوبصورتی کے دشمن ہوتے ہیں۔ ان حلقوں کی عارضی وجوہات میں بے آرامی اور ذہنی تناؤ شامل ہے۔ ان سے بچنے کیلئے بھرپور نیند لیں اور ذہن کو پرسکون رکھیں۔ ٹپ کے طور پر ایک کھیرے کو ٹھنڈا کر کے قتلوں میں کاٹ لیں اور دس منٹ کے لئے آنکھوں پر رکھیں۔ آنکھوں کو سکون ملے گا اور حلقے بھی کم ہو جائیں گے۔

☆......☆......☆

اچھی خوراک

اچھی اور متوازن خوراک عمومی صحت کیلئے ضروری ہے۔ اچھی صحت سے مراد یہ ہے کہ اپنی خوراک میں پروٹین اور کاربوہائیڈریٹس کا استعمال ضرور کریں کیونکہ ان کی کمی جسمانی صحت کے ساتھ چہرے کی خوبصورتی کو بھی حد درجہ متاثر کرتی ہے۔ انڈا، مچھلی، سبزیاں، دلیہ اور پھل ڈائٹ میں شامل رکھیں اس کے علاوہ دن میں چھ سے آٹھ گلاس پانی پینے کی عادت ڈالیں اور آٹھ گھنٹے کی پرسکون نیند لیں۔

☆......☆......☆

میک اپ مصنوعات

آپ نے میک اپ مصنوعات سے آنکھوں کو سنوار لیا لیکن سستی، کاہلی یا بھول جانے کی وجہ سے اس میک اپ کی تہہ کو صاف کئے بغیر سو گئیں یا کسی اور کام میں مصروف ہو گئیں تو یہ امر آنکھوں کے لئے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔

عمومی طور پر دیگر خدوخال کی نسبت آنکھوں کی آرائش پر زائد میک اپ پروڈکٹس کا استعمال ہوتا ہے جس کی صفائی بھی ضروری ہے لہٰذا آئی میک اپ مکمل طور پر صاف کریں اور یہ اطمینان لازماً کر لیں کہ میک اپ کے ذرات آنکھوں کی نازک جلد پر باقی نہ رہیں۔

☆......☆......☆

روشنی کا خیال رکھیں

سمجھدار لوگ یونہی مشورہ نہیں دیتے کہ روشنی میں بیٹھ کر پڑھیں اور پڑھتے وقت کتاب یا کاپی کو ڈیڑھ فٹ کے فاصلے پر رکھیں، نیز یہ خیال رکھیں کہ پڑھتے وقت روشنی کا انعکاس پشت کی طرف سے ہو، سامنے سے نہیں، مطالعے کے دوران مسلسل پڑھتے رہنے کے بجائے آنکھوں کو کچھ دیر کے لئے آرام دیں اور دس منٹ کے لئے ہتھیلیوں سے آنکھوں کو ڈھانپ لیں۔ اس طریقے سے تھکن کے آثار غائب ہو جائیں گے۔

☆......☆......☆

دوران سفر

چلتی ہوئی گاڑی، بس یا ٹرین میں پڑھنے سے گریز کرنا چاہئے حالانکہ اس طرح سفر اچھا گزر جاتا ہے لیکن طویل مسافت اور رستوں کے جھٹکوں سے آنکھوں پر غیر ضروری دباؤ پڑتا ہے اور بینائی متاثر ہوتی ہے۔

☆......☆......☆

الجھنیں

آپ کی یادداشت کی قوت کتنی بہتر ہے؟

کتابیں، اخبارات و رسائل ہمیں باعلم رکھنے کے لیے بڑا اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ظاہری بات ہے کہ انسان کے لیے ہر چیز کو یاد رکھنا ممکن نہیں ہے اور نہ ہی ان ذرائع کے بغیر معلومات کا لیول بلند ہوسکتا ہے لہٰذا ان تمام ذرائع سے حاصل شدہ علم ہمیں آگاہ رکھتا ہے کہ کب، کیوں، کہاں، کیسے اور کس طرح......؟ یوں ہم وقت کے ساتھ ہی اپنی یادداشت کو بہتر بناتے رہتے ہیں۔ بعض واقعات کو ہم اپنی ڈائری میں بھی نوٹ کر لیتے ہیں جن کی مدد سے کچھ عرصے بعد مذکورہ واقعہ ذہن میں تازہ ہو جاتا ہے مگر کیا تمام لوگ اس طرح ماضی کے واقعات کو اپنے ذہن میں تازہ کر سکتے ہیں؟ کیا کوئی تحریر یا مطبوعہ مواد طویل یا قلیل عرصے کے بعد دیکھا جائے تو دماغ میں اس حوالے سے حالات و واقعات یا کوئی شخصیت ابھر سکتی ہے؟ کچھ لوگ ممکن ہے کہ اس میں کامیاب رہتے ہیں جبکہ کچھ نہیں کیونکہ اس کا تعلق یادداشت سے ہے جو ہمیشہ اور ہر کسی کے پاس یکساں نہیں ہوتی ہے۔ زیرِ نظر مضمون انسان کی اسی صلاحیت کے حوالے سے مرتب کیا گیا ہے۔ اسے پڑھ کر اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ کی یادداشت کتنی بہتر ہے۔

ارے یار...... میں بالکل بھول گیا۔ یقین کرو میں نے بہت کوشش کی تھی کہ یہ کام یاد رکھوں مگر یادداشت نے ساتھ نہیں دیا۔'' ہمیں اکثر و بیشتر ایسے جملے سننے کو ملتے رہتے ہیں جن میں یادداشت کو موردِ الزام ٹھہرایا جاتا ہے لیکن کبھی آپ نے غور کیا کہ یادداشت ''اچھی'' اور ''کمزور'' کیوں ہوتی ہے یا یہ کہ کہیں آپ بھی ان میں سے ایک تو نہیں ہیں جنہیں ''یادداشت کی کمزوری'' کی شکایت ہے۔ ذیل میں ایسے 13 طریقے بیان کئے جا رہے ہیں، جن کی روشنی میں آپ اپنی یادداشت کو جانچ سکتے ہیں اور ''ہاں'' میں دیئے گئے جوابات آپ کو بتا سکتے ہیں کہ آپ کی یادداشت کا کیا عالم ہے۔

قوت یادداشت جانچنے کے طریقے

1-الفاظ:

یادداشت کو جانچنے کا بہترین ذریعہ الفاظ ہیں مثلاً الفاظ کے انتخاب سے شعر کہنا، ایک لفظ سے منسوب دیگر الفاظ بنانا جیسے خوش سے خوش اخلاق، خوش گفتار، خوش خط، خوشبو، خوش رنگ وغیرہ۔ اس طرح اپنی ذہنی قوت کا امتحان لیں اور سوچیں کہ کیا موقع محل کی مناسبت سے آپ کو فوراً الفاظ یاد آ جاتے ہیں یا نہیں؟

2-مقام:

ہر مقام اپنی مخصوص پہچان رکھتا ہے یا پھر اس کے اردگرد کا ماحول اس کی پہچان بن جاتا ہے، جیسے سائن بورڈ، سکول کی عمارت، بینک، بازار، شادی ہال وغیرہ۔ بہت سے افراد ایسے ہیں جو گزرنے والے راستوں کے بجائے صرف اپنی منزل کو پہچانتے ہیں اور اگر راستہ بدل کر انہیں مخالف سمت اتار دیا جائے یا بیچ راستے میں کھڑا کر دیا جائے تو وہ اپنے ماحول کو نہیں پہچان سکتے ہیں، بے شک اس جگہ سے روز کا گزر ہی کیوں نہ ہو۔ کیا آپ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوتا ہے یا نہیں؟

3-حوالہ:

کم نظر آنے والے چہرے اور ایسے چہرے جو اپنے حوالوں سے شناخت کئے جاتے ہیں اگر وہ حوالوں کے بغیر نظر آ جائیں تو ان کو پہچاننے میں دقت ہوتی ہے

یا نہیں مثلاً ڈاکٹر کو کلینک سے باہر، پولیس کانسٹیبل کو وردی کے بغیر دیکھنے پر وغیرہ۔

4-موسیقی کی دھن:

موسیقی سے ہر کسی کو لگاؤ ہوتا ہے اور ہر گیت اپنی مخصوص دھن میں انفرادیت رکھتا ہے۔ ایسے گیت جو پسند ہوں، ان کی اگر صرف دھن سنائی جائے تو اس کے بول ذہن میں یاد آ جاتے ہیں یا نہیں؟

4-ہیجانی کیفیت:

ہیجانی کیفیت میں ہمارے دماغ کا رخ اس سمت مڑ جاتا ہے جو ہمارے لیے خود باعث حیرت بن جاتا ہے جیسے کسی کو سخت ناپسند کرنا اور اگر اس سے سامنا ہو یا تکرار ہو جائے تو ایسی باتیں بھی ذہن میں آ جاتی ہیں جن کو ہم بھلا چکے ہوتے ہیں مگر ہیجانی کیفیت کے غلبے سے ہم ان باتوں کو بیان کر رہے ہوتے ہیں۔ کیا اس کیفیت میں اور اس سے نکل کر آپ کو تمام واقعات یاد رہتے ہیں یا نہیں؟

5- تکرار:

کسی تکمیل کے اصول یا کام میں کی جانے والی غلطیوں کو بار بار دوہراتے ہیں یا وقت کے ساتھ ساتھ ان غلطیوں پر قابو پا لیتے ہیں۔

6-جذباتی لگاؤ:

جذباتی لگاؤ کے مواقع مثلاً سالگرہ، کسی دوست، احباب کی برسی اور طے شدہ وقت پر مقررہ جگہ پر پہنچنا آپ کو یاد رہتا ہے یا نہیں؟

7-واقعات:

ہماری زندگی میں اکثر ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں جو ماضی کے کسی واقعے کی یاد تازہ کر دیتے ہیں۔ جیسے خوشی کے موقع پر کوئی حادثہ ہونا، سفر کے دوران ٹائر کا پنکچر ہو جانا وغیرہ۔ کیا آپ کو اس قسم کے واقعات ماضی کی یاد دلاتے ہیں کہ نہیں؟

8-رنگ:

بہت سے رنگ ایسے ہیں جو کسی نہ کسی حوالے سے کسی مخصوص چیز کے ساتھ شامل ہو کر نگاہوں میں گھومتے رہتے ہیں۔ اس رنگ کو کہیں بھی کسی بھی صورت میں دیکھا جائے اس کی مخصوص پہچان نظروں کے سامنے آ جاتی ہے۔ مثلاً سرسوں کے کھیت میں موجود پیلا رنگ، ملٹی کلر دیکھ کر قوس قزح وغیرہ۔ کیا آپ کو بھی رنگوں کی مناسبت سے واقعات و مقامات یاد آتے ہیں؟

9- مطبوعہ مواد:

مطبوعہ مواد یعنی کتابیں، اخبارات و رسائل ہمیں با علم رکھنے میں بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ کیا تحریر یا مطبوعہ مواد کو طویل یا قلیل عرصے کے بعد دیکھ کر دماغ میں اس حوالے سے حالات و واقعات یا کوئی شخصیت ذہن میں آتی ہے یا نہیں؟

10- تصاویر:

تصاویر ماضی کی یادگاریں ہوتی ہیں۔ کیا آپ اپنی

پرانی تصویروں کو دیکھ کر ان میں نظر آنے والے افراد اور مقامات کو پہچان لیتے ہیں یا نہیں؟

11- خوشبو:

بو اچھی ہو یا بری، لیکن اپنی موجودگی کا پتا دیتی ہے۔ ایسی اشیاء سامنے موجود نہ بھی ہوں تو کیا ان کی بو سے آپ یہ سوچتے ہیں کہ یہ کس چیز کی ہے اور یاد کرنے پر اس چیز کا نام آپ کو یاد آ جاتا ہے۔ جس سے یہ مہک آ رہی ہوتی ہے؟

12- پرانی یا کارآمد اشیاء:

گھر کے اسٹور روم میں ہر اس چیز کو ذخیرہ کر لیا جاتا ہے، جس کو ہم ضروری سمجھ کر رکھ لیتے ہیں کہ بوقت ضرورت اس کو استعمال میں لائیں گے۔ ایسی اشیاء جو اسٹور میں کسی مقصد کے تحت رکھی گئی ہوں، وہ وقت ضرورت آپ کو یاد رہتی ہیں یا نہیں؟

13- موسم:

موسم کی تبدیلی جسم پر اثر انداز ہوتی ہے، جیسے کھال کا سکڑنا، جسم کا چست یا سست ہونا، نزلہ، زکام، گلے کی خرابی، وزن میں اضافہ وغیرہ۔ کیا آپ کو موسم کی تبدیلی سے رونما ہونے والی تبدیلیوں کا علم رہتا ہے کہ پچھلے سال بھی یہ شکایت ہوئی تھی۔

یادداشت	ہاں میں دیئے گئے جوابات کی تعداد
غیر معمولی	11تا13
تیز	8تا10
درمیانی	6تا8
کمزور	1تا5

☆......☆......☆

یادداشت کیسے بہتر بنائی جائے

اگر آپ پر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ یادداشت خراب ہے تو پھر ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ اپنی یادداشت بہتر بنانے کی کوشش کریں۔ اس سلسلے میں ذیل کے مشورے آپ کے لیے یقیناً مددگار ثابت ہوں گے۔

☆...... تمام کاموں سے فراغت کے بعد رات گہری ہونے سے پہلے بستر پر سکون سے لیٹ جائیں اور تمام دن کی مصروفیات کو دل ہی دل میں دوہرائیں۔

☆...... ایک وقت میں ایک ہی کام کریں اور اگر ایک سے زیادہ کام کرنے ہیں تو کاموں کو اس طرح ترتیب دیں کہ وہ ایک دوسرے سے متصادم نہ ہوں۔ اس طرح نہ تو یہ ذہن پر بوجھ بنیں گے اور نہ ہی اس سے آپ کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کاموں کو بے ترتیب انجام دینے سے ذہن پر بوجھ پڑتا ہے، جس سے یادداشت متاثر ہوتی ہے یوں یا تو ضروری کام رہ جاتے ہیں یا پھر غلطی پر غلطی ہوتی چلی جاتی ہے۔

☆...... دوستوں کے درمیان یا تقریب میں اس طرح شمولیت اختیار کریں کہ جسم اور ذہن ایک ہی جگہ پر موجود ہو۔ کسی سے ملتے ہوئے اپنے ذہن کو تمام خیالات سے دور رکھیں اور اس سے بھرپور طریقے سے ملیں۔ اعتراضات اور سوچ کے دائرے سے نکل کر

دماغ کو پرسکون رکھیں۔ اس عمل سے بھی یادداشت بہتر ہوتی ہے۔

☆...... غیر متعلقہ باتوں کو دوسروں کے سامنے بار بار نہ دوہرائیں اور یہ بات یاد رکھنے کی کوشش کریں کہ کس سے کون سی بات کرنی ہے۔

☆...... اپنے آپ کو غیر معمولی ذہین تصور کر کے ذہن کو آزمائش میں مت ڈالیں۔ اگر کسی خاص وقت میں کوئی خاص کام کرنا ہے تو اس کے لیے الارم گھڑی بھی استعمال کی جا سکتی ہے۔

☆...... روزانہ ڈائری لکھیں۔ ڈائری میں تمام دن کی مصروفیات کے علاوہ کیا کرنا چاہتے تھے اور نہیں کر سکے اور آگے کیا کرنا چاہیے، یہ باتیں ضرور لکھیں۔ ڈائری لکھتے ہوئے تمام حالات و واقعات کو پوری سچائی سے اور تفصیل سے قلم بند کریں۔

☆...... روزانہ استعمال کی اشیاء رکھنے کی جگہ مقرر کرلیں اور ان کو غیر ارادی طور پر ادھر ادھر چلتے پھرتے نہ رکھیں مثلاً، پرس، کار کی چابی، تالا، دوائیاں، قلم کیونکہ ان چیزوں کی بوقت ضرورت تلاش میں وقت صرف ہوتا ہے اور ذہن بھی تھکاوٹ کا شکار ہوتا ہے اور لامحالہ اس کا اثر یادداشت پر بھی پڑتا ہے۔

☆...... جلدی بازی کا مظاہرہ نہ کریں اس سے ذہن پر دباؤ پڑتا ہے۔ یہ صورتحال جسمانی اور ذہنی صحت دونوں کے لیے بہتر نہیں ہے۔ اس طرح ہم بہت سے غیر شعوری کام بھی کرتے چلے جاتے ہیں جو ہمیں یاد بھی نہیں ہوتے اور الزام دوسروں پر لگاتے ہیں جیسے دکاندار سے سامان لے کر پیسے دینا اور پھر بھول جانا وغیرہ۔

☆...... آئندہ کے منصوبوں اور لوگوں کی زندگیوں کے بارے میں غیر ضروری طور پر سوچنا بھی یادداشت کو خراب کرتا ہے۔ اس طرح کے لاتعداد خیالات جن کا کوئی نتیجہ نہ نکلتا ہو، یادداشت کو کمزور کرتے ہیں لہٰذا ایسے خیالات سے ممکنہ حد تک دور رہیں۔ دماغ کی صلاحیت کو غیر ضروری طور پر ''شک'' اور ''کیوں'' میں نہ الجھائیں۔

☆...... کسی بھی نئے ہنر کو سیکھنے سے پہلے اس میں صرف ہونے والے وقت اور اپنی ذہنی قوت کا اندازہ لگا لیں۔ اگر ایک سے زیادہ ہنر سیکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں تو ضرور سیکھیں مگر اپنے اوپر قوت سے زیادہ کام کا بوجھ نہ ڈالیں۔

☆...... خیالی پلاؤ پکانے کے بجائے عملی نوعیت کے کام کریں اور ہمیشہ اپنی پسند کو ترجیح دیں۔ غیر ضروری طور پر ''پسند'' اور ''ناپسند'' کے معاملے میں ذہن کو نہ الجھائیں۔

☆...... اپنی ذہانت کے معاملے میں کبھی بھی زیادہ پراعتماد نہ ہوں۔ یہ خیال نہ کریں کہ ہمیں ہر چیز زبانی یاد رہتی ہے کیونکہ یہ غلط رائے ہے۔ ہمیشہ چیدہ چیدہ اہم نکات کو نوٹ کرلیں اس طرح جب آپ ان باتوں کی جزیات کو یاد کرنے کی کوشش کریں گے تو اس سے دماغ پر بوجھ نہیں پڑے گا کیونکہ تحریر کی مدد سے دماغ کو ''اضافی بوجھ'' سے بچایا جا سکتا ہے۔

☆...... دوران سفر اردگرد کے ماحول کا جائزہ ضرور لیں۔ باہر ادھر ادھر ضرور دیکھیں مگر بے مقصد نہیں۔ جگہوں کو دیکھتے ہوئے نشانیوں کو ذہن میں رکھیں تاکہ دوبارہ گزرنے پر مقامات یاد رہیں اور نشانیوں کو یاد کرنے کے لیے دماغ پر زیادہ بوجھ نہ ڈالنا پڑے۔

☆...... کسی تقریب، میٹنگ کے اختتام یا کلاس روم کے بعد اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے واقعات کا خلاصہ اور جزیات سامنے آجاتی ہیں۔ یہ عمل یادداشت کو بہتر بنانے میں خاصی مدد دیتے ہیں۔

☆...... سوچنے اور عمل کا درمیانی وقفہ کم سے کم رکھیں۔ بہت زیادہ سوچنا ذہن کو مفلوج کر دیتا ہے اور کاموں میں دلچسپی بھی کم سے کمتر ہوتی چلی جاتی ہے۔

اگر آپ کی یادداشت کمزور ہے تو یہ مشورے کارگر ثابت ہو سکتے ہیں۔ آپ نے ان مشوروں پر سنجیدگی سے عمل کیا تو کوئی وجہ نہیں کہ اپنی یادداشت کو بہتر نہ بنا سکیں۔

☆......☆......☆

خواص

کھجور

جدید سائنس کے مطابق خوراک میں کھجور ضرور شامل کرنا چاہیے۔ چینی، چکنائی، پروٹین اور اہم وٹامنز کی انتہائی مناسب مقدار کی وجہ سے یہ ایک مکمل غذا مانی جاتی ہے۔ آنت کے سرطان سے بچاؤ میں کھجور کی افادیت بھی سامنے آتی ہے۔ ان میں پائے جانے والے طاقت ور منرلز جیسے آئل، کیلشیم، سلفر، آئرن، پوٹاشیم، فاسفورس، مینگنیز، کوپر اور میگنیشیم اسے دوسرے پھلوں سے ممتاز کرتے ہیں۔ دیگر الفاظ میں روزانہ ایک کھجور خوراک میں شامل کرنے سے جسم کو درکار غذائیت کی مناسب مقدار حاصل کی جاسکتی ہے۔ عرب ممالک میں کھجوروں کو دودھ، دہی، ڈبل روٹی، مکھن اور مچھلی کے ساتھ ملا کر استعمال کیا جاتا ہے۔

کھجور کو پھلوں کا "بادشاہ" کہا جانا چاہیے، یہ بآسانی ہضم ہو جاتا ہے اور جسم کو پھر سے تازہ دم کر دینا اس کی خصوصیت میں سے ایک خاصیت ہے۔ جب خون میں شکر کی مقدار کم ہو جاتی ہے تو بھوک کا احساس بار بار ابھرتا ہے۔ کھجور میں موجود قدرتی شکر سے جسم اپنی مطلوبہ مقدار کچھ ہی کھجوروں کے عوض پوری کر لیتا ہے اور اشتہا انگیزی کی کیفیت میں خود بخود ٹھہراؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ تجربات و تحقیق نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ کھجور میں کچھ ایسے اجزاء بھی پائے جاتے ہیں جو خواتین میں ڈلیوری کے آخری مہینے میں مثانے کے پٹھوں میں لچک پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اس کے علاوہ زائد خون بہنے کے مواقع بھی انتہائی کم رہ جاتے ہیں۔ غذائی ماہرین خواتین کو دوران زچگی اور بچے کو دودھ پلانے والی ماؤں کو خوراک میں کھجور کا استعمال بتاتے ہیں، کیونکہ اس میں اینٹی ڈیپریسنٹ اجزاء کے ساتھ تمام غذائی اجزاء مناسب مقدار میں

موجود ہیں جو دودھ میں درکار اجزاء کو بڑھاتے ہیں اور بچے میں قوت مدافعت پیدا کرتے ہیں۔

اعصابی طور پر کمزور اور Hyperactivity کے شکار بچوں کی ڈائیٹ میں کھجور ضرور شامل کریں سانس کے نظام کی فعالیت بھی کھجور سے بہتر کی جاسکتی ہے۔

جن افراد کو چکر آنے کی شکایت لاحق ہو ان کے لیے بھی کھجور امرت دھارے کی حیثیت رکھتی ہے، چکر آنے کی بنیادی وجہ خون میں چینی کی مقدار کا کم ہو جانا ہے جس کی وجہ سے بلڈ پریشر گرتا ہے اور یوں چکر آنے کی نوبت آپہنچتی ہے۔ تقریباً ایک کلوگرام کھجوروں میں 3000 کیلوریز ہوتی ہیں۔ کھجور کے استعمال سے خون کی شریانوں کی لچک اور فعالیت میں اضافے سے دل کی کارکردگی بھی بہتر ہوتی جاتی ہے۔ کیلشیم کی بھرپور مقدار ہڈیوں کی مضبوطی کے لیے نہایت ضروری ہے۔ جب جسم میں کیلشیم کی مقدار کم ہونے لگتی ہے تو خصوصاً بچوں میں بلوغت تک ہڈیاں اس قدر کمزور ہو چکی ہوتی ہیں کہ ذرا سی چوٹ پر چٹخ جاتی ہیں۔ نیز آنکھوں کی صحت بھی ان کے استعمال سے بتدریج بہتر ہونے لگتی ہے۔ رات کے اوقات میں کم نظری سے بچاؤ کے لیے یہ نہایت پر اثر نتائج دیتی ہیں۔

☆......☆......☆

رنگ سخن

ترتیب: شاہ روم خان ولی

آج کی شخصیت میرے بہت پیارے دوست ، خوبصورت شاعر اور ملنسار جناب محمد اکرم جاذب 26 اکتوبر کو ضلع منڈی بہاؤالدین کے گاؤں کٹھیالہ کورد میں پیدا ہوئے۔ فارسی زبان کے مترجم ہیں، اردو سے گہری وابستگی ہے، شعر و ادب کی دنیا سے تعلق ہے جنوری 2017 میں جنابِ اکرم جاذب کی شعری مجموعی "امید" رومیل پبلی کیشنز راولپنڈی نے شائع کی ہے۔

جنابِ اکرم جاذب ایک سرکاری محکمے سے وابستہ ہیں اور شہر بہ شہر قریہ قریہ گھومتے پھرتے زندگی گزار رہے ہیں ۔ جناب محمد اکرم جاذب کی کتاب سے منتخب اشعار۔

عبرت کا اک نشان ہے مرگِ یزیدیت
ہر دور ہے حسینؑ کا، تنہا حسینؑ کا

تو ایک روز مجھے چل کے ملنے آیا تھا
تری تھکن ہے مرے جسم میں سمائی ہوئی

اپنے اپنے نام تو ہوتے اک دوجے سے وابستہ
چھپ چھپ کھلنے سے تو بہتر تھا جاناں رسوا ہوتے

مصلحت ایسی بھی قاتل کی طرف داری ہے
جو بھی خاموش ہیں شامل ہیں جفا کار کے ساتھ

وہی جیتا ، وہی کرتا ہے امر اپنی حیات
موڑ دیتا ہے جو خیرات میں پائے ہوئے دن

تھکا تو دیتی ہیں یہ الجھنیں، اداسیاں بھی
وگرنہ آج نہ تھا کچھ بھی کام کرنے کو

چلی گئی ہے دیارِ عدم کو ماں جی بھی
چراغ کوئی بھی اب رہگوار میں نہ رہا

☆☆☆

غزل

ہم پہ اتنی سی عنایت بھی نہیں کرتے ہو
دل یہ رکھنے کو مروت بھی نہیں کرتے ہو

ایک تو کرتے ہو آنکھوں سے اشارے مبہم
اور پھر ان کی وضاحت بھی نہیں کرتے ہو

مطمئن ہو بھی نہیں اہل، زمانہ سے مگر
رسمِ دنیا سے بغاوت بھی نہیں کرتے ہو

ایک تو دل بھی لگاتے نہیں اس نگری میں
اور پھر ترکِ سکونت بھی نہیں کرتے ہو

یہ بھی کہتے ہو کہ مقصود نہیں ثروت و زر
جو میسر ہے قناعت بھی نہیں کرتے ہو

درد بھی حدِ لطافت سے فزوں ہے جاذب
یار سے آپ شکایت بھی نہیں کرتے ہو

☆☆☆

غزل

غم مرے شہر کے یوں کم نہیں ہوسکتے ہیں
یہ جو نشتر ہیں یہ مرہم نہیں ہوسکتے ہیں

ظلم کی بیخ کنی کرتے نہیں ہم جب تک
سر بلند امن کے پرچم نہیں ہوسکتے ہیں

جس پہ ہو فصلِ بہاری ، وہ یہی کہتا ہے
سب کو حاصل گل و شبنم نہیں ہوسکتے ہیں

کیسے ممکن ہے کہ دل راہ پہ دنیا کی چلے
آتش و آب تو باہم نہیں ہوسکتے ہیں

دور ہونے کا ارادہ بھی نہیں ہے اپنا
ہونا چاہیں بھی تو اک دم نہیں ہوسکتے ہیں

ہیں جو بھنوروں کی طرح پھول بدلنے والے
عشق میں یہ تو معظم نہیں ہوسکتے ہیں

مجھ پہ الزام ہے یہ ، تجھے اگر حرف آئے
تیرے دشمن مرے محرم نہیں ہوسکتے ہیں

سلسلے زیست کے جتنے بھی ہوں دلکش جاذب
یار سے ہم کو مقدم نہیں ہوسکتے ہیں

☆☆☆

غزل

اب کہیں اور محبت ہی نہیں کرتے ہیں
ہم ترے غم سے بغاوت ہی نہیں کرتے ہیں

تم کو یہ زعم کہ اعجازِ مسیحائی ہے یہ
اپنی عادت کہ شکایت ہی نہیں کرتے ہیں

درگزر کرنے کا جو ظرف نہیں رکھتے ہیں
وہ تو انساں سے محبت ہی نہیں کرتے ہیں

جسم کو زیر تو کرلیتے ہیں لیکن دل پر
ظلِ سبحانی حکومت ہی نہیں کرتے ہیں

چھپا کرتے ہیں یادوں کے پرندے دل میں
کسی موسم میں یہ ہجرت ہی نہیں کرتے ہیں

وہ تو چل دیتے ہیں اور اپنی یہ عادت جاذب
دیر تک ہم انہیں رخصت ہی نہیں کرتے ہیں

☆☆☆

غزل

پلکوں پہ آنسوؤں کو سجائیں تو کس لئے ؟
موتی یہ رزقِ خاک بنائیں تو کس لئے ؟

ہم خود متاعِ عمر کو حاضر کئے ہوئے
وہ دامِ صد فریب بچھائیں تو کس لئے ؟

موقوف ہے یہ بات فقط اپنے یار تک
دنیا سے بھی فریب جو کھائیں تو کس لئے

آتا ہے گزرا وقت کبھی پھر سے لوٹ کر !
یہ بارِ انتظار اٹھائیں تو کس لئے !

جاذب یہ سچ ہے ہم سے محبت نہیں انہیں
دل چیر کے بھی اب یہ دکھائیں تو کس لئے ؟

☆☆☆

میں جناب محمد اکرم جاذب کے لئے نئی منزلوں کی طرف بڑھنے کا تمنائی ہوں اور دعا گو ہوں کہ "امید" سے وابستہ ان کی امیدیں بر آئیں۔۔

عید سروے

ریمانوررضوان

عید نام ہے چاہتوں، مسرتوں، خوشیوں بھری ساعتوں کا۔ عید کے نام سے ہم امت مسلمہ کی ڈھیر ساری خوشیاں جڑی ہوتی ہیں۔ یہ تہوار ہر مسلمان کے دل میں خوش کن جذبات پیدا کرتا ہے۔ عید کی مناسبت سے میں نے اک سروے کا انعقاد کیا جس میں ہماری نامور مصنفین نے ماہ صیام کے بابرکت ماہ سے قیمتی لمحات نکال کر ریشم کے سروے میں شامل ہوکر اسے چار نہیں آٹھ چاند لگادیئے ہیں۔ تو قارئین ریشم تیار ہوجائیے اپنی پیاری مصنفین کی عید کی روداد سننے اور پڑھنے کے لیے میری جانب سے تمام اہل اسلام کو عید کی خوشیاں مبارک ہوں۔ صحت وسلامتی کی دعاؤں کے ہمراہ عید سروے کا آغاز کرتے ہیں۔ ریشم ٹیم کی جانب سے تمام اہل اسلام کو عید کی خوشیاں مبارک ہوں۔ صحت وسلامتی کی دعاؤں کے ہمراہ عید سروے کا آغاز کرتے ہیں

عید سروے کے سوالات

1۔ عید 2017ء کی خاص پلاننگ شیئر کیجیے؟

2۔ عید سعید کے روز علی الصبح کس کو سلام کرنے اور عید کی مبارکباد دینے کی خواہش ہوتی ہے؟

3۔ عید سعید کے دن کا کونسا پہر سہانا لگتا ہے؟

4۔ عید کے خوشگوار لمحات میں کس کی یادشدت سے ستاتی ہے؟

5۔ عیدالفطر کے پرمسرت موقع پر آپ میکے یا سسرال جاتی ہیں یا سب آپ کے گھر آتے ہیں؟

6۔ شوال کا چاند دیکھ کر کیا خاص دعا لبوں پر ٹھہر جاتی ہے؟

7۔ اب تک کی کوئی یادگار عید؟

8۔ چاندرات گھر میں گزارتی ہیں یا مارکیٹ وریسٹورنٹ میں؟

9۔ عید کی خاص تیاریاں۔ کپڑے، گھر، کچن، کھانے کے حوالے سے تفصیل سے لکھئے۔ نیز عید کے حوالے سے آپ کے گھر بننے والی خاص ڈشز کی ریسیپی ہم سے شیئر کیجیے؟

10۔ عیدالفطر کے پرمسرت موقع پر ریشم لکھاری، ریشم قاری، ریشم سٹاف، مدیر اعلی بشریٰ آپی ریشم کے مستقل سلسلوں کو ترتیب دینے والوں کے نام کوئی پیغام یا دعا نیز کسی اپنے کے نام کوئی پیغام لکھئے۔

نزہت جبین ضیاء

سینئر مصنفہ شاعرہ کالم نگار

السلام علیکم !سب سے پہلے امتِ مسلمہ کو عید کی بہت بہت مبارکباد اللہ پاک ہم سب کی عبادات قبول فرمائے آمین۔

۱۔عید کی وہی پلاننگ ہے جو برسوں سے کرتی چلی آرہی ہوں۔الحمد للہ بہت اہتمام ہوتا ہے ہمیشہ سے میری کوشش ہوتی ہے کہ اس خاص موقع کو بہت خاص بناؤں۔

۲۔الحمدللہ وہی فجر کے وقت اٹھتی ہوں۔سب سے پہلے ضیاء کو سلام کرتی ہوں پھر بچے اور الحمد للہ سسرال اور میکے دونوں ہی بڑے ہیں تو سب سے ہی......ویسے ہم کمبائنڈ فیملی میں رہتے ہیں دو سال پہلے تو تائی امی (ساس) کو پہلے سلام کرتی تھی اب دو جیٹھ اور جیٹھانیاں بھی ہیں نیچے پورشن میں جا کر ان سے ملتی ہوں۔

۳۔صبح کا وقت ہی سب سے اچھا ہوتا ہے جب ہڑبونگ مچی ہوتی ہے مرد نماز پڑھنے جاتے ہیں اور ہم خواتین کو ان کے واپس آنے تک ناشتہ ریڈی کر کے نماز سے فارغ ہو کر تیار ہونا ہوتا ہے۔

۴۔بہت سے اپنے جو ہم سے بچھڑ گئے عید پر ان کی یاد شدت سے آتی ہے اور وہ لوگ جو پاکستان سے باہر ہیں دو سال پہلے میری بیٹی اپنی فیملی سمیت ریاض میں مقیم ہے اس کی اور اپنے جان کے ٹکڑے ہنی اور سوبی کی بہت بہت یاد آتی ہے۔

۵۔پہلے دن ضیاء کی بہنیں آتی ہیں الحمد للہ خوب رونق لگی ہوتی ہے۔میری بڑی بیٹی ،اپنے سسرال (نگہت باجی وغیرہ) رات کے کھانے پر میرے پاس ہی ہوتے ہیں۔دوسرے دن ہم ساری بہنیں پہلے امی کے گھر جمع ہوتے تھے۔اب بابا کے انتقال کے بعد گزشتہ کئی سالوں سے سب سے بڑی بہن (نگہت غفار) کے ہاں جاتے ہیں۔ہم بہنیں، باجی کی بیٹیاں، بیٹے سب لوگ جمع ہوتے ہیں بہت مزا آتا ہے..ویسے جس جس کو جیسے وقت ملتا ہے زیادہ تر میرے پاس ہی آتے ہیں سب کے لیے دعائیں مانگتی ہوں......فیملی، بچے، گھر، دوستوں کو بھی ہمیشہ یاد رکھتی ہوں اور ایک دعا جو ہر وقت، ہر نماز اور ہر موقعے پر ضرور ضرور مانگتی ہوں وہ یہ کہ اللہ پاک میری زندگی میں ایک بار مجھے اپنے گھر کی زیارت کروادے۔(آمین ثم آمین)

۷۔الحمدللہ ساری عیدیں اچھی گزریں مگر منگنی اور شادی کے درمیان آنے والی عید اس لحاظ سے یادگار تھی کی مجھے سسرال سے آنے والی عید کی بہت خوشی ہوتی تھی۔

۸۔توبہ کریں بھئی میں چاندرات کو گھر سے نکلنے کا سوچتی بھی نہیں ایک تو الحمدللہ تیاریاں بہت کرنی ہوتی ہیں اور دوسری بات مجھے رش میں گھومنا اور منہ مانگے پیسے دے کر خریداری کرنا اچھا نہیں لگتا۔

۹۔اف عید کی تیاریوں کے حوالے سے میں بہت زیادہ اہتمام کرتی ہوں..میرا ایمان ہے کہ رمضان المبارک ایک متبرک اور خاص مہینہ ہے۔عبادات اور اللہ تعالی سے بخشش اور گناہوں سے توبہ کرنے کا۔اس ماہ کا بھرپور فائدہ اٹھاؤں اور اسی طرح اس ماہِ مبارک کے انعام کے طور پر ملنے والی اس خوشی کو بھی بھرپور طریقے سے مناؤں تو اس سلسلے میں گھر کی آرائش،لوگوں کو دینے والے تحائف صفائی کے ساتھ ساتھ کھانے کا بھی خاص الخاص اہتمام کروں۔الحمدللہ اس سلسلے میں فیملی فرمائشی پروگرام مرتب ہوتا ہے۔جس میں ناشتے سے لے کر ڈنر تک کا مینو ہوتا ہے جس میں،مرچوں کا سالن،ٹماٹر کی چٹنی،بریانی،چکن بروسٹ،شیر قورمہ، چکن کڑاہی،

ٹرائفل، رائیتہ، سلاد، شامل ہے۔

۱۰۔میری بہت ساری دُعائیں ،نیک تمنائیں اور محبت بھری پر خلوص عید مبارک۔اللہ پاک سے دُعا ہے کہ وہ ہم سب کے لیے اس عید کو مبارک ثابت کرے۔سب سے پہلے تو بشریٰ کے لیے بہت ساری دعائیں۔کیونکہ میں نے ایک طرح سے لکھنے کا آغاز ہی ریشم سے کیا تھا بشریٰ کو کبھی بھی مدیرہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ ہمیشہ دوست کی طرح سمجھا۔اس سے ناراض بھی ہوئی لیکن بشریٰ واقعی بچی اور اچھی دوست ہے اس کی محبت کی مقروض ہوں اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ اور ان کی فیملی ہمیشہ خوش اور شاد و آباد رکھے(آمین)باقی سارے سلسلے اچھے ہیں سب اپنا اپنا کام اچھے سے کر رہے ہیں۔خاص طور پر طلحہ مسرور، عبداللہ، کشائش اور ان کی پوری فیملی ،سٹاف، رائٹرز، قارئین سب کے لیے محبت بھری دعائیں مجھے بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

طیبہ عنصر مغل، مصنفہ شاعرہ کالم نگار

۱۔کچھ خاص نہیں ہے اس بار کیونکہ گرمی بہت زیادہ ہے عید ہر بار سسرال میں ہوتی ہے پہلے دن لیکن اس بار میں سب کو اپنے گھر میں مدعو کروں گی پھر باقی دن باری باری سب اپنے گھروں میں دعوت رکھیں گے۔

۲۔بڑا مزے کا سوال ہے بھئی میرا ہر روز سے الگ عید کی الصبح اپنے شوہر کو سلام کرنے اور عید مبارک کہنے کی خواہش ہوتی ہے پہلے تو ساس امی کو کرتی تھی اور پچھلی کچھ عیدوں میں ابو صبح فون کرتے تھے مبارک بھی ان ہی کو کہتی تھی۔

۳۔مجھے تو چاند رات بچپن سے اچھی لگتی ہے بڑی ایکسائیٹڈ ہوتی تھی چاند رات کو لیکن اب جو وقت عید والے دن سسرالیوں کے ساتھ گزرتا ہے بہت زبردست ہوتا ہے۔

۴۔میرا نہیں خیال کہ امی اور ساس امی کے علاوہ کسی کا بھی نام لے سکوں مجھے امی بہت یاد آتی ہیں میری امی کا پیار کہ عید والے دن بہت ناز اٹھاتی تھیں۔ہمیں کوئی کام نہیں کرنے دیتی تھیں اللہ تعالیٰ ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔آمین۔

۵۔ہمیشہ میں سسرال جاتی تھی پہلے تو رہتی ہی سسرال میں تھی تو ایک شہر میں ہی میکے اور سسرال ہونے کی وجہ سے میں تھوڑی دیر کے لیے امی کی طرف جاتی تھی لیکن بعد میں ساری دیورانی اور جٹھانیاں چلی جاتی تھیں میکے تو میں ساس امی کو تنہا نہیں چھوڑ سکتی تھی میں میکے نہیں جاتی تھی ان کی آنکھوں میں التجا ہوتی تھی ،سوری امی میں آپ کو انتظار کرواتی تھی لیکن میکے نہیں جاتی تھی۔ مجھے اب افسوس ہوتا ہے بہت ہی تکلیف دیتی ہے یہ بات،اس بار سسرال والوں کو اپنے گھر بلانے کا پروگرام ہے

۶۔اللہ تعالیٰ میرے گھرانے کو یوں ہی شاد وآباد رکھنا اور ہمیں آپس میں اتفاق و محبت دینا ،میرے سہاگ کو ہمیشہ سلامت رکھنا آمین۔

۸۔ہرگز باہر نہیں جاتی ایک دو بار ایسا ہوا کہ میں گوجرخان جانے کے لیے لیٹ ہوگئی تو چاند رات سفر میں گزری لیکن ہم کبھی چاند رات کو گھر سے باہر نہیں گزارتے کہ بہت ہی لچر پن ہوتا ہے مارکیٹ اور ریسٹورنٹ میں۔

۹۔عید کی خاص تیاری میں سرفہرست کپڑوں کی ہوتی ہے جو کہ میں شعبان یا اس سے بھی قبل نبٹا لیتی ہوں کہ اس کے بعد گھر میں رہ کر عبادت کرنا اچھا لگتا ہے۔امی کی سکھائی ہوئی عادت ہے ہمیشہ یہی کیا ،پھر گھر اور

کچن کی صفائی ہے، کھانے معمول کے ہوتے ہیں سسرال میں تو مل کر بناتے تھے البتہ ڈیڑھ سو روٹیاں بنانے کا ریکارڈ میرا ہی ہے الحمدللہ، ماشاء اللہ بھرا پڑا سسرال تھا میرے ہوتے اب تو بہت سارے چھوڑ کر چلے گئے اس بار بھی میرے جیٹھ کی جواں مرگ ہوئی ہے تو دل زیادہ خوشی منانے کو نہیں مان رہا، بس قورمہ، پلاؤ، کباب، روسٹ اور کھیر بنے گی چٹنی بھی ضروری ہوتی ہے چھوٹے بچوں کے لیے میکرونی اور آئس کریم کا اہتمام کروں گی انشاء اللہ، سویاں بغیر دودھ کے بنائی جاتی ہیں ہمارے سسرال میں جو صبح کا ناشتہ ہوتا ہے جو سب مرد کھا کر نماز عید کے لیے جاتے ہیں انتہائی آسان ہیں لیکن یہ خیال رکھنا ہوتا ہے کہ سویاں ٹوٹی اور چپکی ہوئی ہرگز نہیں ہوں۔ اس کے لیے سویاں بہت باریک والی لے کر ابلتے پانی میں ڈال کر فوراً نکال کر چھلنی میں ڈال دیتے ہیں اور پھر دیسی گھی میں الائچی کڑکڑا کر سویاں اس میں ڈال کر احتیاط سے مکس کرتے ہیں اوپر سے حسب ذائقہ پسی ہوئی چینی یا شکر ڈال کر ہلکی آنچ پہ ڈھانپ دیتے ہیں اور اگر کوئی میوہ اور ناریل ڈالنا ہو تو دم لگاتے ہوئے وہ بھی ڈال دیتے ہیں۔

۱۰۔ عید الفطر کے پرمسرت موقع پر ریشم لکھاری، ریشم قاری، ریشم سٹاف، مدیر اعلیٰ بشریٰ آپی ان کی فیملی اور ریشم کے مستقل سلسلے مرتب کرنے والوں کو بہت بہت عید مبارک ہو۔

عید الفطر کے اس پرمسرت موقع پہ اپنی قاری اور لکھاری سب بہنوں سے یہ کہوں گی کہ زندگی بہت چھوٹی سی ہے اس کو رنجشیں بھلا کر ہنستے کھیلتے گزاریں اور سب میں خوشیاں بانٹیں اور ہو سکے تو اپنی شاپنگ کو تھوڑا کم کر لیں اور کسی اور گھرانے کی خوشیاں بھی اپنے ایثار سے بڑھا دیں کسی ایک گھر کے بچوں کے لیے ہی سہی عید کے لوازمات کا اہتمام کر دیا کریں۔ میری دعا ہے کہ سب خوش وخرم رہیں اور سلامت رہیں اور میری لکھاری بہنیں پیارا پیارا لکھتی رہیں، اپنے ابو اور بہنوں کو پیغام کہ آپ سب اپنے اپنے گھروں میں ہنسی خوشی رہیں اور سلامت رہیں۔ میں میکے نہیں آؤں گی سب مل کر عید نہیں کر سکتے کہ میری بہنیں بھی سسرال کے ساتھ عید مناتی ہیں تو ابو آپ اداس مت ہونا بیٹے بہو اور پوتا پوتی کے ساتھ مل کر عید خوشی سے گزاریں، امی کے پاس تو جتنا جاتی تھی اتنا ہی وقت ان کی قبر پہ جا کر گزار دیتی ہوں وہ آبائی گاؤں میں آبائی قبرستان میں دفن ہیں تو جس دن فارغ ہوتے ہیں تو فاتحہ خوانی کے لیے جاتے ہیں، بس خوش رہیں اور سب کو خوش رکھیں کہ یہ زندگی پھر دوبارہ نہ ملے گی اور محبت کے لیے بہت تھوڑی ہے اس عید پہ قوس وقزح کے رنگوں سے سجا دیں، سب کو عید مبارک ریشم کے تمام مستقل سلسلے بہترین ہیں اور بہت خوبصورت بھی مجھے ریشم کا میٹریل بہت اچھا لگتا ہے بہت اچھا سرورق اور کاغذ کی اچھی کوالٹی ہوتی ہے۔ بہت مبارکباد کے مستحق ہیں ادارے والے، سب کو عید مبارک پیاری بشریٰ اور پیاری ریما نور کو خاص طور پر مبارکباد۔

عید کے حوالے سے لکھی گئی اک تازہ نظم ریشم سے جڑے قارئین کے نام:

عید میری تو تیرے آنے کی نوید سے ہے
نوید بھی وہ جو شامل تیری دید سے ہے
مہندی، چوڑی، کنگن، پائل
سب جھنکارے ہیں
خوشبو، پیراہن، کاجل، گجرا
سب بیکارے ہیں
آنچل کا دھنک رنگ، بکھرے اس پہ
عید میری تو تیرے آنے کی نوید سے ہے
نوید بھی وہ جو شامل تیری دید سے ہے
آنچل کا دھنک رنگ، بکھرے اس پہ تارے

یہ سب اپنے تن پہ سجالوں
وعدے کردے پورے سارے
مل جا مجھ کو جھیل کنارے
چاند بھی اب تو نکل چکا ہے
رات کا تارہ ڈھل رہا ہے
لو وہ دیکھو!
میری سکھیو!
میرا چاند بھی صبح دم نکلا
ساجن میرا لوٹ رہا ہے
دید بھی ہوگی، عید بھی ہوگی
چاہت کی نوید بھی ہوگی
پوری ہر امید بھی ہوگی

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زرین قمر، ایم اے
جرنلزم۔صحافی
شاعرہ۔رائٹر۔ناول
افسانہ نگار اور کالمسٹ

۱۔عید پر علی الصبح نماز فجر کے بعد تمام گھر والوں اور مہمانوں کے لئے سویٹ ڈش کی تیاری زیادہ مشکل ہو تو چاند رات ہی کو بنالی جاتی ہے بچوں کے لیے عیدی کے گفٹ پیک کی تیاری بچوں کو تیار کرنا اور بڑوں کو تیاری میں مدد کر کے مسجد بھیجنا وغیرہ۔
۲۔عید کے روز اپنے والدین اور شوہر کو سلام کرنے کی خواہش ہوتی ہے جو خواہش ہی رہتی ہے کیونکہ ان میں سے کوئی اس دنیا میں نہیں۔
۳۔صبح کے بعد جب سب لوگ نماز پڑھ کر آجاتے ہیں میٹھا تناول کرتے ہیں اور عیدیاں بٹتی ہیں مہمانوں کے جھرمٹ میں۔
۴۔اپنے جیون ساتھی کی جنہوں نے اپنی زندگی میں کبھی کسی چیز کی کمی کا احساس نہیں ہونے دیا۔
۵۔سب میرے گھر آتے ہیں الحمدللہ خوب رونق رہتی ہے۔
۶۔دنیا کے تمام مسلمانوں کو کفار کی سازشوں سے محفوظ رکھے اور انہیں سربلندی عطا فرمائے ان میں اتحاد پیدا کرے اور دشمن کے دلوں میں ان کی دہشت بٹھا دے۔
۷۔میری شادی کے بعد کی پہلی عید جب میرے میکے اور سسرال کے تمام لوگ اکٹھے ہوئے اور بہت انجوائے کیا۔
۸۔کبھی گھر میں اور کبھی باہر موڈ پر ڈپینڈ کرتا ہے۔
۹۔عید کی تیاریوں میں سب سے پہلے میں اپنے اور بچوں کے کپڑوں کی خریداری کرتی ہوں اس کے بعد باقی لوازمات یعنی چوڑیاں، جوتے، میک اپ کا سامان مہندی وغیرہ وغیرہ چاند رات کو خاص طور سے کزنز خاندان کی بچیاں محلے کی دوستیں سب ہمارے گھر مہندی لگانے آتے ہیں بہت مزہ آتا ہے۔عید پر خاص طور سے ہمارے گھر بریانی ضرور بنتی ہے اور میٹھے میں شیر خورمہ وغیرہ......

ریمار یسیپی لے کر دم لے گی لو بیٹا ریسیپی بھی بتارہی ہوں۔

شیر خورمہ

اجزا

سویاں 1 کلو، بادام۔ایک چھٹانک، پستے آدھا چھٹانک، چھوہارے۔آدھا پاؤ، کشمش۔ایک چھٹانک، ہری الائچی۔ 7 عدد، دودھ 2 کلو

ترکیب:

پہلے سویاں ابال کر الگ رکھ لیں۔دودھ میں چینی ڈال کر ابالیں اور اس میں میوے ڈال کر پکائیں بعد میں

سویاں ڈال کر گاڑھا ہونے تک پکائیں ٹھنڈا ہونے پر ڈش میں نکال کر بادام پستے سے سجائیں اور پیش کریں۔

بریانی

اجزا:

چاول۔ 1 کلو چھان کر بھگو دیں، چکن 2 کلو، پیاز 2 بڑی، ٹماٹر آدھا کلو، ہری مرچ حسب ذائقہ، ہرا دھنیا پودینہ ایک ایک گٹھی، گرم مصالحہ حسب ذائقہ، تیز پات کے پتے چند عدد، نمک حسب ذائقہ، گھی حسب ضرورت لیموں آدھا پاؤ، سرخ مرچ حسب ذائقہ، دہی آدھا کلو، چھوٹی الائچی چند عدد، آلو بخارا آدھا پاؤ

ترکیب:

ہانڈی میں گھی ڈال کر اس میں گرم مصالحہ اور تیز پات کے پتے ڈال کر کڑکڑا لیں ساتھ چھوٹی الائچی بھی ڈال دیں پھر ادرک لہسن کا پیسٹ اور چکن ڈال کر بھون لیں اب باقی مصالحے ٹماٹر ڈال کر گلائیں پھر دھنیا پودینہ ہری مرچیں تلی ہوئی پیاز کی تہہ لگا کر اوپر سے آلو بخارے اور چاول کی تہہ لگا کر دم دے دیں آخر میں دہی کے رائتے کے ساتھ پیش کریں۔

۱۰۔عیدالفطر کے اس پر مسرت موقع پر میں ریشم سے وابستہ ہر شخصیت کو مبارکباد دیتی ہوں جنہوں نے عید کے حوالے سے ریشم کو سجایا اور ہماری عید کو خوشیوں سے بھر دیا خاص طور پر بشریٰ مسرور صاحبہ کا جو عید کے علاوہ بھی ہر شمارے کو خاص نمبر بنا دیتی ہیں اور پیاری بیٹی ریما نور کا بھی جو ہمیں ہر ایونٹ پر یاد رکھتی اور اس کو سجاتی ہیں اللہ تعالیٰ ان سب پر اپنی رحمتیں نچھاور فرمائے آمین۔ آخر میں میں ریشم کے توسط سے اپنے بچوں محمد حارث، محمد جاذب اور سمن سارہ کو عید کی مبارکباد دیتی ہوں اور دعا کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں زندگی کی تمام خوشیاں اور کامیابیاں عطا فرمائے آمین۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اروشمہ خان عروش، مصنفہ کالمسٹ

۱۔خاص پلاننگ تو کچھ نہیں کیونکہ میں کسی کام کی پلاننگ نہیں کرتی پل بھر کی خبر نہیں سامان سو برس کا۔

۲۔ پہلے جب کنواری تھی تو سب سے پہلے دادی کو سلام کرتے اور عید مبارک کہتے۔ اب شادی ہوگئی تو میاں صاحب کو ہی سلام کرتی اور عید مبارک کہتی ہوں۔

۳۔عید کا ہمیشہ صبح کا پہر اچھا لگتا ہے جب سب تیار شیار بچیاں عید کی مہندی، سوٹ، چوڑیاں، مرد حضرات سفید سوٹ پہنے نماز عید کے لیے تیار ہوتے مجھے سب گہما گہمی بہت اچھی لگتی ہے۔

۴۔عید تو ویسے ہمیشہ خوشگوار اور اچھی گزری الحمداللہ مگر اب میکے سے سسرال آگئے تو امی بابا، بہن، بھائی اور دادی بہت شدت سے یاد آتی ہیں میکے کی عید کا اپنا مزا، بیٹی کو بابا کے گھر کی عید ہمیشہ یاد رہتی ہے۔

۵۔عید الفطر پر میں ہی اپنے میکے جاتی بچوں اور میاں کے ساتھ اور رات کا کھانا کھا کے لوٹتے دوسرے دن نندیں آجاتی ہیں ہمارے گھر۔

۶۔شوال کر چاند دیکھ کر ذہن میں ایک عجیب سی خوشی اور تازگی کا احساس جاگ اٹھتا ہے اور دل سے ایک ہی دعا نکلتی ہے اللہ پاک سب اہل اسلام کے روزے قبول کرے سب کو خوشیاں دے میرے اپنے سب خیریت سے ہوں اور سلامت رہیں۔

۷۔اب تک ایک ہی یادگار عید جب پچھلے سال ہماری ساری فیملی ایک ساتھ تھی میرے بابا میرے دونوں بھائی، میری بہن میرے بچے سب ایک ساتھ تھے بہت اچھا ٹائم گزارا۔ میرے لیے وہ لمحے سب سے یادگار ہیں۔

۸۔میرے گھر میں پردے کا بہت اہتمام ہے۔اس لیے عورتیں گھر سے باہر کم ہی جاتی اور چاند رات کو تو بالکل بھی نہیں اس لیے اپنی حسرت دل میں لیے ٹی وی پر ہی

چاندرات کی رونقیں دیکھ لیتے۔ہاہاہا

۹۔مجھے تو سجنے سنورنے کا کوئی زیادہ شوق نہیں مگر بچوں کے لیے خاص تیاری ضرور کرتی ہوں بڑی بیٹی کو تو بہت شوق ہے مہندی اور چوڑیوں کا اور خیر سے ان کی خالہ جنہیں پیار سے بچے آپی کہتے ان کو بہت شوق ہے اس لیے خریداری بھی خاص کرتی ہوں۔گھر میں عید کے دن سویاں کسٹرڈ اور زیادہ تر میرے ہاتھ کی بنی ربڑی کھیر کی فرمائش بہت ہوتی اور سب شوق سے کھاتے ہیں۔آپ سب بہنوں کے لیے ریسی بھی بتا رہی ہوں۔

ربڑی کھیر

اجزا:

تازہ دودھ۔ 2 کلو،چاول (بھیگے اور پسے ہوئے) آدھی پیالی، چینی پون پیالی، ربڑی آدھا کلو، کیوڑہ ایک کھانے کا چمچ، بادام (پسے باریک کٹے ہوئے) چار کھانے کے چمچ سجانے کے لیے

ترکیب:

دودھ گرم کر کے چاول ڈالیں اور چاولوں کے گلنے تک پکائیں اس میں چینی شامل کر کے گاڑھا ہونے تک پکائیں پھر کیوڑہ، ربڑی، بادام اور پستے ڈال کر خوب اچھی طرح سے ملائیں اسے بادام پستے سے سجائیں اور خوب ٹھنڈا کر کے پیش کریں اور مجھے دعائیں دیں۔ہاہاہا۔

۱۰۔ریشم لکھاری، ریشم قاری اور تمام ریشم شاف کو میری طرف سے عید مبارک اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کے روزوں کو قبول فرمائے اور تمام امت مسلمہ پر اپنی رحمت کی بارش برسائے آمین۔سب ریشم شاف کو مبارک باد کہ وہ اتنا اچھا فیملی رسالہ بہت عرصے سے کامیابی سے چلا رہے ہیں اور اس میں آپ سب کی بہت محنت ہے میں سلام کرتی ہوں ریشم ٹیم کو جو عورتوں اور لڑکیوں کے لیے ایسا ڈائجسٹ لائے جس سے تربیت ہتی ہے۔

ویلڈن بشریٰ آپی سلامت رہیں آخر میں آپ سب کے لیے ایک نظم۔

عید مبارک

عید سب کو مبارک
دن خوشی کا یہ سب کو مبارک
آج چھت پر حسین اک سماں ہے
عید کا چاند سب پہ عیاں ہے
ہاتھ اٹھے ہیں دعا کے لیے یوں
اے خدا سب سلامت رہیں یوں
مہندی لگوانے سب جا رہے ہیں
مل کہ گانے بھی سب گا رہے ہیں
میرے کپڑے گلابی رو پہلی
چوڑیاں کھنکتی ہیں سنہری
جشن کا اک ایسا سماں ہے
معصومہ پھول تڑوا رہی ہیں
سارے گھر کو یوں سجوا رہی ہیں
عید پر گفٹ عروش ہے دیتی
پیارے بچوں کو خوشیاں ہے دیتی
ہر طرف بکھری قوس وقزاح ہے
عید کا کتنا دلکش سماں ہے
عید کا دن ہو سب کو مبارک
لاکھوں خوشیاں ہوں سب کو مبارک

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عریشہ سہیل، مصنفہ، کراچی

۱۔عید کے لیے کوئی خاص پلاننگ نہیں ہوتی بس یہی کوشش ہوتی ہے کہ ہر کام وقت پہ ہو جائے اور عید کے دن کوئی کمی نہ رہے۔

۲۔عید کے دن میں سب سے پہلے امی کو سلام کر کے عید کی مبارکباد دیتی ہوں۔

۳۔ مجھے عید کی صبح بہت خوبصورت لگتی ہے۔
۴۔ الحمدللہ میرے اپنے میرے ساتھ ہوتے ہیں اس لیے کسی اور کی یاد نہیں ستاتی۔
۵۔ اب تک میں غیر شادی شدہ ہوں اس لیے میکے یا سسرال کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ رشتہ داروں کے آنا جانا ہوتا ہے۔
۶۔ شوال کا چاند دیکھ کر میں ہمیشہ یہ دعا کرتی ہوں کہ اللہ پاک اس چاند کو پوری امتِ مسلمہ کے لیے خیر و عافیت والا بنائے۔ آمین، یہ دعا میں نے اپنی امی سے سیکھی ہے۔
۷۔ بچپن کی ہر عید یادگار ہوتی تھی۔ خصوصاً بھائی اور ابو کا غبارے لانا بہت یاد آتا ہے۔
۸۔ میں عید کی چاند رات کو گھر سے نکلنے کے سخت خلاف ہوں۔ اس سے اللہ پاک ناراض ہوتے ہیں اور پورا مہینہ کی جانے والی عبادتیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ چاند رات کو میں گھر میں رہ کر عید کی تیاری کرتی ہوں۔
۹۔ عید کی خاص تیاریوں میں کپڑے بنانا، گھر صاف کرنا، عید کے دن کھانے بنانا، مہمان نوازی کرنا شامل ہے۔ ہمارے گھر میں ہر عید پہ ایک نئی ڈش بنتی ہے، کس کس کی ترکیب یہاں لکھوں؟ (ہاہاہا)
۱۰۔ ریشم ڈائجسٹ کی پوری ٹیم، لکھاری اور قارئین کے لیے میرا یہی پیغام ہے کہ عید الفطر رمضان کے مہینے میں عبادت کرنے والوں کے لیے تحفہ ہے اس لیے اس بابرکت مہینے میں بازاروں میں گھومنے کی بجائے اللہ کو راضی کرنے کے لیے محنت کریں۔
ریما نور رضوان کے لیے میں خصوصی طور پر کہنا چاہوں گی کہ آپ بہت محنتی، صاف دل اور مخلص ہیں۔ اللہ پاک آپ کو ہمیشہ خوش رکھے اور آپ کو دونوں جہان میں کامیاب کرے۔ آمین ثم آمین

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سیدہ عروج فاطمہ بخاری

مصنفہ شاعرہ کالم نگار

۱۔ اس بار بھی ضرورت مندوں کو یاد رکھوں گی۔ جو خوشی دوسروں کے ساتھ بانٹ لی جائے وہ اکیلے منا کر دلی سکون نہیں دے پاتی ہے۔
۲۔ اپنی والدہ کا چہرہ دیکھتی ہوں سب سے پہلے، اس دنیا میں ماں کی شفقت سے بڑھ کر ٹھنڈی چھاؤں کہیں اور مل ہی نہیں سکتی ہے۔ میں والدہ کی جانب مسکرا کر دیکھتی ہوں اور کہتی ہوں عید مبارک۔
۳۔ جب جب کہیں سے میٹھا آتا ہے۔ ہاہاہا...... وہ پل تو بہت ہی سہانا لگتا ہے۔
۴۔ اپنے بچھڑے ہوئے رشتوں کی جواب اس دنیا میں نہیں ہیں۔
۵۔ کنواری ہوں میکے میں ہی عیش کر رہی ہوں۔
۶۔ جو بھیجی تھی دعا وہ جا کے آسماں سے یوں ٹکرا گئی کہ لوٹ کے آ گئی صدا۔
۷۔ ماشاءاللہ سے ہر عید ہی شاندار ہوتی ہے۔
۸۔ گھر میں ہی گزارتی ہوں باہر کے تو حالات ہی بہت خراب ہوتے ہیں۔
۹۔ ہر شے رات میں ہی تیار ہو جاتی ہے۔
۱۰۔ بشریٰ آپی کی تعریف جتنی بھی کی جائے کم ہے۔ بشریٰ آپی کی بدولت ہم سب ریشم کے پلیٹ فارم سے جڑ گئے ہیں۔ بشریٰ آپی عاجزی کا پیکر ہیں اور ہم سب لکھنے والوں سے بہت محبت سے پیش آتی ہیں۔ سٹاف ممبران کافی محنت سے اپنا اپنا کام خوش اسلوبی سے سر انجام دے رہے ہیں۔
میری طرف سے سب کو ایڈوانس عید مبارک

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رضوانہ آفتاب

مصنفہ شاعرہ

۱۔عید کی کچھ خاص پلاننگز تو نہیں کیں ابھی تک گرمی کی وجہ سے کچھ کرنے کا دل نہیں کر رہا۔

۲۔عید کی علی الصبح امی ابو کو دیکھنے اور سلام کرنے کی خواہش ہوتی ہے۔

۳۔صبح اور شام کا وقت بہت اچھا لگتا ہے۔

۴۔کسی کی بھی نہیں کیونکہ جو میرے عزیز لوگ ہیں سب موجود ہیں الحمدللہ۔

۵۔عید کے موقعے پہ پہلے تو ساری شادی شدہ بہنیں گھر آجاتی تھیں۔ہم عید کے تین دن گزر جانے کے بعد ہی کہیں جاتے تھے اکثر عید کی چھٹیوں میں پکنک کا بھی پروگرام بن جاتا تھا اس بار تو سسرال میں پہلی عید ہے جو تھوڑی یہاں اور تھوڑی وہاں گزرے گی۔

۶۔شوال کا چاند دیکھ کر ایک نہیں بے شمار دعائیں لبوں کا احاطہ کر لیتی ہیں۔

۷۔اب تک کی کوئی یادگار عید تو نہیں ہے ساری مصروفیت کی نظر ہو جاتی ہیں عید تو بچپن کی ہوتی ہے اب شاید یادگار عید منانے کا موقع مل جائے۔

۸۔عید کی چاند رات تو گھر میں ہی گزارتی رہی ہوں ہمیشہ سے شوق تھا شادی کے بعد چاند رات گھومتے پھرتے گزاروں گی۔

۹۔عید کے لیے نئے کپڑے لینے کی بہت جلدی ہوتی ہے رمضان سے پہلے ہی عید کی تیاریوں کا آغاز ہو جاتا ہے اپنے کپڑوں کے ساتھ ساتھ بیڈ شیٹس کورز کی خریداری بھی شروع ہو جاتی ہے کچن میں نئے برتنوں اور نئی چیزوں کی آمد شروع ہو جاتی ہے عید کی کوئی خاص ڈش مخصوص تو نہیں ہے سویاں کھیر اور شامی کباب لازمی بنائے جاتے ہیں، دہی بڑے و دیگر لوازمات سے مہمانوں کی تواضع کی جاتی ہے۔

۱۰۔عید الفطر کے پرمسرت موقع پہ میرا سب کو یہی پیغام ہیں خوش رہیں اور دوسروں میں خوشیاں بانٹیں اپنے حال پہ خوش اور مطمئن رہیں اور اللہ کا شکر ادا کرتے رہیں کہ اللہ نے ہمیں دوسروں سے بہت اچھے حال میں رکھا ہے کسی اپنے کو کیا پیغام دوں سب ہی میرے اپنے ہیں اور سب کے لیے یہی پیغام ہے اللہ تعالی ماہنامہ ریشم کو مزید کامیابیوں سے ہم کنار کریں آمین۔ اللہ تعالی ہم سب کی پریشانیوں کو دور فرمائیں آمین۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صبا فہد چوہدری،شیخوپورہ

1-اس عید کی خاص پلاننگ کا تو فی الحال کوئی خیال نہیں ہے لیکن مجھے لگتا ہے یہ عید خاص بلکہ بہت خاص ہوگی۔الحمدللہ شادی کے بعد پہلی عید ہے جو پیا کے سنگ ہوگی۔

2-عید سعید کے روز شادی سے پہلے تو مما پاپا کو سلام کرنے اور عیدی بٹورنے کی خواہش دل میں ہوتی تھی لیکن اب شادی کے بعد پہلی عید ہے تو ظاہری بات ہے اپنے پیا جی کو ہی سلام کروں گی اور ان سے خوب عیدی بٹوروں گی۔

3-مجھے عید کے دن صبح الصادق کا پہر بہت پسند ہے۔کیونکہ جب آنکھ کھلتی ہے تو ہر جانب مسجدوں سے کلام پاک پڑھے جانے کی صدائیں سماعتوں سے ٹکراتی ہیں تو دل و دماغ کو ایک سکون ملتا ہے۔

4-اچھا سوال ہے۔پہلے جب تک شادی نہیں ہوئی تھی تو "فہد" جو کہ تب میرے ہونے والے شوہر تھے ان کی یاد ستاتی تھی اور اس بار میکے کی یاد بہت شدت سے ستانے والی ہے۔

5-شادی سے پہلے ہم نانی امی اور ماموں کے گھر

جاتے تھے اس بار کچھ اندازہ نہیں...... پہلی عید ہے سو کچھ نہیں کہہ سکتی اس بارے میں۔

6-شوال کا چاند دیکھ دل کو ایک الگ ہی خوشی ملتی ہے یہی دعا لبوں پر آتی ہے کہ یہ عید سب کے لیے خوشیوں کا پیام لائے۔

7-بچپن کی تمام عیدیں یادگار ہیں۔

8-کبھی گھر میں تو کبھی مارکیٹ میں...... مجھے چاند رات کو شاپنگ کرنا بہت بہت پسند ہے۔

9-عید کی خاص تیاریوں میں کپڑے لینا، سلائی کرنا، شاپنگ وغیرہ ہی شامل ہے۔ شادی سے پہلے چاند رات کو مہندی لگانا، چونکہ میں خود مہندی لگاتی ہوں تو محلے کے سارے بچے اور لڑکیاں مہندی لگوانے آ جایا کرتی تھیں۔ ساری رات مہندی لگانے میں تمام ہو جاتی تھی اور میرے ہاتھ پھر بھی خالی رہ جاتے تھے کیونکہ سب کے مہندی لگا لگا کر اتنی ہمت نہیں رہتی تھی کہ اپنے ہاتھوں کو بھی مہندی کے بیل بوٹوں سے سجا سکوں......

خاص ڈشز تو کوئی نہیں وہی جو سب کے گھر میں بنتی ہیں سویاں، کسٹرڈ، چنا چاٹ، بریانی، مٹن وغیرہ میرے خیال میں ان سب کی ریسپی تو سب کو ہی معلوم ہوگی۔

10- میں ریشم ڈائجسٹ کی پوری ٹیم کو دل کی گہرائیوں سے عید کی مبارکباد دیتی ہوں اور دعا ہے کہ ریشم ڈائجسٹ ترقی کی منازل کو طے کرتا ہوا آسمانوں کی بلندیوں کو چھو لے۔

میری طرف سے میرے گھر والوں، بہن، بھائیوں اور مما پاپا کو دلی عید مبارک...... اور میرے جان سے عزیز شوہر کو دل کی گہرائیوں سے عیدالفطر کی ڈھیروں مبارکباد......

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ثمینہ کنول

مصنفہ شاعرہ

1: پلاننگ خاص تو یہی ہے کہ اس عید پہ کچھ ایسے لوگوں کو جو افورڈ نہیں کر سکتے اپنے ساتھ عید کی خوشیوں میں شامل کر سکیں۔ اور اپنے بچوں کے چہروں پہ وہ مسکان لانے کی بھرپور کوشش ہوگی جو اپنے پاپا کے سنگ ان کے لبوں پہ ہوتی تھی کہ اب میں ان کی ماں بھی ہوں اور باپ بھی۔

2: عید کے دن صبح صبح اپنے محبوب شوہر کو سلام اور مبارک باد دی جاتی تھی مگر اب صورت حال مختلف ہے تو بچوں کو خود سے لپٹا کے انہیں مبارک باد دیتی ہوں جو اب گرم جوشی سے عید مبارک کہتے ہیں۔

3: عید کی خوشگوار صبح سب سے خوبصورت لگتی ہے مجھے۔ ایک عجیب سا کیف اور خوشی کا احساس ہوتا ہے جو دل میں جوش سا پیدا کرتا ہے اور بڑی لگن سے سویاں اور دوسرے لوازمات تیار کرتی ہوں۔

4: اپنی امی جان کو بہت یاد کرتی ہوں اور اب اس یاد میں لیاقت کی یاد بھی شامل ہو گئی ہے جو خوشگوار یادوں کا ایک خزانہ ہمارے حوالے کر گئے ہیں جو عید کے پل پل ہمارے ساتھ رہتی ہیں۔

5: پہلے میں سسرال سے میکے آتی تھی ہر عید پر اور اب ابو جان کے ساتھ رہتی ہوں تو سب بہن بھائی عید پہ ہمارے گھر آتے ہیں اور خوب ہلا گلا ہوتا ہے اور میں اپنی اماں کی قائم مقام بن کر اپنی اہمیت اور ان سب کا پیار انجوائے کرتی ہوں جو میرا حوصلہ، میرا مان ہیں۔ اللہ ان سب کو ہمیشہ شاد و آباد رکھے آمین۔

6: چاند دیکھ کر ہمیشہ سب کی خیر و عافیت کی دعا مانگتی ہوں اور میرے خوبصورت وطن میں ہمیشہ امن کی فضا

رہے یہ تمنا لب پہ بے اختیار آ جاتی ہے۔
7: ایک پرخلوص، محبت کرنے والے ہم سفر کا ساتھ رہا تو شادی کے بعد بھی ہر دن عید جیسا گزرا اور عید تو پھر عید ہے اور میرے شوہر کا کہنا تھا کہ تم سے دوری عذاب اور تمہیں دیکھنا میری عید ہے۔ ان کے ساتھ گزری آخری عید بہت یادگار تھی کہ وہ چلنے سے قاصر تھے بیماری کے باعث مگر پھر بھی مجھے اور بچوں کو باہر سیر کے لئے لے کر گئے بھائی کی مدد سے اور ان کی تکلیف پہ میری آنکھیں نم اور اتنی محبت پہ دل مسرور بھی تھا۔
8: مجھے چاند رات گھر پہ رہنا اچھا لگتا ہے مگر میرے شوہر نامدار جب تک باہر لے کے نہیں جاتے انہیں سکون نہیں ملتا تھا اور ناراض ہو جاتے اگر نہیں جاتی اور انہیں ناراض کون کرتا سو خوب نخرے دکھا کر بازار جاتی جیسے کوئی احسان عظیم کر رہی ہوں۔ ہاہاہا اور ان کے بعد ایک عید گزری ہے چاند رات ان کی باتیں کرتے گزری۔
9: بچوں کے کپڑے اکثر رمضان سے پہلے یا پھر افطاری کے بعد جا کر یہ کام مکمل کیا جاتا ہے کہ عید تو بچوں کی ہوتی ہے اصل میں انہیں نئے کپڑوں کی خوشی ہر شے سے بڑھ کے ہوتی ہے اور عید پہ بننے والے کھانے کی تیاری کے لیے ضروری لوازمات پہلے سے تیار کر کے فریج میں رکھتی ہوں اور کباب، چٹنیاں اور لہسن، ادرک کا پیسٹ تک چاند رات تک فریج میں پہنچ جاتا ہے۔ صرف شیر خورمہ عید کی صبح تیار کرتی ہوں جو عید الفطر کی خاص سوغات ہے اور ترکیب بھی بہت آسان ہے۔
ایک دیگچی میں دو کھانے کے چمچے گھی ڈال کر گرم کریں اور ایک چائے کا چمچ، الائچی پاؤڈر ڈال دیں جب خوشبو آنے لگے تو ایک کپ سویاں ڈال کر ہلکا سا بھون لیں اور چولہے سے اتار لیں اور ایک اور دیگچی میں تین لیٹر دودھ ڈال کر پکائیں اور جب دودھ آدھا رہ جائے تو سویاں ڈال کر پکائیں ایک منٹ پکائیں پھر چینی، کنڈیشنڈ ملک، بادام پستہ ڈال دیں ساتھ ہی پکے ہوئے چھوہارے بھی ڈال دیں اور کٹے ہوئے بادام پستہ ڈال کر مہمانوں کے سامنے پیش کریں۔ اس کے ساتھ بچوں کی فرمائش پر چکن سینڈوچ تیار کرتی ہوں ابلے ہوئے انڈے اور چکن کا پکا ہوا قیمہ، مایونیز، نمک، کالی مرچ مکس کر لیں اب بریڈ کی سخت سائیڈز کاٹ لیں اور اس میں یہ مواد لگا کر مزے دار سینڈوچ انجوائے کریں۔
10: عید الفطر کے موقع پر ریشم کی سب ٹیم کو بہت مبارک باد کہ سب اپنی ذمہ داری بخوبی نبھا رہے ہیں اور ریشم کو بہتر سے بہتر بنانے میں کوشاں ہیں ان کے لیے یہی پیغام ہے کہ اسی خلوص سے اپنے کام کو جاری رکھیں۔
اپنے پیارے بھائی جنید جو ہم سے بہت دور ہے اٹلی میں رہتا ہے اسے پیغام دوں گی کہ تم بہت دور ہو ہم سے مگر دل کے بہت قریب رہتے ہو اور ہم تمہیں ہر عید پہ بہت مس کرتے ہیں۔
☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عنبرین اختر، مصنفہ

1- عید کی خاص پلاننگ تو کوئی نہیں بس گھر صاف ستھرا ہو۔ مہمانوں کے آنے سے پہلے مختلف ڈشز بنا کر فریج میں رکھ دیں۔ بچوں کو عید پر بہت جلدی ہوتی ہے کہ ہم اپنے دوستوں سے پہلے تیار ہو جائیں۔ اس لیے بچوں کو پہلے تیار کیا جاتا ہے۔
2- عید کا دن ہی ایسا ہے کہ سب کو سلام دینے اور عید کی مبارک دینے کو جی چاہتا ہے۔ ان میں گھر والے، میکے والے رشتہ دار اور دوست سرفہرست ہیں۔
3- عید کا ہر پل اور ہر پہر سہانا لگتا ہے۔ ویسے ہمارے گھر شام کو مہمان آتے ہیں اس لیے شام کا پہر سہانا لگتا

ہے۔

4-عید کے لمحات میں میکے والوں کی یاد شدت سے آتی ہے کہ وہ بھی ساتھ ہوں تو عید کو چار چاند لگ جائیں۔

5-نہیں ہم میکے نہیں جاتے سسرال میں ہی عید ہوتی ہے۔نہ میکے والے آتے ہیں کیونکہ ایک شہر سے دوسرے شہر آنے جانے میں بہت وقت لگتا ہے۔

6-چاند دیکھ کر دعا نکلتی ہے کہ اے اللہ میرے اپنوں اور میرے دوستوں کو ہمیشہ خوش رکھنا۔

7-ہاں ایک عید بہت خاص ہے وہ یہ کہ عید کے روز میرا بیٹا جو اس وقت ڈھائی سال کا تھا اچانک میری نظروں سے اوجھل ہوا اور باہر نکل گیا ہم سارا گھر ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئے۔تقریباً دو، تین گھنٹے ہم سارے اسے تلاش کرتے رہے۔ہم سب نے عید کے کپڑے پہنے ہوئے تھے میرا رو رو کر برا حال تھا۔آخر کار گھر سے کافی دور مسجد میں اعلان ہوا کہ فلاں کا بیٹا گم ہو گیا ہے جس کا ہو آ کر لے جائیں۔بس جب بھی عید آتی ہے ہم سارے گھر والے اس یادگار واقعہ کو ضرور یاد کرتے ہیں۔

8-چاند رات کو بازار جانا میرے خیال سے پورے ماہ کی نیکی ضائع کرنے کے مترادف ہوگا اتنا رش ہوتا ہے کہ انسان فوراً نکلنے کی کرتا ہے اس لیے چاند رات گھر گزرتی ہے۔

9-عید کی خاص تیاری میں کپڑے نفیس سلے ہوئے ہوں، گھر صاف ستھرا ہو، کچن میں نا چاہتے ہوئے بھی جانا پڑتا ہے اور سارا دن تقریباً کچن کی نذر ہو جاتا ہے۔کھانے میں پہلے سویاں بنتی ہیں پھر دہی بڑے، فروٹ چاٹ بنتی ہے۔اس کے علاوہ آئس کریم اور کوک لازمی ہوتی ہے۔

10-اپنے ریشمی لکھاریوں، ریشمی قارئین اور ریشمی آپی کو خوشیوں بھرا ٹوکرا عید کی مبارک۔مستقل سلسلے پیش کرنے والوں کو بھی عید کی ڈھیر ساری مبارک باد قبول کریں۔اللہ آپ سب کو شاد و آباد رکھے زمانے کی ہر خوشی اللہ آپ سب کی جھولی میں ڈالے آمین۔

اپنے تو ہوتے ہی خاص ہیں اور اپنوں کے لیے دل سے دعائیں ہی نکلتی ہیں بس جہاں رہیں سدا سلامت رہیں خوش رہیں اور مسکراہٹ کے پھول ہر سو بکھیرتے رہیں کبھی غم پاس نہ آئیں آپ سب ہر دم مسکرائیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صبا احمد خان، مصنفہ

1۔ ہمارا سب سے بڑا تو اللہ پاک ہیں۔ جو وہ چاہتے ہیں وہی ہوگا۔اس لیے عید والے دن دیکھا جائے گا۔

2۔یوں تو عید والے دن سب سے پہلا سلام اپنے میاں کی طرف سے ہی ملتا ہے مگر مجھے اپنی امی کو سلام کرنے اور مبارکباد دینے کی جلدی ہوتی ہے۔۔

3۔صبح کا۔۔۔ جب سورج اپنے ساتھ خوشیاں لے کر طلوع ہوتا ہے۔۔

4۔اپنے ابو کی بہت شدت سے یاد ستاتی ہے۔۔۔ میکے گزاری ہوئی ہر عید کی یاد ستاتی ہے۔

5۔میں جاتی ہوں۔۔۔ انوائیٹ کرنے۔۔۔ پھر اگلے دن امی آتی ہیں۔

6۔یا اللہ پاک جن کا ساتھ آج میرے ساتھ ہے اگلی عید پر بھی وہ ساتھ یونہی موجود رہے۔

7۔تمام عیدیں ہی یادگار ہوتی ہیں۔۔۔۔ میری ہر عید خوشیوں سے بھری گزرتی ہے۔۔۔ کبھی کبھی غم کے بادل بھی منڈلاتے ہیں مگر جلد ہی مطلع صاف ہو جاتا ہے۔

8۔عید کی چاند رات شادی سے پہلے بھی اور شادی کے بعد بھی گھر میں ہی گزرتی ہے۔۔۔۔ دوسروں کو مہندی لگا کر۔۔۔

9۔ہمارے ہاں صبح صبح زردہ بنایا جاتا ہے جو کہ مجھے بنانا نہیں آتا کچن کا کام میری ساس ہی دیکھتی ہیں۔۔۔ عید پر میں سب کو بریانی بنا کر ضرور کھلاتی ہوں۔

کپڑوں کے معاملے میں تو میں بہت چوزی ہوں بہت

تنگ کرتی ہوں اپنے میاں کو۔ مجھے چوڑیاں بہت پسند ہیں تو میاں صاحب خاص طور پر میرے لیے چوڑیاں لاتے ہیں۔ ریسیپی کوئی خاص مجھے بھی نہیں آتی۔
10۔آپ سب بہت ہمت اور لگن سے کام کر رہیں ہیں اور آئندہ بھی کرتے رہئے۔۔۔ اللہ پاک آپ سب کو کامیاب کرے۔۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عدیلہ سلیم ،مصنفہ شاعرہ کالم نگار

آن لائن میگزین ست رنگ کی مدیر اعلی

1: جاب کی مصروفیت کے باعث ابھی تک تو کوئی پلاننگ ہی نہیں کی اور عید کے روز ہی پلاننگ بنائی جاتی ہے گھومنے پھرنے کی۔
2: والدین کو۔
3: عید کا سارا دن ہی سہانا لگتا ہے۔
4: دادا، دادی، نانی، نانا کی یاد ہمیشہ آتی ہے، جو کہ اب اس دنیا میں نہیں رہے۔
5: ابھی ان میریڈ ہے۔
6: میری ایک ہی دعا ہوتی ہے کہ ہمارے سر پر ماں باپ کا سایہ سلامت رہے۔ ماں باپ کے ساتھ ہی تو عید کا مزا آتا ہے۔
دوسری دعا: ہر غریب محتاج ،ضرورت مند کو عید کی خوشیاں نصیب کرنا، آمین
7: میری ہر عید ہی یادگار ہے ،مگر سب سے زیادہ مزا بچپن کی عید کا ہوتا تھا۔
8: چاندرات گھر میں ہی گزارتے ہیں۔
9: عید کے لیے کھیر خاص طور پر بنائی جاتی ہے، عید کے دن چکن کڑاہی ، بریانی کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔ ریسیپی پھر کبھی صحیح
10: سب سے پہلے تو بشریٰ آپی ریما، ریشم شاف کو عید کی ڈھیروں مبارکباد۔ میری طرف سے لکھاریوں کے لیے یہ پیغام ہے کہ کوشش کریں کہ موجودہ حالات پر افسانے ،ناول لکھے ، تاکہ لوگ اپنے اندر تھوڑی بہت تبدیلی لے کر آئے، آج کل کے حالات میں بہت سی کہانیاں مل جاتی ہیں ،لیکن آجکل ڈائجسٹ کی دنیا میں زیادہ تر کہانیاں محبوب ،محبوبہ کو ملانے پر ہی لکھی جاتی ہے ، خدایا خوابوں کی دنیا سے باہر آئیں اور آج کل کے حالات کو موضوع بنائیں۔ میں خاص طور پر سر محمود ظفر اقبال ہاشمی کو "میں جناح کا وارث ہوں" مکمل ہونے پر مبارکباد پیش کرتی ہو۔
قارئین کے لیے میرا پیغام ہے کہ وہ ان افسانوں، ناولز کو حقیقت تسلیم نہ کیا کریں۔ میں نے کچھ قاری ایسے بھی دیکھے ہیں، جو افسانوں کی دنیا کو اپنی حقیقت کی دنیا میں تلاش کرتے ہیں اور اپنا حال اور زندگی دونوں برباد کرتے ہیں لہٰذا ایسی سوچ کو زندگی سے کوسوں دور رکھیں۔ میرے تمام ٹیچرز اور دوستوں کو عید مبارک۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ربیعہ امجد ،نارووال

1) اس عید کی خاص پلاننگ یہ ہے کہ اِس عید پہ کہیں گھومنے جانا ہے کہاں جانا ہے یہ ابھی کنفرم نہیں۔
2) عید کے دن بھی میری آنکھ حسب معمول دیر سے ہی کھلتی ہے۔ صبح اٹھ کہ سب سے پہلے میں مہندی دھوتی ہوں اور اُس کے بعد کوشش ہوتی ہے کہ امی اور ابو کو سلام کروں اور عید کی مبارک باد دوں۔
3) فجر کے بعد سورج نکلنے تک کا وقت میرا پسندیدہ ترین وقت ہے۔اس وقت ایک عجیب سا سکون ہوتا ہر طرف اور میرا دل چاہتا ہے کہ وہ وقت تھم جائے۔اُس وقت اللہ کی رحمتیں برس رہی ہوتی ہیں شاید اِسی لیے وہ وقت مجھے بہت اچھا لگتا۔
4) سب لوگ ساتھ ہوتے ہیں اِس لیے کسی کی یاد اتنی شدت سے نہیں ستاتی۔ پھر بھی میں اپنی بیسٹ فرینڈ

اقصی کو بہت مس کرتی ہوں جو اب میرے ساتھ نہیں ہے پہلے تو اُس سے بات ہو جاتی تھی مگر اب وہ بھی نہیں ہوتی اِس لئے اُس کو یاد کرتی ہوں۔

5) فی الحال تو میری شادی نہیں ہوئی اِس لئے میکے میں ہی ہوں۔عید والے دن خالہ اور ان کی فیملی آجاتی ہیں لیکن ایسا کبھی کبھار ہوتا ہے۔عید اپنے گھر والوں کے ساتھ ہی گزرتی ہے۔

6) میں چاند دیکھ کر ہمیشہ آنے والے دنوں کی خیرو عافیت کی دعا مانگتی ہوں۔تو شوال کا چاند دیکھ کر بھی دل میں یہی دعا مانگتی ہوں۔

7) اب تک کی سب عیدیں نارمل ہی گزری ہیں مگر بچپن کی ایک عید جو ننھیال میں گزری تھی وہ اب تک یاد آتی ہے اور ہر عید پر دل میں یہ خواہش شدت سے ابھرتی ہے کہ کاش ایسا موقع پھر زندگی میں آئے۔

8) چاند رات ہمیشہ گھر میں ہی گزرتی ہے۔چاند رات کو اپنی سب دوستوں کو مہندی لگاتی ہوں اور اُس کے بعد زیادہ تر ایسے ہی خود لگائے بغیر سو جاتی ہوں جس کا عید والے دن بہت افسوس ہوتا ہے کہ کاش لگا ہی لیتی۔

9) عید کی خاص تیاریوں میں جو میرے لئے اہم ہے وہ ہے شاپنگ،کوشش ہوتی ہے کہ جلد سے جلد کرلوں کوئی چیز رہ نا جائے میں ایک مہینہ پہلے ہی شاپنگ کر لیتی ہوں پھر بھی عید والے دن یاد آتا ہے کہ فلاں چیز تو رہ ہی گئی۔عید سے دو تین دن پہلے امی کو گھر کی صفائی کا کہتی ہوں مگر اُن کو کام پہ لگا کہ ہمیشہ خود وہاں سے رفو چکر ہو جاتی ہوں جس پر پھر خوب عزت افزائی ہوتی ہے۔ہمارے گھر میں ہمیشہ ایسا ہوتا ہے کہ ہم عید کے دن ہی ڈیسائیڈ کرتے ہیں کہ کیا بنانا ہے لیکن فروٹ چاٹ ایک ایسی چیز ہے جو ہر حال میں بنی ہی بنی ہوتی ہے کیونکہ اس کے بغیر میری عید ہوتی ہی نہیں اِس لئے باقی جو بنتا وہ عید والے دن سب کی مشترکہ رائے سے بنتا ہے مگر فروٹ چاٹ نا بنے ایسا ممکن ہی نہیں ہے اور میری امی فروٹ چاٹ بہت اچھی بناتی ہیں اُن کے ہاتھ کے علاوہ مجھے اور کسی کی فروٹ چاٹ پسند نہیں آتی۔

فروٹ چاٹ ریسپی

اجزاء: کیلے،سیب،انگور،امرود،شکر آدھا کپ،اورنج جوس ایک کپ،چاٹ مصالحہ حسب ذائقہ،کالی مرچ ایک چائے کا چمچ،لیمن جوس آدھا کپ،نمک حسب ذائقہ

ترکیب:

انگور کے دانے علیحدہ کرلیں اور اُن کو دھو کر رکھ لیں۔

امرود چھیل کر چھوٹے چھوٹے قتلوں میں کاٹ لیں۔سیب کو بھی چھیل کر چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ لیں۔اب کیلے کو بھی چھیل کر کاٹ لیں۔اِس میں لیمن جوس مکس کر کہ رکھ دیں۔اب ایک باؤل لیں اس میں اورنج جوس ڈال لیں ساتھ ہی نمک چاٹ مصالحہ اور کالی مرچیں مکس کرلیں اب اِس میں شکر ڈال کر اچھی طرح مکس کریں۔بعد میں کٹے ہوئے امرود سیب کیلے اور انگور وغیرہ ڈال کر اچھی طرح مکس کرلیں۔اس میں املی آلو بخارے کی چٹنی بھی شامل کی جاسکتی ہے۔مزیدار فروٹ چاٹ تیار ہے۔

10) ریشم کا ہر سلسلہ بہترین ہے۔ریشم میں زیادہ سے زیادہ مکمل ناول شامل کیا کریں پلیز۔اللہ ریشم کو مزید ترقیوں سے ہمکنار کرے۔

میں ریشم کے ذریعے اپنی دوست اقصی کے نام ایک پیغام دینا چاہوں گی۔

تم جہاں بھی رہو خوش رہو۔تمہیں زندگی میں ہر وہ چیز ملے جس کی تم تمنا کرو ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہو۔ہم ساتھ ہوں یا نا ہوں تم ہمیشہ مجھے یاد رہو گی۔تم بہت اچھی ہو اور تمہاری اس اچھائی نے تمہیں بہت نقصان بھی پہنچائے ہیں۔تمہاری معصومیت کا لوگ غلط فائدہ

اٹھاتے ہیں اچھی اتنی بنو کہ لوگ تمہاری عزت کریں خود کو اتنا مت جھکانا کہ لوگ تمہیں توڑنے کی کوشش کریں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سمبل خان بٹ

1: عید 2017 کی خاص پلاننگ یہ ہے کہ، ہم سب بہن بھائی اس بار عیدی اپنے ننھیال میں کریں گے اور خوب انجوائے کریں گے۔

2: عید کے دن ہمارے گھر میں سب سے پہلے امی جان جاگتی ہیں، تو سب سے پہلے انہی کو سلام کرتی ہوں اور عید کی مبارکباد بھی سب سے پہلے اپنی امی جان کو ہی دیتی ہوں۔

3: سچ کہوں تو عید سردیوں کی ہی مجھے پسند ہے سارا دن خوب انجوائے کرتی ہوں، لیکن کچھ سالوں سے عید موسم گرما میں آرہی ہے تو صبح اور رات کا وقت زیادہ سہانا لگتا ہے اور اچھے سے گزرتا ہے۔

4: عید کے دن ہمیں سب سے زیادہ وہی لوگ شدت سے یاد آتے ہیں جو زندگی کے اس سفر میں ہم سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ جاتے ہیں، میں اپنی دادی اماں اور نانا جان کو بہت یاد کرتی ہوں۔

5: ابھی سسرال نہیں بنا (مسکراتے ہوں)، ہاں! البتہ کبھی ہم ننھیال میں مہمان ہوتے ہیں تو کبھی وہ ہمارے مہمان بن جاتے ہیں۔

6: شوال کا چاند دیکھ کر بہت سی دعائیں یاد آجاتی ہیں، لیکن سب سے زیادہ اہم دعا میری اپنی فیملی کی خوشیوں اور ان کی صحت کے لیے ہوتی ہے جو ہر وقت لبوں پر رقصاں رہتی ہے۔ کبھی کبھی اپنے لیے اچھا ہمسفر بھی مانگ لیتی ہوں (چپکے سے) ہاہاہا۔

7: میکے میں گزرنے والی ہر عید یادگار ہی ہوتی ہے لیکن! ایک عید بہت یادگار گزری، ہوا کچھ یوں تھا کہ، میں چاند رات کو بازار سے عید کے لیے جوتے خرید کر لائی، سب کو دکھانے کے بعد شوز باکس میں نے اسٹور روم میں رکھ دیا، علی الصبح میں نہا دھو کر تیار شیار ہوئی، لالی پاؤڈر لگا کے جیسے ہی جوتے پہننے کے لیے اسٹور روم گئی تو میری چیخ نکل گئی، میرا شوز باکس چوہوں نے سارا برباد کردیا تھا، اور جب جوتا نکالا تو جوتا بھی چوہوں نے اپنے دانتوں سے آگے سے کتر دیا تھا، وہ عید میں نے سارا دن رو کر گزاری تھی۔

8: بچپن کی عید تو مارکیٹ میں مہندی لگوانے اور چوڑیاں ڈلوانے میں گزرتی تھی، لیکن اب تو بیوٹی پارلر میں ہی گزرتی ہے، رش ہونے کی وجہ سے جلدی نمبر ہی نہیں لگتا۔ ہاہاہا۔

9: عید کی تیاریاں تو مہینہ پہلے ہی شروع ہو جاتی ہیں، بازاروں کے کئی کئی چکر لگنے کے بعد جا کے تیاری مکمل ہوتی ہیں، لیکن! عین عید کے دن کوئی نہ کوئی چیز رہ ہی جاتی ہے، عید کا جوڑا، چوڑیاں، جوتے یہ سب عید سے تین چار دن پہلے ہی تیار کر لیتی ہوں، اور ویسے بھی بڑے سیانے کہتے ہیں کہ عید تو بچوں کی ہوتی ہے، یوں بھی گھر کی خواتین اپنی عید کچن میں ہی مناتی نظر آتی ہیں، عید کے دن بہت سی ڈشز بنتی ہیں، جو زیادہ تر میٹھی ہی ہوتی ہیں، مجھے کھجور کے لڈو بنانا اور کھانا بہت پسند ہے۔

اجزاء:

کھجور بنا گٹھلی کے (آدھا کلو)، کھوپرا پسا ہوا 1 کپ، پستہ حسب ضرورت، بادام حسب ضرورت، چاندی کے ورق۔

ترکیب:

کھجور کو پین میں ڈال کر ہلکی آنچ پر میلٹ کریں، یاد رہے چمچہ برابر ہلاتے رہنا تاکہ کھجور پین میں نہ لگے، میلٹ ہونے کے بعد آنچ بند کردیں۔ کھجور کو ٹھنڈا ہونے دیں، اب اس میں بادام، پستہ ڈال دیں، اور

اس کے گول گول لڈو بنا لے۔اب اسے پسے ہوئے کھوپرے میں ڈیپ کر دیں۔پلیٹ میں چاندی کے ورق پر رکھ کر پیش کریں، کھجور کے مزیدار لڈو تیار ہیں۔

10:عید الفطر پر میری ریشم ڈائجسٹ ٹیم اور لکھاریوں، قارئین اور مدیرہ و انچارج کے لیے یہی دعا ہے کہ اللہ پاک آپ کو اچھی صحت وتندرستی والی زندگی عطا کرے، آپ لوگ یونہی مل کر ادب کے لیے کام کرتے رہیں، اللہ پاک آپ کی کوششوں ومحنت کا آپ کو میٹھا اجر عطا کرے۔

نائمہ غزل، انعم ریاض (عینی) دعا ایاز، علینہ قریشی، ریما نور رضوان، عاصمہ فخری، صدف آصف، ماورا طلحہ، چاند سی لڑکی، بمیرا بٹ، مشعل بٹا اور امی ابو کو بہت بہت بہت سارا پیار، اللہ پاک آپ سب کی دلی مرادیں پوری کرے۔آمین۔

پورے پاکستان کو عید مبارک۔پاکستان زندہ باد۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

منتہا رائیں، مصنفہ

1۔ہر عید پہ یہی ہوتا ہے کہ گھر میں مہمان آجاتے ہے یا ہم کہیں چلے جاتے ہے، سو خاص پلاننگ تو کوئی نہیں ہے۔

2۔بابا جان اور فیملی کو۔

3۔صبح کا جب سب عید کی نماز ادا کرنے جاتے ہے، ہمارے گھر کی چھت سے مسجد کا منظر صاف دکھائی دیتا ہے جہاں سب نماز پڑھ رہے ہوتے ہے۔

4۔میری دادی جان کی جواب اس دنیا میں نہیں ہیں..

5۔زیادہ تر سب ہمارے گھر آتے ہے۔

6۔ اللہ پاک تیرا شکر ہے جو تو نے ہمیں عید جیسا خاص تحفہ دیا، سب کو اچھی عید نصیب کرنا آمین۔

7۔جی، 2015 کی جب چاند رات پے دوسرے شہر سے کچھ کزنز آگئی تھیں، اور میں اعتکاف سے اٹھی تھی اور مجھے کزنز کی آمد کا تحفہ ملا تھا، رات دیر تک ہم نے خوب باتیں کی، مہندی لگائی، پھر اگلے دن عید بھی خوب خوشی سے منائی، گھوم پھر کر۔

8۔ہر چاند رات گھر میں فیملی کے ساتھ۔

9۔عید کی تیاری بہت جوش سے کی جاتی ہے، میں 15 رمضان کے بعد شاپنگ کرتی ہوں اور ڈریس کی میچنگ کی ہر چیز خریدتی ہوں، کھانے تو بہت سے بنتے ہے، بریانی، شامی کباب، رول پراٹھے، میٹھے میں شاہی ٹکرے بہت پسند ہے وہ بنتے ہے اور لب شریں یا جس کا جو موڈ ہو وہی بنا لیتے ہے۔

10۔ریشم ڈائجسٹ اور پوری ٹیم کے لئے، اور ریشم ڈائجسٹ کے قارئین کے لیے دعا گو ہوں، اللہ پاک آپ سب کو صحت سے بھرپور زندگی عطا کرے، آپ سب ہمیشہ خوش وخرم زندگی گزاریں اور میری دعا ہے ہمارا ریشم ڈائجسٹ دن دگنی، رات چگنی ترقی کرے آمین..

آپ سب اچھے سے عید منایئے اور دوسروں میں بھی خوشیاں بانٹئے۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فاطمہ عبدالخالق، فیصل آباد، کالم نگار، شاعرہ اور مصنفہ

1:اس بار عید کی خاص پلاننگ نہیں میرے بی کام کے ایگزامز ہیں کیونکہ عید ہمارے پیپروں کے درمیان سینڈوچ بن چکی ہے۔

2: مجھے بچوں سے بہت پیار ہے مجھے یہی ہوتا ہے کہ ڈھیر سارے بچے ہمارے گھر آجائیں اور میں انہیں عیدی دوں۔

3:اب تو عیدیں سو کر گزرتی ہیں یا کام کام اور کام کرتے ہوئے، بچپن کی عیدوں کے سارے دن ہی

سہانے تھے۔

4: مجھے میرے والد محترم (مرحوم) کی شدت سے یاد آتی ہے۔

5: ابھی تو ہم کنوارا پارٹی میں شامل ہیں اس لئے میکے اور سسرال کا ابھی کوئی چکر نہیں... چار پانچ سال پہلے تک جب خاندان کے بزرگ حضرات حیات تھے تو سبھی ہمارے ہاں اکٹھے ہوتے تھے صبح صبح سے شام تک سارا خاندان ہمارے گھر جمع رہتا تھا، ان عیدوں کا اپنا ہی ایک الگ رنگ تھا اب وہ بات نہیں رہی۔

6: سچ تو یہ ہے کہ کبھی چاند دیکھ کر دعا نہیں مانگی۔

7: بچپن کی ساری عیدیں ہی یادگار تھیں۔

8: ہم چاندرات کبھی باہر نہیں گزارتے ہمیشہ گھر میں ہی لطف اندوز ہوتے ہیں شاپنگ رمضان کے پہلے عشرے میں ہی مکمل کر لی جاتی ہے۔

9: عید ایک خاص دن ہے اس لیے تیاریاں بھی خاص ہوتی ہیں کھانے میں کوئی ایک ڈش نہیں بنتی کیونکہ عید کے دن خاصا اہتمام کیا جاتا ہے۔

10 میرا پیغام یہی ہے کہ ریشم ڈائجسٹ جیسا معیاری رسالہ عروج کا سفر طے کرے اور بشریٰ مسرور آپا اور تمام مصنفین اور قارئین کو دل کی گہرائیوں سے عید سعید مبارک

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ڈاکٹر صبا خان، شاعرہ مصنفہ

1، کوئی خاص نہیں بس فیملی کے ساتھ ناران جانے کا پلان ہے۔

2، ہمیشہ سے اپنے امی ابو کو جواب ممکن نہیں رہا۔

3، صبح سے عید کی نماز تک، باقی دن روٹین کی طرح لگتا ہے۔

4۔ اپنے والدین کی۔

5۔ بھائی کے گھر جاتی ہوں۔

6، یہ سال امن سے گزرے، خصوصاً ملک کے لیے۔

7۔ ساری عیدیں ایک ہی جیسی ہوتی ہیں۔

8۔ اکثر شاپنگ میں گزرتی ہے۔

9۔ بچوں کی شاپنگ مکمل ہو جائے تو ریلیکس ہو جاتی ہوں، چونکہ عید کے لیے گاؤں جاتی ہوں تو اگلا مشکل مرحلہ پیکنگ کا ہوتا ہے، ڈشز میں زیادہ تر بریانی، سویاں، اور میٹھے چاول بنتے ہیں۔

10۔ ریشم کی تمام سٹاف، لکھاریوں اور قارئین کو میری طرف سے دلی عید مبارک، اللہ آپ کو مزید کامیابیاں عطا کرے، اور ایسی ہزاروں عیدیں دیکھنا نصیب ہو، انشاء اللہ بہت جلد ریشم کے لیے ناول لکھوں گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رخ یعقوب

1۔ ابھی تک تو یہی پلاننگ ہے کہ عید سسرال پڑھ کر اور کھا پی کر، انتظامات دیکھ کر۔ بعد میں سہ پہر کے وقت ان شاء اللہ میکے کی طرف روانہ ہو جاؤں گی۔

2۔ امی جان اور ابو جی کو۔

3۔ صبح کا۔ جب سب نماز پڑھنے جاتے۔ آ کر سب عید ملتے۔ سویاں کھاتے۔ رونق سی ہو جاتی ہے صبح صبح۔

4۔ کسی کی بھی نہیں۔ میرے تمام چاہنے والے میرے ساتھ ہوتے ہیں۔ الحمد اللہ

5۔ زیادہ تر ہمارے گھر آتے۔ چونکہ یہ سسرال میں میری پہلی عید ہو گی تو دیکھئے اس بار کیا حالات ہوتے۔

6۔ میری ہمیشہ ہی یہی دعا ہوتی ہے کہ جس جس نے مجھے جس بھی دعا کا کہا ہے اور میری تمام جائز دعائیں خواہشات اللہ پاک قبول فرمائیں۔

7۔ میری ہر عید ہی یادگار ہوتی ہے کیونکہ پہلے دن میری دوستیں آ جاتیں۔ اور شام کو ہم نزدیکی رشتہ داروں کے گھر چلے جاتے اور دوسرے دن رشتہ دار آ جاتے جو دو دن رہتے اور عید کا مزہ دوبالا کر دیتے۔

8۔آج تک صرف ایک چاند رات پر باہر گھومنے گئے تھے اس کے بعد توبہ کرلی۔ بے انتہا رش کی وجہ سے۔
9۔چونکہ یہ میری شادی کے بعد پہلی عید ہے اس لیے کپڑے تو اس بار سسرال اور میکے سے ہی ہوں گے۔وہ میں نہیں خرید رہی مطلب کہ اس بار کچھ خاص شاپنگ نہیں کررہی میں۔
عید کے دن کھانا گھر ہی میں بنتا ہے مٹن کڑاہی۔ امی کے ہاتھ کا بنا لذیذ اور صبح کے وقت سویاں بنائی اور کھائی جاتیں ہیں۔
10۔ میری خواہش اور دعا یہی ہے کہ خوش رہیے اور خوش رکھئے۔ زندگی جیسی نعمت کو اپنی چاہنے والوں کے لئے زندہ دلی سے جی کر گزاریئے۔
ریشم ڈائجسٹ کے لئے بس یہی کہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔ اللہ آپ کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے آمین۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زینب ملک ندیم

افسانہ نگار، کالم نگار، گوجرانوالہ

1: عید کے لیے مہندی سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے اس کے بغیر تو عید ادھوری ہے پھر پیارا سا سوٹ اس کی میچنگ باقی چیزیں میری عید کی پلاننگ بس ان چیزوں سے مل کر بنتی ہے۔
2: پہلے پہل تو پاپا جان سے سب سے پہلے عید مل کر بے حد خوشی ہوتی تھی لیکن اب بس مما ساتھ ہوں اور انہیں گلے لگا کر مبارکباد دینے کی خواہش ہوتی ہے بس۔
3: وہ پہر جب عید کی نماز ہوتی ہے۔
4: پاپا جان کی یاد آنکھوں میں آنسوؤں کی روانی لے آتی ہے ان کی کمی بے حد ستاتی ہے۔
5: نہیں پورا دن تقریباً صرف گھر پر گزرتا ہے۔
6: اللہ جی ایسی خوشیاں ہر سال نصیب کرے آمین۔
7: 2016ء کی عید جو پاپا کے ساتھ تھی وہ سب سے یادگار عید تھی۔
8: گھر پر گھر کی صفائیوں میں کپڑوں کی تیاری میں۔
9: عید پر سب سے پہلے بمشکل اٹھنا پڑتا ہے (ہاہاہا) پھر نہا کے کپڑے پہن کر جلدی جلدی تیار ہونا اور پیچھے سے پاپا کی آواز آتی تھی جلدی کرو نماز کا ٹائم گزر جاتا ہے۔۔۔۔۔۔اس آواز کو بہت یاد کرتی ہوں بہت زیادہ۔۔۔اب تسلی سے مریل دل سے تیار ہوتے ہیں اور پر سکون نماز کی ادائیگی کے بعد گھر۔سب سے عید ملنے کے بعد مما گرم گرم سویاں تیار کرتی ہوں جو ہمیشہ سے میری پسندیدہ ہیں۔
10: مجھے اس ادارے سے بہت عزت اور پیار ملا بشریٰ آپی کا لہجہ، ریما آپی کا پیار ہمیشہ سے بہت خوبصورت رہا ہے اللہ جی سے دعا ہے کہ وہ ریشم ڈائجسٹ کو بہت کامیابیاں عطا فرمائے اور یہ ہمیشہ جگمگاتا رہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بحیرہ نیلم، گجرات

1-بلاشبہ عید کا تہوار خوشیوں سے بھرپور ہوتا ہے۔ رمضان کریم کے بابرکت ماہ کے بعد عید کا دن ڈھیروں خوشیاں لے کر آتا ہے۔میری اگرچہ کچھ خاص تیاری نہیں ہوتی لیکن سادہ سا ڈریس میں خود تیار کرتی ہوں اور سب گھر والوں کے لیے بھی ڈیزائن کرتی ہوں۔
2-میری خواہش ہوتی ہے کہ عید کے دن صبح صبح اپنی امی جان کو سلام کروں اور اپنی بہنوں کو عید وش کروں۔
3-عید کا دن گہما گہمی سے بھرپور ہوتا ہے لیکن صرف بچوں اور مرد حضرات کے لیے کیونکہ خواتین کا تو سارا دن کچن میں اور کاموں میں ہی گزرتا ہوتا ہے لیکن میں چونکہ سب سے چھوٹی ہوں لہٰذا اس طرف سے تو بچت

ہو جاتی ہے عید کے دن میرا سب سے پسندیدہ کام سب کی ڈریسنگ دیکھنا ہوتا ہے لہٰذا گلی کے تمام بچے آ کر مجھے اپنی اپنی ڈریسنگ دکھا کر جاتے ہیں اور مجھ سے تیار ہو کر جاتے ہیں اور ہیر سٹائل بنوا کر جاتی ہیں (ہم مہ بدولت بیوٹیشن جو ہوئے) لیکن عید کے دن کا سب سے خوشگوار پہر 5 بجے کے بعد کا ہوتا ہے دن بھر کی گہما گہمی کے بعد پرسکون پل میسر آتے ہیں۔

4- عموماً ایسا ہوتا ہے کہ خوشی کے پل میں سبھی پاس ہوں پھر بھی کوئی نہ کوئی کمی ضرور محسوس ہوتی ہے بعد ازاں ہمیں خود بھی ادراک نہیں ہو پاتا کہ ایسا کیوں خاص طور پر ان مواقعوں پر روٹھے لوگ شدت سے یاد آتے ہیں عید سعید کے موقع پر مجھے اپنے والد صاحبؒ کی یاد بہت ستاتی ہے ان کی کمی محسوس ہوتی ہے جو کہ اس دنیا میں نہیں ہیں لیکن میرا ان کو یاد کرنے کا طریقہ دوسروں سے تھوڑا مختلف ہے میں ان کو یاد کر کے روتی نہیں بلکہ مسکرا دیتی ہوں اور کچھ پڑھ کر ان کو بھیج دیتی ہوں۔

5- ابھی تک تو ہم کنواری مخلوق ہیں لہٰذا سسرال اور میکے جیسی نعمتوں سے محروم ہیں (ہاہاہا) عید کے دن زیادہ تر دوستیں اور رشتہ دار آ جاتے ہیں یا میری دوست اور کزن عظمیٰ مجھ سے ملنے آ جاتی ہے پیاری عظمیٰ مس یو ہم عید، کے روز کم ہی کسی کے گھر جاتے ہیں۔

6- عید کا چاند براہ راست کم ہی دیکھ پاتی ہوں لیکن جب بھی دیکھوں لب پر دعا ٹھہر جاتی ہے کہ خدا کرے یہ عید سب کے لیے خوشیوں کی سوغات لائے اور کسی اپنے کو کسی اپنے سے جدا نہ کرے بلکہ اپنوں کو ملا دے روٹھوں کو منا دے۔

7- الحمدللہ اب تک زندگی کی تمام چاند راتیں گھر میں ہی گزاری ہیں کیونکہ ہمارے ہاں چاند رات کو بازار میں جانے کا رواج نہیں چاند رات کو سب چھوٹے بڑے مہندی لگوانے کے لیے مہ بدولت کے پاس تشریف فرما ہو جاتے ہیں اور 12 بجے تک یہی سلسلہ جاری رہتا ہے اور اسی لیے ہر بار میری ہتھیلیاں مہندی سے خالی رہ جاتی ہیں۔ کبھی کبھی بہت شدت سے خواہش ہوتی ہے کہ میں بھی چاند رات کو مارکیٹ جا کر شاپنگ کروں لیکن ۔۔۔امید پر دنیا قائم ہے (سمجھ تو گئے ہوں گے سیانے تو بہت ہیں آپ ہاہاہا)

9- عید کی تیاریوں میں گھر والوں کی شاپنگ پوری کروانا گھر کی خصوصی صفائی کرنا شامل ہے خصوصی پکوان میں کھیر اور چاٹ بنائی جاتی ہے اور بعد ازاں میرا پسندیدہ گاجر کا حلوہ

10- آخر میں ریشم کی پوری ٹیم کو سلام اور ڈھیر ساری دعائیں خاص طور پر آپی بشریٰ مسرور آپی ریما نور رضوان اور آپی طیبہ عنصر کے لیے خصوصی دعائیں تمام مصنفات اور قارئین کے لیے نیک تمنائیں میں اپنی امی جان کے لیے کچھ کہنا چاہوں گی کہ میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں اور میرے دل میں آپ کے لیے بے پناہ عزت ہے آپ نے جو کچھ میرے لیے کیا میں زندگی بھر آپ کی محبتوں کا یہ احسان نہیں چکا سکتی آپ دنیا کی سب سے عظیم ماں ہیں اور اللہ کی طرف سے میرے لیے ایک نایاب تحفہ ہیں اور کبھی کبھار تنگ کرتی اپنی اس نالائق بیٹی کو معاف کر دیجئے اللہ آپ کی محبت اور شفقت کا سایہ سدا ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے۔ (آمین)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فرح بھٹو، شاعرہ، مصنفہ، حیدرآباد

1- عید کی بس یہی پلاننگ ہے کہ اس کو اچھے طریقے سے منانا ہے۔

2- عید کی صبح خیر سے شوہر کو دیکھ کر ہوتی ہے تو انہی کو سلام کر کے عید کی مبارکباد دیتی ہوں۔

3- عید کا پورا دن ہی خوبصورت ہوتا ہے۔ ہاں جب تیار ہو کر اپنوں سے ملنا ہوتا ہے تو خوبصورت وہی پہر ہوتا

ہے۔
4۔عید کے دن، بچپن میں گزری معصوم اور پر رونق عیدیں یاد آتی ہیں۔
5۔میں امی سے عید ملنے جاتی ہوں اور یہی ملاقات میرے لیے مسرت کا باعث ہوتی ہے۔باقی احباب کا آنا جانا تو لگا رہتا ہے۔
6۔اے اللہ اس ماہ اور اس سال کو ہمارے لئے خیر و عافیت والا بنا آمین۔
7۔میرا بیٹا شب قدر کی رات کو پیدا ہوا تھا تو تین دن بعد والی عید بہت یادگار اور خوشگوار محسوس ہوئی الحمدللہ۔
8۔کبھی شاپنگ پر چلے جاتے ہیں کبھی گھر پر بھی چاند رات گزارتے ہیں۔
9۔عید کی ساری تیاری ہی خاص ہوتی ہے۔روایتی کھانے بنتے ہیں اور پہننے اوڑھنے کا بھی خاص خیال کرتی ہوں۔نیز گھر اور کچن کی صفائی تفصیلی طور پر ماہ صیام سے پہلے ہی ہو جاتی ہے۔
10۔ریشم ایک عمدہ ڈائجسٹ ہے۔مدیرِ اعلیٰ بشریٰ آپی بہت اچھے اخلاق کی تعاون کرنے والی آپی ہیں۔وہ اور ان کا تمام شاف بہت محنت سے ریشم ڈائجسٹ کو سنوار کر ہم تک پہنچاتا ہے۔اللہ ان کو دن دگنی ترقی عطا فرمائے آمین۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صبا جرال بحرین (منامہ)

1۔اس عید پر پلاننگ یہی تھی کہ چونکہ نیہ سسرال میں پہلی عید ہے تو اسے اچھے سے سیلبریٹ کریں گے عید کی شام کو ساری فیملی آؤٹنگ پر عرین پارک اور مارینا ساحل پر جائیں گے۔
2۔سب سے پہلے امی کو ہی عید ملتے ہیں ان سے ڈھیروں دعائیں لیتے ہیں اور یہی خواہش ہوتی ہے کہ ان سے دعاؤں کے ساتھ عید کی صبح کا آغاز ہو۔

3۔شام کا پہر کیونکہ دن تو بہت مصروف ہوتا ہے شام کو ریلیکس ہوتے ہیں۔
4۔ابو جی کی یاد بہت آتی ہے ان کے ساتھ گزاری عیدیں یاد آتی ہیں۔
5۔کہیں بھی نہیں جاتے بلکہ سب ہمارے گھر آتے۔اب انشاءاللہ سسرال سے میکے جاؤں گی۔
6۔سب کی سلامتی اور خوشیوں کی دعا اور کاش کہ وہ دن آجائیں جب بابا ساتھ ہوتے تھے۔
7۔ساری عیدیں ایک جیسی ہی ہوتی ہیں مگر 2010ء کی عید یادگار رہی کیونکہ پاکستان میں منائی تھی۔
8۔گھر پر کچن میں۔
9۔عید کی ساری تیاری امی آپی اور بھابی کے ذمے ہوتی میں تو اس معاملے میں کوری ہوں۔عید پر کبھی کوئی ڈش نہیں بنائی میں نے کیونکہ کھانا پکانا آتا ہی نہیں۔
10۔میرا پیغام تمام دوستوں کے لیے کہ عید کی خوشیوں میں اپنے ساتھ مستحق لوگوں کو بھی شامل رکھیں کسی کے چہرے پر بھی مسکراہٹ بکھیرنا بھی صدقہ ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کبریٰ نوید، لاہور

1۔خاص پلاننگ تو نہیں کہہ سکتے گھر کے ایک ایک حصے کی صفائی کھانے پینے کے تمام تر سامان کا بندوبست کر کے رکھتی ہوں کپڑے تیار کر کے ہینگ کر دیتی ہوں۔
2۔امی کو فون کر کے کہتی ہوں جو دل کے قریب ہوں ان کو عید مبارک کہنا بہت اچھا لگتا ہے ... اب ڈیڈی (سسر) کو کہتی ہوں کیوں کہ سب سے زیادہ عیدی بھی وہی دیتے ہیں۔ہاہاہاہا
3۔صبح صبح کا اذانوں کے فوراً بعد کا وقت جب قبرستان سے ہو کر عید کی نماز کے بعد جب مرد حضرات گھر آتے ہیں وہ پہر بہت خوش گوار ہوتا ہے۔
4۔امی کی آتی ہے پلس کچھ ایسے دوستوں کی جو بہت

دور ہوتے ہیں....

5۔ شادی کے بعد کوئی عید بھی میکے میں نہیں کی نا عید پے جا سکتی ہوں کیوں کہ میکہ بہت دور ہے... ہاں باہر ڈنر پر ضرور جاتی ہوں۔

6۔ یہی کے یہ چاند سب کے لیے خیر اور برکت لے کر آئے... سب کے لیے مبارک ہو۔

7۔ دو سال پہلے کی عید جب ہم اذانوں کے بعد کہیں گئے صبح صبح اور کالے سیاہ بادل آ گئے۔ تیز بارش شروع ہو گئی سخت گرمی کے باوجود وہ عید بہت ٹھنڈی تھی۔

8۔ چاند رات کو باہر جانا میں سخت برا سمجھتی ہوں اور کبھی بھی نہیں گئی گھر میں رہ کر انجوائے کرتی ہوں۔

9 ۔بہت سلیاؤ جیولری لیتی ہوں۔۔ مجھے چوڑیوں مہندی سے زیادہ اگاؤ ویسے بھی نہیں۔

کپڑے بھی زیادہ شوخ نہیں بنواتی موسم کے حساب سے ہلکا سا سوٹ، کھانے پینے کا بہت خاص اہتمام کرنا ہوتا ہے۔ کھیر، قورمہ، بریانی، فرائیڈ چکن یہ ڈشز تو ضرور بنتی ہیں۔

میٹھے میں بننے والی ہلکی پھلکی ڈش جو میری فیورٹ ہے وہ بتاتی ہوں۔ کوئی بھی میٹھے نرم 4 قسم کے پھل کاٹ لیں۔ کریم کو تھوڑی چینی اور 2 چمچ لال شربت ڈال کر مکس کریں۔ اس میں پھل مکس کریں۔ شیشے کے چھوٹے گلاسوں میں ڈالیں۔ اوپر جیلی اور بسکٹس سے گارنش کر کے فریزر میں رکھیں۔ خوب ٹھنڈا کر کے سرو کریں۔۔۔

10. ریما نور رضوان ریشم کی جان ہے بہت سا پیار اور دعائیں اس پیاری لڑکی کے لیے جو بہت محنت اور خوبصورتی سے ریشم کو آگے لے کر جا رہی ہے اس کے علاوہ پوری ٹیم کو عید مبارک۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہاجرہ عمران خان، لاہور

☆عید کا دن ملن کا دن ہے۔ جی ہاں میکے بھی جاتے ہیں اور سسرال بھی پھر انہیں گھر پر بھی انوائٹ کرتے ہیں۔۔۔ چار پانچ روز خوب آنا جانا لگا رہتا ہے ماشاء اللہ

☆اللہ تعالیٰ نے جو دو پریاں دے رکھی ہیں انہوں نے عید پر سب سے ملنا ہوتا ہے۔۔۔ سب کو گھر بلانا ہوتا ہے ورنہ ان کو عید کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔

☆شوال کا چاند دیکھ کر لبوں پر یہ دعا ٹھہر سی جاتی ہے۔۔۔ روئے زمین پر ایک بھی انسان بھوک، تکلیف افلاس کا شکار نہ ہو، خدا کرے میرے وطن پر اترے وہ فصل گل جسے اندیشہ زوال نہ ہو، کسی کی آنکھ نم نہ ہو کوئی دل پر ملال نہ ہو۔ مشکلیں ڈھونڈتی پھریں انسان اور ان کی بصارت کھو جائے۔ غم منہ چھپائے پھریں۔ کسی پر بھی حیات تنگ نہ ہو۔

☆ ماضی کا قصہ بن جانے والی ہر عید کا کوئی نہ کوئی ایسا حصہ یاد ماضی بن چکا ہے جہاں خوشیوں کا پہرا تھا جہاں غم کے لیے راستہ تنگ تھا۔ جن لمحوں میں اپنوں کے ساتھ کی خوشبو بھری تھی۔ ہر عید پر ماں کی آنکھوں کی نمی، بابا کا اداسیوں سے تحریر خاموش چہرہ (میرا سرمایہ ہے)، باجی کے آنسو، بہن بھائیوں سے دوری کے عذاب، بچپن کی عیدوں کے خوشیوں بھرے، بچھڑے لمحے، سہیلیوں کے سنگ عید کارڈوں کے تبادلے، چوڑیوں کے تحائف، وہ مستقبل کے اندیشوں میں ڈوبے قہقہے مجھے یاد ہے سب ذرا ذرا۔۔۔ تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو۔

☆ چاند رات پر نہ نہ کرتے بھی باہر کا چکر لگانا پڑتا ہے۔ کیونکہ سوال ہوتا ہے چوڑیوں اور مہندی کا۔۔۔ جس کے بغیر عید ادھوری ہے۔ اس کے لیے پارلر کا رخ کرنا پڑتا ہے۔ گاڑی میں بیٹھ کر دور دور سے رش کے نظارے کرتے ہیں۔ کبھی موڈ ہو تو کچھ کھا پی لیتے ہیں (خاص کر کے بچے) ورنہ گھر پر ہی کھانا کھایا جاتا ہے۔

☆ ہم تو یہ ہی کہیں گے کہ ہم بہت سگھڑ ہیں (ماں سے چھپ کر کیونکہ امی کہیں نہ کہیں غلطی پکڑ لیتی ہیں) وقت

کی نبض پر ہاتھ رکھ کر چلنے والا انسان کبھی ہارتا نہیں۔اس لیے اگر زندگی میں کامیاب ہونا ہے تو اس فن سے آشنائی بے حد ضروری ہے۔یہی طریقہ کار اپنا لائف سٹائل ہے۔عید کی تیاری عید کے آنے سے ایک دو مہینہ پہلے ہی شروع کر دیتے ہیں۔کیونکہ عید گرمیوں کی ہے۔۔۔گرمیوں کے کپڑے تو بننے ہی ہیں تو کیوں نہ شاپنگ شروع کر دی جائے یہی سوچ کر پہلے پہل ہی کپڑے خرید کر درزی کے ہاں پہنچا دیتے ہیں۔اس طرح رمضان سے پہلے ہی ایک مشکل مرحلہ طے پا جاتا ہے۔خان جی اور بچوں کے کپڑے جو ریڈی میڈ لینے ہوں وہ بھی رمضان سے پہلے ہی دیکھ بھال کر خرید لیتے ہیں کیونکہ رمضان میں ان کاموں کو کرنے کی نہ ہمت ہوتی ہے اور نہ ہی فائدہ۔ایک تو بازاروں میں رش اوپر سے چیزوں کی کوالٹی سخت ناقص کر دی جاتی ہے۔کوالٹی پر کمپرومائز نہیں ہو سکتا اس لیے جوتے کپڑے پہلے سے ہی تیار کر لیتے ہیں۔

کچھ لوگ تنخواہ دار ہوتے ہیں وہ سوچتے ہیں کہ جب تنخواہ ملے گی تو ہی ہم کچھ خرید سکیں گے۔ایک تنخواہ میں پورے گھر کی شاپنگ ویسے بھی ممکن نہیں۔اس کے لیے تو سالانہ بچت اور کمیٹیوں وغیرہ پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے اس لیے تھوڑی تھوڑی بچت کے اصول اپنا کر سالانہ شاپنگ عید اور رمضان سے پہلے ہی کر لینی چاہیے۔

میں تو کہوں گی۔۔۔کچن کو کبھی گندا ہونے ہی نہ دیں سارا سال ہر طرح سے اس کی صفائی کا اہتمام کریں۔موسم بدلنے پر، گھر میں کسی تقریب کے موقع پر۔۔۔خاص کر کے رمضان کی آمد کے ساتھ ہی اس کی صفائی ستھرائی کا خاص اہتمام کر لیں۔آپ رمضان میں جو بھی ڈشز بنانا چاہتی ہیں اس حساب سے اشیاء خورد و نوش کی خریداری شروع کر دیں۔اس طرح ایک دم سے سب کچھ کرنا مشکل نہیں لگے گا

عید پر سب کچھ خاص اور اسپیشل بنتا ہے۔۔۔قورمہ، بریانی، کریم چاٹ اور چائنیز ڈشز اور فرائیڈ چکن۔

فرائیڈ چکن کی مختصر سی ریسپی شیئر کر رہی ہوں۔چکن پیس کو کٹ لگا کر اس کو حسب ذائقہ مصالحے لگانے ہیں۔نمک، لال مرچ، کٹی لال مرچ، کالی مرچ، لیموں، آئل تھوڑا سا پھر اس کو رات بھر فریزر میں قید کر دینا ہے۔عید کی صبح اس مصالحے دار چکن کو ہلکی آنچ پر رکھ کر سٹیم پر پکنے کے لیے تیار رکھ دیں۔جب چکن کا پانی خشک ہو جائے اسی آئل میں فرائی کر لیں۔گولڈن فرائی کرنا ہے۔مزیدار فرائیڈ چکن تیار ہے۔

☆عید الفطر کے پرمسرت موقع پر ریشم لکھاری، ریشم قاری، ریشم اسٹاف، مدیر اعلیٰ بشریٰ آپی ریشم کے مستقل سلسلوں کو ترتیب دینے والوں کے نام بہت خاص پیغام ہے کہ خدا آپ کو یہ عید اور آنے والی تمام عیدیں بہت بہت مبارک کرے، اللہ کرے کہ آپ کی زندگیاں خوشیوں اور چاہتوں سے بھری رہیں اور دکھ کا کوئی لمحہ آپ کی زندگی میں نہ آئے۔

امی ابو کے لیے پیغام ہے کہ اللہ کرے ہم تمام عمر آپ کے سنگ عیدیں منائیں۔اللہ پاک آپ کا سایہ ہمارے سروں پر ہمیشہ سلامت رکھے۔آمین

خان جی سے کہنا ہے۔۔۔زندگی جینا آپ کے سنگ سیکھا ہے، اس کے سادے مطلب و مفہوم آپ نے سکھائے ہیں۔جیون کے اس سفر میں میرے سنگ سنگ ہی رہنا اپنی محبتوں کی چھاؤں میں رکھنا۔عید کی خوشیوں میں اپنے اردگرد لوگوں کا بھی خیال رکھیے، ایسے سفید پوش لوگوں کا جو کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے، ایسے لوگ جو آزمائش کا شکار ہیں، جو بیمار ہیں، مالی مشکلات کا شکار ہیں، کیونکہ عید درد بانٹنے کا نام ہے۔۔۔خوشیاں بانٹیں نہ بانٹیں درد ضرور بانٹیں۔اللہ نے بندے کا بندے پر بہت حق رکھا ہے اور اللہ بھی اس سے محبت کرتا ہے جو اس کے بندوں سے پیار کرتا ہے۔بہت شکریہ۔دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆